Lat
Raahi

دیوانجی

حصہ اول
غزلیات

حصہ دوم
اشعار متفرقہ

حصہ سوم
منظومات

یعنی

کلیات سلطان الظرفا جناب سید مقبول حسین صاحب مرحوم ظریف لکھنوی

حسب الحکم

عالیجناب راجہ محمد امیر احمد خاں صاحب بالقابہ
والی ریاست عالیہ محمود آباد

مرتبہ

لسان القوم جناب مولانا سید علی نقی صاحب صفی لکھنوی مدظلہ

باضافہ حواشی
بتحفظ جملہ حقوق

باہتمام بادشاہ مرزا آثم پرنٹر الواعظ صفدر پریس کیننگ اسٹریٹ لکھنؤ میں چھپا

قیمت ... علاوہ ...

سنہ ۱۹۳۹ء

پہلا اڈیشن ایک ہزار جلد

اعلان

کوئی صاحب کلام ظریف یا اُس کے کسی حصّے کی بعینہ یا بتحریف طبع واشاعت سے بحقوق محفوظ پر دست اندازی نہ فرمائیں، ورنہ اُن کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جائے گی، جتنے نسخے مطلوب ہوں" امیریہ دارالتصنیف والتالیف محمود آباد ہاؤس قیصر باغ لکھنؤ سے خریدے جا سکتے ہیں۔

جس کتاب پر امیریہ دارالتصنیف والتالیف کی مہر نہ ہو وہ مال ناجائز سمجھا جائے گا۔

فہرست اجزائے دیوانچی

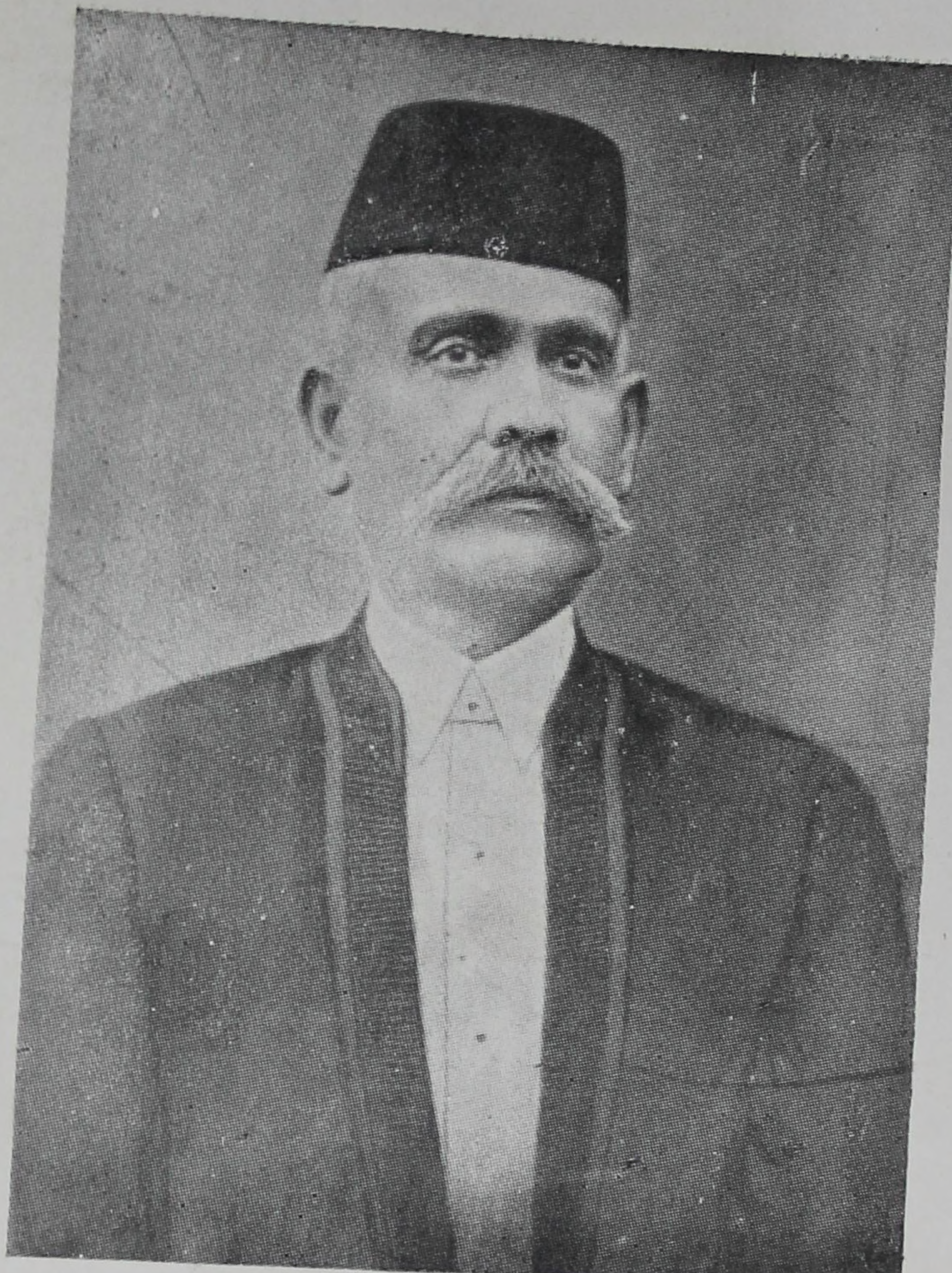
یعنی

کلیات سلطان الظرفا سید مقبول حسین صاحب مرحوم ظریف لکھنوی

فہرست اجزائے دیوانچی

یعنی

کلیاتِ سلطان الظرفا سید مقبول حسین صاحب مرحوم ظریفؔ لکھنوی



سلطان الظرفا مولانا ظریف لکھنؤی مرحوم

ترا چنانکہ توئی ہر کسے کجا داند   بقدر طاقت خود می کنند ادراک

ہدیۂ سپاس

بہ شرف نظر

صدر نشین بزم سخن دانی و شاہنشاہ اقلیم نکات آفرینی۔ ژرف نگہ پایۂ بلند و بالغ نظر دقیقہ پسند واقف رموز انفس و آفاق پردہ کشائے غوامض اسرار معانی و حقیقت شناس رموز شیوا بیانی۔ مظہر شانِ حسن فطرت و معنیِ لفظِ آدمیت جناب قبلہ سید ظریف لکھنوی۔ زاد مجدہ العالی۔

ادب نواز! یوں تو حیات انسانی تصویر ہے چند بے کیف اور بے رنگ نقوش کی لیکن بخت و نصیبہ کی مساعدت سے اس میں چند ساعتیں ایسی بھی آجاتی ہیں جن کی یاد بقیۃ العمر کے لئے سامان ہزار سرور و نشاط پیدا کر دیتی ہے ہمارے بخت کی رسائی تھی کہ آپ نے ہماری حقیر استدعا کو شرف قبولیت بخشا اور بکمال کرم گستری و ذرہ نوازی لکھنؤ سے شملہ تک صعوبت انگیز سفر طے فرما کر ہمارے تاریک اور بے رونق کاشانے کو مطلع انوار بنایا گذشتہ ہفتہ فضائے شملہ جس کیف و مستی اور جس کیفیت و وجدانیت کی بارشوں سے گہر بداماں رہی ہے۔ "دل من داند و من دانم و داند دل من" یہی وہ چند نایاب ساعتیں ہیں جن کی یاد نور و نکہت کی خاموش داستان بنکر ہمارے دل و دماغ کی خلوت گاہوں میں ضیا پاش و عطر بیز رہے گی۔

شعر و شاعری کو ہم اب تک محض ذہنی تعیش کا سامان سمجھتے رہے اور حقیقت یہ ہے کہ جس قسم کی شاعری عام طور پر ہمارے سامنے آتی ہے اُسے زیادہ اور سمجھا بھی کیا جائے لیکن آپ نے صنف سخن سے ہمارے قلوب کو آشنا کرایا اس سے ہم پر فطرت کا یہ راز سربستہ کُھل گیا کہ شاعری تنقید حیات ہے۔ اور

جسطرح زندگی کے حدود غیر معیّن ہیں اسی طرح شاعری کے موضوعات بھی غیر محدود ہیں طنزیہ شاعری ہمارے ہاں ایک جنس رکیک و مبتذل ہو کر رہ گئی ہے۔ اور اِسے عام طور پر حریف متانت و ثقاہت کہا جاتا ہے لیکن اقلیم سخن کی خوش بختی ہے۔ کہ آپنے اپنے نئے اسلوب و انداز سے اس مقبوح کثافت کو حسین لطافت میں اس طرح بدل دیا کہ خود شاعری کے لئے یہ امر موجب ہزار افتخار و مُباہات ہوگیا۔ ؎

مانہ بودیم بدیں مرتبہ راضی غالبؔ　　شعر خود خواہش آں کرد کہ گردد فن ما

شاعری کے اس جدید قصر رنگین کی تاسیس و تعمیر آپ کی جگر کاوی و ژرف نگاہی کی رہین کرم ہے اور یہ وہ احسانِ عظیم ہے جس کی گرانباری سے ادبیات اُردو کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے۔

عالیجاہ! ہمارے قلوب کی انتہائی گہرائیوں میں تشکر و تحسین کے جذبات کا جو بے پناہ سیلاب موجزن ہے۔ ہم کسی طرح بھی اس کا اظہار الفاظ و نقوش میں نہیں کر سکتے۔ اپنے اس اعترافِ عجز میں ہمارے لئے صرف یہ امر موجب طمانیت ہے کہ آپ کی نگۂ دوررس ہزار پردوں میں چھپی ہوئی حقیقت کو بھی بے نقاب دیکھ سکتی ہے۔

عظمت مآب! ہم بے حد نادم و منفعل ہیں کہ ہم آپکے مرتبۂ بلند کے شایان آپ کی راحت و آسائش کا سامان بہم نہیں پہونچا سکے۔ لیکن اس ندامت و انفعال کی مدافعت میں ہم سوائے اس کے اور کیا عرض کر سکتے ہیں کہ ہمارے دیدۂ و دل ہمیشہ آپکے لئے فرش راہ ہیں۔ اور ہم تہی دامن اس سے زیادہ کوئی متاع رکھتے بھی نہیں۔ کہ ایک مور بے مایہ اور سلیمان میں آخر کیا نسبت!

بے حد ناسپاسی ہوگی اگر ہم قرّۂ باصرۂ دولت و اقبال۔ غرّہ ناصیۂ عظمت و جلال۔ دُرّۃ التّاج فرّخی و فیروزمندی۔ واسطۃ العقدِ معدلت گستری و حق پسندی۔ واقف مواقفِ معارف و معانی سالکِ مسالک دور بینی و کاردانی نقادۂ افاضل انام۔ سلالۂ اکابر کرام حضور والی عثمانؔ آباد ایدہ اللہ دولتہٗ و مملکتہٗ کی بارگاہ سطوت و جلال میں ہدیۂ تشکر و امتنان پیش نہ کریں کہ جنھوں نے

بکمال ذرہ نوازی ہماری استدعا کو شرف پذیرائی عطا فرمایا۔ اور اجازت بخشی کہ جناب ظریف کی نوازشات ہمارے لئے وجہ سربلندی و سرافرازی ہوسکیں۔ رب العرش والسماء اس شہنشاہِ کشور سخن اور اس بادشاہِ اقلیم سخن کو اپنی رحمتوں کے سائے میں ابدالاباد تک زندہ و پائندہ رکھے۔

"ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد"

سپاس گذاران نیاز کیش

اہالی شملہ۔ معرفت بزم کہسار شملہ

۱۱ ستمبر ۱۹۳۶ء

یوم جمعہ

پیشگفت

معذرت

اُردو ادب اور ہندوستان کا گنج گرانمایہ جس کی شاعری نے واقعی عدیم النظیر کارپیغمبری انجام دیا جیسا آئندہ ثابت ہوگا وہ سید **مقبول حسین ظریف** ہیں وہ شاعر کے بھیس میں ایک زبردست مصلح اور رفارمر بنکر اس صفحۂ گیتی پر آئے تھے جو ایسی نعمت تھے کہ دنیا اُنپر تا قیامت ناز کریگی اور زمانہ اس نعمت سے محروم ہوجانے پر اپنے آنسوؤں کے دھارے میں بہتا ہی چلا جائے گا مگر شاید پھر ایسا مصلح شاعر مشکل سے پا سکے گا۔

اس قحط الرّجال کا کیا ٹھکانا ہے کہ اکبر الہ آبادی اور ان کے ایک خاص طرز شاعری کو چھوڑ کر دیکھا جائے تو ظریف اپنے رنگ انداز بیان اور افادات شاعری کے اعتبار سے ایسے مسلم الثبوت اُستاد اور منفرد شاعر تھے کہ نہ اُن کے زمانے میں، نہ اُن کے بعد کوئی ایسا ہے جس سے ان کی مثال بھی دیجا سکے۔

ان کی زندگی اور شاعری کے کارناموں کی ہلکی سی جھلک ان صفحات میں کچھ نظر آئے گی جس سے اکثر لوگ واقف نہ ہوں گے ورنہ ان کی سنجیدہ طرز حکیمانہ شاعری کا پایہ اتنا بلند ہے کہ اس پر لکھنا میری بساط سے باہر ہے۔ میرے ہمنام اور زبردست ادیب و عالم دوست حکیم مولوی شیخ **ممتاز حسین** صاحب عثمانی ایڈیٹر اودھ پنچ زندہ ہوتے تو آج کلام ظریف پر کوئی محققانہ اور دلچسپ پیشگفت لکھتے مگر ان کی ناوقت وفات ظریف مرحوم کی موت کا پہلے ہی پیشگفت ہوگئی۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کا ہمنام ہونے کی وجہ سے شاید اس فریضے کے ادا کرنے کے لئے زمانے نے کسی دھوکے میں مجھے دھر لیا اور خواہ مخواہ یہ عزّت مجھے اُسی طرح ہاتھ آگئی جس طرح ہمنام ہونے کا فائدہ ایک ملازمت کے تقرّر میں کسی نے یوں اُٹھا لیا تھا کہ سفارش کسی اور کے لئے ہوئی اور کسی نہ کسیطرح ایک اور صاحب جا کر ان کے بجائے کرسی پر بیٹھ گئے خلاصہ یہ کہ ظریف کے دیوان کی مقدمہ نگاری

کے لئے مجھے یوں سمجھئے جیسے عدالت میں کسی غلط ملزم کا چالان کر دیا گیا ہو۔

تشکّر | ظریف مرحوم کے کلام کے اوراق کو ان کے مرنے کے بعد بادِ حوادث کے جھونکے تتلی کی طرح اِدھر اُدھر اڑاتے پھرتے مگر خدا کے مسبب الاسباب ہونے کا یہ تازہ ثبوت ملا کہ دیوان ظریف کی طباعت کے تمام مصارف انتظام کے لئے عالیجناب راجہ **محمد امیر احمد خاں** صاحب والی ریاست محمود آباد کی ادب نواز ذات آمادہ ہوگئی جس کے لئے موصوف پھولوں کی تعداد اور ستاروں کے شمار سے زیادہ شکریے کے مستحق ہیں۔

ممدوح نے ظریف مرحوم کے بڑے بھائی اور اُستاد مولانا **صفی** مدظلہٗ کے سپرد اس کلام کی ترتیب کی خدمت فرمائی جنھوں نے ظریف کے کلام کو خدا جانے کہاں کہاں سے ڈھونڈھ ڈھونڈ کر یکجا کیا جہاں کہیں کاتب کی غنایت سے غلطیاں ہوگئیں تھیں ان کو درست کیا اور طرح پر فرد گزاشتیں تھیں ان کی صحت و ترتیب کے بعد نہایت مفید تشریحی نوٹ لکھے، کلام کو فہرست میں پرو دیا اس طرح موصوف نے اردو ادب پر ایک اور تازہ احسان فرمایا اور جناب راجہ صاحب نے اس کی اشاعت کا انتظام کر کے اپنے دامنِ کرم کے حدود کو بڑھا کر دامنِ حشر سے ملا دیا۔ بالفاظ دیگر رہتی دنیا تک اپنے کرم اور ظریف کی یاد تازہ رکھنے کا سامان کر دیا۔

ایک غلط نسخے کی طباعت | زمانہ کلام ظریف سے مستفید ہونے کے لئے کچھ اتنا بے چین تھا کہ جس طرح آلہ دین کے چراغ والے قصے میں مصطفیٰ کے مرنے پر اُس نے ایک چچا اسکے یتیم بیٹے کے لئے پیدا کر دیا تھا اسی طرح ظریف کے مرنے پر اُس نے ایک صاحب کو انکا فرضی شاگرد پیدا کر کے ان کے دل میں اتنا تیز درد پیدا کیا کہ ان کے ہاتھ سے دامنِ صبر چھوٹ گیا اور اِدھر اُدھر سے نوچ کھسوٹ کر جو کچھ کلام ظریف ہاتھ آیا اس کو بلا کسی خاص ترتیب کے اور جہاں مناسب سمجھا یا جہاں نہیں پڑھا گیا اُسپردہ کسی صاحب سے اصلاح دلا کر دیوانِ ظریف کے نام سے کوئی چیز لیجا کر چھاپے خانے کی بھٹی میں جھونک آئے۔ اس میں جا بجا مذاق سلیم کی خاصی حجامت بنا دی گئی

تھی مگر اتنا اچھا ہوا کہ اس کی اشاعت کے ارادے کا پتہ چل گیا اور مشتہر صاحب کو اس کی اشاعت سے منع کر دیا گیا لیکن کھٹکا لگا ہے کہ جیسے حضرت آدم شجر ممنوعہ تک خراماں خراماں پہونچ گئے تھے یوں ہی ممکن ہے کہ کوئی صاحب ظریف کے ممنوعہ دیوان تک پہونچ جائیں اسلئے اہل ذوق کو چوکنا رہنا چاہیئے اس جگہ غلط دیوان کی بے ترتیبی کا ذکر بیکار ہے۔ مگر غلط نسخے سے ایک شعر کی عجیب وغریب اصلاح کے ذکر سے اندازہ تو ہو جائے گا کہ وہ شعر کیسے تھری مضحکے کا نمونہ بن گیا اور جس دیوان میں اس نمونے کے شعر ہوں اس کا احسان اُردو پر بھلا کیا ہو سکتا ہے۔

ظریف مرحوم کا مشہور شعر جسے برسوں ہر طبقے اور ہر خیال والوں نے اور خود ایسے مقتدر ذوق سخن رکھنے والے بزرگ نے جن کا نام بھی سیتارام تھا سنا اور بہت پسند کیا وہ یہ ہے:- ؎

نرہے یا مادہ عجب ترکیب ہے اس نام کی کچھ حقیقت ہی نہیں کھلتی ہے سیتارام کی

مذکورۂ بالا نسخے میں اِسے یوں مسخ یا مرگی زدہ بنا دیا گیا ہے:- ؎

نرہے یا مادہ عجب ترکیب ہے اس نام کی کچھ حقیقت ہی نہیں کھلتی ہے تلشی رام کی

جس طرح ظریف نے اپنے شعر کے نظم اور حسن تخئیل میں بڑی لطیف خوش طبعی اور نیک نیتی سے کام لیا ہے اوسی طرح اصلاح دینے والے بزرگ نے بھی انتہائی نیک نفسی سے اصلاح دی ہے کیونکہ انکو شاید یہ شبہہ ہوا کہ کہیں کوئی پرانے خیال کا آدمی برہم ہو کر محاذ جنگ نہ قائم کر بیٹھے۔ اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ محض امن اور مذہبی بلوے کو روکنے کے لئے یہ اصلاح دی گئی۔ پہلے تو اصلی شعر لفظی مناسبت اور معنوی لطافت کے ساتھ بڑی دلچسپی کا کھلونا تھا۔ مگر اب لفظوں کی غیر مناسبت سے یہ ہوا کہ دنیا میں جتنے لوگوں کا نام تلشی رام ہے ان کو اصلاح دینے والے سے شکایت کا حق پیدا ہو گیا۔ بہر حال اہل ذوق مطمئن رہیں کہ غلط نسخے کی اشاعت روک دی گئی ہے۔

اس اصلاح اور بہت سی ایسی اصلاحوں اور نظموں سے یہ مُعّما حل ہوتا ہے جس کا ذکر لگے ہاتھ دلچسپی سے خالی نہیں کہ کبھی ایسا ہو جاتا ہے جسے اتفاقی ستم ظریفی کہنا چاہیئے اگرچہ بعض ایسے باکمالوں

کی نیّت مزاحیہ یا مضحکہ پیدا کرنے کی نہیں ہوتی مگر ان کا شعر جس کو وہ سنجیدہ سمجھ کر کہتے ہیں آپ ہی آپ مضحکہ خیز ہو جاتا ہے۔ مثال کیلئے یہ اوپر لکھی ہوئی اصلاح اور اصلاح کو سمجھنے کے لئے ایک اور دلچسپ شاعری کا واقعہ عرض کیا جاتا ہے:۔

ایک صاحب نے خواجہ حافظ کی غزلوں کا ترجمہ اپنی دانست میں بڑی نیک نیتی سے نظم فرمایا۔ مگر کچھ ایسا نظر آتا ہے کہ سہواً کوئی غیبی قوت دماغ کے اندر گھس کر اُسے مضحکہ خیز بنانے میں کارفرما ہوگئی مثلاً خواجہ حافظ کا مصرع یہ ہے:۔

؎ مُطرب بگو کہ کارِ جہاں شد بکامِ ما۔ اسکا ترجمہ ملاحظہ ہو:۔ مطرب سے کہدو ناچ ہو سب کام ٹھیک ہے۔

حافظ ؎ چو کحل بینشِ ما خاکِ آستانِ شماست — کجا رویم بفرما ازیں جناب کجا

ترجمہ ؎ انجن بنایا خاک سے حب آستان کی — جاؤں کدھر میں چھوڑ کے چوکھٹ جناب کا

حافظ ؎ شکر فروش کہ عمرش دراز باد چرا — تفقدّے نہ کند طوطیِ شکر خارا

ترجمہ ؎ بڑی ہو عمر اس کی پر مٹھائی بیچنے والا — سمجھتا ہی نہیں ہے طوطیانِ شہد خارا کو

ظریف کے حالات زندگی

یوں تو مینڈک بھی اپنے کو پیدائشی شاعر منوانے کے لئے تالاب سے سر نکال کر کتنا شور کرتا ہے۔ مگر سچ یہ ہے کہ شاعر کچھ اور ہی مٹّی کا پتلا ہوتا ہے۔

نہ شاعر تعریف کے چھینٹے سے بنتا ہے نہ مذاق سلیم گوبھی کا پھول ہو کہ گئے اور سبزی منڈی سے دو پیسے کا لے آئے قدرت کے افضال، زمانے کی فضا، تعلیم و تربیت، گرد و پیش کی صحبتیں اور خدا جانے کن کن قدرتی اثرات سے مدّتوں میں ایک انسان اچھا شاعر ہوتا ہے۔ شاید اسی وجہ سے اچھے شعرا کے دیوان کے مقدمہ نگاروں کو ضرورت ہوتی ہے کہ خفیہ پولیس کے کانسٹبل کی طرح ادھر اُدھر سے سُراغ رسی کر کے اُن کی زندگی کا خلاصہ روزنامچہ مرتّب کر کے پیش کریں۔ ظریف کے حالات بھی اسی نظریے کے

تحت میں لکھے جاتے ہیں۔

نام و نسب نام سید مقبول حسین، تخلص ظریف، ان کے والد ماجد مولانا سید فضل حسین صاحب مغفور، رکن خانوادۂ علم و فضل ہونے کے علاوہ نہایت خوش طبع اور زندہ دل تھے اُن کا آبائی وطن اولاً فیض آباد، پھر عہد شاہی سے شہر لکھنؤ، مدّتوں سے محلۂ مولوی گنج میں مکان مسکونہ، ظریف مرحوم جناب مولانا صفی جیسے ذی علم سلیم المذاق اور قادر الکلام شاعر کے شاگرد اور حقیقی بھائی، ان سے آٹھ سال کچھ مہینے چھوٹے تھے۔

ظریف کے حقیقی چچا مولانا سید حسین صاحب فاضل جید، حکیم حاذق اور پیشنماز، جناب سلطان العلماء مولانا سید محمد صاحب قبلہ مجتہد العصر طاب ثراہ کے شاگرد بجد ظریف الطبع اور بذلہ سنج تھے اُنھوں نے ظریف کا نام محمد حنیف رکھا تھا مگر عورتوں کی باطنی شریعت اور وہم پرستی نے اس نام کا رواج نہ ہونے دیا کیونکہ خدا جانے کہاں سے ان لوگوں نے یہ غلط بات سُن رکھی تھی کہ محمد حنفیہ دیونی کے پیٹ سے تھے۔ عورتوں کو سند سے چڑھ، علم رجال سے ضد، مولانا کی شریعت دھری رہ گئی اور ان کے نام کے بارے میں عورتوں کی شریعت غالب آ گئی۔ البتہ جب ظریف بڑے ہو کر کربلا گئے اُس وقت آنے جانے والے خطوط پر یہ یا سی قسم کا نام اپنی جگہ حاصل کر سکا ورنہ یوں عورتوں نے مقبول عام نہ ہونے دیا۔ ۱۹۰۸ء میں ظریف کا جو خط کربلا سے حکیم جعفر حسین صاحب مرحوم کے نام آیا تھا اس کے ایک شعر سے اس کی تصدیق ہوتی ہے ؎

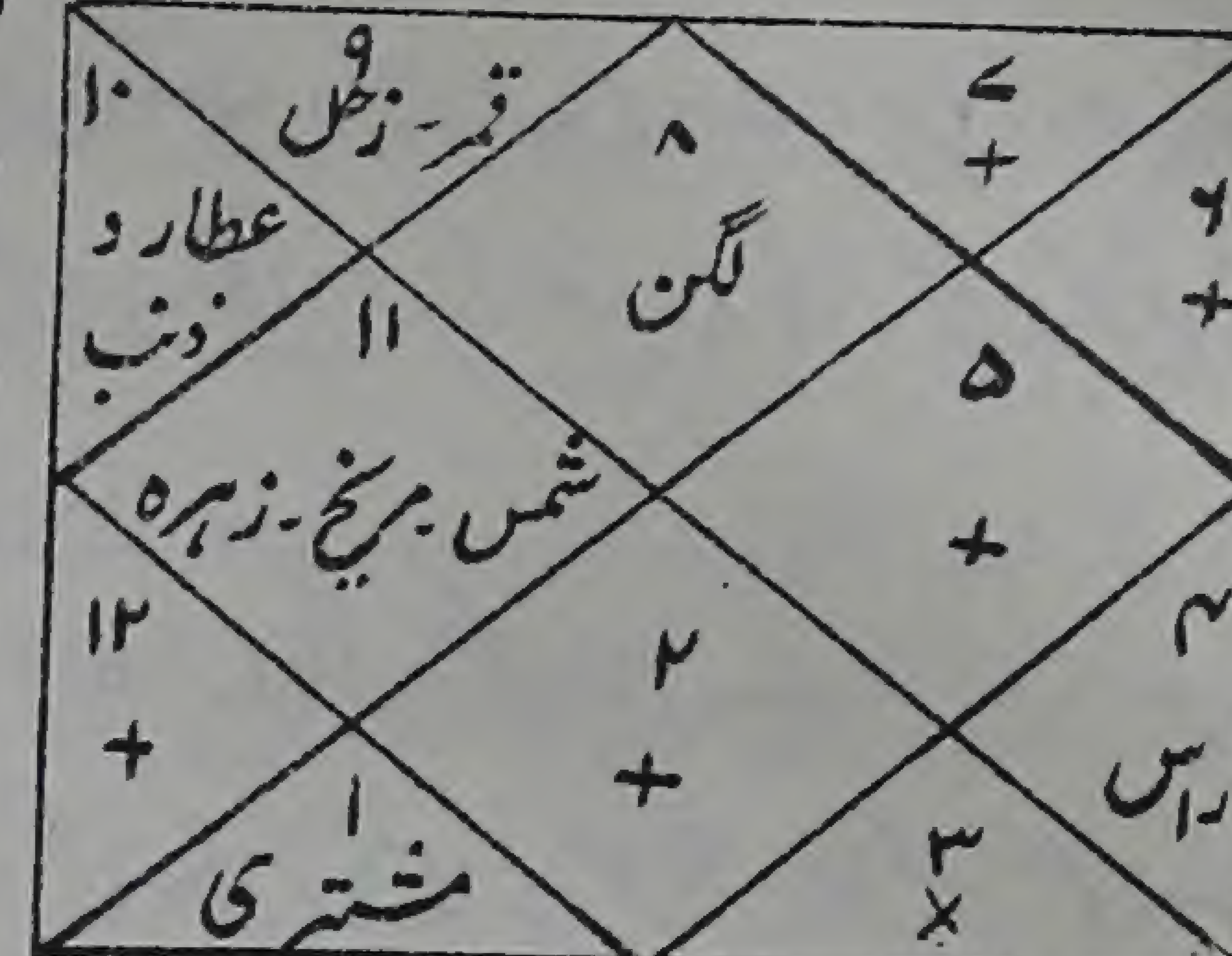
مقیم حرم مرد بے عار و رند حنیف عراقی و مقبول ہند

ظریف کے والد، بڑے چچا اور بڑے بھائی سب کے سب خوش طبع اور زندہ دل۔ اسطرح ظریف کو زندہ دلی وراثتہً بھی ملی اور پھر زندہ دل خاندان میں اُنھوں نے پرورش پائی

سنہ ولادت اور زائچہ و زایچہ ظریف کی ولادت ۲۴ فروری ۱۸۷۰ء مطابق ۲۲ ذیقعدہ ۱۲۸۶ھ روز پنجشنبہ ساڑھے گیارہ بجے شب کو اپنے مسکونہ مکان مولوی گنج

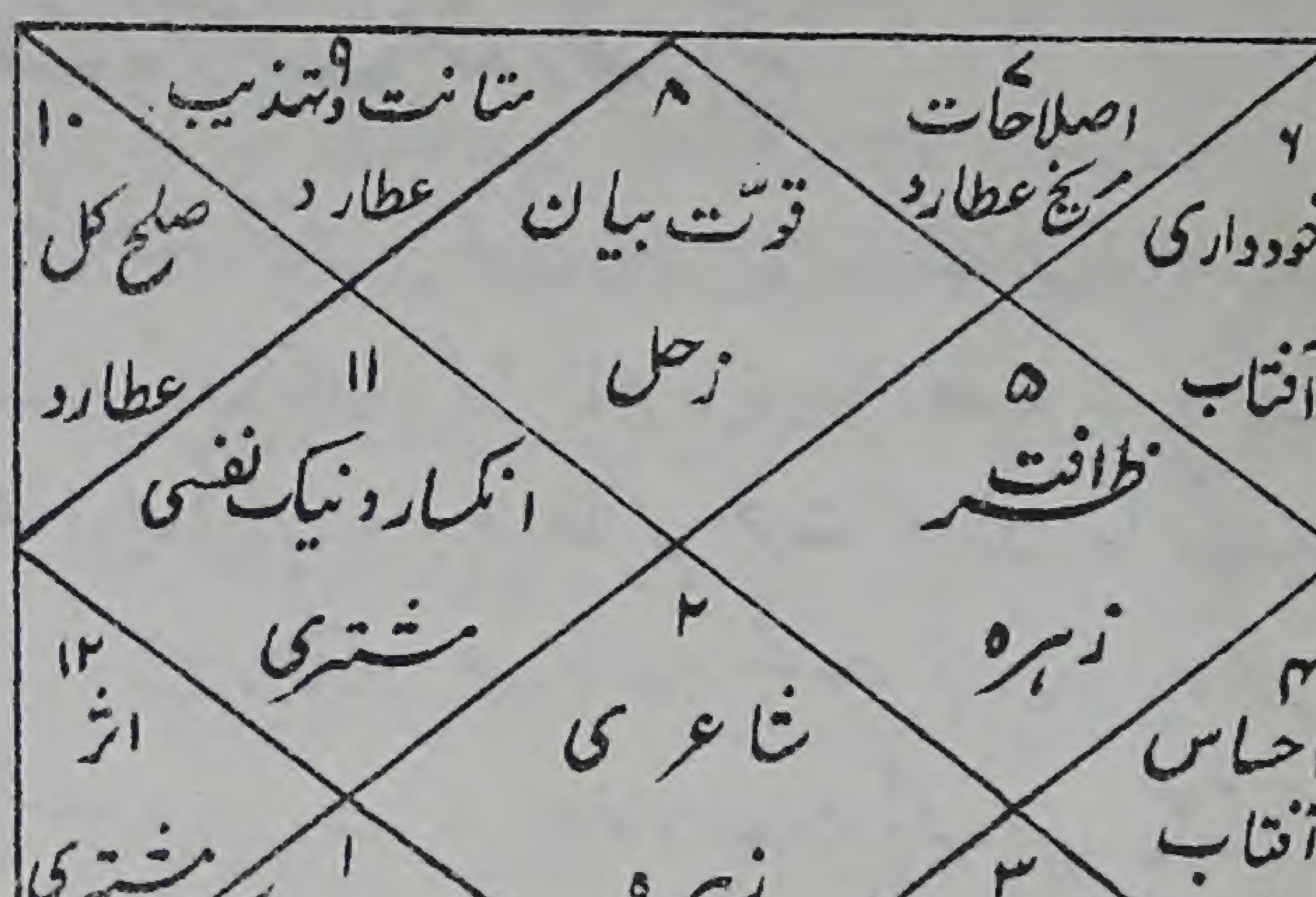
میں ہوئی۔

اُن کا زائچہ جو ایک پنڈت جی نے بنایا وہ یہ ہے:۔



اس زائچے کے حساب سے احکام طالع یہ ہیں کہ دولت کی کمی نہو دولت حسب خواہش پیدا کریں مگر جمع نہ ہو سکے۔ زندگی میں دور دراز سفر کرنا پڑیں اور وہاں سے کافی فوائد ہوں۔ بعد پیدائش چھ برس تک بیماریاں رہیں ابتدائے عمر میں ملازمت ملے۔ بڑے بڑے آدمیوں میں جلد تر نام پیدا کریں۔ دشمنوں پر ہمیشہ غالب رہیں۔ عیال و اطفال کی طرف سے کوئی راحت نہ ملے۔ یہ سب احکام حرف بحرف صحیح ثابت ہوئے۔

داائچہ مرتبۂ پنڈت زندہ دل رام:۔



یہ اپنی قسم کا نو ایجاد زائچہ نہیں بلکہ حقیقتاً زائچے کا تابع پھل داائچہ ہے۔ عام برہمن پیدائش کے بعد زائچہ بناتے ہیں۔ مگر یہ مرنے کے بعد بنایا گیا ہے۔ یہ زائچہ بتاتا ہے کہ ہر خانے میں ظریفؔ کی جو سیرت یا صفت لکھی گئی ہے۔ وہ اس ستارے کی خاصیت یعنی پھل اور اثر کی بنا پر ہے جس کا نام سیرت کے نیچے درج ہے یہ داائچہ جوتش کے حساب سے اور بلحاظ عمل اور پھل بالکل صحیح ہے۔ اور ظریفؔ کی تمام زندگی کا جائزہ لیکر حساب و شمار کرکے اہم صفات و سیرت سے بنایا گیا ہے۔

یہ واںچے کا زائچہ ہے اور پھر فالنامے کا فال لینا مع جس نمبر کے خانے میں اُنگلی آنکھ بند کرکے رکھئے اسی نمبر پر آگے بڑھ کر ظریف ہی کا شعر ملے گا جس میں ظریف کی وہ سیرت یا صفت درج ہے جو اسی ہندسے والے خانے میں درج ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شاعر کی سیرت اور اس کے کیریکٹر کا اظہار خود اسی کے شعر سے ہوتا ہے یعنی اس فلسفے کا یہ مطلب ہے کہ جو برتن میں ہوتا ہے وہی اس میں سے باہر آتا ہے۔ چنانچہ ظریف میں جو خاص خوبیاں تھیں اور جیسی ان کی افتاد طبیعت تھی اس کی تصدیق خود انھیں کے شعروں سے ہوتی ہے۔

فالنامے والی بات یہ ہے کہ جس طرح دیوان حافظ میں فال دیکھی جاتی ہے اگر کوئی اس زائچہ سے بطور فال فائدہ اٹھانا چاہے تو کسی خانے میں انگلی رکھ کر اسی نمبر کا شعر لئے کسی منطقی کے پاس چلا جائے جو ایک انڈے کو دو انڈے ثابت کرنا جانتا ہو وہ اسی شعر سے ہر ایک کے زائچۂ تقدیر کے موافق کھینچ تان کر کوئی لگتا ہوا مطلب برآمد کر دے گا۔

اشعارِ ظریف بہ ترتیب مندرجۂ زائچہ

(۱) ؎ ظرافت میں ہم اپنی قوم کا افسانہ کہتے ہیں کھری کہتے ہیں جب کہتے ہیں آزادانہ کہتے ہیں

(۲) ؎ لائے گئے ظریف یہاں ہم کشاں کشاں گویا مشاعرہ نہ ہوا تھا نہ ہو گیا

(۳) ؎ مسلماں ہیں بلا تفریق بھائی بھائی آپس میں ہم اسلامی اخوت کا یہی منشا سمجھتے ہیں

(۴) ؎ خود بخود لکڑی میں یوں سوراخ ہو جاتا نہیں جب تلک برمے سے نجار اُسکو برماتا نہیں

(۵) ؎ چمن زارِ ظرافت سیرگاہ طبع موزوں ہے کہ ہے خار حسد سے پاک تختہ اس گلستاں کا

(۶) ؎ ہم اپنی کملی میں خوش ہیں ہمیں پسند نہیں وہ صحبتیں کہ جہاں ہوں دوشالۂ کشمیر

(۷) ؎ وہ مجھے خواہشِ وصل ان سے بہ تخئیل جدید وہ بہ تخئیل قدیم ان کا گریزاں ہونا

(۸) ؎ زبردستی ہزاروں دھجیاں سب نے اڑا ڈالیں پُرانا چیتھڑا پایا جو ناسخ کے گریباں کا

(۹) ؎ پنہاؤں فکر کو اس حُسن سے جامۂ ظرافت کا کشادہ ہر طرف تہذیب کا جس میں کہ دامن ہو

(۱۰) ؎ مرا مشرب ہے، صلح کل مرا مسلک ہے آزادی نمک پروردہ ہوں ذوقِ سخن کے خوانِ احساں کا

(۱۱) ؎ سخنور زہر کھائیں دیکھ کر کیوں میری سرسبزی مجھے اک سبزہ بیگانہ سمجھیں اس گلستاں کا

(۱۲) ؎ گر نہ ہو باور چھُری سے کاٹ کر تم دیکھ لو پیاز کی آنڈی کے اندر ہے گھسی تاثیرِ غم

ابتدائی زندگی اور ظرافت کا نمونہ

بعد ولادت ماں کا دودھ خشک ہو گیا اس لئے اناّ رکھی گئی دو برس بعد وہ بھی مرگئی۔ ظریفؔ اپنے والد سے زیادہ ہل گئے تھے اس لئے انھیں کے پاس بہت رہنے لگے۔ اس طرح گویا زندہ دل باپ کے آغوش یا خوش طبعی کی گود میں پلے۔ یہ بچپن ہی سے بہت شوخ اور بیباک تھے ان کے والد کے ایک دوست میر علی حسین صاحب ان کے ہمسایہ نے انھیں بہت ڈھیٹ بنا دیا تھا صدہا جانوروں کے نام یاد کرائے تھے اور قرارداد یہ تھی کہ میر صاحب موصوف خود ظریف کو اگر کوئی جانور بنائیں تو یہ بے جھجک انھیں ایک ہی سانس میں جانور بنانا شروع کریں یعنی تو گیدڑ ہے، تو بارہ سنگھا ہے، تو چکور ہے، تو نیولا ہے، اس کی صورت یہ تھی کہ اکھری کے مقابل میں جو حریف دوہری اور تہری کہے وہ جیت جائے۔ یہ جنگ زرگری روزانہ ہوا کرتی تھی۔

ایک بار کا ذکر ہے کہ ظریف شب کو اپنے والد کے پاس بالاخانے پر لیٹے ہیں اور میر صاحب موصوف اپنے برآمدے میں ہیں اور بحث ہو رہی ہے۔ ان کے والد کے ایک دوست مرزا آغا حسن صاحب بھی بیٹھے ہوئے ہیں کہ ان کے حریف نے چھیڑا غالباً اس وقت ان کی عمر چار یا پانچ سال کی ہو گی۔ ظریفؔ نے جوش میں آکر جواب دینا شروع کیا بہت سے جانوروں کے نام لیتے گئے جب کوئی جانور یاد نہ آیا تو آخر تھک کر اپنے حریف کی طرف مخاطب ہو کے کہہ دیا کہ تو آغا، پچھن (آغا حسن) ہے یہ سنتے ہی ایک قہقہہ پڑا حریف نے ہار مان لی۔

یہ ظریفؔ کے بچپنے کی معنی خیز ظرافت ہے کہ حیوانِ ناطق کو حیوان مطلق بنا کر اپنی غیر شعوری ظرافت طبع کے زور سے یہ میدان جیت لیا۔

بچپن کی ایک نقل ظریف کے بچپن کا ذکر ہے کہ ان کے محلے میں ایک نفیر آیا کرتا تھا جس کا نام جھُل جھُل تھا وہ پاؤں میں گھنگرو باندھ کر ہاتھ کے اشارے سے کنکوّا اڑانے کا سماں دکھا کر منھ سے کہتا جاتا تھا۔ "یہ کاٹا وہ کاٹا" سر پر اسکے ایک پھُندنے وار ٹوپی ہوتی تھی۔ جسمانی حرکات سے پھندنا ہلتا رہتا تھا۔

ظریف پاؤں میں کنجیوں کا گچھّا بندھوا کر اس کی ہو بہو نقل اتارتے تھے۔ مولوی سید علی میاں صاحب کامل مرحوم، مشہور و معروف شاعر مولانا صفی کی اہلیہ کے بڑے بھائی جب تشریف لاتے تو ظریف کو دوست کہکر پکارتے اور ان کے سامنے چند نانخطائیں، شکر اور بالائی منگوا کر پیش کر دیتے بعد ازاں جھُل جھُل والی نقل کی فرائش کرتے۔ ظریف بے تکلّفانہ تعمیل فرمائش میں مصروف ہو جاتے۔ علی میاں صاحب ان کی ذہانت اور ذکاوت سے اتنا خوش تھے کہ وہ ایک آدھ کام کی بات اکثر ظرافت ہی کے پیرائے میں ذہن نشین کرا دیتے اس طرح ظریف زندہ دلی اور خوش فکری کی فضا میں سانس لے کر بڑے ہوئے اور گرد و پیش کی یہ باتیں ظرافت کی نشو و نما میں بہت مددگار ہوتی رہیں۔

مولوی علی میاں صاحب کامل میر انیس سے شاعری میں ٹکر لینے کا دعویٰ کرتے تھے۔ یہ انھیں کی نانخطائی اور بالائی کا شاید زور ہے کہ ظریف کے کلام میں بلا کی لطافت ہے۔

ایک اور ادبی لطیفہ اسی زمانے میں ظریف کے بڑے بھائی کی اہلیہ کے ماموں زاد بھائی آغا منّے صاحب اکثر ظریف کے گھر آتے رہتے تھے۔ یہ بہت پستہ قد تھے جن کا قد بجائے خود ظرافت آفریں تھا۔ یہ لکڑی خوب جانتے تھے اور مولانا صفی کے ہم عمر اور ایک ہی اُستاد میر ہادی علی کے شاگرد تھے مولانا صفیؔ نے مزاحاً ایک عربی دوبیتی پر مصرع لگا کر ظریف کو یاد کرا دئے تھے۔ یہ مصرعے بھی ان کے قد اور ظریف کے سن کی مناسبت سے منّے منّے سے ہیں۔ جب مُنّے صاحب آتے تو ظریف اُنھیں پڑھکر سُناتے اور وہ ہنس کر ان کی تعریف کرتے۔ تضمین یہ ہے:۔

مرا بھائی ہے اک منّا × بہت وہ چپ ہے اور گھُنّا × رباعی اس سے یہ سُنّا × علیٌّ حُبُّہٗ جُنّہ

نَسِیمُ النَّارِ وَ الْجَنَّہ × وَصِیُّ الْمُصْطَفٰی حَقًّا × اِمَامُ الْاِنْسِ وَ الْجِنَّہ

ظریف کی تعلیم ۱۸۷۷ء مطابق ۱۲۹۴ھ میں ظریف کی تعلیم شروع ہوئی یہی وہ سنہ ہے جب سرسید نے علیگڈھ میں انگریزی تعلیم گاہ کھولی اور لکھنؤ سے منشی سجاد حسین صاحب مرحوم اڈیٹر اودھ پنچ نے اودھ پنچ نکالا۔ زمانے کی ستم ظریفی تو دیکھئے کہ شاعری اور تخئیل قدیم کا مصلح مکتب میں بیٹھنے بھی جاتا ہے تو اسی ۱۸۷۷ء میں۔

ظریف نے کلام مجید اپنی بڑی بھاوج مولانا صفی کی اہلیہ سے پڑھا اور اردو فارسی کی درسی کتابیں اپنے بڑے بھائی سے پڑھیں۔ جون ۱۸۸۳ء تک ظریف کی تعلیم و تربیت اس مدرسے میں ہوتی رہی جو مولانا صفی نے اپنے مکان پر قائم کیا تھا جس میں اکثر طلبہ اردو، فارسی، عربی اور انگریزی پڑھنے آیا کرتے تھے۔ ظریف نے اپنے پڑوسی پنڈت رتن لال صاحب سے ہندی بھاشا اور تھوڑی سنسکرت پڑھی۔ یہی وجہ ہے کہ طاعونی آلھا اور شہر آشوب وغیرہ میں ظریف نے ودیا تیوں کی زبان بڑی بے تکلفی سے نظم کی ہے۔ جب جون ۱۸۸۳ء میں بسلسلۂ ملازمت مولانا صفی سلطان پور چلے گئے تو ظریف نے بعض کتب درسیہ مولوی سید محمد صاحب واثق سے پڑھے اور یہ سلسلہ ۱۸۸۴ء تک جاری رہا۔

ظریف کی تعلیم اردو اور اچھی خاصی فارسی اور بقدر ضرورت تھوڑی سی انگریزی کی تعلیم اس زمانے کے شرفا کی رواجی تعلیم کے موافق ہوئی اس کے بعد کتب بینی اور اہل علم کی صحبت سے ظریف کے معلومات میں حیرت انگیز اضافہ ہوگیا۔

شاعری کا سلسلہ اور طبعی ذوق ظریف اپنے بڑے بھائی مولانا صفی کے ساتھ ۱۸۸۰ء سے اس مشاعرے میں جانے لگے جو پاٹے نالے پر اُن کے عزیز حکیم میر باقر حسین صاحب نے قائم کیا تھا اور اپنی چھوٹی سی غزل نو دس برس کی عمر میں پڑھتے تھے۔ رعب محفل سے ذرا بھی متاثر نہ ہوتے تھے۔ یہ غزلیں مزاحیہ نہیں ہوتی تھیں خود کہتے تھے یا اُنکو غزل درست کر کے کوئی دیدیتا تھا

اس کو کسی بچے یا شوقین دولتمند سے پوچھئے جسکو مشاعرے میں غزل پڑھنے کے لئے غیب سے ملجا تی ہو جیسے حضرت موسی علیہ السلام کی مجہول قوم کو منّ و سلوے ملا کرتا تھا۔

ظریف کا حافظہ اسقدر قوی تھا کہ ان کو مولانا صفی کے صدہا شعراز بر تھے ۔شاہزادے مرزا سلیمانقدر بہادر (برادر سلطان عالم مرزا واجد علی شاہ اودھ) کی ڈیوڑھی پر ایک مکتب تھا جس میں شہزادے صاحب کے چھوٹے بیٹے شہزادے مرزا کی تعلیم کے لئے واثق صاحب موصوف مامور تھے ۔جن کا ذکر ابھی اوپر کیا گیا۔ اس مکتب میں اور بھی شرفا کے لڑکے پڑھتے تھے ۔ظریف کے والد ماجد اسی سرکار میں مدارالمہام تھے اور اس مکتب کے اکثر طلبہ ظریف کے ہم عمر تھے اس لئے یہ اکثر دہاں جاکر بیت بازی کیا کرتے تھے۔

واثق باوجودیکہ ایک ذی علم بزرگ تھے مگر ان کی شاعری بہت پرانے رنگ کی تھی ۔ستّر ستّر اسّی اسّی شعر کی غزلیں کہتے تھے ۔کوئی قافیہ چھوٹنے نہ پاتا تھا۔کتب لغت سے قوانی چھانٹ چھانٹ کے نظم کرتے تھے اور غیر مانوس قوانی کے معنی حاشیے پر لکھکر حوالہ لغت اس طرح لکھ دیا کرتے تھے۔ ہکذا فی الصراح ، ہکذا فی البرہان ۔

شاہزادہ مرزا سلیماں قدر بہادر خود بیحد سلیم المذاق اور سخن فہم تھے ۔ ظریف کو گھر سے بلوا کے اکثر مولانا صفی کے شعر اُن سے سُنا کرتے تھے اور کبھی کبھی تفریح طبع کے لئے مولوی واثق صاحب کو بلاکر ان کی غزلیں سنکر لطف اندوز ہوتے تھے ۔چنانچہ ۱۸۹۰ء میں ایک بار مولوی صاحب موصوف اپنی غزلیں شہزادے بڑے صاحب کو سُنا رہے تھے اُسوقت ظریف بھی اتفاقاً دہاں موجود تھے ۔مولوی صاحب نے ایک غزل سُنائی جس میں قوانی ۔ ادق ۔ بق ۔ شق وغیرہ تھے ۔اور ردیف اس کی" زمین کے تلے " تھی مطلع یہ تھا:۔ ؎

عدم کا جادہ ہے راہ ادق زمیں کے تلے — مگس کا خوف نہ ہے بیم بق زمین کے تلے

مولوی صاحب کا دعوے یہ تھا کہ اس غزل میں کوئی قافیہ چھوڑا نہیں گیا ہے ۔شاہزادے صاحب تلاش قوانی کی داد ہنس ہنس کر دے رہے تھے ۔کہ دفعتہً ظریف نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ سرکار

ایک قافیہ چھوٹ گیا ہے ۔ مولوی صاحب بہت نیک اور سیدھے آدمی تھے گھبرا کر پوچھنے لگے
کون سا قافیہ ظریف نے فی البدیہہ یہ شعر کہکر سُنایا ؎

فشار قبر ہوا جب کہ ایک مردے پر ۔۔۔ پھٹا جو پیٹ صدا آئی بھق زمیں کے تلے

مولوی صاحب موصوف اپنی غزل میں "اسطرح" کے مقام پر "اس نمط" نظم کیا کرتے تھے
چنانچہ ظریف نے ایک مرتبہ مولوی صاحب کے ایک شعر پر مصرعے لگاکر شہزادے صاحب کو
سُنائے بہت خوش ہوئے ۔

تخمیس شعر مولوی واثق صاحب

جو اہل علم ہیں ہے کلام ان کا اس نمط ۔۔۔ میرا ہی قول اس میں نہیں ہے یہ کچھ نفقط
بولی زبان حال سے دریا پہ ایک بط ۔۔۔ اَلنَّقلُ مِثلُ الاَصلُ یہ مشہور ہے غلط
آرام زاغنول نہیں نولِ زاغ ہیں

زاغنول فارسی میں کدال کو کہتے ہیں اس لئے کہ وہ کوّے کی چونچ کے مشابہ ہوتی ہے
زاغ بمعنی کوّا۔ نول بمعنی چونچ ۔ مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ مقولہ اَلنَّقلُ مِثلُ الاَصلُ، یعنی
نقل کا مطابق اصل ہونا بالکل غلط ہے ۔ دیکھو کدال کو کہ وہ نول زاغ کی نقل ہے مگر اس سے
کہیں زیادہ کارآمد کوّے کی چونچ سے وہ کام نہیں نکلتا جو کدال سے نکل سکتا ہے ۔
مولوی صاحب کو صنائع بدائع سے بھی شوق تھا ۔ صنعت تجنیس میں فرماتے ہیں ۔ ؎

ہر شخص کے زیر پا دری ہے ۔۔۔ پھر کس لئے اوج پادری ہے

فرماتے ہیں کہ ہر شخص کے زیر پا یعنی پاؤں کے نیچے ، دری بچھ سکتی ہے پھر پادری کو
یہ اوج کیوں حاصل ہے

مولوی صاحب کی شاعری کو سُن سُن کر ظریف کی طبیعت میں انکی خدا داد سلیم المذاقی
نے ظرافت کی گدگدی پیدا کردی اِدھر ظریف کے ہم درس طلبہ اور خود ظریف مولانا صفی سے

شعروں پر اصلاح لینے لگے۔ مولانا صفی نے اُفتادِ طبیعت پر نظر کر کے ظریف کو ظریفانہ اشعار کی مشق کرائی اور خود ہی اصلاح دیا کرتے تھے اور خود ظریف تخلص تجویز کر دیا۔ مشق سخن ظریف نے برابر جاری رکھی۔ مولانا صفی خود غزل میں فرسودہ مضامین، اور سوقیانہ، مبتذل اشعار یعنی سرمہ۔ مسّی۔ انگیا کرتی۔ مانگ۔ چوٹی۔ کمر دہن کے مبالغہ آمیز عامیانہ رنگ کو چھوڑ کر مفید تخئیل سے غزل کی شاعری میں اصلاح کے خواہاں تھے اور خود اسی عنوان سے مضامین غزل کی داغ بیل ڈال دی تھی مگر برسوں سے جس ڈھرّے پر دنیا لگی تھی اس کو ترک کرا دینا بڑا مشکل کام تھا اس لئے اُنھوں نے اپنے چھوٹے بھائی ظریف کو اس کام میں مدد کے لئے تیار کرنا شروع کیا اور ۱۸۸۸ء میں جب مولانا صفی بیرونجات سے لکھنؤ آ گئے تو اُنھوں نے اپنے مکان پر ایک ہفتہ وار صحبت مشاعرہ مقرر کی جو شب یکشنبہ کو ہوا کرتی تھی۔ اس میں مولانا کے اکثر شاگرد۔ صغیر، بہار، امجد، ظریف۔ وحشی وغیرہ شریک ہوتے تھے۔ ظریف کی مشق ان مشاعروں کی وجہ سے بہت بڑھ گئی۔ یہ مشاعرہ نہ تھا اصلاح زبان اور حسنِ تخئیل کی تعلیم کا گویا ایک مدرسہ تھا۔ شاہزادہ مرزا سلیمان قدر کی صحبتوں میں جس کو دربار کہا جاتا تھا اکثر مشاعروں، مقاصدوں، مسالموں کی محفلیں اور مجلسیں ہوا کرتی تھیں جن میں مولانا صفی کو خصوصیت سے شاہزادے صاحب بلواتے اور زبان کی اصلاح اور تخئیل کی سنجیدگی مولانا کے کلام میں ان کو بے حد پسند تھی اسلئے اکثر سُنا کرتے تھے۔ ظریف برابر مولانا کے ساتھ ایسی صحبتوں میں شریک ہوا کرتے تھے اور بحث مباحثوں سے فائدے اُٹھاتے تھے۔

مشاعرے کی پہلی مزاحیہ غزل اور اصلاح تخئیل

۱۸۸۹ء مطابق ۱۳۰۷ھ میں ایک بہت بڑا مشاعرہ لکھنؤ میں ہوا تھا۔ اسمیں مصرع طرح یہ تھا۔ ؎ تمنّا ہے کسی کی تیغ ہو اور اپنی گردن ہو۔ جس سنہ میں یہ مشاعرہ ہوا اس وقت ایک نہایت قلیل جماعت پیام یار اور اودھ پنچ کے اجرا کے بعد سے زبان اور تخئیل میں اصلاح کی منتظر تھی مگر لکھنؤ کے شعرا بیشتر پرانی روش کی شاعری کے دلدادہ تھے عوام کا بھی مذاق یہی تھا۔ یوں تو لکھنؤ کا محلّہ محلّہ اچھے شاعروں سے بھرا ہوا تھا

لیکن ان میں ایسے بھی قادرالکلام تھے جیسے ماہر، کامل، مشاق، فصاحت، چھوٹے بھیّا افضل، بڑے بھیا حکیم (اسیر مرحوم کے چھوٹے بڑے صاحبزادے) للن صاحب خوب رشید، جاوید، رشید، مظہر آغا مرزا سودا وغیرہ اور اپنے کلام کے ابتدائی دور کے لحاظ سے خود جلال۔ لیکن ان میں سے اکثر حضرات شاعری میں اصلاح تخیل اور تبدیلی مذاق کا خیال تک آنا گوارا نہ کرتے تھے۔ البتہ مولانا صفی جنھوں نے اصلاح تخیل کی ابتدا کی اور بعض اور شعرا بھی گل و بلبل کی شاعری سے اکتا کر اپنے کلام کو ترقی پسند زمانے کے موافق کرتے جاتے تھے مگر دوسروں کو اصلاح کی طرف توجہ دلانے کی ہمت مفقود تھی۔ یہی وہ تاریخی مشاعرہ ہے جس میں پہلے پہل مزاحیہ غزل کہکر ظریف اس بلند پایہ عمارت کا سنگِ بنیاد پبلک جلسے یعنی اتنے بڑے مشاعرے میں رکھنے کے لئے اپنے بڑے بھائی اور استاد مولانا صفی کیساتھ آئے ہیں۔ جسکی تعمیر کے لئے مال مسالا کتنے پہلے سے صفی اکٹھا کرتے آرہے تھے۔ وہ مقصد جس کا اعلان کھل کر کیا گیا یہ تھا کہ اب زمانہ نہیں رہا کہ زلف و کمر، گل و بلبل ضلع جگت وغیرہ کے گورکھ دھندے میں وقت اور مذاقِ سلیم کو برباد کیا جائے۔ اب وہ وقت ہے کہ اور زبانوں کی شاعری کی طرح بلند تخیل سے اُردو کی عروسِ سخن کو سنوارا جائے۔

اس مشاعرے میں غزل کے علاوہ ظریف نے ایک قطعہ بطور تمہید اسی طرح میں پڑھا اور اس میں تفصیل سے ظریف نے بتا دیا ہے کہ ظریفانہ رنگ اُنھوں نے کیوں اختیار کیا۔ یہ غزل نمبر ۶۰ پر مع قطعہ ان کے دیوان میں موجود ہے اور اس جگہ چند شعروں کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

قطعۂ تمہیدی

کروں کیوں اختیار اسکو جب ایسا شعر کا فن ہو ۔۔۔ کہ محسودِ جہاں ہوں اک زمانہ اپنا دشمن ہو

بھلا اُس راہِ ناہموار میں چلنے سے کیا حاصل ۔۔۔ دمِ لغزش جہاں پر خندۂ یاران ہم فن ہو

مثالِ شمع گر سر کا پسینہ پاؤں تک پہونچے ۔۔۔ یقیں ہے جب بھی محفل میں نہ اپنا نام روشن ہو

ہوائے شوق اگر مجھکو یونہیں مجبور کرتی ہے ۔۔۔ وہاں چلکر کروں گلگشت جو بے خارِ گلشن ہو

پنھاؤں فکر کو اس حُسن سے جامہ ظرافت کا ۔۔۔ کشادہ ہر طرف تہذیب کا جس میں کہ دامن ہو

پھراس کے بعد غزل سُنائی جس میں کہ اصلاحِ زبان اور حُسنِ تخئیل اور تبدیل مذاق کے لئے پرانی شاعری پر نہایت لطیف طنز اور خاصے ظریفانہ اور سنجیدہ عنوان سے اپنے اس مشن اور مقصد کا اظہار کیا گیا ہے۔ اس بات کو پہلی بار تو اسی بڑے مشاعرے میں ظریفؔ نے کہا مگر یہ مرض کہنہ ہو گیا تھا اسلئے تا حیات اسی رنگ سے علاج کرتے رہے آخر اثر ہو کر رہا۔ اب مزاحیہ غزل کے بھی چند شعر ملاحظہ ہوں :-

مزاحیہ غزل کے چند شعر :-

پہلا
معرکۂ عصر عطا طرح
کالم لکھی طرز لکھنؤ کا
ایک محفل سے جہاں
شاہی بزم مجرموں
کام کا ہا جانا تھا
۱۲

؎ گرہ ہوں گتھیاں ہوں پیچ و خم سے جسکے اُلجھن ہو
یہی مضمون جو بنتا ہے تو زلفیں کیوں نہ ناگن ہو

؎ تمنا ہے کسی کی تیغ ہو اور اپنی گردن ہو
پھر اسکے بعد یارب سر کٹے نالے میں مدفن ہو

؎ کہو معشوق کو غنچہ دہن جب اسکے تھوتھن ہو
لکھو تم شوخ کج رفتار اگر ٹیڑھی کی بانگی ہو

؎ کہیں قاتل کو ہم محبوب اگر ہے عین نادانی
حذر لازم ہے ایسے شخص سے جو اپنا دشمن ہو

؎ لب شیریں اگر معشوق کا قند مکرر ہے
جبھی جانیں کہ بیٹھیں مکھیاں اور پہ بھن بھن ہو

؎ نہ تربت کی جگہ کوچے میں پائی تو شکایت کیا
گلی اُن کی کوئی تکیہ ہے جسمیں اپنا مدفن ہو

؎ یہ سب لکڑی کے تختے خاک میں ملجائیں جل بھنکر
غضب ہو جائے گر سچ مچ لحد میں داغ روشن ہو

؎ یہی دہشت اگر دستِ جنوں کی ہے تو اے بھائی
دوپٹا اوڑھ لو جسمیں گریباں ہو نہ دامن ہو

؎ نگاہ شوق کیا ٹھیری وہ گویا بیلچہ ٹھیری
مکان یار کی دیوار میں جس سے کہ روزن ہو

؎ دہن کلھیا سا ہو چہرہ طباق اور پیٹ مٹکی سا
قباحت پھر نہیں کچھ گر صراحی دار گردن ہو

؎ مچائے شور و غل آہِ شرر افشاں کرے ہر دم
یہی اوصاف لازم ہیں تو عاشق کیوں نہ انجن ہو

؎ ہمارا جھونجھ بھلواری میں ہو کوئی نہیں کہتا
یہی کہتے ہیں یارب باغ میں اپنا نشیمن ہو

؎ ازل سے تا ابد لمبی یقیں ہے ٹانگ بھی ہوگی
حسینِ شوخ وہ صحرائے محشر جسکا دامن ہو

؎ ظریفؔ انصاف سے کہدو وہ عاشق ہے کہ چوہا ہے
زمینِ قصرِ جاناں میں جو یہ چاہے کہ مسکن ہو

ظریف کی شادی] ۱۸۹۶ء میں ظریف کی شادی لکھنؤ کے خاندانِ سادات کے معزز رکن میر علی امجد صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی۔ میر علی امجد صاحب کے والد میر امداد علی صاحب ایک شریف اور سیدہ خاتون حسینی خانم کے شوہر اولٰے تھے۔

عزتِ نامی کا یہ انقلاب دیکھیے کہ میر علی امجد کی یہی ماں جو حسینی خانم تھیں وہی بعد کو حضرت امجد علی شاہ بادشاہِ اودھ سے عقدِ ثانی ہو جانے پر ملکہ عہد کہی جانے لگیں۔ اسطرح حسینی خانم کا نام دنیا بھول گئی اور آج تک ملکہ عہد ہی کے نام سے ان کا تعارف ہوتا ہے اب اگر کہا جائے کہ ظریف کی "دادیاساس" ملکہ عہد ہیں تو اس میں اتنی شاعرانہ معنوی لطافت وظرافت ضرور ہے کہ اس تخئیل کا شمار صنعت ایہام میں کیا جائے گا۔ ظریف کے سلسلۂ ذکر میں شہزادۂ مرزا سلیماں قدر بہادر کا ذکر بار بار آیا ہے۔ یہ انھیں ملکہ عہد کے بطن سے حضرت امجد علی شاہ بادشاہ اودھ کے بیٹے ہیں اور دوسرے محل سے جن کا خطاب ملکۂ کشور ہے سلطان عالم حضرت مرزا واجد علی شاہ آخری تاجدار اودھ ہیں۔

ظریف کی اولاد] ظریف مرحوم کا پہلوٹھی کا لڑکا جسکا تاریخی نام منظور حسن تھا ۱۳۱۴ھ یعنی فروری ۱۸۹۷ء میں پیدا ہوا جو ۱۹۰۲ء میں جاتا رہا مولانا صفی نے اس کی وفات پر ایک پُر درد مرثیہ فارسی میں کہا۔ یہ مرثیہ ان کی تاریخوں کے مجموعے میں ہے۔ شروع مئی ۱۸۹۹ء میں دوسرا لڑکا لیاقت حسین پیدا ہوا آغاز ۱۹۰۱ء میں وہ بھی جاتا رہا اولاد ذکور میں بھی دو لڑکے پیدا ہوئے۔ البتہ تین لڑکیاں زندہ ہیں اور اُن کے بچے۔ لیکن ان میں کوئی خوشحال نہیں۔ زمانہ ہمیشہ سے شاعروں کو مفلوک الحالی کی سزا دیتا آرہا ہے مگر یہاں یہ اُس کی نئی ستم ظریفی دیکھیے کہ شاعر کو تو چھوڑ دیا یعنی ممبئی والوں کی زبان میں خلاص کر دیا اور اولاد کو بلا وجہ دھر لیا۔

ملازمت] اپنے والد ماجد کی خانہ نشینی کے بعد ۱۸۸۵ء میں ظریف مرحوم شہزادہ سلیماں قدر بہادر کی سرکار میں میر منشی کے عہدے پر مامور ہوئے۔ تین ہی سال میں کچھ ایسا رسوخ اُن کے مزاج میں پیدا کر لیا کہ ۱۸۸۸ء میں شہزادے صاحب کے پرائیوٹ سکریٹری ہو گئے

اور سفرؔ و حضر میں اُن کے ساتھ رہنے لگے۔ اس زمانے میں پرانے عہدِ شاہی کے بہت لوگ زندہ تھے اور نئی تہذیب و تمدن اور لٹریچر کا سیلاب تیزی سے بڑھتا آرہا تھا اور پرانی تہذیب دم توڑ رہی تھی۔ مختلف مزاج اور طبائع اور طبقات کے حضرات شہزادۂ موصوف کی صحبتوں میں آتے رہتے تھے ظریفؔ کو ایسے لوگوں سے ملنے اور شاہی خانداں کی ان صحبتوں اور دورانِ ملازمت میں جابجا سفر سے بہت کچھ تجربے حاصل ہوئے اور دُنیا کی جیسی جیسی صحبتوں کے راز معلوم ہوتے گئے اُن سے اِن کی شاعری میں اور زور پیدا ہوتا گیا۔ انیسویں صدی کے آخر تک یعنی ۱۶ یا ۱۷ برس تک ظریفؔ کا تعلق اس سرکار سے لگاتار رہا۔ اسی اثناء میں انھیں کچھ دنوں کے لئے شہزادے صاحب نے اپنی بھانجی نواب احمدی بیگم کی سرکار میں ریاست و خانہ داری کے انتظام کی درستی کے لئے مستعار دیدیا وہاں بھی اپنے حسن سلیقہ اور محنت و لیاقت سے اُنھوں نے بہت اچھا انتظام کیا اور اس خاص بارے میں ان کی قابلیت کی ایسی شہرت ہوئی کہ نرہی شہر لکھنؤ کے نواب سید اصغر حسین صاحب مرحوم نے بہت اصرار کر کے ظریفؔ کو شہزادے صاحب سے مانگ لیا اور ۱۹۰۱ء سے ۱۹۳۴ء تک نواب صاحب موصوف کی ریاست متعلقہ ہند و عراق کے انتظامات میں یہ مصروف رہے اور چار بار باوقات مختلف ان کو عراق جانا پڑا اور پہلی مرتبہ نواب صاحب کی ضرورت کے لئے غالباً ڈیڑھ سال تک مسلسل وہاں رہے۔ اس زمانے میں فارسی مذاق شاعری سے کافی اثر حاصل کیا۔

یہاں کی ملازمت کے بعد آخر ۱۹۳۴ء سے تادم واپسیں یعنی دسمبر ۱۹۳۷ء بڑے عزت و احترام سے ریاست عالیہ محمود آباد میں ملازمت کا زمانہ گزارا اور اس قدر شناس ریاست نے ظریفؔ کے ساتھ جو سلوک کئے وہ اس ریاست کے قدیم روایات اور شہرت کا ایک بیّن ثبوت ہے:۔

ع نوٹ۔ کشمیر و دیگر بلاد ہند کی سیاحت نیز عراق کے سفر میں جو ۱۹۰۲ء کے آخر اور ۱۹۰۳ء کے شروع حصہ تک تقریباً چھ ماہ کی مدت کا تھا۔ ۱۲

تفریح الاحباب کلب اور ظریف کی صحبتیں

ظریف دوستوں اور دوستی کے بہت دلدادہ تھے یہی جذبات اُن کو دوست کی مدد اور اس کے کام آنے کے لئے ہر وقت آمادہ رکھتے تھے اُنھوں نے ۱۹۱۵ء میں تفریح الاحباب کلب کے نام سے ایک ایسی دلچسپ اور اپنے قسم کی نئی انجمن قائم کی تھی جس کے چند مخصوص بے تکلف احباب ممبر تھے۔ اس کی غرض یہ تھی کہ دوست کے دوست ہر طرح کام آئے۔ ہر اتوار کو وہ سب دوست کہیں ایک جگہ آپس میں ملجایا کریں، بات چیت، شعرو شاعری، لطائف وظرائف اور مختلف ذکر واذکار ومباحث اکبر کے دربار کی طرح ہوا کریں۔ جو شخص غلط شعر پڑھے یا غلط لفظ کا استعمال کرے اس سے ایک قلیل رقم بطور جرمانہ لی جائے اور اس طرح جب کافی رقم ہوجائے تو وہ کسی تفریحی جشن یا دعوت میں صرف کی جائے یہ دعوت ان دعوتوں سے الگ ہوتی تھی جو ممبر وقتاً فوقتاً اپنے گھر پر یا اور کہیں کرتے تھے۔ اس کے ممبر سیر و شکار کو بھی ظریف کے ساتھ جایا کرتے تھے۔

ظریف اس کے لائف پریسیڈنٹ (دوامی صدر) اور نواب حامد علی خاں صاحب سکریٹری۔ پیارے نواب صاحب برقؔ۔ ننھو صاحب شفیقؔ (اُمّی شاعر) سید شبیر حسن صاحب قتیلؔ، ڈاکٹر محمد باقر راجہ نواب علی صاحب تعلقہ دار، محمد صاحب، بہار صاحب، حکیم مُنّے آغا صاحب فاضلؔ، سید صاحب مشق، سید امتیاز حسین عرف چھبن صاحب، سید علی حیدر صاحب دلؔ تعلقہ دار، حکیم مُنّے آغا صاحب آفتاب، نواب چھاجو صاحب، صغیر حسین برادر محمد صاحب، آغا سید مرتضی صاحب بہبہانی (ایرانی) وغیرہ وغیرہ اس کے سرگرم اراکین تھے۔ آغا مرتضی بہبہانی (ایرانی) غیر ملکی ہونے کی وجہ سے اکثر اُردو بولنے میں غلطی کرتے تھے۔ کیونکہ فارسی زبان میں تو تذکیر و تانیث کا جھگڑا نہیں ہے۔ زن آمد و مرد آمد دونوں بولتے ہیں جیسے کھلی گاڑی پر میاں بی بی سیر کو یکساں بے نقاب نکلیں۔ ایسی میں یہ ظاہر ہے کہ اگر ایک ایرانی جلدی میں کہہ جائے کہ دیکھو وہ عورت آیا تو وہ قابل عفو ہے مگر اس کلب میں معافی کے بجائے پیسے لئے جاتے تھے تاکہ اُسے غلطی یاد رہے۔

یہ بیچارے بڑے خسارے میں رہتے تھے۔ زبان کی اصلاح اور ترقی زبان کے لئے نہ صرف تذکیر و تانیث بلکہ اس طرح کے دلچسپیوں اور باتوں باتوں میں اصلاح زبان اور اصلاح تخئیل وغیرہ کے لئے اس انجمن کی نشست سے احباب کو فوائد پہونچا کرتے تھے۔ صدر ہونے کی ذمّہ داری نے ظریف کو ادب اور شاعری کے متعلق بہت کچھ پڑھنے اور معلومات حاصل کرنے کے لئے اسی طرح مجبور کردیا جیسے ایک جج کو قانون کی کتابیں اُلٹنے پلٹنے پر اُسکے فرائض مجبور کرتے ہیں پھر اس میں شفیق کی طرح سبھی تو اُمّی نہ تھے اور بھی ادیب دو دو چونچیں لڑانے کا دم رکھتے تھے۔ ظریف کی زندگی ان کے دوستوں کی صحبتیں اُن کا حاصل کیا ہوا تجربہ نہ صرف اُنکی شاعری میں مدد پہونچانے کے لئے مفید تھا بلکہ اُنکا ذکر دنیا کے لئے حد درجہ سبق آموز ہے مگر میں اپنے حدود سے بہت تجاوز کرجاؤنگا اگر اس داستان کو شاعری کی ضرورت سے بڑھکر زیادہ طول دوں۔ میں واقف ہوں کہ اس مقدمے میں ظریف کے متعلق جو کچھ کہا گیا وہ اُنکی مکمل سوانحعمری نہیں مگر بعض باتوں کا بیان اسلئے ضروری ہوا کہ آگے یہ دکھانا ہے کہ ظریف بیحد ذکی الحس تھے اور دُنیا کی مختلف صحبتوں کے تجربے نے اُنکی قوت احساس کو شاعری کے لئے بہت تیز کردیا تھا۔ وہ جس بات کو سمجھتے نہ تھے اسکے پیچھے پڑجاتے تھے اور سمجھ کردم لیتے تھے اور یہی چیزیں انکی تخئیل آفرینی کے لئے عناصر بنتی چلی جاتی تھیں ایک دن میں بھی تفریح الاحباب کلب میں جا نکلا تھا۔ ظریف ایک بڑا عبرتناک واقعہ بیان کرتے تھے جو بجائے خود تخئیل آفریں ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک بڑے مُقدّس اور بظاہر بڑے پاک طینت بزرگ تھے جن کے نسبت ظریف کو کسی طرح شک گزرا کہ اُنکو شراب نوشی سے شوق ہے مگر ان بزرگ کی اللہ رے احتیاط کہ اُنکے نفس کو بھی اُنکی نسبت بہت کچھ دھوکا تھا۔ ظریف نے اُنکو جانچنے اور امتحان کرنے کے لئے عمدہ عمدہ شراب کی بوتلیں خریدکیں اور بڑے اہتمام سے ایک جگہ انکو چُنوا دیا اور اسطرح اُنکی جگہ قرار دی کہ نہ وہ صاف طور پر چھپتی تھیں نہ وہ بالکل سامنے تھیں۔ وہ بُزرگ جب آتے اور للچائی نظر سے دیکھتے اور بار بار پوچھتے تو ظریف گردن جھکاکر کچھ اسطرح کی مختصر بات آہستہ سے کہہ جاتے کہ اُنکو ظریف کی نسبت شک ہونے لگا کہ یہ بڑا غیور شرابی ہے۔ یہ قصّہ ہی تو بہت دلچسپ اور فلسفے کی کتابیں کیا نفسیات کی بحث کو بیان کریں گی جو ایسے مُقدّس اور چھپے ہوے سیانے

شرابی کی دزدیدہ نگاہیں بیان کرجاتی ہیں ۔ یہ بزرگ مُدتوں ظریف سے شراب کی بوتلوں کو پوچھتے رہے کہ ان میں کیا ہے مگر ظریف اس کا نام ان کو بتاتے نہ تھے ۔ قصّہ مختصر کہ اب ان کو یہ یقین ہوگیا" ہم تو مرشد تھے یہ ولی نکلے،" ایک دن آئے اور کھُل گئے اور ظریف کو چھونے کی بھی زحمت نہیں دی خود ہی اچھّی طرح ایک ترسے ہوئے شرابی کی طرح دم لے لے کر پیتے رہے ۔ ظریف سے کہا کہ آپ بھی شوق کریں مگر ظریف نے کہا کہ میں تو زائر ہوں اور میں نے تو کبھی شوق نہیں کیا یہ تو محض آپ ایسے پارسا کے لئے ہے ہم گنہگاروں کے لئے نہیں ہے ۔

ظریف نے جب نفسیات کے راز دروں پردہ کو یوں برآمد کرلیا تو اپنی شاعری کے لئے اس قسم کی باتوں سے کیا کیا نہ حاصل کیا ہوگا ۔ جو شاعر عملاً اتنی اچھی ایکٹنگ اور مظاہرۂ نفسیات پر ایسی قدرت رکھتا ہو کہ اتنے سیانے شرابی کو یوں مغالطہ دیدے وہ نفسیات کی قلمی مُصوّری میں کتنا ماہر ہوگا ۔ شیکسپیر جو اتنا زبردست ڈرامہ نگار مُصنّف مشہور ہوا وہ پہلے لارڈ اسٹرینج کی کمپنی میں ایکٹر تھا ۔ ظریف کبھی ایکٹر نہ تھے مگر ان کی شاعری کا کمال یہ ہے کہ وہ جس کردار کو بیان کرتے ہیں اسکا بیان ایسا سجا ہوا ہوتا ہے کہ اسمیں وہی لطف آتا ہے جیسے کسی ایکٹر کے مظاہرے میں نفسیات کے جزئیات تک پر قدرتی اور اصلی ہونے کا دھوکا ہوتا ہے ۔

اب پھر تفریح الاحباب کلب کی طرف رُخ کیجئے ۔ راجہ نواب علی اور اس کے اور ممبر ایک ایک کرکے اُٹھتے گئے بقیہ ممبروں کے دل بیٹھ گئے اور ظریف کے مرنے سے پہلے یہ کھیل بگڑ گیا ۔

ظریف اور سائیکل کی سواری اور دستکاری
سیر و شکار ——
محفل آرائی ——

ظریف سائیکل چلانے میں خاص کمال رکھتے تھے اور اس میں اوّل درجے کا انعام و سرٹیفکیٹ پا چکے تھے ہر طرح مشین کو کھول کر اس کے درست کرنے میں اُن کو خاص مہارت تھی ۔ اسی طرح بندوق کے نشانے میں خاصے ماہر تھے ۔ محفلوں کے آراستہ کرنیکا بھی بے حد سلیقہ تھا ۔ وہ ہر بزم کو اس کی مناسبت

سے اس طرح سجتے تھے کہ باید و شاید۔ لکھنؤ میں بیسوں شخصی دہلی محفلیں ان کے زیر اہتمام سجی گئیں اور ان کی خوش مذاقی و جدّت طرازی کے بالعموم سب قائل تھے۔ ریاست محمود آباد میں ورزش وغیرہ کی ترقی و فروغ کے لئے اولمپک گیمس کے نام سے ایک انجمن کی بنا ڈالی اور مرحوم ہی تا حیات اُس کے سکریٹری رہے۔

ظریف کے مذہبی عقائد] ظریف کا مذہب روپیہ کمانے کے لئے لڑنے لڑانے والوں یا کانپور کے بلوائیوں کا مذہب نہ تھا وہ مذہب کو تزکیہ نفس اور امن و سلامتی کا ذریعہ سمجھتے تھے وہ روزہ بھی رکھتے تھے۔ نماز بھی پڑھتے تھے تال کٹورے کی کربلا عاشور کے دن سوگوارانہ شان سے برابر جایا کرتے تھے۔ وہ مجلسوں میں مصائب حسینؑ پر روتے بھی تھے مگر بآواز بلند گریہ نکرتے تھے۔ کیا عجب ہے کہ شہزادہ مرزا سلیمان قدر بہادر کی صحبت کا یہ اثر ہو کیونکہ اس طبقے کے لوگ گریہ بآواز کے عادی نہ تھے۔ انھیں صحبتوں کا اثر یہ بھی تھا کہ وہ اسطرح کے ماتم کو اچھا نہ سمجھتے تھے جس میں ایسا شور ہو کہ اصلی الفاظ بھی سمجھائی نہ دیں اور سینہ کوبی اس طرز سے اور ایسے مصنوعی اور نمائشی عنوان سے ہو کہ اس کی طرف دل متوجہ نہ ہو اور حسن و ملال پیدا کرنے کے بدلے غم غلط کرنے کا ذریعہ ٹھیرے یعنی معنوی حیثیت سے وہ ماتم نہ ہو صرف دکھانے کے لئے ہو۔ جب زمانہ موافق تھا اور جیب میں پیسے بھی تھے تو بڑے تکلّف سے ۱۳۔ رجب کو حضرت علی علیہ السلام کی ولادت کے دن احباب کی دعوت اور نذر و نیاز کے لئے ظریف دسترخوان بھی بچھاتے تھے اور اُس پر بیٹھنے والے اکثر ایسے تھے جو اُتنے زمانے تک جب تک یہ سلسلۂ دعوت جاری رہا کہا کرتے تھے کہ یہ بڑا جنّتی ہے۔ پھر ایک وہ وقت آیا کہ ماتم میں حسینؑ کا غلط نام لینے پر جب اصلاح کرنے کیلئے ظریف نے کچھ لوگوں کو ٹوکا اور اصلاحات کے لئے نظم لکھی تو کچھ حضرات نے انھیں ظریف پر جنھیں دعوت کے زمانے میں جنّتی کہا جاتا تھا نفرین کے رزولیوشن پاس کیے یہ سُنکر ایک صاحب نے کہا کہ اگر میں اس جلسے میں موجود ہوتا تو رزولیوشن

ہیں اس ترمیم کی درخواست کرتا کہ چاہے ظریف کے پاس پیسہ ہو یا نہ ہو دعوت کرنا ان پر واجب ہے۔

ایک بار ناگپور میں ایک قومی جلسے میں شرکت کے لئے مسلمانوں کے مختلف طبقوں کے حضرات تشریف لے گئے جلسے کے ختم ہونے پر پنج کی بات چیت ہونے لگی ایک قُل اعوذیئے بزرگ بھی آپہونچے اور ٹپ ٹپ توسن کلام کو اُنھوں نے ڈھیل دیدی پھر ان کو دفعتہً دو چار اجنبی شرفا کا خیال آیا کہ کہیں یہ شیعہ نہ ہوں۔ مڑ کر نظر قہر سے اُنکی طرف دیکھا گویا ایک تیغ تھی کہ چمک گئی اور اُن نو وارد دو لوگوں نے سمجھا کہ گویا وہ دار الحرب کی زد میں آگئے۔ جب ان بزرگ نے ان سے پوچھا کہ آپ شیعہ تو نہیں تو باوجود شیعہ ہونے کے اُنھوں نے بڑی سنجیدگی سے عجیب لہجے میں کہا۔ "جی نہیں"۔ ظریف ان پر بھی ہنستے تھے اور ان پر بھی۔

آشوب اسلام اور سعود پرستی کے عنوان سے جو نظمیں ظریف کے دیوان کے حصہ سوم میں ملتی ہیں اُن میں دل چیر کر وہ درد انگیز جذبات ظریف نے دکھا دئے ہیں جن کو بڑے بڑے حامیان ملت یا تو سینے میں چھپاتے ہیں یا خلوص نہ ہونے کی وجہ سے اِن کے اظہار کی جراُت نہیں رکھتے۔ اخلاص اور ایمان کی سچّی تصویر ظریف کی وہ نظم ہے جس کا عنوان "استغاثہ بحضرت امیرالمومنینؑ" ہے۔

ظریف کی رواداری | ظریف کی نظم پر جس طرح مسجد کے مُلّا اور مندر کے پجاری دونوں اپنی اپنی ہستی اور ہستی کو بھول کر بے اختیار ہنستے اور قدر کرتے تھے یوں ہی دونوں ظریف کے دل اور ان کی رواداری کے یکساں معتقد تھے۔ ظریف اتنے بے تعصب تھے کہ ان کی سمجھ کے باہر یہ بات تھی کہ گھنٹے اور اذان پر کیوں لڑائی ہوتی ہے۔ انکے بکثرت دوست ہر مذہب و ملّت کے سخت سے سخت کٹّر تھے مگر اُن کے مراسم اِن سے بہت دوستانہ تھے وہ جس سے ملتے تھے مذہب کو مُصلّے کی جو حدّی پر نثار کر کے ملتے تھے۔ آجکل کی دوستی اور ملاقاتیں اسلحہ کی جھنکار میں لرزتے ہوئے مومن کی زندگی ہے مگر ظریف اپنے دوستوں سے اور ان کے دوست اُن سے کھُلے دل سے ملتے تھے۔ ان کے دوست کبھی مذہب کا بت آستین میں چھپا کر ان سے نہیں ملے۔

غالب اور حافظ کے مرنے پر ان کے مذہب پر فالتو وقت کے اجارہ داروں نے بہت دور از کار بحثیں چھیڑ دیں ظریف کی ملنساری اور بے تکلفی کو دیکھکر مجھے تو اُن کی زندگی ہی میں ہر وقت یہ کھٹکا لگا رہا کہ خدا جانے ان کے متعلق کب ویسی ہی بحث چھڑ جائے جس کی وجہ سے غالب و حافظ اور کبیر داس کی روح کے ساتھ رسّہ کشی ہو رہی ہے۔

ظریف کا طرز خواندگی جن لوگوں نے ظریف کو اپنا کلام مشاعرے یا پنج کی صحبتوں میں پڑھتے سُنا ہے اُن میں سے میں بھی ایک چشم دید گواہ ہوں۔ یہ عالم دیکھا ہے کہ سننے والے تو ہنسی سے بے قابو اور ظریف کے ہونٹھوں پر تبسّم کی ہلکی سی جھلک بھی نہیں یہ معلوم ہوتا تھا کہ ظریف کوئی تبسّم پروف مشین ہیں جو ہنس ہی نہیں سکتے اور دنیا کو ہنسانے کا پاپ اپنے سر لئے جا رہے ہیں۔

سفر اور سفر نامہ سیر و شکار کی دُھن، مشاعروں کی دھر پکڑ، اور ملازمت کے فرائض، یہی تین بڑے اسباب ہیں جن کی وجہ سے ظریف کو عراق و ہند کے ہر صوبے کے شہروں میں مثل کلکتہ، بمبئی حیدرآباد دکن، کشمیر بھوپال، دارجلنگ، شملہ، نینی تال، لاہور وغیرہ میں سفر کرنے کا اتفاق ہوا۔ اور صحیح معنوں میں وہ اسکا مصداق ہو گئے "بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے" ظریف جب دوسری بار عراق گئے ہیں تو اُنھوں نے صرف راستے کے حالات کو ایک دلچسپ سفرنامے کی صورت میں نظم کر دیا ہے۔ جو اس دیوان میں موجود ہے اور سیاحت نامۂ ظریف کے نام سے موسوم۔ لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ یہ اُنکی زندگی بھر کا سفرنامہ ہے۔ اُنھوں نے عراق ہی کا سفر کئی بار کیا اور مدتوں وہاں رہے جس کو نبیوں کے کچے بھی کھاتے کی طرح یوں لکھا جاتا ہے۔

(۱) سفر از ابتدائے یکم اکتوبر ۱۸۹۲ء لغایت ۲۲ اپریل ۱۸۹۳ء چھ ماہ ہمراہی شہزادہ سلیمان قدر بہادر
(۲) " از ابتدائے جنوری ۱۹۰۵ء لغایت جون ۱۹۰۷ء ڈھائی سال برائے انتظام جائداد نواب صاحب زہی
(۳) " از ابتدائے اپریل ۱۹۱۰ء لغایت ستمبر ۱۹۱۰ء چھ ماہ - بشرح صدر۔
(۴) " از ابتدائے جنوری ۱۹۳۲ء لغایت آخر اپریل ۱۹۳۲ء تین ماہ۔ بشرح صدر۔

(۵) سفر از ابتدائے پایان مئی ۱۹۳۳ء لغایت وسط جولائی ۱۹۳۳ء ڈھائی ماہ۔ بشرح صدر۔

ظریف کا یہ سفرنامہ سیرت و کردار کے بیان سے ظرافت پیدا کرنے اور بہت کچھ سبق سکھانے کے لئے ایک بے نظیر چیز ہے۔ اس کے متعلق تفصیلی نوٹ میں بہت کچھ لکھا گیا ہے اس لئے مجھے کچھ اور زیادہ کہنا نہیں۔ ریل کے ڈبوں میں مسافروں کی کثرت کا اس سے زیادہ پُرلطف اور مؤثر عنوان سے کیا بیان ہوسکتا ہے جس طرح اس سفرنامے میں ہے :-

گڑبڑ مسافروں کی بھی ایک یادگار تھی عورت پہ مرد مرد پہ عورت سوار تھی

مشاعروں کی شرکت کے سبب سے ظریف کو نئی نئی بستیوں میں جانے اور نت نئے لوگوں سے ملنے اور نئے ریت اور رسم دیکھنے کا موقع ملا۔ ظریف ایک جگہ کے مشاعرے کا ذکر کرتے تھے اور اُن کا ارادہ تھا کہ اُسے نظم کر ڈالتے مگر موقع نہ مل سکا وہ ایک ایسی جگہ گئے جہاں ۴ اور ۶ اور ۸ ردیف غزلیں کہلا کر پڑھنے والے صدہا زمیندار تاجر اور مزدور رہا کرتے تھے نہیں نامہ اعمال کی طرح غزلیں لئے کھڑے ہیں ایک ہنگامہ ہے کہ مشاعرہ سبزی منڈی کے شور کی طرح گونج رہا ہے۔ جس طرح ختنہ کرانے کے لئے چوکی بچھا دی جاتی ہے اسی طرح ایک چوکی رکھی ہے جس پر کھڑے ہو کر ہر شاعر کو غزل پڑھنا پڑتی ہے۔ صبح سویرے ہر ایک کو اپنے اپنے کام پر جانا ہے اور اسی رات بھر میں غزل سُنا کر ہر ایک کو اپنے دام وصول کرنا ہیں ایک شاعر کھڑا پڑھ رہا ہے اُس کے داہنے بائیں اور پشت پر کھڑے اور جھکے ہوئے بیشمار انسان غزل کا کاغذ ہاتھ میں لئے کھڑے کھڑا رہے ہیں اور جھکے دیکھ رہے اور جھانک رہے ہیں کہ پڑھنے والا کب مقطع پر پہونچتا ہے۔ ادھر اُس نے مقطع پڑھا یا مقطع پر پہونچنے والا ہی ہے کہ ایک نے اُسکو چوکی سے ڈھکیل کر بیدخل کر دیا اور اس کی جگہ شاہانہ تفاخر اور ظفر یابی کے انداز سے اپنی غزل سُنانا شروع کر دی۔ اس کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوا۔ اسی طرح مشاعرے کی چوکی والی بادشاہت جلدی جلدی بدلتی رہی ظریف نے جب یہ ہائے ہتیا دیکھی تو ایک کھڑکی سے کود کر اس ۱۸۵۷ء کے غدر سے جان بچا کر خدا جانے کہاں جا کر چھپ رہے اور جب شاعری کی بغاوت فرو ہوئی اور امن ہوا تو ڈرتے ڈرتے برآمد

ہوئے۔ عراق کے سفر کا حال ظریف بیان کرتے تھے کہ بعض آراضی اوراوقاف کی حالت اس شاعرہ سے کم نہیں زمین کیسکی ہے اُسکے فرشتوں کو بھی خبر نہیں صیغۂ وقف کو ئی پڑھائے اور خود ساختہ متولی اسطرح بنا بیٹھا ہو جیسے تخیل سے شعر ڈھل کر نکلتا ہے سفر کے بہتیرے تجربات غیر فطری شاعر کو بھی شاید شاعر بنا دیتے تو عجب نہ تھا کہ ظریف کو جنھیں سفر کے فیوض سے کیسی کیسی برکتیں حاصل ہوئیں جن سے اُن کی اسطرح اخلاقی اور معاشرتی اصلاحات پر لکھنے کا بہت موقع ملا اور یہی وجہ ہے کہ ان کی نظموں میں ایک روح ہے جو نبض جادہ کیطرح دوڑتی پھرتی ہے۔

ظریف کی قومی زندگی ظریف کے دل میں قومی درد خلقی طور پر موجود تھا اور وہ یوں تو دنیا میں دوسروں کی ہمدردی کرتے اور بے تعلق رہکر قومی کام کرتے رہتے تھے مگر آجکل کسی ادارے کے آنریری خدمات اور پبلک کام میں مصروفیت کا نام قومی زندگی سمجھا جاتا ہے۔ ظریف کو اتفاق سے اس جوہر کے دکھادینے کا بھی موقع اسطرح ملا کہ ۱۹۲۰ء میں جب آل انڈیا شیعہ کانفرنس کا اجلاس لکھنؤ کے وکٹوریہ پارک میں منعقد ہوا تو اس وقت شیعہ کانفرنس کے سکرٹری قوم کی مایۂ ناز ہستی سید محسن میرزا صاحب ایم۔ اے تھے اور میں جوائنٹ سکریٹری تھا ظریف زمانے کی ناقدری اور اہل دنیا خصوصًا اپنے فرقے کی طبیعتوں پر نظر کرکے ادارۂ قومی میں کسی بھلے آدمی کے کام کرنے کے بہت خلاف تھے اور بالکل الگ الگ رہتے تھے مگر اُس وقت کی کچھ فضا اور کچھ ہم لوگوں کی مدد کے خیال اور اصرار سے اُنھوں نے پنڈال کا آنریری سکریٹری ہونا منظور کرلیا پھر واس خدمت کو اس سلیقے اور قابلیت سے انجام دیا کہ اس کی نظیر نہیں ملتی نہ ویسا پنڈال پھر دیکھنے میں آیا نہ ویسا انتظام۔ اسی جلسے میں ان کے خدمات اور حسن لیاقت کی قوم نے یہ قدر افزائی فرمائی کہ جلسۂ عام میں یہ آل انڈیا شیعہ یتیم خانے کے آنریری سکریٹری منتخب ہوئے۔ مجھے بنائے شیعہ کانفرنس کے وقت سے اپنے قوم کے کارکنوں اور قوم سے سابقہ رہا اور ظریف کے ساتھ تو خود بعض کام کرنے کا موقع ملا ہے۔ اتنا خوش فکر، خوش دماغ، قومی کام کو

تمام حقوق و فرائض اور ذمہ داریوں کے ساتھ ظریف کا ایسا ایمان دار فرض شناس آنریری کام
کرنے والا مشکل سے کوئی مل سکتا ہے۔ قوم کیونکر قوم بنتی ہے اور یتیم خانۂ قومی میں بچّوں کی تعلیم و تربیت
کس اصول پر ہونا چاہیئے اس راز سے ظریف اچھی طرح واقف تھے یہ صرف بالا چھونے اور دستخط
کرنے والے آنریری سکریٹری نہ تھے یہ بلا معاوضہ ہمہ وقت کام کرنے والے سکریٹری تھے یتیم خانے میں
حاضری کے رجسٹر پر جسطرح تنخواہ دار چپراسی اور عملے مقررہ وقت پر آنے جانے کا دستخط کیا کرتے تھے اسی طرح
یہ بھی پابندی سے کام کرتے اور دستخط کرتے تھے یشیعہ یتیم خانہ پہلے کرایہ کے مکان میں تھا۔ یہ ظریف
کے وقت کی یادگار ہے کہ خدا جانے کتنی دوڑ دھوپ کرکے اُنھوں نے ذاتی اثر سے یتیم خانے کے لئے
بقیمت زمین خرید کرکے دستاویز لکھواکر قوم کو یہ زمین دلوائی بیعنامے پر میرا بھی دستخط ہے اور میں تمام
زحمتوں سے واقف ہوں جو بناء عمارت کے لئے اُٹھانی پڑی ہیں ظریف ہی کی قدرتی خوش فکری
کی داغ بیل یہ عمارت ہے۔ پہلا ڈزائن انھیں کا تھا جس پر اور انجینیر اور نقشہ بنانے والوں نے اصلاح
دی شمشیر اور آفتاب کا مارکہ بطور قومی نشان ظریف کی خداداد ذہانت کی یادگار ہے جس کو انھوں نے ایجاد کیا اور وہ
مقبول ہوا یہاں تک کہ ظریف کے مرنے پر پٹنے کے دوسری بار کے اجلاس شیعہ کانفرنس میں وہی نمونہ
تمام قوم کا قومی نشان قرار پاگیا۔ یہ محل ان کے قومی خدمات کے تفصیلی ذکر کا نہیں ہے اتنا ذکر بھی اس جگہ
بہت زیادہ ہے لیکن اس ذکر سے یہ دکھانا تھا کہ عموماً شاعروں کی نسبت کہا جاتا ہے کہ افیونیوں کی طرح انکی
زندگی بے عمل ہوتی ہے خصوصاً ظریف ایسا شاعر اس کی نظر میں تو قومی کام کو مضحکے کا مترادف ہونا چاہیئے
تھا مگر خدا کی باتیں خدا ہی جانے۔ یہ حیرت ہوتی ہے کہ ایک شاعر سے اُس نے کیسے کیسے یادگار کام لے لیے
یتیم خانے کے دفتر اور تمام انتظامات کی ترتیب اور ظریف کے انجام دیئے ہوئے بہت سے کاموں کو
دیکھ کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ قدرت کی یہ اپنے قسم کی نئی ستم ظریفی ہے یہ ناممکن ہے کہ ظریف کے ساتھ یتیم خانے
اور یتیم خانہ کے ذکر کے ساتھ ظریف کے مہتم بالشان کارناموں اور خدمات کی یاد نہ آئے۔
سب سے زیادہ یہ بات قابل قدر ہے کہ ظریف کے ظرف اور طبیعت نے قومی خدمات میں متضاد جوہر

انسانیت کا ثبوت دیا۔ ایک شاعر پھر وہ بھی ایک خود دار کسی کی ترچھی نظر دیکھنے والا، نہ کڑی بات برداشت کرنے والا انسان اتنا حلیم و بردبار اپنے فرائض کے انجام دینے میں ہوجائے کہ وہ قوم کی بھلائی کے درد میں سب کچھ سنے سب کچھ دل پر سہتا جائے اور کام کرتا جائے اور اپنے مقصد کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ ظریف کی شاعری کو بہت سے قسم کے جذبات اور نفسیات سے واقفیت کا موقع نہ مل سکتا اگر وہ اس زندگی کے تجربے اور براہ راست ایک بڑے دائرۂ انسانی کے عنوان طبیعت اور اس کے عمل نفس کے طریقوں سے بے خبر رہ جاتے اسلئے ان کی شاعری کے لئے ان کا یتیم خانہ سے تعلق اچھا خاصہ مفید ثابت ہوا۔

یہاں تک ظریف کی زندگی کے کچھ مختصر حالات لکھے گئے۔ ان میں بھی کچھ ایسی باتیں ہیں جن سے ان کی شاعری اور طبیعت داری کو مشترک تعلق ہے۔ اب تھوڑا سا ذکر ظریفانہ شاعری کا اور خصوصیت سے ظریف کی شاعری کا انداز اور نمونہ پیش کرنا ہے۔

نشاطیہ شاعری] ارسطو نے اپنی کتاب شعریات (Poetics) میں المیہ و نشاطیہ دو قسم کے جذبات تخئیل میں نشاطیہ شاعری کی نسبت کہا ہے کہ اس میں پست اور رذیل قسم کے اخلاق کا بیان ہوتا ہے برخلاف المیہ شاعری کے جس میں شریفانہ صفات اور اخلاق حمیدہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ مزاح ظرافت نگاری کا شمار نشاطیہ قسم کے جذبات میں عموماً کیا جاتا ہے۔ اگر یہ جذبات محض تفنن طبع اور تفریح والے مضامین کی صورت میں ہیں جن کی مثال ہجو، ریختی اور ہزل وغیرہ ہے تو ان میں اخلاق رذیلہ کا ذکر ہوتا ہے اور ایسے لٹریچر سے تفریح اور دل بھلانے اور پریشاں خاطر کو مسرور کرنے کے سوا اور کوئی دوسری غرض پوری نہیں ہوتی لیکن نشاطیہ یا ظریفانہ شاعری کے ساتھ جب یہ غرض جمع ہوجائے کہ وہ اخلاق رذیلہ سے نفرت پیدا کرادے تو وہ شاعری نہایت محمود شاعری ہے اور بلحاظ فوائد المیہ شاعری سے بھی مفید تر ہے۔ کیونکہ ظرافت کی وجہ سے اس میں دل پسندی کی تمام باتیں موجود ہو جاتی ہیں پھر مطالب و اغراض کے لحاظ سے بیحد مفید ہے ممکن ہے کہ ارسطو کے نظریے کے تحت میں بعض اہل علم

کو ظریف و اکبر کی شاعری کی نوعیت سمجھنے میں دھوکا ہو یا بعض سطحی نظر کرنے والے یا تحقیقی بحث سے بے تعلق رہنے والے اور ظرافت و مزاح میں فرق نہ کرنے والے ظریف و اکبر کی شاعری کو محض تفننِ طبع اور مزاح کی شاعری سمجھتے ہوں ایسے دونوں طبقوں پر ابتدا ہی میں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ سطحی طور پر تفنن کے عنوان نظم پر نظر کر کے جن لوگوں نے پہلے ہی سے یہ خیال کر لیا ہے کہ سادہ سادہ اور سنجیدہ طور پر اظہار خیال کا جو طریقہ ہے اسکے مقابل میں جو تفنن و ظرافت کے عنوان سے ادائے خیال کا طریقہ ہے یہ غیر سنجیدہ ہے اور یہی ظریف و اکبر کی شاعری کا جوہر ہے، یہ سمجھنا سراسر غلطی ہے۔ اصل میں ظرافت کی جان سنجیدگی کے ساتھ طنز اور سنجیدگی کا جوہر لطیف ظرافت ہے۔ لارڈ کرزن اور دیگر ادیب کی سرکاری تحریروں تک میں، جن میں مزاح یا شوخی کا کیا موقع ہو سکتا تھا گہری ظرافت پائی جاتی ہے سنجیدہ سے سنجیدہ تحریر کے طرز بیان اور گہرائی میں لطافت و ظرافت نہ ہو تو دل پسند نہیں ہوتی۔ طنز ایک نمایاں پہلو ظرافت کا ہے اس لئے یہ کہہ کر ظرافت کو سمجھایا جا سکتا ہے کہ طنز ظرافت کی جان ہے اور اس کو جسقدر سوقیانہ زبان اور عامیانہ تخیل سے بچا کر اور اس کی تہہ میں جسقدر سنجیدگی سے طنز کا نشتر چھپا کر ادائے مطلب کیا جائے گا اسی قدر ظرافت و لطافت میں بلندی ہوگی۔ حقیقۃً اکبر اور ظریف کی شاعری اسی نوعیت کی ہے اور بجائے اسکے کہ ظرافت کی آڑ سے تعریف کیجائے اور سمجھایا جائے یا کوئی غلط فہمی جو اس بارے میں ہو دور کی جائے آسان طریقہ یہ ہے کہ ظریف کے کلام کا نمونہ پیش کر دیا جائے کہ ظرافت یہ چیز ہے۔ ظریف و اکبر کی شاعری یا اس قسم کی ظرافت نگاری ادب لطیف کے اہم اجزا ہیں اور محض ذرا سا عنوان اور ڈھانچہ اظہار خیال کا بدل دینے سے بزم مشاعرہ یا صنعت ادب میں ان کو نمبر دوم کی جگہ نہ دینا چاہیئے جیسے کسی محفل میں گوہر جان کے بعد کشمیری طائفوں کو جگہ دی جاتی ہے نشاطیہ و المیہ شاعری کی قسمیں جذبات کے لحاظ سے الگ الگ ارسطو نے کی ہیں اور ظرافت دونوں قسم کی شاعری کا مشترک جوہر لطیف ہے، ارسطو یا دیگر عقلائے روزگار یا کسی ادیب نے یہ کہیں نہیں کہا ہے کہ ظرافت پست ترین یا خصائل رذیلہ یا پست جذبات کے اظہار کا ذریعہ ہے یہ

ہماری اپنی کمزوری اور ناسمجھی ہے اگر ظرافت یا ظریف و اکبر کی شاعری کو اس بنا پر کہ اس میں ظرافت کا پہلو نمایاں یا مخفی ہوتا ہے کوئی بلند صنف قرار نہ دیں۔ حقیقتہً ظرافت نگاری مشکل ترین اور لطیف ترین صنف ادب ہے اور یہی وجہ ہے کہ اور قسم کے ہزاروں شاعر پیدا ہوئے اور پیدا ہو رہے ہیں مگر اکبر یا ظریف ایک ہی پیدا ہوئے۔ ان کی حالت بالکل ابر نیساں سے گوہر پیدا ہونے کی حالت سے مشابہ ہے۔ میر کے بعد غالب، مومن، آتش بھی پیدا ہوئے مگر کوئی بتائے کہ اکبر اور ظریف کے بعد کوئی دوسرا اکبر و ظریف کیوں نہیں ہوا۔ جو اس کمی کو پورا کرسکتا۔ اکبر کی گور اور ظریف کے مزار سے اپنے جانشینوں کی تلاش میں یہ صدا کب سے آ رہی ہے مگر کوئی نہیں۔ ؎

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق　　ہے مکرر لب ساقی پہ صدا میرے بعد

ظرافت وہ بلند ترین معیار ادب ہے جس کی حالت شیرینی کے مزے کی سی ہے کہ وہ لفظوں میں نہیں سمجھائی جاسکتی۔

ظریف کی شاعری

اکبر اور ظریف کی شاعری کا ڈھانچہ تو ضرور نشاطیہ ہے مگر اس میں اخلاقی و معاشرتی و سیاسی فوائد اور اخلاق رذیلہ سے نفرت دلانے کے اثرات اسطرح جذب ہو گئے ہیں جیسے آگرے کی دال موٹھ میں گھی۔ اصلاحی نظموں اور ان کی نوعیت اور اثرات پر بیٹھ کر غور کیا جائے تو ہر نظم اور ہر شعر اور ہر بات ایک مرثیہ ہے اور وہی شعر جن کی ظاہری بندش اور ظاہری لفاظی پر ہم گھنٹوں ہنستے ہیں جب مطالب پر غور کریں تو پھر اتنا روئیں کہ آنسوؤں کا تھمنا مشکل ہو جائے۔ ظریف کے اشعار حکیم کے مسہل کی گولیاں یا واعظ کی نصیحتوں کا کام کرتے ہیں اور ان کی شاعری کی غرض اور اُسکا فائدہ یہ ہے کہ رذیل قسم کے اخلاق سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔

دائرۂ ظرافت و مزاح

ہر ملک و قوم اور ہر زمانے میں کم و بیش تفریحی شاعری یا ظریفانہ نشاطیہ شاعری جس نام سے بھی کہا جائے یا اور ایسے مضامین کا چرچا کسی نکسی

شکل میں ضرور رہا۔ ہندوستان کے سب سے آخری دور میں بادشاہوں کے دربار کا کیا ذکر ہے ہر ایک رئیس کی ڈیوڑھی پر ایک کلب اور ہر کایستھ کی شادی کا جمگھٹ نشاطیہ و مزاحیہ شاعری کی نوک جھونک کا بارود خانہ تھا ظرافت کی شاعری تفریح و نشاط کا جزو بھی ہے اور اس سے الگ چیز بھی اور کوئی اتفاقیہ چیز نہیں ہے بلکہ زمانے کے انقلاب اور ضرورتوں نے ظرافت کے طرز بیان اور شاعری کے لئے یہ شاہراہ نکالی۔

ظرافت کے دور کے جانچنے کے لئے ظرافت کے زمانے اور اس سے پہلے کے تمدن، معاشرت اور لٹریچر پر نظر دوڑانا چاہیئے کیونکہ سیاست اور تمدن کا اثر لٹریچر پر ضرور پڑتا ہے۔ دنیا میں ظرافت کے آنے سے پہلے ہندوستان میں دہلی، لکھنؤ، اور دکن خصوصیت سے اسلامی سلطنتوں اور علم و ادب کے بڑے مرکز تھے۔ غدر ۱۸۵۷ء کے پہلے سے ان سب مرکزوں کی ہر قسم کی قوتیں دم توڑ رہی تھیں۔ علم و ادب پر بھی بہت کچھ اثر پڑ چکا تھا اور ادب جدید کے لئے زمانۂ غدر کے کچھ اور پہلے سے ایک سازگار فضا پیدا کرتا آرہا تھا خوشی اور اطمینان جن پر نشاطیہ اور ظریفانہ شاعری کا دار و مدار ہے ان میں کافی اضمحلال پیدا ہو چکا تھا اس کے لٹریچر میں بھی تغیر کے لئے زمانہ گوش بر آواز تھا۔ یوں تو دُور دُور کے خصوصاً دہلی سے اہل کمال آصف الدولہ وزیر اودھ کے وقت سے کھنچ کھنچ کر لکھنؤ آنے لگے تھے اور لکھنؤ شاعری اور ادب کا اچھا خاصہ مرکز بن گیا تھا پھر اس سرزمین پر انگریزی تمدن کے اثرات جو رفتہ رفتہ پڑتے رہے اُن سب نے ملکر یہاں کے لوگوں کی خوش طبعی اور ذہانت سے فائدہ اُٹھایا اور ظرافت نگاری کا دور جو مدت دراز سے ایک قدیم رفتار سے چلا آرہا تھا سعادت علی خاں وزیر اودھ کے وقت سے انشاء اللہ خاں کی طبیعت داری کی وجہ سے کروٹیں لینے اور کسمسانے لگا۔

ظرافت کا پہلا دور | اس دور کو اس وقت سے شمار میں لے لینا چاہیئے جب سے خوش طبع ایرانی ہندوستان میں آنے لگے اور اُن کی خوش طبعی سے یہاں کے ادبی مذاق میں ایک نئی چاشنی پیدا ہوئی لطیفہ گوئی، بذلہ سنجی چٹکلے۔ چیستان۔ ہزل۔ ریختی۔ پہیلیاں۔ ضلع جگت۔ تمسخر۔ ہجو وغیرہ عہد سابق سے نظم و نثر کے لباس میں بادشاہوں، امرا اور سرمایہ داروں کی زندہ دلی اور تفریح کا خاص ذریعہ تھیں اور ان کی خاص غرض ہنسنے ہنسانے سے زیادہ کچھ اور نہ تھی۔ مثلاً جعفر زٹلی کی یہ نظم:- ؎ بپوشم اگر جوشن جنگ را۔ ہزیمت دہم لشکر لنگ را

چرکین کی اس قسم کی شاعری ؎ وصل کا وعدہ کیا بیت الخلا میں یار نے ✻ پنجۂ مژگاں سے جھاڑا چاہئیے پاخانہ آج
جعفر زٹلی یا میاں ہُدہُد کا یہ شعر ؎ سکّہ زد بر گندم و موٹھ و مٹر ✻ بادشاہ تسمہ کش فرخ سیر
پبلک بھی بقدر ذوق موقع ایسی ظرافت میں حصّہ لیتی چلی آتی تھی - بیربل کی لطیفہ گوئی، مُلّا دو پیازہ کے لطیفے
انشاءاللہ خاں کے چٹکلے، خسرو کی چیستان اور پہیلیاں، نعمت خان عالی کی بذلہ سنجی، سودا کی ہجو - چرکین کی غزلیں -
جعفر زٹلی کی نظمیں - سعادت یار خاں رنگیں اور جان صاحب کی ریختی - میاں تشر کے ہر شیے - ہدہد کے مزخرفات
پہلے دور کی ظرافت نگاری کی یادگاریں ہیں - یہ دور اُس وقت تک گرم عمل رہا جب تک قدیم تہذیب و تمدن کا رنگ
باقی تھا - جب انگریزی تہذیب اور لٹریچر سے یہاں کے ادب و شاعری کی مڈبھیڑ ہوئی اور فارغ البالی اور خوش طبعی
نے دوسرا چولا بدلا تو ظرافت نے کسی قدر سنجیدگی کا جامہ پہن لیا اور وہ ظرافت جو انفرادی تفریح اور تفنن طبع
کے کام میں لائی جاتی تھی اس سے قومیت کی اصلاح کا کام لیا جانے لگا اور بجائے تمسخر کے طنز اور قہقہے کے بجائے
ہلکا تبسم پیدا کرنے والے عنوان اختیار کئے گئے -

ظرافت کا دوسرا دور ظرافت کے دور ثانی کی ابتدا ۱۸۵۷ء کے غدر سے پہلے یعنی دہلی اور پھر لکھنؤ کے عروج کامرانی
کے زوال کے وقت سے شروع ہوئی اور اسکا نمایاں اثر ۱۸۷۷ء میں ظاہر ہوا جب اودھ پنچ نکلا اور علیگڈھ کالج
کا افتتاح ہوا اور خیالات اور مذاق زمانہ کے ساتھ ظرافت میں ندرت پیدا ہوئی - پرانے ظرافت نگار مرتے
گئے ظرافت نگاری کا سانچہ بدلتا گیا - اکبر - سرشار - ہجر - برق - سیّد ہادی - مچھو بیگ - پروفیسر شہباز وغیرہ
ظرافت نگار اور شاعر اودھ پنچ کے دم سے نمودار ہوئے - ان سب میں سب سے زیادہ نمایاں ظرافت و طنز نگاری
کے مجدّد اکبر الہ آبادی ہیں جن کی طبیعت میں خاصی ظرافت تھی مگر کوئی جولاں گاہ طبیعت کو نہ ملتی تھی اس لئے
پہلے وہ سادہ سادہ غیر ظریفانہ رنگ کے شاعر تھے - جب اودھ پنچ نکلا تو ان کی ظرافت نگاری مذاق زمانہ کے سانچے
میں پگھل پگھل کر ڈھلنے لگی - پہلا مبارک باد کا خط جو ۱۸۷۷ء میں اکبر نے ایڈیٹر اودھ پنچ کو لکھا وہ خاصہ طویل
اور غیر ظریفانہ شاعری کا نمونہ ہے - اس تاریخی خط کے صرف چند شعر اس لئے پیش کیے جاتے ہیں کہ یہ دکھانا ہے
کہ اکبر سا مجدّد بھی اودھ پنچ نکلنے کے بعد ظرافت نگاری کیطرف مائل ہوا - وہ نمونے کا خط یہ ہے :-

؎ کیا خوب ہے نسخۂ اودھ پنچ ✻ مجبوب ہے نسخۂ اودھ پنچ | اکبر کی طبیعت کی جولانی کے لئے جب اودھ پنچ لگیا

معقول مزاج ہے تو یہ ہے ٭ شرعاً جو مباح ہے تو یہ ہو
ہر چند کہ زجر بیشتر ہے گو فقرہ طعن نیشتر ہے

....

بگڑے ہوئے بنگلے ہنسی میں ٭ حکمت ہے تو ایسی دل لگی میں

....

ہر چند کہ طرز پنچ لندن بے شبہ ہے دل پسند پرفن
لیکن وہ نقش اولیں ہے نسبت اِس سے اسے نہیں ہے
ماشاءاللہ یہ نقش ثانی بہتر ہے بصورت معانی
وہ اِک گل صد بہار دیدہ یہ غنچہ تازہ نو دمیدہ

تو یہ کھل کھیلے اور پرانی سادہ شاعری کا خرقہ جبہ اُتار کر ان کی شاعری نے ظرافت کا جامہ پہن لیا اکبر پرانی تہذیب کے دلدادہ تھے۔ قدیم تخیل و تہذیب پر جدید تعلیم و تمدن کا اثر بڑی تیزی سے پڑتا جاتا تھا اس لئے تعلیم نسواں اور بے پردگی کی مخالفت اور پرانی مشرقی تہذیب کی حمایت اور کچھ مخصوص باتیں اکبر کی طنز نگاری کا نشانہ بن گئیں اور اہل ملک اور زمانے کی فضا اور اثرات سے یہ طنزیہ شاعری کا رنگ بہت دل پسند ہوا خصوصاً قافیے سے ظرافت کا گوشہ پیدا کر لینا اکبر کے حصے کی بات ہو گئی۔

یہ دور ظرافت کا دوسرا دور کہا جا سکتا ہے۔ مگر زمانے کی بڑھتی ہوئی ضرورتیں مزاحیہ اور ظریفانہ شاعری کے لئے کچھ اور مطالبہ پیش کر رہی تھیں گویا زمانہ مقروض تھا بل پیش ہو چکا تھا قرضے کی ادائی کا مسئلہ سامنے تھا کہ ظریف ضمانت میں پیش ہوئے وہی ظریف جو ۱۸۷۷ء میں اودھ پنچ نکلنے کے سال مکتب میں بھیجے گئے تھے اب نام خدا جوان ہو کر بڑے ہوئے اور اودھ پنچ کے عصائے ضعیفی بنے ان کے ساتھ ساتھ ظریف کی شاعری بھی پردے میں سنورتی رہی جیسا کہ ان کے حالات زندگی میں ذکر کیا گیا یہاں تک کہ ظرافت کے نئے سموئے ہوئے رنگ اور تیسرے دور ظرافت کا افتتاح کرنے یا یوں کہئے کہ اودھ پنچ اور اکبر کی ضعیفی کی ظرافت کا سہارا اور مدد دینے کے لئے ظریف آئے۔

ظرافت کا تیسرا دور | ظرافت کے تیسرے دور کی ابتدا اودھ پنچ نکلنے کے ساتھ اور زیادہ خصوصیت سے اس کے چار پانچ برس کے بعد ہی سے ہو چلی تھی جب قدیم تخیل اور زلف و گیسو کی شاعری سے دم الجھنے لگا تھا اودھ ایڈیٹر اودھ پنچ اور پیام یار کے ایڈیٹر خصوصاً مولانا صفی نے ظریف کو تیار کرنا شروع کیا تھا۔ یوں تو ظریف

کی ظریفانہ شاعری کا نمونہ ۱۸۹۰ء کے مشاعرے میں پہلے پہل ظاہر ہوا مگر جیسا کہ ان کے حالات زندگی میں بیان کیا گیا ہے ۱۸۸۱ء سے انکی مزاحیہ شاعری کے نمونے ظاہر ہونے لگے تھے اور ظریف کی شاعری سانچہ بنانے میں مسلم الثبوت اساتذہ کا ہاتھ پس پردہ تھا یہ سلسلہ آہستہ آہستہ چلتا اور بڑھتا رہا یہاں تک کہ ۱۸۹۵ء میں صفی صاحب نے لکھنؤ میں ایک دائرۂ ادبیہ قائم کیا جس کے اراکین میں خود جناب صفی، منشی سجاد حسین صاحب اڈیٹر اودھ پنچ شیخ ممتاز حسین آخردور کے اڈیٹر اودھ پنچ، ڈاکٹر مرزا محمد ہادی رسوا، جناب پیارے صاحب رشید، آبر مرحوم اور خود ظریف بھی تھے اس صحبت کی غرض یہ تھی کہ غزل کے قدیم رنگ اور پرانی شاعری تخیل میں مذاق زمانہ کے موافق کچھ اصلاح کی جائے اور ادائے خیال میں لطافت اور خوش طبعی کی چاشنی دیجائے دائرہ ادبیہ میں مشاعرے ہوتے تھے مگر مصرعہ طرح نہیں دیا جاتا تھا صرف قافیہ اور ردیف اور بحر بتادی جاتی تھی۔ اور صنف نظم کے لئے کوئی مضمون دیدیا جاتا تھا۔ اسی دائرۂ ادبیہ کا نام اور صورت بدل کر بعد چند سال ایک دوسری انجمن کی تشکیل ہوئی جس کا نام معیار ہوا اور اس میں صفی اور ان کے شاگرد۔ صغیر، لطیف، عزیز، ارم بہار، ظریف وغیرہ اور آبر، محشر، بلیغ، ناطق وغیرہ دیگر شعرا شریک ہوئے اور ان لوگوں کے سلجھے ہوئے مذاق ادب نے شاعری و تخئیل میں انقلاب پیدا کر دیا اور تخئیل جدید کے علی نمونے پیش کرنے شروع کر دئے۔ باہر کے حضرات میں بھی اکثر شعرا اسمیں شریک ہوکر تعریف کے حقدار ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ ظریف کو آمادہ کیا گیا کہ مشاعروں اور اخبار میں اپنی غزلوں اور نظموں کے ذریعے سے ظریفانہ رنگ اور طنزیہ انداز سے قدیم تخئیل کے عیوب کو ابھارتے رہیں ظریف کی شاعری نے اتنا اور اسپر اضافہ کیا کہ نہ صرف زبان اور تخئیل قدیم کی اصلاح کے لئے سعی کی بلکہ معاشرتی اصلاح کے لئے بھی اپنی شاعری کو ایک زبردست آلہ کار بنایا ظریف کے لئے بہت سی سہولتیں اس دور کی ترقی کے لئے تھیں۔ ایک تو لکھنؤ کی ٹکسالی زبان جو انکو ارث میں ملی پھر یہاں کی خوش طبعی، لکھنؤ کے باکمالوں کی صحبت۔ پشت پناہی کے لیے صفی جیسا قادر الکلام اور ذی کمال اُستاد۔ خیالات اور معلومات کا ذخیرہ فراہم کرنے کے لئے لکھنؤ کی اور صحبتیں اور بزم گزشتہ کی داستانیں جن کا جائزہ لینا ظریف کی شاعری کا دلچسپ مشغلہ تھا۔ مغربی تہذیب کی ترقی اور اخلاق و عمل کی پستی نے سخت سے سخت اشتعال کے سامان

ظریف کے لئے مُہیا کر دے تھے۔ اس لئے زندگی کے جتنے شعبے تشنۂ اصلاح نظر آتے گئے اُن سب پر ظریف نے سیر [illegible] نظمیں لکھیں جو اُن کے دیوان کے حصہ سوم شہادت کے لئے موجود ہیں۔

ظرافت کے عنوان] اظہار ظرافت کے دو خاص بڑے عنوان ہیں باقی چھوٹی چھوٹی شکلیں سب انھیں کے بال بچے ہیں ایک عنوان تو یہ ہے کہ کوئی بات یا واقعہ یہاں تک کہ معمولی سے معمولی بات جو بجائے خود ایسی نہ ہو کہ یوں اس سے ہنسی آئے مگر ایسے لفظوں اور ترکیب اور طرز سے اس کو ادا کیا جائے کہ سُنکر خواہ مخواہ ہنسی آجائے جیسا کہ ظریف کی غزلوں سے اس کی بے شمار مثالیں چنی جا سکتی ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ شخصیت (کیرکٹر) کو بیان کر کے اس سے ظرافت پیدا کی جائے یعنی الفاظ اور ترکیبیں بھی چاہے سادہ اور غیر مضحک ہوں مگر کردار و عمل یا نتیجہ ایسا ہو کہ اس پر غور کر کے ہنسی آجائے۔ جس طرح ظریف میونسپل الکشن والی نظم میں میونسپلٹی کی ممبری کے امیدوار کے در بدر ٹھوکریں کھانے اور ذلیل و ناخواندہ ووٹروں کے سلوک اور بات چیت سے اس کے کردار کی تصویر پیش کر کے داد ظرافت و لطافت دی ہے۔ ظریف کی شاعری میں ظرافت کے دونوں اسلوب بیان بہت کثرت سے ملتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک میں کچھ خاص مشترک خصوصیات ہیں۔

ظریف کی شاعری کے خصوصیات] ظریف کی شاعری کے چند خصوصیات یہ ہیں:-

(۱) ظرافت اور تفنن طبع میں اعتدال

(۲) حکیمانہ خیال کا لطافت و رنگینی کے ساتھ بیان۔

(۳) رکیک و مبتذل تخئیل اور الفاظ سے اجتناب

(۴) ہر بزم اور ہر طبقے میں پڑھنے اور انکی سمجھ کے قابل دلچسپی

(۵) بیباکی اور حرّیت فکر سے اظہار رائے۔

(۶) قومی و ادبی اور سماجی اصلاحات کی فکر۔

(۷) لطف زبان۔ صفائی اور اثر

(۸) موافق فطرت طرز بیان اور مؤثر طنز۔

(۹) ادبی محاسن کی چاشنی اور غلطیوں سے بری۔

(۱۰) بلندی نفس اور اعلےٰ تخئیل کی تلاش۔

(۱۱) نفسیات کا بے مثل مصوری۔

(۱۲) زبان کی ترقی اور وسعت کے لئے خاص خاص ترکیب اور الفاظ کا استعمال

غزل] شاعری کے بڑے حصے کو غزل کی چادر میں گاتی بنا کر شعرا نے گلے میں لپیٹ لیا ہے اور غزل کی شاعری میں کمر اور دہن کے غائب ہونے کا شعبدہ خدا جانے کب سے دکھایا جا رہا تھا۔ ظریف کی جوانی تک غزل کے سانچے سے شعرا نے لاکھوں ایسے ایسے شعر ڈھال کر نکالے جن میں پستی خیال سوقیانہ طرز ادا، عریانی جذبات، مخرب اخلاق، مضر تہذیب، رکیک تصنع عزت نفس کے خلاف اثرات تھے، غلامانہ ذہنیت کا اظہار اور وہ اس حد تک کہ بے چارے غریب انسان کو اتنا گرایا گیا کہ کتا بنا کے چھوڑا۔ معشوق شکار پر چلا گیا عاشق کو ساتھ نہیں لے گیا تو یہ اس کے دروازے پر اپنی غلامی کی عقیدت کو رو رو کر یوں ظاہر فرما رہے ہیں۔

سحر آدم بکوئیت بہ شکار رفتہ بودی   توکہ سگ نہ بردہ بودی بچہ کار رفتہ بودی

اہل علم کا مقولہ ہے کہ اگر کسی قوم کی تاریخ معدوم ہو جائے تو تاریخ کی تدوین کے لئے اس قوم کا ادب کافی ہے اب اگر اس شعر پر تاریخ ترتیب پائے تو آئندہ نسلیں ایک زمانے کے بعد یہی خیال کریں گی کہ پہلے زمانے میں عاشق سے کتے کا کام لیا جاتا تھا اور لومڑی درگوہ کے شکار کے پیچھے عاشق چھوڑ دیے جاتے تھے یہ تو ایک بات تھی، ایسی ایسی کتنی باتیں کراماتیں غزل میں ہیں جن کو پڑھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ غزل نہیں کسی بھوت پریت کا قصہ ہو اور مضامین تخئیل کو اس بھوت نے اس طرح پکڑ لیا ہو جیسے انگلستان میں کبھی مذہب نے ادب کو جوگے کی بیماری کی طرح دبوچ لیا تھا اور چاسر (Chausar) اور لینگ لینڈ (Lang Land) ایسے حریت فکر کے دھنی شاعر پیدا ہوئے اور انھوں نے اپنی نظموں کے ذریعے سے مذاق زمانہ کو جھنجھوڑا اور اپنے ملک کے ادب اور اپنے ملک کے انسانوں کو اوہام پرستی سے بچایا جس طرح سوئفٹ (Swift) نے اپنی طنز نگاری سے عوام کو سیدھی راہ پر لگایا۔

ہندوستان کی شاعری کی فضا بہت مسموم اور گندی ہو چکی تھی ظریف کے زمانے تک کم و بیش مذموم تخئیل کا چٹخارا زبان لے رہی تھی۔ زبان، ادب اور شاعری بیشمار خوبیوں کی پیداوار اور اصلاحات کے قدرتی سانچے ہیں۔ جب خود سانچہ بگڑا ہو تو اصلاح و ترقی معلوم۔ ظریف نے اس کمی کو بہت درد کیساتھ

محسوس کیا کہ جس قوم اور ملک کی شاعری واقعیت کے تخیل سے کالے کوسوں دور اور محض دام گیسو میں اُلجھ کر رہ گئی ہو اس قوم کی کشتی مراد کا خدا ہی حافظ ہے۔

ظریف نے ہنسا ہنسا کر جسقدر تیز اور گہرے نشتر زلف و کمر والی شاعری پر لگائے ہیں اور در پردہ نہیں علانیہ غزل کی شاعری میں ریفارم اور اصلاح کے لئے بہت بلند آواز سے جیسا احتجاج کیا اس کی مثال ظریف کے زمانے سے پہلے اور بعد بلکہ آج تک نہیں ملی۔ ظریف کے دیوان کا پہلا حصہ بظاہر ہنسنے ہنسانے والی غزلوں کا مجموعہ ہے مگر جیسا کہ اُوپر ذکر ہوا شاعری تمام اصلاحات کا سرچشمہ ہے اس لئے ظریف سب سے پہلے دقیانوسی تخیل کی اصلاح کے زبردست علمبردار بن کر اُٹھے اور ۱۸۸۹ء میں جب کھل کر شاعرے کی غزل میں طنزیہ طور پر اصلاح تخیل کا اعلان کیا اس کے بعد بھی مسلسل جب اور جس طرح ضرورت پیش آتی گئی تادم مرگ وہی غم کی کہانی ہنسا ہنسا کر سناتے رہے۔ ظریف نے غزل کی شاعری کے اصلاحات میں جزئیات عیوب تک نظر دوڑائی ہے۔ پُرانے وقت سے یہ طریقہ چلا آتا تھا کہ زور طبعیت دکھانے کے لئے ایک ہی قافیہ میں پچاس پچاس شعر سو سو شعر اس طرح کہے جاتے تھے جیسے برسات میں چہل کات لکھ کر صحن میں کاغذ پھینک دیا جاتا تھا کہ بارش بند ہو جائے یا جس طرح بچوں سے وصلیوں اور تختی پر الف الف اور ب ب۔ ج ج۔ کی مشق کرائی جاتی ہے اس طرح قافیہ پیمائی ہوتی تھی ۱۳۱۰ھ ہجری میں ظریف نے یہ محسوس کیا کہ اب تک قافیے کی بندش کی وہی ریت قائم ہے تخیل کو نچوڑ نچوڑ کر فضلہ تک سطح کاغذ پر گرانے اور بقول شخصے جتنا چھانئے اتنا ہی کرکرا ہونے کی رسم جاری ہے کیا معنی کہ ناسخ نے چاک گریباں کا قافیہ زور دیکر نظم کیا ہے تو اسی زمین میں چاک گریباں اور گریباں کی قید سے غزل کی غزل بلکہ دوغزلہ سہ غزلہ کہنے پر زور دیا جا رہا ہے۔ ظریف نے اس طرز پر نشتر لگانے کے لئے ایک لمبا تیز الف کا نشتر نکالا اور چاک گریباں سے ”الف“ چاک گریباں میں لگایا اس طرح بعنوان ظرافت شعرا اور اہل زمانہ سے اس میں ترمیم کے لئے احتجاج کیا۔ ظریف نے الف چاکِ گریباں کے مقید قافیے میں ۴۶ شعر اور پھر محض چاک گریباں کے قافیے میں ۳۱ شعر کہے اس طرح

ان کے چاک گریباں کے دونوں کھاتوں کی میزان ۷۷ ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک زمانے میں یہ دستور تھا اور تنویرؔ شاگرد رشکؔ نے تو ایک غزل میں یہ تسلیم کیا ہے کہ غزل میں مادۂ تاریخ کا مصرع بھی شامل کئے جانے کا طریقہ رائج تھا۔ جناب دانشؔ مرحوم کی بہت سی پرانی غزلیں اگر کہیں ملیں تو اُن سے بھی اس کی تصدیق ہوسکتی ہے کہ اکثر شعرا غزل میں مصرع مادۂ تاریخ نکالنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کرتے تھے اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا ان کی غزل اور یہ مادۂ تاریخ مجنون کی قبر پر کندہ ہوکر نصب ہوگا۔ ظریفؔ نے سنہ ۱۳۱۷ ہجری کی اپنی غزل میں اس بیکار سعی اور تضیع اوقات کو اپنے جنوں سے تعبیر کیا ہے اور بجائے اس کے کہ یہ کہتے کہ عرصے سے یہ جنوں کی بیماری شعرا میں چلی آتی ہے خود اپنے کو پرستار جنوں کہہ کر شعرا اور عوام کو ذیل کے قطعے میں متنبہ کیا ہے۔ سنہ ۱۳۱۷ ہجری والے مشاعرے کے لئے جو قطعہ ظریفؔ نے کہا وہ شعرا کے نفسیات کی ایک مختصر اور جامع تاریخ ہے۔ ملاحظہ ہو:-

؎ قلم ہے آجکل زوروں پہ یاران سخنداں کا
وہ پنجہ پھر گیا دیکھو جنون فتنہ ساماں کا

زبردستی ہزاروں دھجیاں سب نے اُڑا ڈالیں
پُرانا چیتھڑا پایا جو ناسخ کے گریباں کا

کھلے ہیں جا بجا گل اسقدر چاک گریباں کے
گماں ہے صفحۂ قرطاس پر گلچیں کے داماں کا

زمین شعر ہے زورآوران نظم کا دنگل
گُل کشتی ہے گویا قافیہ چاک گریباں کا

کھلا میرا بھی مُنہ خمیازۂ چاک گریباں پر
اُسے میں کیا کروں یہ خاصہ ہو طبع انساں کا

خدا شاہد غزل پڑھتے ہوئے اب شرم آتی ہو
کہ یہ فن ہوگیا بازیچہ اطفال دبستاں کا

جسے دیکھو وہی بے مثل اپنے کو سمجھتا ہے
یہ ہمسر ہے فرزدق کا وہ ہمپایہ ہو سحباں کا

مرا مشرب ہے صلح کل مرا مسلک ہے آزادی
نمک پروردہ ہوں ذوقِ سخن کے خوان احساں کا

چمن زار ظرافت سیر گاہ طبع موزوں ہے
کہ ہے خار حسد سے پاک تختہ اس گلستاں کا

سڑی ہو جائے ہنستے ہنستے جب دیکھے کوئی بدبیں
زمین شعر میں یوں گل کھلے چاک گریباں کا

سخنور زہر کھائیں دیکھ کر کیوں میری سرسبزی
مجھے اک سبزۂ بیگانہ سمجھیں اس گلستاں کا

لگے ہاتھوں یہیں اک قطعۂ تاریخ ہو جائے
تقاضا ہے بہت مجھ پر جنونِ فتنہ ساماں کا

الف اک ٹھونس کر کہہ دوں کہ اب گن لو سن ہجری
جنوں گلدستۂ رنگیں ہے یہ چاک گریباں کا

۱۳۱۶ + ۱ = ۱۳۱۷

۱۳۱۷ھ

ظریف کی شاعری کے فائدے | ظریف کی شاعری کی نشو و نما جنگل کی خود رو بوٹوں کی طرح کی نہیں ہے۔ ادب اور قومی و انفرادی زندگی کی اصلاح ان کی شاعری کے مقررہ پروگرام کے اجزاء ہیں۔ ان کا پہلا مطمح نظر یہ تھا کہ زبان اور تخیل قدیم کی اصلاح کی جائے اور تمام اقسام کے کہنہ شاعروں اور دوست نما دشمنان زبان و ادب سے زبان و شاعری کو بچایا جائے اور اسی کے ضمن میں شاعری کے پرانے برگد کے پیڑ سے دقیانوسی تخیل کا بھوت ظرافت کی طلسمی لکڑی سے بھگانا ان کی اولیں غرض تھی جس کے ذریات میں وہ شاعرانہ توہمات کی چڑیل بھی تھی جس کی نسبت کہا جاتا تھا کہ صنوبر اور شمشاد کی طرح اس کی لمبی لمبی ٹانگیں ہیں اور وہ لمبے لمبے بالوں سے عاشقوں کی شب ہجر ناپتی پھرتی تھی، اس کا دہن غائب، کمر ندارد مگر پھر بھی رقیب کو وہ دانت سے ضرور کاٹتی تھی عاشق کو فرضی خنجر اور کٹاری سے مارتی پھر جلاتی اور مداری کے تماشے کی طرح اس کی خاک کا غبار بونڈر میں اڑاتی پھرتی تھی۔ منجنیق میں رکھ کر کبھی کبھی عاشق کو بلبل کے آشیانے میں پہونچا دیتی تھی جہاں سے پھر پکڑوا کے پنجرے میں بند کرا دیتی تھی۔ ایسی طرح کے ہزاروں شعبدے تھے کوئی کہاں تک بیان کرے۔

ظریف کا دوسرا مطمح نظر یہ تھا کہ زندگی کے مختلف شعبوں میں جو نفسانی امراض اور توہمات چیچک اور ہیضے کے کیڑوں کی طرح ملک اور قوم کے افراد میں پھیل گئے ان کا علاج خوشگوار طنز اور ظرافت سے کیا جائے اور سوسائٹی، مذہب، اقتصادیات ملک و قوم کو جتنے مختلف قسم کے غدار لوگوں نے تباہ و برباد کر رکھا ہے اُنسے بچایا جائے۔ ان دو اغراض کو پورا کرنے کے لئے اُنھوں نے یہ عنوانات شاعری جن میں کھانے کمانے والے اور

مذہبی وسیاسی پردہ ڈال کر لوٹنے والے پنڈت، سیاسی لیڈر، علمائے سو، حکام کے خوشامدی، قوم فروش، اور طرح طرح کی صورتیں دکھائی گئی ہیں، اختیار کیا غزلوں کے ذریعے سے زیادہ تر شاعری اور ادب کی اصلاح کی فکر کی اور معاشرتی اصلاح کے لئے اپنے مسدس، قطعات اور دیگر اصناف نظم سے مدد لی۔

ظریف کی غزلیں] مطلب اور مقصد کے لحاظ سے ظریف کی غزلوں کی دو صورتیں ہیں ایک قسم میں تو اُن اشعار کا شمار ہے جن میں تخئیل قدیم اور اُن تمام خرابیوں کی اصلاح کی فکر کی گئی ہے جن سے ادب و شاعری پر بُرا اثر پڑتا تھا اور اُردو شاعری بدنام ہو رہی تھی۔ اُنھوں نے طنز و ظرافت سے اس طرف توجہ دلائی اور اسکا اثر دل پر ایسا پڑا کہ زلف و کمر وغیرہ اور رکیک و مبتذل تخئیل سے دل کو نفرت ہوگئی۔

دوسرے وہ اشعار اور غزلیں ہیں جو محض ہنسنے ہنسانے اور تفنّن طبع کے لئے ظریف اس نظر سے کہہ لیا کرتے تھے کہ اس طرح کے ہلکے اور پُر مذاق لٹریچر سے پہلے دلوں کی ضیافت کرکے پھر طنز اور نصائح کے ذریعے سے اصلاحات کی طرف متوجہ کیا جائے اسکو یوں سمجھیے کہ لوگوں کو ادھر اُدھر سے سمیٹ کر کہ جیسے اعلان کرنے والے ڈگی پیٹ کر ایک جگہ کر لیتے ہیں پھر اپنا مطلب بیان کرتے ہیں اہل زمانہ کو اس بارے میں ہندوستان یا دوسرے ملک اور دوسری زبان کے شاعر اور اُن کی شاعری سے مقابلہ کرکے ظریف کی شاعری پر نظر کرنے کی ضرورت نہیں ظریف کو اس لئے ظرافت اور طنز کا شیوہ اپنی شاعری کے لئے اختیار کرنا پڑا کہ ان کو ایسے زمانے اور ایسے لوگوں کی اصلاح کے لئے عملی اقدامات کرنا تھے جن کے لئے مقتضائے وقت کے لحاظ سے جو طریقہ ضروری تھا وہی اُنھوں نے اختیار کیا اگر ظریف ہر جگہ گہری ادبی اور علمی ظرافت کا طرز اختیار کرتے یا ان کی شاعری کا تمام حصّہ محض طنز اور نصائح اور ادب اور معاشرتی زندگی کے معائب کے اظہار کیلئے وقف ہو جاتا تو جس طرح وہ اپنا مطلب حاصل کرنا چاہتے تھے اس میں کامیابی نہ ہوتی اور جب ظریف غزل یا نظم پڑھتے تو لوگ کہتے۔

؎ صحبت وعظ تو تا دیر رہے گی واعظ   یہ ہے میخانہ ابھی پی کے چلے آتے ہیں

ترتیب دیوان اور اشاعت کے وقت یہ بہت ممکن تھا کہ غزل اور کلام کا وہ حصّہ جو محض تفنّن طبع کے لئے کہا گیا تھا نکال دیا جاتا اور غالب کے دیوان کی طرح کچھ تھوڑے سے مٹھی بھر شعر رکھ لئے جاتے مگر وہاں

ایک دوسری صورت تھی یہاں تو ہر شعر ظرافت کے لحاظ سے اپنی نوعیت کا ایک تفریحی نمونہ ہے۔ پھر ظرافت خود ایک عجیب پُر لطف چیز ہے۔ وہی ظرافت کی بات ہوتی ہے جس کا اثر کبھی ایک شخص پر بالکل نہیں ہوتا اور دوسرا اُسی کو سن کر اس طرح لوٹن کبوتر بن جاتا ہے کہ یہ تماشا دیکھ کر نہ ہنسنے والے کو بھی ہنسی آجاتی ہے اس ترتیب و انتخاب کے وقت فلسفۂ ظرافت و تفریح کے اثر کا مسئلہ سامنے آگیا کہ کس شعر کو رکھا جائے اور جو نہ رکھا جائے وہ ممکن ہے کہ کسی دوسرے شخص کو بہت پسند ہو اب یہ کہ اسے کیوں پسند ہو اس کے بارے میں یہ کہنے کا حق نہیں کہ فلاں شخص کو بندر کیوں پسند ہے اسے ابابیل پالنے کا شوق کیوں نہیں ہے۔ اس کے علاوہ شاید اس کو دل بھی جمع رہنے دیا گیا کہ ظریف مرحوم کے کلام کا بڑا حصہ ضایع ہوگیا تھا۔ ان کے مرنے کے بعد یہ دیوان بمشکل مرتّب ہوا اب اس میں کاٹ چھانٹ کا موقع نہ تھا۔ یہ مانا کہ بہت سے محض تفریحی شعر نکال ڈالے جاتے تو اچھا تھا اور دنیا میں لالی لنگڑی اور کانی ادلاد مارڈالی جاتی تو اور بھی بہتر تھا مگر ایسے اشعار تاریخی ضرورتوں اور ظریف کے حسنِ تدبیر اور ادبی اصلاح کی سعی عمل کا پتہ دیتے ہیں۔ دوسرے اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ جو کتاب گھر میں آتی ہے تھوڑی بہت پڑھی لکھی بیویاں بھی اُسے ضرور پڑھتی ہیں ظرافت کا نام سُن کر بچّے بھی کتاب اُٹھا کر پڑھنے لگتے ہیں اور ان لوگوں کیلئے سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ عام فہم اور سہل قسم کی ظرافت ہو جس سے تفریح ہو جائے اور اخلاق پر بُرا اثر نہ پڑے اور اچھی اردو سکھیے اور ذوق سلیم و خوش طبعی کی نشو و نما میں مدد ملے۔ لہذا اس ذکر کو چھوڑ دیئے ایسے کچھ شعروں کو زیادہ سے زیادہ کانی اولاد کیطرح رہنے دیجئے۔ لیکن بایں ہمہ صرف وہ پرائیوٹ نظمیں جن میں ممبرانِ تفریح الاحباب کلب پر نہایت بے تکلّفی سے لے دے کی گئی ہے یا جن میں بعض برخود غلط اشخاص کی کسی خاص موقع پر بہت بُری طرح خبر لی گئی ہے چونکہ منظر عام پر لائے جانے کے قابل نہ تھیں لہذا وہ دیوان کے تیسرے حصّے سے خارج کردی گئیں۔ غزل کے وہ اشعار جن کے ذریعے سے قدیم تخئیل کی اصلاح کا مطالبہ کیا گیا ہے ان کو دیکھئے کہ طنز اور ظرافت سے کیسے کیسے پہلو اختیار کئے گئے ہیں جو دل نشیں ہیں اور دقیانوسی تخئیل اور شاعری کی پُرانے اور مہیب تخئیل کے بھوت پریت سے

نفرت دلانے کیلئے کسقدر مفید اور مؤثر ہیں:۔

(معشوق کو صنوبر کہنا) ؎ عجائب گھر ہے باغِ حسن بھی اک قسم کا گویا | کہ دو ٹانگوں کا ہے جس میں صنوبر دیکھتے جاؤ

(زلف میں دل پھنسنا) ؎ زلف کی شست میں پھنس جانیسے معلوم ہوا | دِل بیتاب ہو گا کوئی مچھلی ہو گا

(پامالی مزار) ؎ پاؤں سے اپنے ٹھکرائے جو مزارِ عاشق | وہ تو معشوق نہ ہوگا کوئی ہاتھی ہوگا

(نزاکت سے خنجر نہ اُٹھنا) ؎ کوشش ہوا اُٹھانے کی تو کیونکر نہ اُٹھے گا | لنجے نہیں ہیں آپ جو خنجر نہ اُٹھے گا

(لاغری سے تار بستر ہو جانا) ؎ وہ ہو کیسا ہی دبلا تارِ بستر ہو نہیں سکتا | غلط ہے آدمی اسطرح لاغر ہو نہیں سکتا

(عاشق کی فرضی موت) ؎ خیالی ہجر میں فرضی مریضِ غم کا مر جانا | یہ سب کیا ہے سلامت جھوٹ کے پل سے اُتر جانا

(درازیٔ شب ہجر) ؎ گر بنائیں آنت ملجائے اگر شیطان کی | اس سے پھر پیمائشِ طولِ شبِ ہجراں کریں

(دختِ رز) ؎ یہ سنوں کی شادی دخترِ رز کیا ٹھہری ہے | مبارک حضرت پیرِ مغاں داماد کرتے ہیں

(ابرو کے خنجر ہونے پر پھبتی) ؎ چٹا دو گر کہیں سلی تو سارا بانکپن غائب | کسی کا ابروِ خمدار خنجر ہو نہیں سکتا

(داغ دل پر طنز) ؎ داغ کے درہم و دینار بھرے ہیں جسمیں | دل وہ کیونکر ہوا صراف کی تھیلی نہ ہوا؟

(رنج و غم کھانے کا مضحکہ) ؎ اے مسیحا تیرے بیمار جسے کھاتے ہیں | رنج و غم کیوں ہے وہ مونگ کی کھچڑی نہ ہوا؟

(کمر کے نہ ہونے کی تخئیل پر طنز) ؎ کہنے کو کہیے مان لوں جھوٹ میں سچ ملا ہوا | تیغ بندھے تو کس طرح یار کے جب کمر نہیں

ظریفؔ کی یہ محنت جو تخئیلِ قدیم میں اصلاح و تغیر کے متعلق تھی ٹھکانے لگی اور ان کی زندگی ہی میں یہ ہو گیا کہ وصل و ہجر کے ناپاک قصے معشوق سے دھول دھپا، لپاڈگی، رقیبوں کی دراز دستی، رعایت لفظی کی بھرمار، معاملہ بندی، سوقیانہ طرز ادا وغیرہ کی جگہ صدق و صفا کے جذبات نے لی اور ذوق سلیم، تصوف و فلسفیانہ تخئیل کو غزلوں میں جگہ دیجانے لگی امانت مرحوم جیسے باکمال شاعر کے مرنے پر جو یہ صدا آرہی تھی ؎

قبر پر میری لگایا نیم کا اُس نے درخت | بعد مرنے کے مری توقیر آدھی رہ گئی

اس ظلم کا بدلہ ظریفؔ نے لے لیا اور ہمیں امید ہے کہ شاعری کی سرزمین سے اب بیخ و بنیاد کھود کر یہ نیم کا درخت پھینک دیا گیا بلکہ ؎ بیروں میں بھی مرا نازک بدن ملتا نہیں۔ ایسی تمام تخئیل کا قلع قمع ہو گیا۔

دوسرا پروگرام جو ظریف کی شاعری کا ہے وہ معاشرتی زندگی کے معائب کو دور کرنے کی سعی کے متعلق ہے۔ اس کے لئے بھی غزل سے اُنھوں نے جابجا کام لیا ہے مگر حقیقۃً غزل سے کام لینا کم تر پسند کیا اس لئے کہ شاعری کی اصلاح کا تعلق ایک خاص اور مخصوص طبقہ شعراء سے ہے اور ان کو اکٹھا مشاعرے میں پکڑ پاتے تھے جب وہ اپنا درد دل یا بقول "یعقوب الحسن مرحوم درد زہ دور کرنے یعنی شعر سنانے کے لئے گھر کے سو کام چھوڑ کر آتے تھے اسوقت ظریف سب سے آخر میں ان سے کہتے تھے کہ اپنی شاعری سُنائی تو میری بھی سنتے جائیے یعنی قصہ زمین برسر زمین۔ بات ٹھکانے کی ہوتی تھی اور برمحل ہوتی تھی اثر پڑ ہی جاتا تھا چنانچہ اثرات پڑے اور بے بھاؤ کے پڑے۔ ظریف نے کہیں کہیں اصلاح معاشرت یا اخلاق کی اصلاح کا ذکر بھی غزل میں کیا ہے جس کی چند مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں حالانکہ ان کا ذخیرہ اچھا خاصہ دوسری مکمل اصلاحی نظموں میں ہے۔ غزل کی شاعری کا بیان ہے تو سُن ہی لیجئے:- افیونیوں کی زندگی کی یہ خصوصیت ہے کہ کبھی تو کسی بات کو سُنکر اُسپر حاشیہ چڑھا کر ایک بے سرو پا خبر اُڑا دیتے ہیں کبھی یوہیں بیٹھے بیٹھے بے تار برقی کی خبر مشہور کردیا کرتے ہیں اس ظرافت خیز ذکر سے یہ سبق ملتا ہے کہ بغیر اپنی جانچ کے بادہوائی خبر پر یقین نہ کرنا چاہئے ورنہ یوہیں مضحکہ کیا جائے گا جیسے مدک خانے کی خبر پر۔ یہ شعر ایسے کردار کی دلکش تصویر ہے:- ؎

یہ خبر ہو گئی تحقیق مدک خانے میں ——— سات دن آج سے ہیں زلزلے کے آنے میں

ہندوؤں کے مردے کو جو صاحب آگ دیتے ہیں وہ ڈاڑھی مونچھیں بھی منڈوا ڈالتے ہیں اسی طرح سے بچے کے سوگ اور سدھ میں کچھ دنوں سے ایسا فیشن نکلا ہے جس کی وجہ سے بسا اوقات ڈاڑھی مونچھ منڈے کے سن اور جنسیت کی تشخیص میں دھوکا ہو جاتا ہے ادھر مردوں کو یہ خبط اُدھر عورتوں کو یہ سودا کہ وہ پٹے رکھنے لگی ہیں۔ اس بات کو کتنے مؤثر عنوان سے ظاہر کیا ہے:-

؎ ڈاڑھی مونچھیں جو منڈائی ہیں تو پٹے رکھئے ——— فرق ابھی آپ میں اور آپ کی ہمشیر میں ہو

زمانۂ حال میں نئی تہذیب نے یہ رواج نکالا ہے کہ کسی مقرر کی پسندیدہ بات کو سُنکر لکچر سننے والے تالیاں بجاتے ہیں یہ واہ واہ اور مرحبا و احسنت کے قائم مقام نو ایجاد چیز ہے ممکن ہے کہ آئندہ رواج بدلے

اور ہر ایک گھنٹی یا سیٹی جیب میں رکھے اور بجا دیا کرے بہر حال اسوقت تو تالی بجانے کی رسم زور وشور سے جاری ہے۔ اُلّو بھگانے کے لئے لوگ درختوں میں لکڑی کے کھٹکھٹے باندھ دیتے ہیں جہاں ایسا انتظام نہیں ہوتا وہاں تالی بجا دیتے ہیں۔ اُلّو کے آواز لگانے کو اس کی تقریر سے تعبیر کر کے نئی تہذیب کی تالیوں پر لطیف طنز ہے۔ ؎

بجاؤ تالیاں ہم سے نئی تہذیب کہتی ہے جہاں اسپیچ دینے رات کو اُلّو نکلتے ہیں

لکھنؤ میں بعضوں نے معمول کر لیا ہے کہ ریل کا بھونپو بہت تڑکے سُنکر صبح کی سیر کو گھر سے نکلا کرتے ہیں لیکن صبح کی نماز کے لئے اذان دیکر مؤذن بلاتا ہے تو اس پر عیش کے بندے مسجد نہیں جاتے نماز پڑھنے کا ذکر کیسا۔ اس عبرت ناک بات کو اس طرح دکھایا ہے:۔ ؎

اذان سُنکر کریں مسجد کا رُخ یہ ہو نہیں سکتا گھروں سے اپنے سُنکر ریل کا بھونپو نکلتے ہیں

جاہل اور تعلیم یافتہ لوگوں کے طرز زندگی اور معاشرت میں خاصہ فرق ہوتا ہے۔ اگر زاغ کو پکڑ کر بلبل کے پنجرے میں بند کر دیں تو کیونکر نبھے گی۔ مگر اس نئی تہذیب نے ذات پات اور تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ کا فرق مٹا دیا اور نیچ ذات کے ناخواندہ کو بھی کونسل اسمبلی میں ممبری کا حق دیا گیا ہے اور دونوں آنریبل یا معزز ہو گئے جو مساوات کے دلدادہ ہیں ان کی دلچسپی بھی اسی ذکر سے ہو جاتی ہے کیا چبھتا ہوا نشتر یہ شعر ہے:۔

؎ کونسلوں نے دونوں کو آنریبل بنا دیا تھی جو صفت شریف کی اب ہے وہی چمار میں

انسان کا دوسرے کے کام آنا اور خلق خدا سے ہمدردی بہترین انسانی صفت ہے۔ یہ باتیں زمانۂ سابق میں زیادہ تھیں۔ اب آج کل کے صاحبِ دولت غریبوں سے ملنا اور ہمدردی کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ قوم کی اس دردانگیز زندگی اور ایسے بندگانِ خدا کی بے توجہی کو کس مؤثر انداز سے دکھایا ہے یعنی چلتے وقت جس ساخت کے جوتے سے چرمر کی آواز پیدا ہوتی ہے اس کو بار بار دیکھنے میں یہ محویت ہے کہ بھوک سے مرنے والوں کے حال زار کا بھی خیال نہیں:۔

؎ مرے جاتے ہیں جو بیکار تم اُن سب کے مرنے دو فقط رفتار میں جوتے کی چرمر دیکھتے جاؤ

ایثار اور قوم و ملت پر فدا ہونا مسلمانوں کے خصوصیات سے تھا۔ اسی خلوص اور خدمت سے مسلمان بڑھے۔

اب تعلیم اور ایسے جذبے سے دُور ہونے کی وجہ سے مسلمان قعرِ ذلت اور پستی میں گر گئے۔ اور یہ قابل قدر جذبہ اور ایثار برادرانِ وطن، ہنود میں زیادہ پایا جاتا ہے۔ ملک و قوم کے مخلص محبّ اور وطن پرست جو بھی نکلتے ہیں وہ انھیں میں نکلتے ہیں پہلے مصرع میں اسمائے خاص یعنی اسمائے معرفہ کو کس لطیف عنوان سے نکرہ کے معنی میں لاکر رگ غیرت پر نشتر طنز لگایا ہے یعنی مسلمانو! اتم میں اب گاندھی اور نہرو ایسے صاحب ایثار کیوں پیدا نہیں ہوتے، اس دن کو یاد کرو جب تمھاری قوم میں بھی ایسے لوگ نکلتے تھے:۔

کبھی گاندھی نکلتے ہیں کبھی نہرو نکلتے ہیں مسلمانو! فدائے قوم اب ہندو نکلتے ہیں

اکثر رؤسا اور حکام اور ذی رتبہ لوگ اس طرح کے ہوجاتے ہیں کہ جس نے جو کہہ دیا اسی کو سچ مان لیتے ہیں۔ خود کسی معاملہ کی جانچ پڑتال نہیں کرتے یہ ایک بڑی اخلاقی کمزوری ہے۔ ظرافت کے رنگ میں بڑی خوبی سے اس اخلاقی کمزوری کو دکھایا ہے:۔

دیکھتے کچھ بھی نہیں سننے پہ ہے دار و مدار آپ کے تو کان اے سرکار آنکھیں ہوگئیں

بزم مشاعرہ کا ان دنوں یہ رنگ بگڑ گیا ہے کہ کثرت سے غزل خواں بجائے سیدھے سیدھے طور پر غزل پڑھنے کے گاتے ہیں اور بلا کسی کی فرمائش کے ایک ایک مصرع اور شعر تین تین چار چار بار آپ ہی آپ دہراتے رہتے ہیں۔ اس اخلاقی عیب کو طنزاً یوں ظاہر کیا ہے:۔

آج کل ہے ادبیت کا یہ معیار ظریف وہی اُستاد ہے مشّاق جو ہو گانے میں
مکرر ہم پڑھینگے جب تو کوئی کیا بنائے گا کسی جلسے میں جب پابندیٔ اشعار ہوجائے

اُستاد کے لفظ میں ایک بہت لطیف کنایہ مضمر ہے۔ بالعموم ارباب نشاط گویّوں کو اُستاد ہی کے لفظ سے خطاب کرتے ہیں۔

فارسی و عربی آمیز اُردو] پُرانے زمانے میں جب عربی فارسی کا خاصہ چرچا تھا اسوقت اپنی گرانباری علم کے دباؤ سے اکثر حضرات اردو غزل تک میں بے ضرورت عربی اور فارسی الفاظ کی بھرمار کر دیتے تھے اور بعض اب بھی غالبؔ کو فارسی ترکیب دیکر اُردو میں زیادہ مطالب کا کم لفظوں میں ادا کرنا دیکھکر مگر اس

رمز کی حقیقت سے ناآشنا رہکر بعض شعرا یہ سمجھے کہ فارسی الفاظ کا نمدا اردو کی دم میں باندھ دینے سے کلام کی قدر بڑھ جاتی ہے ۔ اور کتنے لوگ حکیم کے اس نادان شاگرد کی طرح غلطی کا شکار ہوگئے جس نے کسی مریض کی چارپائی کے قریب نمدے کا ٹکڑا پڑا دیکھ کر کہہ دیا کہ مریض نے نمدا کھایا ہے ۔

شعرا میں اس طرح کی ایک مغالطہ زدہ قوم پیدا ہوگئی جس نے اردو کے منھ میں بے ضرورت فارسی اور عربی کے الفاظ ٹھونس کر تخئیل کو جس دم میں مبتلا کر رکھا ہے یہاں تک کہ روزمرّہ کی بات چیت تک میں اسی فکر کا طاعونی کیڑا رینگتا دکھائی دیتا ہے اسی کا ایک مریض بہک کر کبھی بازار جا نکلا تھا اور اُس نے ایک بزّاز سے کپڑا خریدنا چاہا ۔ جب اس نے کپڑا دکھایا تو جناب قبلہ نے خانہ ساز عربی کے الفاظ میں فرمایا کہ پارچہ "تلالع وتشاشع سے ازبسکہ معرّا ہے"۔ بزاز نے کاہیکو کبھی یہ زبان سُنی تھی، جانا کہ خریدار کا دماغ خراب ہے اُس نے کپڑا لپیٹ کر رکھ دیا اور یہ عربی فارسی بولتے غصّے میں بگڑ کر چلے گئے چنانچہ اس بلا کو زبان سے دُور کرنے کی بھی ظریف نے برابر کوشش کی ۔ اسی قسم کے عیب کو دور کرنے کے لئے ظریف اور اُن کے ساتھیوں یعنی دیگر تلامذہ مولانا صفیؔ، صغیرؔ و موجؔ وغیرہ نے لکھنؤ سے ایک پرچہ نکالا جس کا نام پھلجھڑی تھا ۔ ۱۸۹۹ء میں اہل زمانہ کو چوکانے کے لئے ایک غزل ظریف نے کہہ کر اس پرچہ میں شایع کی جو اُن کے دیوان میں بھی ہے اور ربط کلام کے لئے اس کے یہ دو شعر حاضر ہیں :-

؎ جو طائر کو تفحّص ہو دمِ تعشیش اغصاں کا ❊ افانین ہفہف کو تعمّد ہو نوازعاں کا
؎ تمرّغ قیس کا بیجا نہیں انواح وادی میں ❊ اسے مطبوع استصلاغ ہے نخل مغیلاں کا

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ایک ہی مرتبہ ایسی کوشش کر کے ظریف خاموش نہیں رہے بلکہ اُن کا مقصد زبان کی اصلاح سے تھا اس لئے جب جب اُنھوں نے ضرورت سمجھی اپنی شاعری کی مدد سے طاعونی لفظوں کا قرنطینہ اور علاج بالمثل کرتے رہے اور اس طاعون کدے کو جلانے کی فکر کرتے رہے اور ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر شاعری کے چوہوں کا پیچھا کیا کئے جو یہ جراثیم پھیلاتے پھرتے تھے ۔ اسی سلسلہ میں بڑا لطیف قصّہ مشاعرے میں بہنگی پر کتابوں کے لیجانے اور "لمّا الدّغاۃ" والی غزل کا ہے پوری غزل ظریف کے دیوان میں

نمبر ۵۸ پر درج ہے اوسکا مطلع یہ ہے :-

سہ لِمَا الدُّ عاءُ اثر جب مری زباں میں نہیں — کہ طولِ باغ بعرضِ سخن بیاں میں نہیں

ظریف سے اکثر یہ اور ایسی غزلیں نج کی صحبتوں اور مشاعروں میں پڑھوائی جاتی تھیں - کبھی کبھی نئے اشعار اسی قسم کے عیوب پر توجہ دلانے کے لئے وہ مشاعروں میں پڑھا کرتے تھے تاکہ اُردو کی پُشت سے یہ گناہوں کا بار ہلکا ہوتا جائے مثلاً

سہ دل میں اپنے اسے سمجھوں گا کہ ہو چو ہے داں — کسی دوکان پہ گر مجلس موشاں دیکھوں

انگریزی آمیز اردو! سنئے میاں چرکیں فرماتے ہیں سہ

اک نہ اک عارضہ رہا ہم کو — تھم گئے دست تو بخار آیا

یہی حال بے چاری اُردو کا ہے - پہلے جب عربی فارسی کا چرچا رہا تو اُردو پر وہ عالم گزرا جس کا ذکر ابھی ہوا -

اب انگریزی راج میں انگریزی لفظوں اور انگریزی قسم کی ترکیبوں نے چڑھائی کی - ظریف کو ایک حاذق حکیم یا موقع شناس جنرل کی طرح ان حملوں سے مریض اُردو کو بچانے کے لئے وہی علاج بالمثل کا نسخہ پھر استعمال کرانا پڑا مثلاً -

سہ مجرم سے کہہ رہے تھے یہ اک دن مجسٹریٹ — ویل تم کو تین ہفتے کا میعاد ہوگیا

سہ کیا نہیں ٹاک کیا تم سے تھا کل آپی نے (میں) — تم کو اس گت کو ہے پہونچایا فلکِ لالی نے (نقطۂ جوہتہ)

ترقی پسند اُردو انگریزی تخئیل اور فارسی آمیز اُردو سے ایک اور ناجائز قسم کی اُردو کی ولادت (گفتگو) ہوئی - جس کو ایک طبقہ پیار کرتا ہے اور دوسرا کہتا ہے دُور باش دُور باش - ایسی اُردو کی ترکیبیں، فقرات، اور الفاظ ایسے ہیں جن کا جادہ نظم و نثر میں ہے اور اُن کے ذریات میں اسطرح کے الفاظ ہیں مثلاً تبسم پاش، زعم فطرت، غنچۂ عریاں، آسودہ ساحل، جلوۂ رقصاں، ریزش صہبائی، ہنگامہ نوازی وغیرہ وغیرہ - ان لفظوں کے استعمال کی صورت ایسی ہی ہے جیسے ابر کے بہت سے ٹکڑے آسمان کے نیچے پھیلے ہوں اور قوت واہمہ

کہیں کسی ٹکڑے سے گھوڑا، کسی سے اونٹ، کسی سے بلّی کی شکل پیدا کرتی رہتی ہے۔ ظریفؔ نے اپنی غزل میں ایسی اُردو کو بھی نمایاں کر کے پیش کیا ہے مگر وہی ظرافت اور اصلاحی رنگ میں۔ مثلاً :-

ے دیکھ کے شبنم کی عریانی غنچے تبسم پاش ہوئے ــــــ صحن چمن میں بیچ کی اُنگلی کانٹوں کو مٹکانے دو

اس شعر کو ادبی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یہ محاکات کی بے نظیر تصویر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شبنم غنچوں پر گری ہے اور کلیاں کھل گئی ہیں۔ دوسرے کانٹے صحن باغ میں نسیم سحر کے ہلکے ہلکے جھونکوں سے ذرا ذرا ہل رہے ہیں اِس ہلنے کی حرکت کو مٹکانے کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مٹکانے کی کوئی وجہ سامنے ہونا چاہیئے وجہ یہ ہے کہ شبنم کے موتیوں کی بہار پر کانٹے اپنی بے سروسامانی دیکھ کر خجالت مٹانے کے لئے اُن کو مٹکاتے ہیں۔

اصلاحات کے نقطۂ نظر سے اگر اس شعر پر نگاہ کی جائے یعنی ان لوگوں کے خیال کی ترجمانی کی جائے جو ادب میں اس طرح کی مداخلت کو ناپسند کرتے ہیں تو اُن کی طرف سے کہا جا سکتا ہے کہ انگلی مٹکانے سے مضحکے کا پہلو پیدا ہوتا ہے۔ شبنم کی نیچرل حالت یا مادر زاد برہنگی کو اس کی عریانی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس منظر کو دیکھ دیکھ کر غنچے ہنستے اور کانٹے برہنگی پر مضحکہ کرتے ہیں۔ جس پر طرفدار کہتے ہیں کہ اُنہہ! مضحکہ کرتے ہیں تو کرنے دو۔ مخالفین کی نظر میں اُردو اس بار گراں اور ثقیل و مہمل ترکیب لفظی کی جس سے معنار کا کت پیدا ہوتی ہے۔ متحمّل نہیں اب شعر کا تیسرا رُخ دیکھیئے کہ کتنا بُرا اثر طریقہ اصلاحات کی طرف متوجہ کرنے کا اختیار کیا گیا کہ اس رنگ کے پسند کرنے والوں ہی کی مانوس زبان میں ان سے بات چیت کیجاتی ہے اور اپنی آرزو اور اپنے مقصد کو زبان کے بگاڑنے والے الفاظ اور بندشوں میں پیش کر کے اصلاح کی خواہش کی جا رہی ہے۔

خوبی یہ ہے کہ اُن لوگوں سے جو ایسی بندشوں کے دلدادہ ہیں اگر یہ نہ بتایا جائے کہ بطور طنز کے کہا گیا ہے اور یہ شعر مہمل ہے تو وہ اسے ادب لطیف ہی کا شعر خیال کرینگے اس لئے کہ ایسے حضرات کے یہاں کوئی معین اصول ایسی ترکیبیں کے گڑھنے اور استعمال کا نہیں ہے۔ صرف چند لفظیں ہیں جن کی جان کشمکش میں ہے وہی لفظیں اِدھر

اُدھر ٹھونس دی جاتی ہیں۔ لہذا ایسے طرز کے دلدادہ حضرات کی نظر میں غالباً یہ شعر بُرا نہ ٹھیرے گا۔ یعنی لفظوں کو چھوڑ کر اگر تخئیل کے فلسفے پر جائیے جیسا کہ ان کا مشن ہے تو اُن کے نقطۂ نظر کی ترجمانی یوں کیجا سکتی ہے کہ ہماری شاعری کے نیچرل طرز پر دنیا فرطِ مسرت سے متبسم ہے اور وہ بے سروساماں ہیں اور ایسی تخئیل اور بندش سے خیال کو ادا کرنے پر قادر نہیں وہ تو خواہ مخواہ مضحکہ کرتے ہیں اُن کو مضحکہ کرنے دو۔ ظریف کی طنز کا یہ طریقہ ہے کہ وہ نہایت معصومانہ انداز سے طنز کر جاتے ہیں۔ اور سننے والا اکثر غلطیوں کی طرف گھبرا کر توجہ کرتا ہے اب چند شعر یوں ہیں بلا تشریح لکھے جاتے ہیں کیونکہ تشریح کرنے میں معنی و مفہوم محدود ہو جاتے ہیں اور ان اشعار کو کسی خاص مفہوم کا پابند کرنا گناہ ہے:۔

؎ کاہش ناخن حیات عقدہ کشائے زندگی	موت کے دستِ شوق میں دامن انقلاب تھا
؎ جام شراب برق ریز اُف تری گرمیٔ وجود	قلب برشتۂ کباب مرکزِ التہاب تھا
؎ لرزشِ تارِ بے صدا باعثِ ارتقائے حُسن	پھر بھی سکوت نغمہ میں نالہ کامیاب تھا

اب ہی بات سنیئے یہ سب شعر مہمل اور بے معنی ہیں، وہ پہلا شعر جسمیں معنی اسرار اولوالعزمی دردھوم دھام سے پہنائے گئے، وہ بھی مہمل اور بے معنی ہی اور جو معنی پہنائے گئے وہ بھی مہمل رہا یہ کہ ایسے شعر و نہیں ہر ایک اپنی سمجھ کے موافق مفہوم پیدا کرنے کیلئے خود مختار ہے، آپ ہی للہ انصاف کیجیئے ایک شعر ایک واقعے کا حامل ہوتا ہے اور اگر صنعتِ ایہام میں کہا گیا ہے تو ذو معنین ہوگا اب اگرچہ کسی شعر میں دو سے بھی زیادہ چند معنی پیدا ہوں تو وہ شعر گل بکاولی کے قصے کا آسیب ہوگا یا بنگالے کا جادو جس کے اثر سے آدمی کبھی گھوڑا بنا دیا گیا کبھی بیل کبھی اور کچھ۔ کسقدر حیرت کی بات ہے کہ ظریف نے خود کہا ہو کہ یہ سب شعر جان بوجھ کر بے معنی اور مہمل کہے گئے ہیں۔ اب اگر شعر یہ کہے کہ نہیں مجھ میں ایک چھوڑ تین تین معنی ہیں تو ایسے شعر کو دیکھ کر ڈر معلوم ہوگا کہ نہیں؟

شُد لسُتی اُردو] جیسے گئو ماتا کو چھوڑ دیا جائے یا کسی کی بکری رسّی تڑا کے چھوٹ جائے جو کبر ٹیے کی ترکاری سکھ لال کسان کے چنے کا کھیت، لالہ بنسی دھر کی دھوپ میں سوکھنے والی بڑیاں کھاتی پھرے اور پھر وہاں اپنی یادگار چھوڑ جائے یوہیں کچھ لوگ اردو پر منہ مارتے پھرتے ہیں عام فہم شیریں الفاظ جان بوجھ کر نوش جان

کر جاتے ہیں اور اُن کو ہضم کر کے کچھ بے ڈول سے بیٹھے پھیکے الفاظ زمین ادب پر گراتے جاتے ہیں۔ جیسے وہ بزرگ تلالع اور تشاشع والے تھے ویسی یہ بھی ہیں۔ نہ انکی کوئی سمجھتا تھا نہ اِنکی۔

اُردو یا ہندوستانی زبان کو دونوں طرز عمل سے نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے ظریف نے اُن لوگوں کو جن کے عیوب ہیں اُنھیں کے سکّوں میں روپیہ بدلنے کے لئے ایسے شعر کہہ دئے ہیں۔ ظریف کا یہ مطلب ہے کہ زبان ایک معصوم چیز ہے ایسی زبان میں بات کہی جائے کہ سب سمجھیں اور اُسی میں ملک و قوم کی بھلائی اور اتحاد ہے نہ کہ ایسی بول چال میں:-

سمت اپنی سجھایں نہ کیا کنت اُن نے
لاکھ سمبید نہ کی آپ کے شیدائی نے

اس سمے تو تجھے بشواس نہیں ہے مجھ پر
پرشن کیول یہ کیا اُن کی مسیحائی نے

دوسرا اصلاحی فائدہ؛ ایک اصلاحی فائدہ جو ظریف کی شاعری سے حاصل ہوا وہ زبان اور ادب میں تخئیل قدیم اور فرسودہ خیالات کو ترک کرانے اور مفید تخئیل کو کام میں لانے سے متعلق ہے جس کی مثال اوپر بیان ہوئی، دوسرا اصلاحی فائدہ جو ظریف کی شاعری نے پہونچایا وہ سوسائٹی اور سماجی اور قومی زندگی میں اصلاحات کے متعلق ہے۔ زندگی میں بہت سے شعبے ہیں انھیں میں قومیات بھی ہے لیکن غور کیا جائے تو قومیات کا لفظ اتنا جامع ہے کہ اسکے اندر بہت سے شعبے سیاست، مذہب، اقتصادیات، اخلاقیات وغیرہ جن کا دراصل حیات سے تعلق ہے آجاتے ہیں۔ یعنے دوسری لفظوں میں یہ سمجھنا چاہیے کہ زبان اور تخئیل کو جن کا تعلق خیالات سے ہے چھوڑ کر عملیات سے جتنی باتوں کا تعلق ہے ان سب کی اصلاحات سے مراد قومیات کی اصلاحات ہے اس طرح مختصر اور عام فہم عنوان میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ دو چیزیں اور دو عنوان قرار پاتے ہیں ایک خیال دوسرا عمل۔ خیال اور تخئیل کی اصلاح میں ظریف کی شاعری نے ایسا اجتہاد کیا ہے کہ رہتی دنیا تک اُن کی غزلوں کا کارنامہ یادگار رہے گا جس کے پردے میں مولانا صفی کا ہاتھ کارفرما تھا اور اس اصلاح کو معراج کمال پر پہونچانے میں دائرۂ ادبیہ سے جس نے بعد کو انجمن معیار کی صورت اختیار کر لی بڑی مدد ملی۔ مولانا صفی کو جناب حسرت موہانی نے اپنے ماہوار رسالہ اُردوئے معلّے میں اب سے پچیس تیس برس پیشتر جبہ یہ حرمتہ شاعری کا مصلح کہا ہے اور غور کیا جائے تو ادب اُردو کی تاریخ کا صحیح جائزہ لیکر جیسا ظریف کی

شاعری میں ضمناً اُوپر ذکر کیا گیا یہ بالکل صحیح بات ہے مگر بے انصافی ہوگی اگر دائرہ ادبیہ کے اور اراکین منشی سجاد حسین اڈیٹر اودھ پنچ ڈاکٹر مرزا محمد ہادی صاحب رسوا وغیرہ کا نام ترک کیا جائے اِن کے بعد وہ پیدا ہونے والی اُمت والے مصلحین ہیں جو اصلاح اور تخئیل میں دراصل مقلد ہیں موجد نہیں کیونکہ ۱۸۸۰ء سے پہلے کوئی نام سوا اُن حضرات کے جو ۱۸۹۵ء کے دائرہ ادبیہ کے رکن تھے علمی سعی کی حیثیت سے نہیں ملتا جتنے حضرات اِس تاریخی انقلاب کے بعد پیدا ہوتے گئے اور اصلاح تخئیل میں شریک ہوتے گئے ان سب کے فرائض اور ظریف کے فرائض میں فرق ہے اور جتنا فرق ہے اسی نسبت سے ظریف کا درجہ بہت بلند ہے یعنی اور سب حضرات پُرانا شیوہ اور تخئیل قدیم کو ترک کر کے نئے ڈھرے پر آ گئے لیکن بلّی کے گلے میں گھنٹی باندھنے کے خطرناک فریضے یعنی کھُلّم کھلا طنز کر کے یہ بتانا بڑی کھیر تھی کہ معشوق کے دہن بھی ہے کمر بھی ہے تم دُنیا کو فریب دے رہے اور جھوٹ بکتے چلے آتے ہو کہ دہن ندارد، کمر غائب یہ حرکت اچھی نہیں۔ مراسم عزاداری میں ماتم وغیرہ کے بعض طریقے اور معاشرتی زندگی میں اکثر باتیں جن کو تنہائی میں جب خانقاہوں اور خلوت گاہوں میں حاشیہ نشین اور دست بوسی کرنے والے قریب ہوتے ہیں تو یوں چپکے چپکے بھی کہتے ہیں کہ بات بُری ہے یہ نہونا چاہیئے لیکن جب ذاتی وقار اور روٹی اور وسعت رزق اور تحصیل زر کا مسئلہ درمیان میں آجاتا ہے تو مصالح پر نظر کر کے خاموشی اختیار کی جاتی ہے۔ ہر ایسے موقع پر کلمۂ حق زبان پر جاری کرنے کو شاعری کا جو مجتہد کہیئے یا پیر اور بوڑھا مجاہد، آگے بڑھا ہے وہ ظریف ہیں اگر ادب کی دنیا میں اسطرح کا بیباک اور نڈر مجاہد اتنے ہی جامعیت اور غیر محدود عنوانات کے تحت میں شاعری کو لاکر ہر دار کو روکنے اور رد کرنے کے لئے سوا ظریف کے کوئی اور ہو تو مجھے علم نہیں۔ حضرت اکبر الہ آبادی کے قدر شناس مجھ سے زیادہ کم لوگ ہوں گے اُنھوں نے اپنی بے مثل نظموں کے ذریعے سے اصلاحات کی داغ بیل ڈالی اور اولیت کا سہرا انھیں کے سر ہے مگر اسطرح جیسے ظریف نے ہر شعبۂ حیات کے اصلاحات کا اقدام کیا اور جزئیات تک نظر دوڑائی جس میں ماتمی انجمنوں کی اصلاح اور ان کے ماتم کے طریقے اور اُن کی دھنیں وغیرہ شامل ہیں ظریف کا حصّہ ہے اسی وجہ سے اکبر مرحوم اکثر فرماتے تھے کہ بعض خصوصیات کے لحاظ سے ظریف اپنے رنگ میں منفرد شاعر ہیں۔ اور قسم کے اصلاحات یعنی اصلاحات مضامین و نظم کے متعلق جتنے نام چاہیے لے لئے جائیں مگر تخئیل

قدیم کا صنمکدہ ڈھانے اور اس صنمکدہ کے لات و ہبل کو کعبۂ دل سے دُور کرنے کی صدا بلند کرنے والے ظریف اور ان کی طنزیہ غزلیں ہیں۔ تمام خرابیاں صدیوں میں رفتہ رفتہ پیدا ہوتی اور مدتوں میں دُور ہوتی ہیں تخئیل قدیم کی خرابیاں جو صدیوں میں ایران سے ہوتی ہوئی اُردو کی گھٹی اور اچھوانی میں جنم کے وقت سے داخل تھیں انکی اصلاح اور ترک کرنے کی تحریک بھی ظریف کی زندگی میں ہوئی اور مرنے سے پہلے وہ اُردو کو اُن سے پاک کرکے اُٹھے۔

اگر یہی اتنی کامیابی اور فائدہ ظریف کی شاعری کا ہوتا یعنی محض تخئیل قدیم پر طنزیہ نشتر زنی اور اس پر کامیابی ہی ان کی شاعری کا کارنامہ ہوتا تو ان کے بقائے نام کے لئے کافی تھا۔ لیکن ظریف آگے بڑھ کر اپنے پیشرو اور مصلح اول حضرت اکبرالہ آبادی کی مدد کے لئے اس جہاد میں بھی شریک کار نظر آتے ہیں جو فرسودہ مراسم اور معاشرتی خرابیوں اور اُن کی اصلاح کے متعلق ہیں۔

دیگر اصلاحی نظمیں] دیوان کے تیسرے حصے میں زہر کے بجھے ہوئے بہت سے تیر و تبر اور خنجر ہیں یا یوں کہا جائے کہ ظرافت کے ورق نقرہ میں لپٹے ہوئے سنڈیلے کے مشہور لڈو اور متھرا کے پیڑے ہیں جن کے قوام ہی میں اصلاحات کا زہر حل کردیا گیا ہے۔ تمام خوبیاں جو شاعری میں ہیں اگر نثر ہی میں ذکر کردی جایئں تو کوئی احمق ہے جو نظم پڑھے یا نظم پڑھنے والے کو جو لطف اِن نظموں میں آسکتا ہے وہ کیسا ہی نثر لکھنے والا ہو نثر میں ترنم اور موسیقیت کہاں سے لائے گا اس لئے صرف اشارے کیلئے چند عنوانات کے تحت میں دو چار نظموں کا جن سے مختلف شعبۂ حیات اور علمی مراسم یعنی عملیات کا تعلق ہے ذیل میں بیان کیا جاتا ہے ؎

عراق و پارس گرفتی بہ شعر خود حافظ — بیا کہ نوبت بغداد و وقت تبریز است

مراسم مذہبی کی اصلاحی نظمیں] ظریف مراسم عزاداری اور ماتم کے خلاف نہیں تھے البتہ اس نمائشی قسم کے عنوانات کو پسند نہیں کرتے تھے جن کو ہر وہ شخص جو چاہتا ہے کہ اپنے اور غیر اس پر مضحکہ نکریں، ناپسند کرتا ہو۔

لکھنؤ اور دیگر مقامات پر ماتمی انجمنوں میں بعض بعض حضرات یا تو رواداری یا خوف سے کہ صاف صاف حسن حسینؑ عباس، حیدر جن کا ماتم کیا جاتا ہے، ان کا نام ظاہر نہ ہو، یا ادائے الفاظ کی تیزی اور دُھن کی دُھن میں یہ نام اسطرح لیتے ہیں کہ سننے والے کو کچھ کا کچھ سُنائی دیتا ہے، یا کچھ لوگوں نے اِن ناموں کا اپنے طور پر

کچھ خلاصہ بنالیا ہے اور ماتم کرتے وقت اُسی کو دُہراتے ہیں بہرحال یہ غرض بالکل فوت ہو جاتی ہے کہ دنیا کو جکا نام بتانا چاہیئے اور دنیا والے یہ جانیں کہ کس کا ماتم ہو رہا ہے، معلوم نہیں ہوتا کچھ بے معنی الفاظ ان کے بجائے سنائی پڑتے ہیں ظریف نے اپنی ایک نظم کے ذریعے سے اکثر ہمدردوں کے دلی جذبات وخیال اور درد کی ترجمانی فرمائی۔ مگر بعض حضرات نے اس ہمدردی کے جذبات اور اس مشفقانہ نصیحت پر بُرا مانا اور ظریف کو بد عقیدت تصوّر کر کے ان کے خلاف رزولیوشن پاس کئے اور احتجاج بلند کیا۔ ظریف اپنی نیت اور قوم کی غلط فہمی کو جانتے تھے اُنھوں نے اس سے بھی تیز طنز یہ نظم ایک اور کہی مگر احباب نے اسکو چھپنے نہ دیا کہ آپس میں کیوں رنجش بڑھے، مگر مجبوری یہ ہے کہ اب دیوان سے ایک ایسی نظم کو جسے ایک ہمدرد شاعر نے اپنے ہی بھائیوں تک پہونچانے کے لئے کہا اس مجبور کے مرنے پر بھی اس کے اہل اور اثر لینے والوں تک نہ پہونچایا جائے تو ظلم بالائے ظلم ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے مصالح کے خلاف ہے لیکن وہ بات جسکو ایک شخص نیک نیتی سے کہتا ہے اور جانتا ہے کہ دوسرے ناواقفیت سے مصر ہیں سکو نہ رہنے دیا جائے یہ ایسا ہی ہو کہ ایک افیونی کو اپنے میلے کچیلے کپڑے بدلنے کا احساس نہیں ایک غلط وضو کرنے والے کو علم نہیں کہ وہ غلطی پر ہے اُنکو یوہیں رہنے دیا جائے اور اصلاح کی فکر نہ کی جائے اسکو مصلح کی ایمانداری اور انسانی فرائض کب گوارا کر سکتے ہیں ایک پوتا اپنے دادا کا نام جو بگاڑ کے باآواز بلند لیا جائے چپکے سنتا رہے اور اگر وہ یہ کہنا چاہے کہ کیا کر رہے ہو تو اُلٹے اسی پر رزولیوشن پاس کیا جائے واہ رے رزولیوشن اور خوشا تعلیم اس قوم کی جس نے رزولیوشن پاس کرنے کے ڈھنگ سکھائے۔ مصلح نہ گالی سے ڈرتا ہے نہ سر پر سر راہ کوڑا پھینکنے والی عورت کی پرواہ کرتا ہے نہ اس لالچ دلانے سے پھسلتا ہے کہ جو چاہے لے لو ہمارے پُرانے بتوں کو یوں ہی رہنے دو۔ جادۂ اصلاح میں یہ بلند ہستیوں کے کارنامے ہیں ظریف بحیثیت مصلح شاعر اپنی بات پر اور اپنی درد بھری التجا پر زور دیتے ہیں۔ مرنے والے شاعر پر اب رزولیوشن پاس کر کے کیا کیجیئے گا۔ اور کون وہاں لے جائے گا یا تو ولایتی پریس کی چھاپنے والی مشین پہ رزولیوشن پاس کیا جائے یا ڈاکٹر سر یو استوا کے بھائی پر جو چھاپے خانے کی روشنائی بیچتے پھرتے ہیں۔ خیر یہ سب تو ہوتا ہی رہیگا اس اصلاحی نظم کا یہ پہلا بند ملاحظہ ہو جس میں ظریف نے اپنے کرم فرماؤں سے جو بجائے حسینؑ حسینؑ کے ماتم میں "حیو حیو ددے ددے" کہتے ہیں پھر کچھ عرض کیا ہے:-

۵ السّلام اے حامیانِ حیّو حیّو دوٹے دوٹے — جاگ اُٹھیں دنیا کی قومیں تم نہ جاگے خوب سوئے
داغ بدنامی تمھارا کس طرح پر کوئی دھوئے — اس کی کب اصلاح ممکن ہے جو سچ کہنے پہ روئے
خاک پہونچاؤ گے تم دنیا کو پیغامِ حسینؑ
صاف لے سکتے نہیں ماتم میں جب نامِ حسینؑ

....

۵ حسرتا! اک نیا اب تو بنایا ہے امام — کیا عزادارِ حسینؑ ابنِ علیؑ کو اُس سے کام
اُس کا ماتم تم کرو بس دُور سے اپنا سلام — ہم پر ایسے نام کا واجب نہیں ہے احترام
خود کر دیوں مسخ اسمِ پاک فرزندِ رسولؐ
اور پھر امید اس کی بھی کہ راضی ہوں بتولؑ

اخلاقی اصلاح | نصائح کا اثر ڈالنے اور اخلاقی سبق دینے کے لئے اکثر جانوروں اور طیور کے پردے میں شعرا اور اہلِ قلم واقعات کا اظہار کرتے ہیں۔ اسی اصول کے ماتحت قومی لیڈر کی اخلاقی اصلاح اور اظہارِ حال کے لئے ظریف نے ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے اونٹ کو پکڑ پایا جس میں شاید کچھ مشترک صفتیں پائی گئیں اس لئے انھوں نے ایک نظم کا نام "البعیر" رکھ کر یوں اظہارِ خیال فرمایا۔ اس نظم کے بے ترتیب چار شعر لے کر پیش ہیں :-

۵ اُمِّ صبیاں سے زیادہ تیرے کر تھوتھن کی گرفت — پنجۂ دستِ قضا کے مثل وقتِ گیر و دار
اپنی کبڑی پیٹھ پہ لادے ہوئے قومی حقوق — کتنے اطمینان سے چلتا ہے تو مستانہ وار
قوم کو باہم لڑا دینے میں تیری ذات فرد — میرے قومی اونٹ اے جنگِ جمل کی یادگار
پیٹ تیرا قوم کی گاڑھی کمائی کے لئے — وقف ہے کھا کر نہیں لیتا کبھی تو اک ڈکار

دوسری نظم میں جسکا نام "شکوہ فقیرانہ" ہے، رؤسا کے اخلاق کی تصویر نہایت پر اثر اور سادہ سادہ کھلے عنوان سے پیش کی گئی ہے جس کے صرف دو شعر یہ ہیں۔

ع غریب خانہ تک آکر کبھی تو عزت دی — کبھی ادائے تغافل سے کی گئی تحقیر
ہم اپنے آئینۂ دل میں رکھینگے محفوظ — اب ایک خلق مجسّم کی دور خی تصویر

مغرب پرستی کی اصلاح ظریف نے اپنی مبسوط نظم مغرب پرستی میں نہایت صاف صاف طرز سے اصلاح مغرب پرستی کی طرف توجہ دلائی ہے مثلاً، چند شعر پیش ہیں:-

ع ہوائے مغربی تجھ میں ہو کتنا جذب پنہانی — دھرم ہندو کا غائب اور مسلماں کی مسلمانی

....

حیا جامے سے باہر ہو گئی اللہ رے آزادی — ابھی تھوڑی سی بڑھنے پائی تھی تعلیم نسوانی

....

ع مساوات اس کو کہتے ہیں نئی تہذیب کیا کہنا — کہ صورت ہو گئی یکساں زنانی اور مردانی

....

بجائے خود الکشن کم نہ تھا میونسپلٹی کا — اب اسپر اور طرّہ کو نسلوں کی حلقہ جنبانی

....

مفاد قوم کو قربان کریں جو فرقہ بندی پر — تو ایسے ووٹروں کی انتخابی آنکھ ہے کانی
انھیں کیا ترجمانی قوم کی جو کرنے جاتا ہے — کچھ اس میں مادّہ ہے یا فقط شکل ہیولانی

....

جو بے سمجھے اٹھا دے ہاتھ جب رائیں گنی جائیں — تو اسٹیشن کا سگنل ہے وہ ممبر ظلم کا بانی

....

سوال اس کے اگر ہونگے تو بس اس قسم کے ہونگے — گورنمنٹ اس کو بتلائے زراہ لطف سلطانی
کہ ابکی فصل میں سرخاب یا قازیں بہت آئیں — زیادہ آج کل صوبے کی ہو کس جھیل میں پانی

....

بنایا جائے اک قانون یہ حفظانِ صحت کا   سول سرجن کریں بچوں کی آئندہ مسلمانی

....

سیاسی اصلاح] ہوم رول والی نظم تو مشہور ہے اسکا ذکر ہی کیا، اسی طرح ہوم رولز کی نظم۔ نیز شامتِ الکشن کے نام سے ایک خاصی لمبی چوڑی نظم ہے اس کے دو چار بند اِدھر اُدھر سے لیکر پیش ہیں :۔

سنیئے اک صاحب کا قصہ جب ہوئی شامت سوار   یہ ضمانت کرکے داخل ہوگئے امیدوار
چھوڑا پیشہ ترک فرمایا جو کچھ تھا کاروبار   کچھ اثاث البیت بیچا کچھ لیا سودی اُدھار
مضطرب رہتے تھے یہ نام آوری کیواسطے
گھر سے نکلے ووٹ لینے ممبری کیواسطے

سب سے پہلے ان کو جب ووٹر کے گھر جانا پڑا   شیخ بدّھو نام تھا اور تھا جُلاہا قوم کا
دھوتی باندھے مرزئی پہنے تنا بیٹھا ہوا   اک سٹرامٹی کا حُقّہ پی رہا تھا کج ادا
جاتے ہی تسلیم کی جب اس کو باصد احترام
مُنھ کو ٹیڑھا کرکے بولا "کو ہے بالیکم سلام"

بولے یہ۔ پہلے نہ آیا میں ہوا اتنا قصور   شیخ بدّھو آپ مجھ پر رحم فرمائیں حضور
آپ کو والد کہا کرتے تھے بھائی اب سے دور   میں بھتیجا آپ کا ہوں ووٹ لے لونگا ضرور
بولے بدھو کا کہیو ہم کہکا کہکا بوٹ دے ای
بوٹ پہیسے ادجو ترتے ہمکا دس کا لوٹ دے ای

....

اسی طرح مختلف ووٹروں کی گفتگو اُنھیں کی زبان اور الفاظ میں نظم کرکے سیاسی اصلاح کی طرف یوں توجہ دلائی ہے :۔

اس طرح کے ووٹر اور ممبر ہوں جب اس قسم کے کہئے اس میونسپلٹی سے کیسے راحت ملے

....

اقتصادی اصلاح] مہاجن نوازی کے نام سے جو نظم ہے اس کے دو بند پیش ہیں :-

ریڑھ کی ہڈی تری ہندوستاں تھے کاشتکار قرض کی دق نے عمل کر کے کیا اس کو نزار

سود کیا اصل کا بھی اُٹھ نہیں سکتا ہو بار اقتصادی چل گئی ایسی ہوا ناخوشگوار

جنس کی قیمت گھٹی معیار زر کا بڑھ گیا

ضعف میں قرضے کی تپ کا اور پارہ چڑھ گیا

....

فیکٹری کالج کی ڈھائے جبکہ بے گنتی وکیل بی اے ہونا بیشگی جب ہو ال ال بی کی دلیل

اس جماعت کے ہو پھر کیا کھانے پینے کی سبیل کیوں نہ ہر بھوکے بہلے مانس کی نیت ہو ذلیل

گھومتے ہیں اب گون پہنے ہوئے اس تاک میں

بس چلے تو یہ مؤکل کو ملا دیں خاک میں

پوری نظم وکیل ، مہاجن ، حکام اور عدالت کے اہل کار کی سیرت کا خاکہ ہے جو ملک کی اقتصادی حالت کے قصے کو عبرت ناک بنا رہے ہیں اور یہ کہ اس میں اصلاح کی شدید ضرورت ہے۔

معاشرتی اصلاح] پتنگ بازی لکھنؤ کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ اور معاشرتی بدنامی کا مشہور صحیفہ ظریف نے مثنوی " بادہوائی " لکھ کر ایک طرف پتنگ کے اقسام اور پتنگ بازی کے اصطلاحات کا ذکر کر کے لٹریچر میں اضافہ کیا دوسری طرف اصلاحات کی جانب متوجہ کیا ہے ۔ اس مبسوط نظم سے چند اشعار پیش ہیں :- اے معین المہام لہو و لعب قوم کی فاقہ مستیوں کے محب

صدر آرائے رزم گاہِ پتنگ پون تا وا نواز تکّل جنگ

....

کام کی بات میں تو عذرِ لنگ ابتو ہیں آپ اور شغلِ پتنگ

....

زیب ہیں اب یہ بازیاں کن کو سود دیتا نہیں زیاں جن کو

....

آپ کو یہ کبھی خیال آیا ملک کا اب بدل گیا نقشا

....

"آج پستی میں ہے ہماری قوم تنگدستی میں ہے ہماری قوم"
"ایسے بیڑے کو ڈوبنے سے بچائے ناؤ منجدھار سے جو پار لگائے"
"قوم بھر کا وہ اپنے حامی ہے اور سزاوار نیک نامی ہے"
[illegible]

....

اس میں مختلف اقوام کے اسلاف کی زندگی اور کام کو دکھا کر جس طرح ان سے اصلاح معاشرت کیلئے بصورت طنز اظہارِ خیال کیا گیا ہے وہ نہایت دلنشین اور دلچسپ عنوان ہے۔

اصلاحی نظم متعلق یتیم خانہ] قومی اداروں اور قومیات سے سب باخبر ہیں مگر اس سے دلچسپی نہ لینے کی جو خاص وجہ ہے وہ یہ ہے کہ خود غرض اور نفس پرست انسانوں کے بڑے طبقے کو دنیا کے کسی نہ کسی سیر و تماشے نے اپنی طرف الجھا رکھا ہے اور ان کے دلوں کو وہ مصروفیتیں ابھرنے نہیں دیتیں۔ اس دکھتی ہوئی رگ کو ظریف نے پکڑ کر اس پر نشتر لگائے ہیں۔ پوری نظم پرلطف اور معلومات کا خزانہ ہے طنز و ظرافت پر تو اس کی بنیاد ہی ہے مگر ہر شعر میں ایک الگ شخصیت اور کردار کا دفتر بند ہے اور طرز بیان ایسا کہ ہر شعر ایک اپیل ہے مثلاً یہ کہ کوئی امیر بیمار پڑے تو بڑے بڑے مرد شریف اس کو دیکھنے جاتے ہیں اور یہ بہانہ کرتے ہیں کہ مریض کی عیادت میں ثواب ہے حالانکہ تشریف لیجانے کی وجہ کچھ اور ہی ہے ظریف نے یتیم خانہ پر نہ آنے پر کیا خوب طنز کی ہے وہ شعر ملاحظہ ہو۔

؎ علیل ہے نہ یہاں کوئی صاحبِ ثروت ثواب جس کی عیادت ہے فرض جانا ہے

قطعے کا پہلا شعر ملاحظہ ہو۔

اب صرف اقتباس نظم درج ذیل ہے:۔

۵ کبھی کبھی تو ادھر بھی حضور آ نکلیں یتیم بچوں کے رہنے کا جو ٹھکانا ہے

اسکے بعد ان مختلف مشاغل اور سوسائٹی اور سامان تفریح اور لہو ولعب کا ذکر ہے جس میں دن رات مستغرق رہنے کی وجہ سے یتیم خانے یا اور ایسے ہی قومی ادارے میں آنے کو نہ کسی کا جی چاہتا ہے نہ فرصت ملتی ہے۔ اسی میں یہ ذکر ہے کہ یتیم خانے بھلا آپ کیوں تشریف لائیں گے کیونکہ:۔

نہ یاں فلش ہے نہ سولو نہ کورٹ پیس نہ برج نہ یہ کلب ہے نہ کوئی قمار خانا ہے

نہ لاٹری نہ لکی بیگ کی کشش ہے یہاں نہ وہ مقام جہاں قسمت آزمانا ہے

نہ یاں بٹیروں کی پالی نہ چوک کا منظر مآلِ کار جہاں دیکھنا، وکھانا ہے

....

نہ حال قال کی محفل نہ یاں کسی کا عُرس نہ یاں مشاعرہ جس میں غزل سنانا ہے

....

علیل ہے نہ یہاں کوئی صاحبِ ثروت ثواب جس کی عیادت، ہے فرض جانا ہے

....

نہ یاں پہ ہے کوئی منڈی نہ یاں کوئی بازار کہ لین دین سے کچھ فائدہ اٹھانا ہے

یہاں کا آنا تو ہے خالصاً لوجہہ اللہ وہ اس نظر سے کہ یہ اک یتیم خانا ہے

بقائے ملت و مذہب اگرچہ ہے مقصود روش بدلیے کہ نازک بہت زمانا ہے

شاعر اور مشاعرے کی اصلاح] ایک طویل دلچسپ نظم کے اِدھر اُدھر سے چند بند پیش ہیں:۔

تجھ میں اے ہندوستاں کچھ آجکل حد سے سوا چار سُو پھیلی ہوئی ہے شاعری کی اک وبا

اس مرض میں اب تو اسّی فیصدی ہیں مبتلا مستند شاعر ہے جس نے اک تخلص کر لیا

شاعری گو عہدِ ماضی میں تھی پایانِ علوم

اب تخلص میں سمٹ کر آ گئی جانِ علوم

چونک کب تک خواب غفلت میں رہےگی آنکھ بند | یہ تغیر دیدۂ عبرت سے دیکھ اے ہوشمند
تھی بنائے قومیت شاعر کی تخئیل بلند | قوم اب شاعر بنا لینی ہے خود حب پسند

در حقیقت یہ فنائے قوم کے آثار ہیں
قوم میں جب سب کے سب شاعر ہوں جو بیکار ہیں

....

شعرا جو مشاعرے میں بلائے جاتے ہیں ان کا خاکہ اسوقت کا جب وہ سواری سے اُترتے ہیں اسطرح دکھایا ہے:۔

؎ پہلے قربانی کے بکرے کی طرح گردن میں ہار | اُن کے پڑتے ہیں جو ہوں شعر و سخن کے جاں نثار

پھر جائے اقامت کیطرف بوڑھے اور بچّوں اور جوانوں کے ساتھ اُن کے لئے جانے کا سماں یوں دکھایا ہے۔

؎ آگے آگے ڈھول تاشا پیچھے دہقانی گنوار | داہنے بائیں گُل افشاں پُھلجھڑی اور ایک اَنار

پھر دیہاتیوں کی زبان میں اُن کی تعریف کا ذکر ہے اور مضحکہ خیز عنوان سے شعرا کو خودداری اور اپنی زندگی میں اصلاح کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور اب ان کی جو حالت ہے اس کو اسطرح ظاہر کیا ہے:۔

؎ دیکھ تیری قدر یوں کرتے ہیں تیرے قدرداں | کوئی میلا ہو کہیں پر یا نمائش یا نہان
جس میں سرکس بھی ہو دنگل میں لڑیں کچھ پہلوان | یاد کر لیتے ہیں بھولے سے تجھے بھی مہرباں

دیتے ہیں لاج میڈل کا تیری عزّت کے لئے
تھرڈ کا تجھ کو ٹکٹ ملتا ہے شرکت کے لئے

غزل سُنانے والوں کے گانے اور اُن کے غزل سُنانے کے شوق کا ذکر کر کے شاعروں کو انکی بیکار زندگی کیطرف توجہ کیا ہے:۔

؎ قسمتِ برباد تیری بن کے اُڑ جاتی ہے بھاپ | ہے صلہ تیرا یہی "کیا خوب فرماتے ہیں آپ"

دیہاتیوں کی تعریف کا ذکر کر کے تحسین ناشناس کیطرف یوں متوجہ کیا ہے:-

اسطرح تعریف کرتے ہیں تری اکثر گنوار کا ہے رگھو نندن کبھوں دیکھے رہیو ایسی بہار
یُو بڑا ساعر پڑھے آوا ہے کو تو جوُر دار اُس پڑھت ماں لام باندھس مچ گئی کو آگمار

جوُن بریا پڑھ دھس بانکی گجل جھلائے کے
کوُ ڈ جھومے لاگ کوُڈ رہ گوا منھ بائے کے

ادھر اُدھر کی باتیں] ظریف کے حالات اور شاعری کے افادات ہی لکھنے میں یہ اوراق طلسم ہوش ربا کی طرح خاصے ضخیم ہو گئے اب اگر ظریف کے کلام اور شاعری کی ایک ایک خوبی اور ظرافت کے تمام عنوانات کا تفصیلی ذکر کیا جائے جو ظریف نے استعمال کئے ہیں تو گویا پھر سے ایک ادبی قصہ الف لیلہ کا الگ سے شروع ہوگا- اب نہ مجھ میں دم ہے نہ پڑھنے والوں میں اتنا صبر اس لئے کلام کی خوبیوں کی تفصیل کا لطف سمجھنے والوں کے ذوقِ سلیم پر چھوڑا جاتا ہے اجمالاً جو نکات اوپر لکھ دیئے گئے ہیں اسی کے سہارے سے یا اپنے ذوقِ سلیم کی روشنی میں انکے کلام کے پڑھنے سے جو لطف حاصل ہوگا وہ بات اس تحریر سے کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتی۔

ع خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں گفتہ آید در حدیث دیگراں

البتہ ایک فضول سی چیز یعنی صنائع لفظی کا تھوڑا سا ذکر اسلئے کرنا پڑا کہ بعض ایسے بھی لوگ ابھی دُنیا میں ہیں جن کو پلاؤ اور شیر برنج کھانے کے بعد بھی گُڑ کھائے بغیر چین نہیں آتا۔

صنائع اور بدائع] ظرافت میں ایسی لفظوں، ترکیبوں اور مضامین کی تلاش میں بےچینی رہتی ہے جن کے استعمال سے ہنسی آئے۔ ایسے قیامت خیز وقت میں مضامین کی آمد کا یہ عالم ہوتا ہے جیسے دِل کسی پر لوٹ کر بے اختیار آ جائے اور کوئی غریب انجام کا سوچ بچار نہ کر سکے۔ اگر کوئی طالب علم نسفیلڈ کی گرامر یا کتاب مختصر معانی اور قواعد فارسی کھول کر ملانے بیٹھے کہ ظریف نے اس قسم کی آمد والی شاعری میں کتنی صنعتوں کا استعمال کیا ہے تو یہ ایسا ہی جیسے کوئی بیرسٹر صاحب کسی پر عاشق ہوتے وقت تعزیرات ہند دیکھنے بیٹھیں کہ عاشق ہونے پر کوئی دفعہ تو نہ لگ جائے گی یا کوئی جُبہ و دستار والے بزرگ کسی حسین کی صورت

دیکھکر اگر فوراً پھر اُسے دیکھنے کو جی چاہے تو اُس وقت ان روایات کو ملانے لگیں کہ دوسری نظر نامحرم پر ڈالنے میں کیا کیا قبائح اور موانع شرعی ہیں۔

ہونا تو نہ چاہیئے تھا نہ ظرافت نگاری میں اس کی توقع تھی مگر کچھ نہ پوچھئے کہ سوء اتفاق سے ظرافت کے ساتھ صنائع لفظی کی بدعت، یہ بھی ظریف کے کلام میں سہواً گھس آئی ہے خصوصاً جدید تشبیہیں اور استعارے تو اتنے ڈھیر کے ڈھیر ہیں جیسے شیعہ کالج کے فیلڈ میں پہلے اونٹ کٹارے کے جھنڈ کے جھنڈ تھے۔

کہیں کہیں ظریف کے شعروں میں صنعت کے اندر صنعت اسطرح حلول کر گئی ہے جیسے بنارسی ڈبیا کے اندر ڈبیا اس کے اندر ڈبیا، پھر اس کے اندر ڈبیا، پھر اس کے اندر ڈبیا۔ شاعرانہ صنعتیں تو اور بھی بہت ہیں مگر یہاں صرف تین صنعتوں کے ایک ایک شعر لکھے جاتے ہیں:-

تشبیہ استعارہ اور تلمیح] ؎ کئے ہیں شمع نے چھانڈے وہ دیکھو آگ روشن ہے
چھلبداروں کی صورت کود تا پروانہ آتا ہے

اس شعر میں بد قسمتی سے ایک چھوڑ تین تین صنعتیں موجود ہیں۔ تشبیہ استعارہ اور تلمیح۔ پھر ظرافت کیساتھ اصلاح کا پہلو بھی تاک جھانک میں الگ مصروف ہے۔

کہیں کہیں منت ماننے والے، ایک اللہ والے بزرگ احمد کبیر کی گائے کے نام سے منت مانتے تھے یعنی فلاں کام اگر ہو جائے گا تو گائے کے کباب لگا کر احمد کبیر کی روح کے لئے پیش کرینگے۔ قوالوں کے ایک گروہ کو چھلبدار کہتے ہیں۔ یہ منت ماننے والوں کے یہاں آکر صحن میں آگ روشن کرتے اور کود کود کر انگاروں پر لوٹتے اور اس منتی گائے کے کباب تیار کر کے اپنے بجانوں میں تقسیم کرتے اور خود بھی مزے سے چٹ کرتے تھے۔ اس رسم کا نام چھانڈا ہے۔ اس شعر میں بطور تلمیح اسی طرف اشارہ ہے۔ اسی صنعت تلمیح کی مدد سے شمع کی روشنی کو آگ سے استعارہ کیا ہے۔ ان دونوں صنعتوں کے زور پر چھلبداروں سے پروانے کو تشبیہ دیکر تیسری صنعت کا اظہار کیا گیا ہے۔ شمع پر پروانوں کے گرنے اُٹھنے اور پھر گرنے کو چھلبداروں کے مستانہ وار کودنے سے کتنی لطیف تشبیہ دیکر ظرافت اور ادبی رنگینی پیدا کر دی ہے چھلبداروں کی باطل پرستی اور شمع کے فریب حسن اور چھانڈے

کی قابلِ اصلاح اور ایمان سوز رسم کا ذکر کر کے حماقت آمیز عشق کے ساتھ ساتھ ایسے رسم و رواج کی پابندیوں پر بھی ہلکا سا چھینٹا اس طرح طنز میں دیدیا ہے کہ گویا پھلبداروں کی کود پھاند اور اُن کی قوّالی اور کباب خوری سے کچھ واسطہ نہیں۔

تلمیح] ؎ زمین شعر ہے زور آوراں نظم کا دنگل گُل کُشتی ہے گویا قافیہ چاک گریباں کا

ظرافت میں انتہائی سنجیدگی اور مضمون آفرینی کے ساتھ شاعرانہ ادبیت کی مثال یہ ایک شعر ہے پھول کو چاک گریباں سے تشبیہہ دی جاتی ہے۔ مثلاً ریاض کا وہ ایک ہزار روپیہ انعام والا مشہور شعر۔

؎ گل مرقع ہیں ترے چاک گریبانوں کے شکل معشوق کی انداز ہیں دیوانوں کے

چاک گریباں کو گل کشتی کہنے ہیں میں صرف ایک تشبیہہ کی لطافت نہیں بلکہ ایران کے پہلوانوں میں زمانۂ قدیم سے یہ لطیف رسم ہے کہ جب کوئی زور آور پہلوان کسی اپنے ہمعصر سے لڑنے کی دعوت (چیلنج) پیش کرتا تھا تو وہ کشتی کیلئے کشتی میں پھول سکے پاس بھیجتا تھا اُسی کو گل کُشتی کہتے ہیں اور یہاں بطور صنعت تلمیح اسکا استعمال ہوا ہے۔ جس شاعرے کی یہ غزل ہے اس میں رسم قدیم کی تقلید میں شاعروں کے یہاں چاک گریباں کا قافیہ بطور گُل کُشتی کے بھیجدیا گیا کہ مشاعرے میں آکر اس پر زورِ طبیعت دکھائیں یعنی مرغوں کی طرح لڑیں کیا اچھا ہوتا کہ دھوبی جو کپڑے قبل از وقت پھاڑ ڈالتے ہیں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ان کرتوں اور قمیصوں کے گریبان اور ذرا چاک کر کے ایک ایک شاعر کے گھر بجائے قافیہ بھیجدیئے جاتے کہ کچھ نہ سہی تو اس کو دیکھ کر وہ مضمون پیدا کرتے پھر باورچی خانے کی صافی ہی کے کام آجاتے۔ ورنہ خالی خولی اسطرح لڑنے میں ہندی شعرا کو کیا ملتا ہے ظریف اس پہلوانی قسم کی شاعری میں اصلاح کے خواہاں تھے اس کی طرف متوجہ کرنے کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ وہ تفصیل الگ ہے یہ گُل کُشتی کی چوٹ ایسے شاعروں کے لئے جن کی نازک روحانیت پہلوانوں سے ملتی جلتی ہوتی ہے، دس دس ضرب بیت سے کم تکلیف دہ نہیں۔ دیکھئے تلمیح کی صنعت کو بھی ظریف کس بے ساختہ پن سے کام میں لائے اور کس موقع پر۔ "دیوانہ بکار خویش ہشیار"

استعارہ] ؎ خواصِ چندجوپائے جناب میں مینے تو دی جگہ دلِ خانہ خراب میں مینے

دلِ خانہ خراب کا استعارہ منزل ویراں سے کرنا تو ایک معمولی اور گھر کی بات ہے ظریف نے غضب تو یہ کیا کہ معشوق کا استعارہ جنابِ سے کر دیا اور وہ بھی طنزاً۔ حضرت اور جناب کا لفظ تعظیماً بھی استعمال ہوتا ہے اور طنزاً بھی۔ عشق کی دنیا میں معشوق کے لئے جناب کا لفظ جو مزہ دیتا ہے اور اس جگہ جس طرح طنزاً اُس لفظ کا تصرف بصورت استعارہ ہوا ہے اور خواص چند کی ترکیب جس طرح دور سے جناب کے معنی خیز لفظ پر متبسّم ہے اس نے معشوق کو اس طرح عشق پیچاں پودے کی پتیوں کی طرح پکڑ لیا ہے کہ اسے بھاگتے بن نہیں پڑتا ساری عشوہ گری اور فریب دھرے رہگئے جب دل خانہ خراب میں رہنے کی توجیہہ کر دی گئی۔ عشق کی دنیا میں کتنے زور دار عنوان سے یہ شعر اور اس کے الفاظ اور یہ استعارہ ناصح مشفق کا کام دے رہا ہے۔

ظریف کی تہذیب اور اُن کی ایمانی ارادت کا قطعی اور واحد یہ فیصلہ ہے کہ جناب سے ہرگز مقدس عالم سے مُراد اُنھوں نے نہیں لی نہ کوئی غیرت دار مہذب انسان ایسی خلافِ تہذیب بات کرسکتا ہے زیادہ سے زیادہ اس سے علمائے سوء مراد ہو سکتے ہیں جن کی بداعمالی کیوجہ سے بیشمار احادیث ان کے خلاف ہیں اور یہ عالم دین اور عالم باعمل سے الگ عالم نما جاہل کا گروہ ہے جو اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے لئے معشوق اور عشق پیچاں کے پودے سے بھی زیادہ سخت گرفت کے ساتھ دلوں کو پکڑتا ہے اور اپنے معتقدین کو کچھ سوچنے اور بڑھنے اور پھلنے پھولنے کا موقع ٹھیک اسطرح نہیں دیتا جیسے عشق پیچاں کی پتیاں اور درخت کی پتیوں سے دست بوسی کرکے اور اُن سے لپٹ کر اُن کو اُبھرنے نہیں دیتیں۔

اس شعر میں ضرب المثل ہوجانے کے جراثیم موجود ہیں کہیں مکتب یا اسکول میں یہ شعر نہ پہونچ جائے ورنہ کلمے کی اُنگلی سے ہر لڑکا دوسرے کیطرف اشارہ کرکے ایک دوسرے کو جناب بناتا پھرے گا اور اس میں اندیشہ فوجداری ہوجانے اور دفعہ ۱۴۴ کے لگنے کا ہے کیونکہ جس کو جناب کہدیا جائے گا وہی بگڑے گا۔

ترتیب دیوان] اس دیوان کو ظریف کے ہرقسم کے کلام کا مجموعہ سمجھ لینا ایک ناقابل عفو غلطی ہے کیونکہ ظریف کے کلام کا بہت بڑا حصہ سنہ ۱۹ء میں گھر میں آگ لگ جانے کی وجہ سے برباد ہوگیا۔ اس میں مختلف نظمیں اور غزلیں تھیں خصوصاً پروفیسر شہباز نامہ نگار اودھ پنچ اور امیر مینائی کے اشعار پر تخمیس قابل دید تھیں۔ یہ جلا ہوا

کلام کسی حکمت سے اگر مل جائے تو وہی نسخہ قبر سے مردوں اور مرگھٹ سے نعشوں کو گھر میں پلٹا لانے میں کارگر ہو جاتا۔ اس کے علاوہ بعض شعرا اپنا کلام یکجا کرنے کی طرف سے بہت بے پروا ہوتے ہیں اس بارے میں بھی ظریف اپنے ہمجنسوں سے دو چار سوگز آگے بڑھے ہوئے تھے کچھ حصہ اُن کے کلام کا اِن آفات اور دست برد زمانہ سے بچتے بچاتے رہ گیا اس میں سے اتنا اور نکال ڈالا گیا جو خاص بے تکلف دوست یا کسی ذات خاص یا مخصوص واقعے سے متعلق تھا اور افادۂ عام کا حامل نہ تھا۔ اس میں غالب کی تنخواہ کیطرح ساہوکار کو تہائی کا شریک بنانا مصالح کے خلاف سمجھا گیا۔

یہ جو کچھ جوڑنے بٹورنے سے ماحضر یا بقول اکبرؔ الہ آبادی دال دلیا ہے اس کو مولانا صفی نے بڑی خوبی سے تین حصوں پر بانٹ دیا ہے۔

حصہ اول] اس حصے میں ظریف کی غزلیں بہ ترتیب حروف تہجی ایک جگہ کر دی گئی ہیں۔ یہ میں بڑا بھاری لفظ بول گیا کوئی صاحب بغیر ادبی قاعدے سے حرفوں کو نکال کر کہیں ہر حرف کی غزل ڈھونڈھنا شروع نہ کر دیں ورنہ مفت میں خفت ہوگی۔ ظریف ایسے دقیانوسی یا اصحاب کہف کے زمانے کے شاعر نہ تھے جو خواہ مخواہ تقلید عالم میں ایک ایک دو دو غزلیں ہر ایک حرف کی خاطر نظم کر کے اپنی بد مذاقی کا ثبوت دیتے۔ وہ تو اسطرح کی ترتیب دیوان میں بھی اصلاح کے خواہاں تھے اور اساتذہ کی طرح بھرتی کے ثقیل سے ثقیل قافیے حروف تہجی کی خانہ پری کے لئے سمیٹنے اور ث۔ ذ اور ض کی خوشنودی مزاج کے لئے الغیاث۔ لذیذ اور ریاض دبیاض کے قافیوں کو دھر پکڑ کر دفعہ ۱۰۷ کے آوارہ گردوں کی طرح چالان کرنے کو گناہ سمجھتے تھے یہی وجہ ہے کہ جتنے حروف تہجی میں ان کی غزلیں ملیں تھیں وہ سب اعلیٰ خوش فکری اور آمد طبیعت کا نمونہ ہیں۔ کوئی غزل اس ظلم و جور کا شکار نہیں جیسے گاؤں میں اسامیوں کو بیگار میں پکڑ بلاتے ہیں اور وہ الغیاث الغیاث چلاتے پھرتے ہیں۔

اس حصے کی غزلوں کے جلد مل جانے کے لئے دیوان کے شروع میں ایک فہرست دیدی گئی ہے اور جس طرح قیدی کے گلے میں اس کے نمبر اور بارک کی تختی لٹکی ہوتی ہے اسی طرح فہرست کے خانوں میں نمبر شمار مصرع اولیٰ اور صفحہ جس پر اس غزل کی سکونت واقع ہے پھر اس غزل کے اشعار کا شمار اور سب سے

آخر میں ہر ردیف کے شعروں کی مجموعی تعداد درج ہے۔ اس حصّے کے اشعار گننے کی بھی ضرورت نہیں۔ جنتری برآورد تنخواہ کی طرح شعروں کے اعداد و شمار کا انڈکس وہیں مل جائے گا جہاں سے جس حرف کی غزلیں پولس یا پلٹن کے سپاہیوں کی طرح قاعدے کا سلام کر کے رخصت ہوتی ہیں۔ ایسی پُرلطف اور کارآمد فہرست شاید ظریف ہی کے دیوان کے حصّے کی چیز ہے اگر کچھ مالی فائدہ ہوتا تو اس عنوان کے رجسٹری کرانے کی درخواست بھجوا دی جاتی۔

حصّۂ دوم] اس حصّے میں ناتمام غزلیں اور کچھ اِدھر اُدھر کے گرے پڑے شعر اسطرح یتیمانہ اُداسی کا منظر پیش کر رہے ہیں جیسے کسی غریب کی مجلس میں تبرّک گھٹ جائے اور حصّے کے خواستگار منھ پھیلائے کھڑے رہ جائیں یا جیسے سوسائٹی کی بداخلاقی کے ثبوت کی یادگار میں مسجد سے کسی نمازی کا جوتا چُرا لیا جائے اور وہ حرماں نصیب عاشق کا زبردستی مقلّد بنا دیا جائے۔ اس حصّے کی یتیم صورت غزلوں کے ایک ایک دو دو شعر پڑھ کر شوق کی فراوانی کا یہ عالم ہوتا ہے اور بقیہ شعروں کی تلاش اس طرح ہوتی ہے جیسے کسی مطلوب کی ذرا سی جھلک خواب میں نظر آجائے اور آنکھ کھلتے ہی اس کے پکڑنے کو ہاتھ بڑھایا جائے تو مچھر کی بھنبھناہٹ کے سوا نہ کچھ سُنائی دے نہ دکھائی پڑے۔ اس حصّے کی فہرست بھی پہلے حصّے کی طرح دلچسپ اور کارآمد ہے اور تو سب وہی پہلے حصہ کی فہرست کے خانے ہیں صرف ایک خانہ صنف نظم کا بڑھا دیا گیا ہے اس حصّے میں علاوہ غزل کے سلام۔ سہرے۔ تاریخیں۔ رباعیات۔ تخمیس۔ قطعات۔ نظمیں۔ مثنوی اور نوحے بھی ہیں۔ خوبی یہ ہے کہ ظریف کی شاعری کی خصوصیات اِن سب اصناف کی چٹ چٹ بلائیں لے رہے ہیں۔ مثال کے طور پر بعض اصناف کے ایک ایک شعر لکھ دیئے جاتے ہیں صرف سلام کے ایک شعر کی تشریح کر دینا مناسب ہے تاکہ ظریف کی معنی خیز ظرافت کی کچھ قدر دلوں میں ہو۔ ھو ہذا:-

سلام کا شعر ؎ حُر کے ڈر سے چھپ گیا چادر میں ابن سعد جب ✲ شمر چلّایا ارے تُو تو مری ماں ہو گیا

بظاہر تو اس شعر میں ظرافت ہے مگر تاریخی اور اخلاقی مفاد کے لحاظ سے یہ ایک کارنامہ ہے کربلا کی جنگ میں عمر ابن سعد یزیدی فوج کا اعلیٰ سپہ سالار اور حُر اسی کے لشکر کے ایک دستہ کے سردار تھے روزِ عاشور

جب امام حسین ع نے ناعاقبت اندیش اور لالچی سپاہیوں کے سامنے آکر اپنے کو پہچنوایا اور اپنی بے گناہی صاف صاف بیان کر دی تو عمر سعد سٹپٹا کر لاجواب ہو گیا اور حُر کی سمجھ میں آ گیا کہ یہ جنگ حق وباطل کی جنگ ہے اور حسینؑ حق پر ہیں حُر کی بہادری کا عرب میں ڈنکا بج رہا تھا۔ وہ غدّار فوج سے بیزار ہو کر یزید اور عمر سعد پر حقارت سے نظر کرتا ہوا امام حسینؑ کی طرف حق کی حمایت کرنے چلا آیا۔ عمر سعد اپنے حرکات اور حُر کی اخلاقی اور مردانہ جرأت کے نفسیاتی اثر سے جس طرح مجرم کا ضمیر ملامت کرتا ہے ویسے خوف زدہ ہوا۔

اس وقتی حالت کا جس میں اسکا دل لپٹ گیا اور بہادری اور اخلاقی صفت روپوش ہو گئی تھی استعارہ ڈر سے چادر میں چھپنے کے الفاظ سے گیا ہے۔ چادر کے معنی خیمے کے بھی ہیں اس طرح ڈر سے خیمے میں چھپ جانے کا بھی خیال منطبق ہوتا ہے جو واقعتاً صحیح ہے۔ اس طرح چادر کا لفظ صنعت ایہام کی مثال ہے۔

شمر بھی یزیدی فوج کے دستے کا کماندار تھا اور عمر سعد اسکا افسر اعلیٰ تھا۔ افسر، مالک، حکمراں کی تشبیہہ ماں باپ سے دی جاتی ہے۔ عورتوں کا دستور ہے کہ چادر میں منھ چھپاتی اور کبھی کبھی چادر سے اپنے کو لپیٹ لیتی ہیں یہاں حرص وہوا اور حکومت رے کی ہوس میں احساس جرم کی غیر مردانہ بے حمیتی سمیت عمر سعد چھپ گیا تھا اسکا استعارہ چادر سے نہایت لطیف ہے۔

اس وقت کی حالت پر نظر کیجائے جب ان کیفیات سے فوج میں ایک سناٹا چھا گیا تھا اور حالت دگرگوں ہوتے دیکھکر عبرت دلانے کی ضرورت پیش آ گئی تھی تو گھبرا شمر کا عمر سعد کو بجائے باپ کے ماں کھدینا عین مقتضائے فطرت ہوسکتا ہے جیسا کہ گھبراہٹ میں ایکبار کوئی صاحب اپنے کو شتر خانے کا داروغہ کہنے کے بجائے داروغہ خانے کا شتر کہہ گئے تھے۔ عمر سعد کی قلبی حالت کے اس استعارے اور اس کی ذات کو شمر کی ماں سے تشبیہہ دیکر تاریخی واقعات کو شاعرانہ انداز سے ظرافت کے پیرائے میں ادا کر دینا ظریف کے کمال کی نشانی ہے۔

سہرا ۱۵ ایک محفل کو مسرت کا تماشا دکھلائے واقعی بھان متی کا ہے پٹارا سہرا

تاریخ] ۵ اس خسان بہادری کی محل کے لئے امسال ہے موزوں ۔ شتر بغدادی
سنہ ۱۹۲۱ع

حصّۂ سوم] اس حِصّے میں وہ تمام معرکۃ الآرا نظمیں یکجا کردی گئی ہیں جن میں سے بیشتر کیرکٹر یا شخصیت کے ذریعے سے ظرافت پیدا کر رہی ہیں۔ ایک ایک نظم مطالب اور اصلاح معاشرت کے لحاظ سے شکسپیر کا ڈرامہ پھر شگفتگی میں زعفران کا کھیت ۔ اس حِصّے کی فہرست میں عنوان نظم کے ساتھ جس مفہوم سے جس نظم کا تعلق ہے اسکا خلاصہ بھی دیدیا گیا ہے اور تعداد اشعار کے ساتھ اس سنہ کا حوالہ درج ہے جس سال وہ نظم کہی گئی ۔اس نظم کے پس پردہ تاریخی واقعات پر اسطرح نظر دوڑنے لگتی ہے جیسے بغیر شناوری سیکھے پانی پر مچھلی کا بچّہ بھاگتا پھرتا ہے ۔

تشریحی اور تاریخی حالات کے ساتھ دیوان میں اس حُسنِ ترتیب نے چار چاند لگائے ہیں اور یہ محنت در یاض وہی کر سکتا ہے جس کے دل میں جناب صؔفی کا ایسا درد اور اُن کی ایسی قابلیت وصلاحیت ہو۔

ان حصّوں کے علاوہ پیامِ تعزیت جو کچھ مل سکے اور ظرؔیف کی وفات پر جو نظمیں کہی گئیں ان میں سے خاص خاص چند اس دیوان کے ساتھ شایع کردی گئیں۔

ظرؔیف کی شاعری پر رائے] ظرؔیف کا دیوان اس سے پہلے شایع نہیں ہوا جس کی وجہ سے ان کی شاعری پر اہل ادب کو اپنی اپنی رائے ظاہر کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ اب دوسرے ایڈیشن کے لیے یہ بات اٹھا رکھی جاتی ہے لیکن جو دو چار رائیں معلوم یا موصول ہوئیں اُنکا خلاصہ یہ ہے ۔حضرت اکبر الٰہ آبادی نے اپنی زندگی میں ظرؔیف کی ہمہ گیر طبیعت اور کلام پر نظر کر کے یہ رائے ظاہر فرمائی جو اخبار سرفراز لکھنؤ میں درج ہے ۔ ”ظرؔیف ہندوستان میں اپنی قسم کے منفرد شاعر ہیں“ سیّد ابوطاہر بی ایس سی پروفیسر گورنمنٹ اُردو ٹریننگ کالج پونا نے میری فرمائش پر ظرؔیف کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا اس میں سے قدیم زمانے کے طرز ظرافت اور دور جدید کی ترقی کے بعض نکات کو میں اپنے طور پر پہلے ہی اس مُقدّمے میں دکھا چکا ہوں لیکن اس مدد کے لئے اُن کا دل سے شکر گزار ہوں ۔ ان کی جو رائے ظرؔیف کے بارے میں ہے،

وہ بجنسہ انھیں کی عبارت میں یوں پیش ہے :-

"عجیب اتفاق ہے کہ ایک ہی گھر میں دو بھائی (صفی اور ظریف) پیدا ہوتے ہیں اور قدرت دونوں کو"
"شاعری کا دل و دماغ ودیعت کرتی ہے مگر جب اِن قوتوں کا اظہار ہوتا ہے تو پیرایۂ بیان میں ذرا سی"
"مشابہت بھی نظر نہیں آتی ایک کا کلام سنجیدگی متانت فکر و فلسفہ حقائق سے لبریز اور دوسرے کا سخن"
"زندہ دلی شوخی ظرافت بذلہ سنجی اور طنز کا نمونہ دونوں اپنے اپنے زمانے کے مسلّم الثبوت اُستاد"
اور اپنے اپنے رنگ کے حالی اور اکبر لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو اس اختلاف میں بھی حسن اتفاق"
"نظر آتا ہے۔ دونوں اپنی قوم کے والہ و شیدا اسکے سکھ سے مسرور دکھ سے رنجور ترقی کے خواہاں اور"
"تنزل سے نالاں ہیں دونوں کے دلوں میں درد کی ٹیسیں اور احساس لطیف کے نشتر مشترک معلوم ہوتے ہیں"
"گویا دھڑکنے والا دل ایک ہی ہے مگر اُس کی ترجمانی کرنے والی زبانیں دو ہیں ...."

اسکے بعد اکبر الہ آبادی اور اودھ پنچ کے دو ر ظرافت نگاری کے سلسلہ میں اسطرح تحریر فرمایا ہے ......

"اکبر الہ آبادی اور ظریف لکھنوی دونوں بزرگ ہندوستان کے عبوری عہد کی پیداوار ہیں دونوں کا"
"نصب العین اولاً مسلمانوں کی مذہبی، سماجی، اور ملّی خصوصیات کو برقرار رکھنا اور اسکے بعد تعلیمی و اقتصادی"
"ترقی حاصل کرنا ہے۔ دونوں اپنی قوم کے مغرب زدوں اور پرانی لکیر کے فقیروں سے ناراض ہیں۔ وہ"
"مغرب و مشرق کا ایسا اعتدال چاہتے ہیں جس میں اسلام پھولے پھلے۔ وہ ہندوستان کو غدّاروں"
"قوم فروشوں حکّام پرستوں، مولویوں، رئیسوں اور فرسودہ شاعروں سے پاک کرنا چاہتے ہیں۔ وہ انقلاب"
"نہیں چاہتے ہیں بلکہ تحفظ چاہتے ہیں اور اس مقصد کے حصول کے لئے اُنھوں نے اپنے لئے شاعری میں"
نئی راہیں تلاش کیں اور اچھے کلام کو مؤثر بنانے کے لئے طنزیہ لہجہ اختیار کیا لیکن اسکے باوجود"
ان کے کلام کی بنیاد تفنّن ہی پر قائم رہی ظریف کے آرٹ کی بنیادی خصوصیت ان کے مذاق کی"
متانت اور زبان کی پاکیزگی میں مضمر ہے۔ ان کے عنوان، الفاظ، اور بیان میں ایسا رکھ رکھاؤ"
ہوتا ہے کہ سوچنے پر بھی سوقیانہ پہلو نہیں نکلتا۔ ظریف ذو معنی الفاظ ضرور استعمال کرتے ہیں"

"مگر صرف لفظی اعتبار سے معنوی لحاظ سے نہیں اسی لئے انکا کلام ہر طبقے اور ہر محفل میں بید ھڑک"
"پڑھا جاسکتا ہے۔ ان کے مذاق میں وہ اعتدال ہوتا ہے جو کم لوگوں کو نصیب ہے۔ وہ اتنے"
بدمذاق بھی نہیں ہیں کہ پرانے ادیبوں کی طرح چیستان میں گفتگو کریں اور صرف ونحو کی باریکیوں"
"میں اُلجھ کر مزاج کا ایسا گورکھ دھندا تیار کریں جس میں تفنن اسطرح غائب ہوجائے جیسے ریت"
"میں پانی نہ وہ اتنے ہنسوڑ ہیں کہ لوگوں کو ہنسانے کی کوشش میں خود مضحک بن جائیں۔ پھر سب سے بڑی"
بات کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں اتنا برجستہ ہوتا ہے کہ جیسے الفاظ کو طلسم بند کرلیا۔ انکا اثر ایک سحر ہے"
جس سے پیٹ میں گدگدی تو نہیں ہوتی البتہ لبوں پر خفیف سا تبسم نمودار ہوجاتا ہے اُن کا طنز"
اسقدر لطیف ہوتا ہے کہ اُس سے کلیجے میں چھید نہیں پڑتے وہ اپنی زبان پر سودا کے بہتر نشتر"
"نہیں رکھتے کہ ہر ایک کی ہجو کرتے پھریں۔ اور جب وہ سرنگوں ہوجائے تو ایک قہقہہ لگائیں"
اُفلاطون اس قسم کے متعلق لکھتا ہے کہ"

"ہم دوسروں کی بدنصیبی پر اس مسرت کے اظہار میں ہنستے ہیں"
"جو اُن کے شریک غم نہ ہونے پر ہمیں حاصل ہوئی ہے"،
"اس کے برخلاف اُنکا طنز تعمیری ہے۔ حاصل کلام ان کے مذاق میں متانت، ہنسی"
میں، دکھ طنز میں ہمدردی اور ہنسوڑ پن میں فلسفے کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں"........

القائی خواب

ایک خواب ہے جس کو اتفاقی بات کہیئے یا القا کسی خانقاہ کے گوشے سے اس خواب کا ذکر چھڑتا تو دنیا اس کو خدا جانے کیا سمجھتی ظریف مرحوم کو جب آخر بار جناب راجہ صاحب محمود آباد اور مہاراجکمار صاحب محمود آباد چہارشنبہ ۲۹ دسمبر ۱۹۳۶ء کو بوقت دس گیارہ بجے دن۔ دیکھنے کو آئے۔ تو مرحوم کی حالت بہت خراب تھی۔ یہ حضرات بیحد اثر لیکے اُٹھے۔ جناب راجہ صاحب موصوف اسی روز کلکتے بضرورت خاص روانہ ہوگئے۔ مابین سفر ریل گاڑی میں بارہ بجے شب کو اُن کی آنکھ لگ گئی اور تقریباً دو گھنٹے سوئے ہوں گے کہ خواب میں موصوف

نے یہ دیکھا کہ ظریف کا انتقال ہوگیا ہے اور دنیا ان کے ماتم میں اشکبار ہے۔ اسی عالم میں گھبرا کر جاگ اُٹھے اور الہامی طور پر اُن کی زبان سے یہ کلام جاری ہوا "ہنسانے والا رُلا کے اُٹھا" یہاں اُسی وقت یعنے ۳۰ ر دسمبر پنجشنبے کی رات کو بارہ بجے کے بعد سوا دو بجے ظریف کا انتقال ہوگیا تھا۔ کئی دن کے بعد راجہ صاحب موصوف کو ظریف مرحوم کے انتقال کی خبر کلکتے میں ہوئی۔ اِدھر فرطِ غم سے الہامی عنوان کے طور پر اُسی شب جناب صفی کی زبان پر جو شعر جاری ہوا اس میں بھی شعر کی جان یہی ٹکڑا ہے۔ جسے وہ مرحوم کی مجلس سوم میں بتاریخ ۲ ر جنوری ۱۹۳۸ء بہ آوازِ حزیں دچشم اشکبار پڑھے اور اسکا ذکر سرفراز اخبار کے اس مضمون میں بھی ہے جو مجلسِ سوم کے متعلق شایع ہوا ہے نیز یہی شعر اسی نظم کا مطلع ہے جو رقعہ مجلس چہلم کے ساتھ موسوم بہ "دردِ دل" شایع ہوئی ہے شعر یہ ہے۔

جو اُٹھ نہ سکتا تھا بے سہارے وہ شورِ محشر اُٹھا کے اُٹھا
ستم ظریفی تو کوئی دیکھے ہنسانے والا رُلا کے اُٹھا

اختتام

ظریف ایسے عدیم المثال ظرافت نگار شاعر کی ابھی دنیا کو بہت ضرورت تھی مگر
اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ چند ماہ کی علالت جھیل کر اور آخر زمانے میں عسرت و تکلیف سے بسر کرنے کے بعد ۲۹ ر دسمبر کا دن گذر کر شب پنجشنبہ ۳۰ ر دسمبر ۱۹۳۷ء کو سوا دو بجے انتقال کیا۔ ظریف دُنیا سے اُٹھ گئے اور محلہ کھجوہ شہر لکھنؤ کے ایک باغیچے میں جب سورج غروب ہو رہا تھا دفن ہوئے اس باغیچے میں پھولوں کی فصل میں نئے نئے پھول کھلتے رہتے ہیں اور راتوں کے سناٹے میں صدا آتی ہے۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی جو پنہاں ہو گئیں

مرحوم گو دنیا سے اُٹھ گئے لیکن ان کی یاد ابتک دلوں میں تازہ ہے اور جب تک اس چمن روزگار میں پھول کھلتے اور آسمان پر تارے چمکتے رہینگے اور ایک بھی زندہ دل باقی رہیگا ظریف یاد آتے رہینگے۔ اُردو شاعری کی اصلاح اور اخلاقی تمدن اور رسوم و قیود کے اصلاحات کا چرچا جتنا بڑھتا جائے گا ظریف جیسے شاعر کو دنیا برابر یاد کرتی رہے گی۔

۲۸ ر فروری ۱۹۴۳ء

ممتاز حسین جونپوری

فہرست اسمائے گرامی حضرات جنھوں نے تعزیتی مراسلے بھیجکر عزت افزائی فرمائی

نمبر	صراحت مراسلہ: خط	صراحت مراسلہ: تار	مؤرخہ	اسم گرامی ارسال کنندہ	مقام جہاں سے مراسلہ آیا	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
۱	خط	.	۲ر جنوری ۱۹۳۷ء	پروفیسر سید ضامن علی صاحب	محلہ چک الہ آباد	
۲	ایضاً	.	۳ر ایضاً	راجہ یٰسین علی خاں صاحب	دیو گاؤں - ضلع فیض آباد	
۳	"	.	— ایضاً -	سید کلب عباس صاحب ایڈووکیٹ	رائے بریلی	
۴	"	.	— " —	سید خلیل احمد صاحب آنریری جنرل سکریٹری	ادارۂ ایک آنہ فنڈ لکھنؤ	
۵	"	.	— " —	مرزا محمد مرتضیٰ صاحب ایضاً	بزم عباسیہ موتی مسجد فیض آباد	
۶	"	.	۴ - ایضاً	نواب آغا علی خاں صاحب	دریاباد - الہ آباد	
۷	"	.	۵ - "	سید جعفر مہدی صاحب رزم	ردولی ضلع بارہ بنکی	
۸	"	.	— ایضاً	حاجی سید جلال الدین حیدر صاحب	انجمن وظیفۂ سادات لکھنؤ	
۹	"	.	— " —	شیخ رضا حسین صاحب	شیخواڑہ ضلع اناؤ	
۱۰	.	تار	۷ - ایضاً	نواب سر حاجی مزمل اللہ خاں صاحب بالقابہ	بھیکم پور ضلع علیگڈھ	
۱۱	خط	.	— ایضاً	سید علی اکبر صاحب	جائس ضلع رائے بریلی	
۱۲	ایضاً	.	— " —	سید موسیٰ جعفری صاحب	سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور	
۱۳	"	.	۸ - ایضاً	حکیم محمد رفیق صاحب کنوینر اردو ایسوسی ایشن	میونسپل ہائی اسکول بنارس	
۱۴	"	.	۹ - ایضاً	نواب نثار علی خاں صاحب	نواب پیلس - لاہور	
۱۵	"	.	- ایضاً -	سید محمد علی جعفری صاحب	— ایضاً —	
۱۶	"	.	۱۰ - ایضاً	پنڈت امرناتھ جھا صاحب پرفیسر و ڈین	یونیورسٹی الہ آباد	
۱۷	"	.	— ایضاً -	محمد کبیر خاں صاحب رسا	بستی غزاں - جالندھر	

فہرست اسمائے گرامی حضرات جنھوں نے تعزیتی مراسلے بھیجکر عزّت افزائی فرمائی

نمبر	صراحت مراسلہ: خط	صراحت مراسلہ: تار	مورخہ	اسم گرامی ارسال کنندہ	مقام جہاں سے مراسلہ آیا	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
۱۸	خط	•	۱۰ - ایضاً -	جناب احقر نجیب آبادی	جارچہ ضلع بلند شہر	
۱۹	"	•	۱۱ - ایضاً	سید حسین صاحب انصاری	شیعہ اسکول جونپور	
۲۰	"	•	- ایضاً -	محمد عبدالجامع صاحب جامی	بدایوں	مع قطعۂ تاریخ وفات
۲۱	"	•	۱۲ - ایضاً	سیّد علی اظہر صاحب بیرسٹر	فیض آباد	
۲۲	"	•	۱۴ - ایضاً	سید اضغر حسین صاحب لکھنوی تاجر عطر	چاوڑی بازار دہلی	
۲۳	"	•	۱۵ - ایضاً	امیر احمد صاحب بلگرامی عبرتؔ	سندیلہ ضلع ہردوئی	
۲۴	"	•	- ایضاً -	ڈپٹی سیّد احمد علیصاحب	پٹنہ	مع قطعۂ تاریخ وفات
۲۵	"	•	- " -	جناب شاکر صاحب و سلیم صاحب	شاکر منزل قلی بازار کانپور	
۲۶	"	•	۱۹ ایضاً	سیّد محمد سبطین صاحب ایڈوکیٹ	پرتابگڈھ	
۲۷	"	•	۲۰ - ایضاً	سید حسن جعفری صاحب وکیل	نواب بلیس لاہور	
۲۸	"	•	- " -	آغا اشہر صاحب مدرّس	گورنمنٹ انٹر کالج جھانسی	
۲۹	"	•	۲۲ - ایضاً -	خان بہادر محبوب حسن خانصاحب	فیض آباد	
۳۰	"	•	- " -	سیّد علی اظہر صاحب بیرسٹر	- ایضاً -	
۳۱	"	•	۳/۲۲ - ایضاً	پروفیسر سیّد ضامن علیصاحب صدر شعبۂ اُردو	یونیورسٹی آلہ آباد	
۳۲	"	تار	۲۲ - ایضاً	مرزا صغر حسین صاحب	بمبئی	
۳۳	خط	•	- ایضاً -	مولانا مولوی سیّد ابن حسن صاحب رضوی جارچوی	محمود آباد ضلع سیتاپور	
۳۴	"		- ایضاً -	قیصر مرزا صاحب فائق	- ایضاً -	

فہرست اسمائے گرامی حضرات جنھوں نے تعزیتی مراسلے بھیجکر عزت افزائی فرمائی

نمبر	صراحت مراسلہ: خط	تار	مؤرخہ	اسم گرامی ارسال کنندہ	مقام جہاں سے مراسلہ آیا	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
۳۵	خط	•	۲۲-جنوری سنہ ۱۹۳۶ء	نواب علی خان صاحب	محلہ چکلی امروہہ	
۳۶	"	•	۲۳- ایضاً	سید مجتبیٰ حسین صاحب	سکریٹریٹ ممالک متحدہ لکھنؤ	
۳۷	"	•	- ایضاً -	سید محمد عسکری صاحب وکیل	بھوپال	
۳۸	"	•	۲۴- ایضاً	خواجہ غلام السیدین صاحب پرنسپل ٹریننگ کالج	علی گڑھ	
۳۹	"	•	- ایضاً -	سید ضغیر حسین صاحب لکھنوی تاجر عطر	چاوڑی بازار دہلی	
۴۰	"	•	۲۵- ایضاً -	سید عابد حسین صاحب پروفیسر جامعہ ملیہ	قرول باغ دہلی	
۴۱	"	•	- ایضاً -	خان بہادر مرزا جعفر علیخاں صاحب نفٹنٹ ڈپٹی کلکٹر	بلیا	
۴۲	"	•	— " —	سید فیضی جالندھری سکریٹری انجمن اُردو	محلہ قاضیاں جالندھر	
۴۳	"	•	۲۷- ایضاً	سکریٹری حیدر آباد لمیک بورڈ	ریاست محمود آباد ضلع سیتاپور	
۴۴	"	•	۲- فروری سنہ ۱۹۳۶ء	سید ذاکر حسین ہال پریشین ٹیچر ہائی اسکول	مٹیا برج کلکتہ	
۴۵	"	•	۴- ایضاً -	سید رضا حسین صاحب آنریری سکریٹری انجمن اتحاد المومنین	گونڈہ	
۴۶	"	•	۵- ایضاً -	سید کلب عباس صاحب آنریری جنرل سکریٹری آل انڈیا شیعہ کانفرنس	رائے بریلی	
۴۷	"	•	۷- ایضاً -	سید محمد اسماعیل صاحب عرف تمدن	رانی منڈی الہ آباد	مع قطعہ تاریخ وفات
۴۸	"	•	۱۲- ایضاً -	جناب تجمل صاحب آفندی	ہوم آفس کمپاؤنڈ حیدر آباد دکن	
۴۹	"	•	۱۸- ایضاً -	سید محمد احسن صاحب خادم مشہدی کربلائی	قرول باغ - دہلی	
۵۰	"	•	۱۹- ایضاً -	مرزا یار جنگ بہادر مرزا سمیع اللہ بیگ صاحب سپرنٹنڈنٹ چونگی	حیدر آباد دکن	
۵۱	"	•	۱۳- ایضاً	سید عقیل احمد جعفری نبیرۂ حضرت یاس مرحوم	خیر آباد ضلع سیتاپور	مع نظم تعزیتی

فہرست منظوماتِ تعزیتی

نمبر شمار	نام ارسال کنندہ	صنف سخن	مصرع اوّل	صفحات	تعداد اشعار	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
۱	از جناب یونس صاحب یدی	رُباعی	یاد آتا ہے دنیا سے گزر نے والا	۷۹	۲	* تاریخ ہٰذا لوح قبر پر کندہ ہے۔ دوسرا قطعۂ تاریخ ہجری و عیسوی سنہ میں درج رقعہ مجلس جہلم ہے وہاں ملاحظہ ہو۔
۲	"	تضمین	بر ہر لب و زباں صفتِ ا کلام ا	۷۹	۲½	
۳	"	تخمیس	شاعر فرد با ہنر بُود ظریفِ خوش سرشت	۷۹	۲½	
۴	"	قطعۂ تاریخ	رفت از جہاں برادرِ خردِ صفی بخُلد	۸۰	۹	
۵	از مولوی سید حامد حسین صاحب	قطعۂ تاریخ	رفتہ ز جہاں ظریفِ مقبول حسین	۸۰	۷	
۶	از جناب ڈپٹی سید احمد علی صاحب	قطعۂ تاریخ	ہزار حیف کز جہاں برفت فخر شاعراں	۸۱	۳	
۷	"	قطعۂ تاریخ	افسوس ز جورِ پیرِ گردوں	۸۱	۵	
۸	صفی لکھنوی	قطعۂ تاریخ*	رفت وقتیکہ ظریف از دُنیا	۸۲	۲	
۹	از پنڈت مہاراج کرشن صاحب ندیم	قطعۂ تاریخ	ہو گئے روپوش حیف آنکھوں سے سب کی تم کہاں	۸۲	۱۴	
۱۰	از سید عابد حسن صاحب بلاغت	قطعۂ تاریخ	تھا پنجشنبہ تیس دسمبر کی رات کو	۸۳	۲	
۱۱	از سید محمد اسماعیل عرف مّن صاحب	قطعۂ تاریخ	اُٹھ گیا ہائے کون اہلِ کمال	۸۴	۶	
۱۲	از شیخ عبد الجامع صاحب جامی	قطعۂ تاریخ	سبطین مصطفٰے سے یہ رکھتے تھے واسطہ	۸۴	۲	
۱۳	از فریدوں مرزا صاحب مجروح	قطعۂ تاریخ	چھٹ گئے تم بھی ہم سے آہ ظریف	۸۵	۱۱	
۱۴	از مرزا کاظم حسین صاحب محشر	قطعۂ تاریخ	اُٹھ گئے بزمِ اَدب سے اُٹھ گئے	۸۵	۹	
۱۵	از جناب احسن صاحب	قطعۂ تاریخ	ظریف سکہ بٹھا کے اٹھا ادب کا پردہ اٹھا کے اٹھا	۸۶	۸	
۱۶	از مرزا واجد حسین صاحب واقف	قطعۂ تاریخ	کم بصارت کر گئے بازو کی قوت لے گئے	۸۷	۱۴	
۱۷	"	قطعۂ تاریخ	کیسے جرار تھے حد کر دی وفاداری کی	۸۸	۶	
۱۸	"	قطعۂ تاریخ	تھے محب آپ کے وہ جن کا تخلص تھا ظریف	۸۹	۲	
۱۹	از جناب محمد شریف صاحب الٰہ آبادی	قطعۂ تعزیتی	ٹھنڈی سانسیں بھر رہی ہو کیوں نسیم خوشخرام	۸۹	۸	

فہرست مضامین نثر صفحہ مابعد پر ملاحظہ ہو

فہرست مضامین تعزیتی مندرجہ سرفراز اخبار

نمبر شمار	تاریخ اشاعت اخبار	سُرخی مضمون
۱	۲	۳
۱	مورخہ ۵۔ جنوری سنہ ۱۹۳۸ء	آہ مقبول حسین ظریف
۲	ایضاً	جناب ظریف مرحوم کی مجلس سوم
۳	مورخہ ۲۱۔ جنوری سنہ ۱۹۳۸ء	بھائی کے غم میں لسان القوم کے تاثرات (نقل رقعہ مجلس فاتحہ خوانی چہلم)
۴	مورخہ ۲۵۔ جنوری سنہ ۱۹۳۸ء	جناب ظریف کی رحلت پر اظہارِ غم (اُردو ایسوسی ایشن بنارس)
۵	ایضاً	افسوس ظریف بھی مرگئے ..(نوشتۂ جناب شیخ ممتاز حسین صاحب جونپوری)
۶	مورخہ ۲۵۔ اکتوبر سنہ ۱۹۳۸ء	ظریف مرحوم کی یاد ....(۔ ایضاً ۔)
۷	×	نظم تعزیتی موسوم بہ "غم ظریف" مراسلہ سید عقیل احمد صاحب جعفری نبیرۂ حضرت ریاض مرحوم از خیر آباد ضلع سیتاپور۔

تعزیتی نظمیں اور تاریخیں

از جناب یونس صاحب زیدپوری

نمبر (۱)

اُردو رُباعی

یاد آتا ہے دُنیا سے گزرنیوالا کیا بھولے گا گھر دلونمیں کرنیوالا
سو بات کی اک بات یہ ہے اے یونس مجموعۂ اوصاف تھا مرنے والا

نمبر (۲)

تضمین مصرع حافظ شیرازی

بر ہر لب و زباں صفتِ ما کلامِ ما کارِ جہانست از کرمِ حق بکامِ ما
محفوظ ز انقلابِ زمانہ نظامِ ما از نثر و نظم زندہ و باقیست نامِ ما
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

تاریخ نمبر (۳)

شاعرِ فرد باہنر بود ظریفِ خوش سرشت بُلبُلِ باغِ علم و فن گلشنِ دھر را بہشت
نزدِ آئمۂ از جہاں رفت سعید در بہشت از پئے سالِ رحلتش خامۂ یونس ایں نوشت

آہ ادیبِ باکمال آہ ظریفِ لاجواب

۱۳۵۶ھ

تاریخ نمبر (۴)

رفت از جہاں برادرِ خردِ صفی بخُلد | رونق فزائے بزم سخن زیبِ خانہ بُود
پرسند داغ فرقت او از دلِ صفی | ہمچوں پسر عزیز د بہ از ہر یگانہ بود
در فنِ شعر نیک شعورے ظریف داشت | اے بیخبر ظرافت اُو شاعرانہ بود
وز فکر موشگاف در سایش چہ گویمت | از بہر زلفِ نظم خدا سازشانہ بود
نقدِ بلاغت از پے او دولت عظیم | اشعار فوج گنج فصاحت خزانہ بود
در پردہ گفت او نتواں گفت انچہ فاش | آہنگِ او نصیحتِ ما از ترانہ بود
اکثر بدیں کمال بیفگند تیر پند | رُخ سوئے دوستاں دل اعدا نشانہ بود
بیدار گشت ملک و ترقی نمود قوم | خوابست ایں خیال کہ نظمش فنا نہ بود

یونسؔ رقم نمود پے سال رحلتش

خوش فکر، نکتہ سنج، وحیدِ زمانہ بود

سنہ ۱۹۳۷ء

۲ از جناب مولوی سید حامد حسین صاحب المعروف بہ سید صاحب ابن عمِ مرحوم

قطعۂ تاریخ

رفتہ ز جہاں ظریف مقبول حسین | آں زائرِ فرزند رسولُ الثقلین
بُد ابن عمِ خیر کہ در روزِ سوم | گریم پے مولاش بصد شیون و شین

الحمد ورا چو کرد تعلیم رسولؐ | زینو جبہ شدہ شاعرِ بازیب و زین
بارنگِ ظرافت شدہ ناصح بجہاں | مانند حنا ہم بکلامش لو زین
اللہ دہد صبر باولادِ و یش | بہر حسنین و ہم آشہ بدر و حسنین
گفتم سنِ علیسوی بتاریخ وفات | از یادِ بزرگاں چو دلم شد پُراین
باابنِ عمِ صفیؔ ست نامِ اب و عم

مقبول بخلد آمدہ گہ فضلِ حسین
۱۹۳۷ء

۳ قطعات تاریخ اثر خامۂ جناب ڈپٹی سیّد احمد علیصاحب از مقام پٹنہ

نمبر (۱)

ہزار حیف کز جہاں برفت فخرِ شاعراں | تخلّصش ظریفؔ بُد کلام او بدہ لطیف
ہم از وفاتِ او حزیں موالفین اقربیں | ہم از فراقِ او غمیں پیش برادرِ ضعیف
چو سالِ انتقالِ او نمود طبع جستجو
فلک بگفتہ احمدا جناں بیامدہ ظریفؔ
۱۳۵۶ھ

تاریخ نمبر (۲)

افسوس زجورِ پیرِ گردوں | کز دارِ جہاں سفر بفرمود
آں مرد کہ بود مردمِ چشم | آں فرد کہ فخرِ شاعراں بود
بخشد بطفیلِ آلِ یٰسیں | قصرِ ششِ بجناں خدائے معبود

گریاں بفراق او ز غبرا　　برشد ز دل برادرش دُود

تاریخ وفات او علیما

گو- وائے ستم ظریف مفقود

سنہ ۱۹۳۷ء

قطعۂ تاریخ وفات ظریف مرحوم

۴ از مصنفۂ مولانا صفی لکھنوی

جو لوح مزار پر کندہ ہے

رفت وقتیکہ ظریف از دُنیا　　صفی آمد ز درِ خلد ندا

مرحبا سیّد مقبول حسین

زائرِ سبط رسول الثقلین

سنہ ۱۹۳۷ء

نوٹ - دوسرا قطعہ تاریخ ہجری و عیسوی سنہ میں درج رقعہ مجلس چہلم ہے وہاں ملاحظہ ہو

پنڈت مہاراج کرشن صاحب ندیم تلمیذ مولانا صفی مدظلہٗ

قطعۂ تاریخ

ہو گئے روپوش حیف آنکھوں سے سب کی تم کہاں　　ایسی کیا جلدی پڑی تھی راہی قصرِ جناں

کچھ نہ آیا دوستوں کا اور اعزّہ کا خیال　　آپکی فرقت سے جن کے سر پہ ٹوٹا آسماں

زندگی میں تو ہنساتے رہتے تھے کیوں بعد مرگ　　عمر بھر کیواسطے چھوڑی ہی غم کی داستاں

مجمع احباب کو کچھ دن ہنساتے اور بھی　　آپ اور بے اعتنائی اسقدر خلد آشیاں

کیا تھی عجلت کونسی مجبوریاں مانع ہوئیں — جاتے ہی رہتے ہیں اس دنیا سے پیہم کارواں
موت کا آتا فرشتہ آپ کہدیتے یہی — جا نہیں سکتا ابھی میں ہو رہا ہوں ناتواں
بعدِ مُردن بھی ہنسی کی اک رعایت یہ رہی — زرد پڑ کر ہو گیا کُل جسم مثلِ زعفراں
کسقدر تکلیف مولانا صفی کو دے گئے — دل کی حالت کر نہیں سکتا قلم مطلق بیاں
اے مُسافرِ آخرت کے یہ نہیں آتا یقیں — یاد ہم کو کیجیے گا بلکہ الٹا ہے گماں
خیر ہم تو یاد تازہ رکھنے والے ہیں ضرور — آپ کی تربت سے ہم نے رکھ لیا ہے اک نشاں
دیکھنا ہے آپ ہم کو کس طرح کرتے ہیں یاد — اور اُس کا راز ہم پر کس طرح ہو گا عیاں
بات تھی جو مرنیوالے میں وہ ہونی ہے مُحال — دوسرے میں چرخ گر کھائے ہزاروں آسماں
حور و غلماں آپ کی خدمت کو جنت میں ملیں — ہے دُعا یہ زائرِ درگاہِ شاہِ انس و جاں

سال میں تھا ایک دن کم ایک کم کردو ندیم
سالِ رحلت جب لکھو زائر ظریفِ نکتہ داں

۵۳۰ ۔ ۱۱۹۰ ۔ ۲۱۸
۱۹۳۸
۱
۱۹۳۷ عیسوی

۶ تصنیف سید عابد حسن عرف ابن صاحب بلاغت خلف جناب فصاحت صاحب مرحوم

قطعہ تاریخ

تھا پنجشنبہ تیس دسمبر کی رات کو — تربت میں آہ آج جناب ظریف ہیں
آئی یہ عیسوی میں بلاغت ندائے غیب
اب پیشِ شاہ آج جناب ظریف ہیں
۱۹۳۷ء

۷ در صنعت تعمیہ مصنفۂ سید محمد اسماعیل عرف مدّن صاحب

قطعۂ تاریخ

اُٹھ گیا ہائے کون اہل کمال — دل پہ ہے خود بخود دفورِ محن
شعرا لیتے ہیں ظریفؔ کا نام — لکھنؤ جس سے تھا شگفتہ چمن
یعنی مقبولِ بارگاہِ حسین — زائرِ کشتگانِ تشنہ دہن
صفِ ماتم پہ سوگ ہیں اُس کے — ہر سخنداں ہے آج سینہ زن
فکرِ مدّن کو بھی ہوئی لاحق — کم سے کم لکھیئے ارتحال کا سن

با سرِ حُزن بولا یہ ہاتف

گلُ ہوئی حیف شمع بزم سخن

۱۳۵۶ھ = ۸ + ۱۳۴۸

۸ نتیجہ فکر جناب شیخ عبد الجامع صاحب جامیؔ از بدایوں

قطعۂ تاریخ

سبطین مصطفےٰ سے یہ رکھتے تھے واسطہ — تھا بازدِ رسولؐ کے ہاتھوں میں انکا ہاتھ

جامیؔ سنِ وفات بھی ہے اور دعا بھی ہے

محشور روزِ حشر ہوں آلِ عبا کے ساتھ

۱۹۳۷ء

عیسوی

۹ از نتیجہ فکر جناب فریدوں مرزا صاحب مجروح

قطعۂ تاریخ

چھٹ گئے تم بھی ہم سے آہ ظریف
سیّدِ ذی شرف عقیل و فہیم
صورت آنکھوں کے آگے پھرتی ہے
زندہ دل خوش مزاج نیک حلیم
رنگ میں اپنے تم تھے فردِ وحید
نکتہ رس فنِّ شاعری کے حکیم
وہ خداداد طبع میں شوخی
جس میں کوئی شریک اور نہ سہیم
چہچہ زن ہو آج تم کس جا
بذلہ گو طورِ لکھنؤ کے کلیم
محفلیں یاد کر کے روتی ہیں
تھا وہ رنگِ جدید اور قدیم
تم ملو گے نہ اب قیامت تک
چاہے مل جائے لعل و گوہر و سیم
نعمتیں خلد کی مبارک ہوں
کیونکہ وہ ذات ہے رحیم و کریم
دینا میرا پیام یہ اُن کو
اُس طرف ہو گذر جو تیرا نسیم
کہنا اے دوست تیرے ماتم میں
حال مجروح کا بہت ہے سقیم

عیسوی سن میں یہ لکھی تاریخ
حق شناس اُٹھ گیا مذاقِ سلیم

۱۹۳۷ء

۱۰ نتیجہ فکر جناب مدّاح آل محمدؐ مرزا کاظم حسین صاحب محشر

قطعۂ تاریخ

اُٹھ گئے بزم ادب سے اُٹھ گئے
اپنے فن میں کامل و یکتا ظریف

روتی محفل کو ہنسانا کام تھا | پڑھتے تھے جب نظم بے ہمتا ظریفؔ
شعروں میں پند و نصائح سودمند | کر گئے کارِ ادب کیا کیا ظریفؔ
آنکھیں رکھتی تھیں زیارت کا شرف | دل سے تھے شبیر کے شیدا ظریفؔ
اشک خوں آنکھوں میں اور ماتم کناں | جانتے تھے شاہ کو رونا ظریفؔ
سید السادات فخرِ ملک و قوم | قبر میں اب سوتے ہیں تنہا ظریفؔ
پہونچے جنت میں آئمہؑ کے قریب | ہو گئے جب تارک الدنیا ظریفؔ
روح پرور خلد کی کھا کے ہوا | از سرِ نو ہو گئے زندہ ظریفؔ

سالِ رحلت کلکِ محشر نے لکھا
ہائے ہائے آہ مولانا ظریفؔ
۱۳۵۶ھ

نتیجہ فکر جناب احسنؔ صاحب

قطعہ تاریخ

ظریفؔ سکہ بٹھا کے اُٹھا ادب کا پردہ اُٹھا کے اُٹھا
کلام کی داد پا کے اُٹھا جہاں وہ بیٹھا ہنسا کے اُٹھا
کبھی نہ مغموم اُس کو پایا ہمیشہ احباب کو ہنسایا
مگر یہ کیا ہو گیا خدایا کہ وقت آخر رولا کے اٹھا
غمِ جُدائی کو جی سے پوچھو یہ واقعہ کیوں کسی سے پوچھو
جو پوچھنا ہو صفی سے پوچھو گلے سے جن کو لگا کے اُٹھا
گواہ گریہ ہیں اشکِ شبنم زمانہ ہے مبتلائے ماتم
وہ درد کیا پوچھتا ہے ہمدم جو دل میں اہلِ وفا کے اُٹھا

پئے عیادت جو کوئی آیا تو دیکھنے کی نہ تاب لا یا
ہنسانے والے نے یوں رُلایا جو اُٹھا آنسو بہا کے اٹھا
کہاں سے وہ ضبط لائے احسؔن جو رنج فرقت اُٹھائے احسؔن
یہ کیسا شعلہ تھا ہائے احسؔن کہ خانۂ دل جلا کے اُٹھا
مخالفوں نے یہ رنگ اُڑایا مگر نہ کچھ فائدہ اُٹھایا
ظریف کے سامنے جب آیا حریف گردن جھکا کے اٹھا
وہ بلبلِ گلشنِ ظرافت، قفس میں ہے یا اسیر تربت
فقط یہ ٹکڑا ہے سالِ رحلت ظریف مجھکو رلا کے اُٹھا

۱۹۳۸ء

نقل نوٹ نوشتۂ مصنفۂ قطعۂ تاریخ بالاؔ

سالِ رحلت کی ٹھیک تاریخ ۱۹۳۸ء ہی ہوسکتی ہیں کیونکہ ۳۷ء دسمبر ۳۷ء ۶ جنوری میں ایک رات کا فاصلہ ہوتا ہے ۳۷ء یہ بھی احتمال ہوسکتا ہے کہ ابتدائے ۳۷ء ہو تو فاصلہ ایک سال کا پیدا ہو جاتا ہے اس لئے میں نے تعمیہ خارجی کی کوشش نہیں کی اس امر کو غور سے ملاحظہ کرنیکے بعد یقین ہے میری رائے آپ بھی پسند کرینگے

(مرحوم کا نیاز مند قدیم احسؔن)

نتیجہ فکر مرزا واجد حسین صاحب یاقفؔ لکھنوی شاگرد جناب اسیرؔ مرحوم

قطعۂ تاریخ نمبر(۱)

کم بصارت کر گئے بازو کی قوت لے گئے
دل کو توڑا عمر آئندہ کی راحت لے گئے
ہاں جیئں گے تو مگر کب تک کی اُمیدِ بقا
تھا مدارِ زندگی جس پر وہ طاقت لے گئے

باپ کی سی جنکی شفقت تھی چھٹے اُن بھائی سے — قبر میں مرحوم یہ اک داغِ فرقت لے گئے
بھائی کو روئے صفی جو مثلِ نورِ چشم تھے — کیسے آنسو تھے کہ ساری دلکی طاقت لے گئے
عابد و زاہد نمازی تھے نہ کیوں عقبےٰ نے — مالِ دنیا چھوڑ کر ایمان کی دولت لے گئے
چاہتے تھے کچھ کہیں بھائی سے لیکن رہ گئے — ہچکیاں دو لے کے دلکی دلمیں حسرت لے گئے
دلمیں جن کے سوزِ غم تھا رشتۂ خلّت کیا تھ — شمع روشن کرنے وہ بالائے تربت لے گئے
تا قیامت کیوں نہ اُنکی قبر نورانی رہے — دل پہ اپنے شاہ کا جو داغِ الفت لے گئے
اُن کی بخشش کیلئے کافی ہے اک بس یہ عمل — پنجتن کی دلمیں اپنے جو محبّت لے گئے
کربلا کا بھی کفن اور صرّہ خاکِ شفا — اپنی بخشش کا سہارا زیرِ تربت لے گئے
عاشقِ سلطانِ دین تھے بے حساب بے کتاب — قبر میں آئے فرشتے سوئے جنّت لے گئے
تیس ۳۰ تاریخ دسمبر پنجشنبے کی تھی شب — پیشِ شاہِ دین ملائک بہرِ خدمت لے گئے
آپ ہی کے ہاتھ میدانِ ظرافت رہ گیا — آپ فنِّ شاعری میں گوئے سبقت لے گئے

عیسوی تاریخ واقف نے کہی یہ معجمہ
آج اپنے ساتھ وہ اپنی ظرافت لے گئے

۳۰ دسمبر ۱۹۳۷ء

قطعۂ تاریخ نمبر (۲)

کیسے جرّار تھے حد کر دی وفاداری کی — آپ کے ساتھ میں جو جو ہوئے مقتول حسینؑ
جو کہا حق کہا اُمّت کے بچانے کے لئے — کی وہ تقریر عدو ہو گئے معقول حسین
وعدہ ایفا جو کیا ساتھ بہتر ۷۲ کو لیا — کیوں نہ درگاہ خدا میں ہوں وہ مقبول حسین
لاشِ عبّاس پہ جو گریہ تھا وہ اور ہی تھا — بھائی کے غم میں تو عالم کا ہے معمول حسین

ہاتھ کو روک لیا جنگ کو موقوف کیا ‌‌‌‌‌‌ کہ شہادت میں نہ ہو جائے کہیں طول حسین

آئی آواز دمِ ذبح فلک سے واقف
(کہ) عطا کر دہ شہادت ہوئی مقبول حسین
۱۳۵۶ھ

قطعۂ تاریخ نمبر (۳)

تھے محب آپ کے وہ جن کا تخلّص تھا ظریفؔ ‌‌‌‌‌‌ مددِ دوست تو ہے آپ کا معمول حسین

آج صدقے ہیں حسین ابن علی کے واقفؔ
(کہہ) وہ اب خلد بریں میں گئے مقبول حسین
۱۳۵۶ھ

قطعۂ تعزیتی

۱۳ ‌‌ نتیجۂ فکر محمد شریف صاحب الہ آبادی کلرک ہائی کورٹ الہ آباد

ٹھنڈی سانسیں بھر رہی ہو کیوں نسیمِ خوش خرام ‌‌‌‌ محو شیون کس لئے ہے عندلیبِ تلخ کام
دل شکستہ بیٹھے ہیں رندانِ مے آشام کیوں ‌‌‌‌ کس لئے ٹوٹے پڑے ہیں ساغر و مینا و جام
ہر طرف ہے شور سونی ہو گئی بزمِ ادب ‌‌‌‌ شاعری کا ہو گیا ہے درہم و برہم نظام
اُٹھ گیا افسوس بزمِ دہر سے وہ اُٹھ گیا ‌‌‌‌ درسِ بیداری تھا اہل ملک کو جس کا کلام
خوش مزاج و خوش خصال و خوش مذاق و خوش بیاں ‌‌‌‌ نیک سیرت نیک طینت نیک خصلت نیک نام
اہل ذوق اس کو بخوبی جانتے ہیں اے ظریفؔ ‌‌‌‌ کس قدر تیرا مذاق خاص ہے مقبول عام
دیکھئے قولِ بزرگاں آج ثابت ہو گیا ‌‌‌‌ نیک کاموں سے ہوا کرتا ہے انساں نیک نام

ہے دُعا بس یہ شریفِ زار کی شام و سحر
کر عطا جنّت میں یارب ان کو تو عالی مقام

ماخوذ از روز نامہ سرفراز مورخہ ۵ر جنوری ۳۹ء

آہ مقبول حسین ظریف

یہ خبر پوری قوم میں نہایت رنج و ملال کے ساتھ سُنی جائے گی کہ ملک و ملت کے نامور زندہ دل شاعرِ جناب سید مقبول حسین صاحب ظریف لکھنوی نے شب ۳۰ر دسمبر میں ایک طولانی علالت کے بعد اس دارِ فانی کو چھوڑ دیا مرحوم گزشتہ ڈھائی ماہ سے علیل تھے لیکن پھر بھی آپ کے اس قدر جلد مُنھ موڑ لینے کا اندیشہ نہیں کیا جاتا تھا ہم سب اجلاس کانفرنس کے سلسلہ میں کانپور میں تھے کہ یہاں مرحوم کی حالت خراب ہو گئی اور آپنے اپنے ضعیف العمر برادر معظم جناب لِسان القوم مولانا صفی لکھنوی مدظلہ اور صاحبزادیوں کو دفعتہً داغ جُدائی دیدیا کونسا ایسا اُردو داں ہے جو جناب ظریف سے واقف نہیں آپ کا ظریفانہ کلام طول و عرض ہند میں زبان زد خاص و عام ہے آپکی ظرافت دُنیائے ادب میں وہ نُمایاں حیثیت رکھتی تھی جسکی مِثال موجود نہیں آپ شعر صرف ہنسنے ہنسانے کے لئے نہیں کہتے تھے بلکہ اُس سے ملک و قوم کو اخلاقی۔ معاشرتی اور سیاسی سبق دیتے تھے آپکے اشعار ظرافت کے گلدستے ہی نہیں ہیں بلکہ ہدایات کے دفتر بھی ہیں زبان شیریں لب و لہجہ خوش گوار، انداز بیان دل نشیں، مفاہیم قابل مطالعہ۔ یہ تمام خوبیاں اس بے نظیر شاعر کے کلام میں بدرجۂ اتم موجود تھیں جس کا آج ہم ماتم کر رہے ہیں۔

جناب ظریف نے ہماری قوم کی گرانبہا خدمات انجام دی تھیں آپ ایک عرصے تک آل انڈیا شیعہ یتیم خانے کے سکریٹری تھے متعدد دیگر قومی ادارات سے بھی آپ عملی دلچسپی لیتے رہے۔

ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم اس غم پر کس طرح اظہار تاسف کریں لیکن اظہار تاسف خواہ کسی طرح کیا جائے اُسکا آخری نتیجہ کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ خوشی سے یا بمجبوری صبر و شکر کرنا ہی ہے۔ اس لئے ہم اپنے مجروح دل اور لڑکھڑاتی ہوئی زبان کو اس دعا میں مصروف کرتے ہیں کہ خدا جناب ظریف کو جوارِ اہلبیت علیہم السّلام میں جگہ دے اور آپکے اعزا خصوصاً جناب لسان القوم مدظلہ اور آپکی صاحبزادیوں کو

صبر کی طاقت عطا فرمائے۔ ناظرین سے التجا ہے کہ مرحوم کو ایک سورۂ فاتحہ سے یاد فرمائیں۔

(جناب ظریف کی مجلسِ سوم)

اتوار ۲۲ جنوری ۳۸ء کو جناب ظریف لکھنوی مرحوم کی مجلس سوم امامباڑہ میاں دارابعلیخاں میں منعقد ہوئی کثیر التعداد اکابر ذوی الاحترام حضرات مثلاً جناب ناصر الملۃ والدین مدظلہ سید اصغر حسن صاحب ریٹائرڈ جج، پروفیسر مسعود حسن صاحب رضوی، سید آل رضا صاحب ایڈوکیٹ حاجی سید غلام حسنین صاحب نقوی شیخ ممتاز حسین صاحب جونپوری، ظفر عباس صاحب فضل ایڈیٹر نظارہ شریک ہوئے غیر مذاہب کے افراد میں مسٹر آنند نرائن مُلّا ایڈوکیٹ کا اسم گرامی خاص طور سے قابل تذکرہ ہے ابتدا میں جناب صفی مدظلہ نے حسب ذیل شعر باچشم اشکبار پڑھا ؎

جو اُٹھ نہ سکتا تھا بے سہارے وہ شور محشر اُٹھا کے اُٹھا
ستم ظریفی تو کوئی دیکھے ہنسانے والا رُلا کے اُٹھا

سارا مجمع نمدیدہ ہو گیا۔ سید بشیر احمد صاحب وکیل نے ایک مختصر لیکن برمحل تقریر فرماتے ہوئے مرحوم کی قومی و ملی، علمی و ادبی خدمات کا حوالہ دیا اور آپ کی رحلت کو نہ صرف شیعوں بلکہ پورے ملک کے لئے ناقابل تلافی نقصان بتایا، آپ کی تقریر کے بعد تاریخ انتقال پڑھی گئی اور پھر ذاکری ہوئی۔

ماخوذ از روزنامہ سرفراز مؤرخہ ۲۱ جنوری ۱۹۳۸ء

بھائی کے غم میں لسان القوم کے تاثرات

جناب ظریف کی مجلس چہلم کا اعلان

لسان القوم مولانا صفی لکھنوی مدظلہ نے جناب ظریف کی مجلس چہلم کا جو رقعہ شایع فرمایا ہے اس میں آپ لکھتے ہیں "یہ جانتا ہوں کہ زندگی بے ثبات ہے اور موت منجملۂ یقینیات، مگر لے کاش اجل سنین عمر کی ترتیب سے آیا کرتی

کہ بڑوں کو اپنے سے چھوٹوں کا داغ نہ اٹھانا پڑتا، آہ آہ ظریف مرحوم مجھ سے دس برس چھوٹے تھے اور نسبتہً توانا و تندرست، گمان بھی نہ تھا کہ میرے سامنے مرجائیں گے اور اپنے فرائض مجھ کو سپرد کرجائینگے ماں باپ کی نشانی چھوٹا بھائی اگر سعید و رشید ہو تو پھر کیا کہنا، اپنی اولاد سے کم عزیز نہیں ہوتا، مرحوم سے مجھ کو ایسی ہی محبت تھی اور اُنھوں نے میرے حق تربیت کو کبھی نظرانداز نہیں کیا، ایک وفاشعار بھائی، ایک عقیدت مند شاگرد کی حیثیت سے ہر وقت میرا احترام ملحوظ رکھا، یہ کیا خبر تھی کہ دفعتہً یکم اکتوبر سے مرض یرقان میں مبتلا ہو کر تین مہینے مسلسل صاحب فراش رہ کے ۳۰ر دسمبر ۱۹۳۷ء کو شب پنجشنبہ سوا دو بجے مجھے اس پیرانہ سالی میں سوگوار چھوڑ کر رحلت کرجائیں گے، افسوس صد افسوس مرحوم کی اولادِ ذکور سے کوئی باقی نہیں کہ اُن کی بزم عزا میں سوگ نشیں اور میرے لئے باعث تسکین ہو ؎

اجزا اسے کھو گیا ہے خدا جانے کون جُز ‏ ‏ ‏ نسخہ حیات کا مری کامل نہیں رہا

بھائی اور ظریف سے روشن دماغ، سلیم المذاق بھائی کی جُدائی جس قدر الم انگیز ہے اسے میرا ہی دل جانتا ہے ظریفانہ رنگ میں مصلحانہ مفاہیم ادا کرنے والا چل بسا، شعر و سخن کی محفلیں سونی ہوگئیں، مرگ بے ہنگام نے دُنیائے اَدب کا رکن فکاہت منہدم کرکے ملک و ملت کو ناقابل تلافی نقصان پہونچادیا اور اس زندۂ جاوید کے انتقالِ پُرملال سے میں شکستہ بازو خود زندہ درگور ہوگیا ؎ خُدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں، مختلف قطعاتِ ہند سے تعزیتی خطوط اور تار برابر آرہے ہیں، ہمدرد احباب ماتم پرسے کو تشریف لاکر تلقین صبر فرمارہے ہیں لیکن ؎ تھمتے تھمتے تھمیں گے آنسو ؛ رونا ہے یہ کچھ ہنسی نہیں ہے، اس موقع پر اکثر اپنے آقا مظلوم کربلا کی بیکسی کا وہ دل خراش منظر عالم تصوّر میں نظر کے سامنے آجاتا ہے جب حضرت اپنے پیارے بھائی کی لاش پر واأخاہ! واعبّاساہ!! الآن انکسر ظھری و قلّت حیلتی فرمارہے تھے! اور کوئی پُرسہ دینے والا تک نہ تھا اُسوقت اپنے مضطر دل کو یہ کہہ کر سمجھاتا ہوں ؎ مرہم داغ برادر ہے صفی ؛ بعد عبّاس الم سبط نبیؐ، اور اسی لئے بتقریب فاتحہ خوانی چہلم بنابر ایصال ثواب بروح پُرفتوح برادرِ عزیز ؎ زائر سبط رسول الثقلین ؛ عبدہٗ سیّد مقبول حسین. متخلص بہ ظریف

مجلس عزائے حضرت خامسِ آلِ عبا علیہ التحیۃ والثنا بتاریخ ۲۳ جنوری ۱۹۳۶ء روز یکشنبہ وقت ۱۱ بجے دن کو بمقام حسینہ جناب ناظم صاحب مرحوم منعقد کی ہے۔ حضرات علمائے کرام و روسا و عظّام و احباب فی محترم کی خدمت میں یہ جگر خستہ بازو شکستہ دست بستہ ملتجی ہے کہ زحمتِ شرکت مجلس گوارا فرما کر مثاب ہوں اور نحیف کو رہینِ منت فرمائیں۔ اِنَّ اللہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ٥ برادر مردہ، دل افسردہ صفی عفاعنہ

قطعۂ تاریخ ہجری و عیسوی

ازمرگِ ظریف ابرِ گہر زائے ظرافت	بازوئے صفیِ جگر افگار شکست آہ
مقبول حسین) انجمن آرائے ظرافت	سالِ اجلش، (رفتہ، آزاد بفردوس
۵۶ ۱۳ھ	۱۹۳۷ء

دردِ دل

جو اُٹھ نہ سکتا تھا بے سہارے وہ شورِ محشر اُٹھا کے اُٹھا
ستم ظریفی تو کوئی دیکھے ہنسانے والا رُلا کے اُٹھا
یہی تھا وہ جامہ زیب و خوش دل ہلیقہ مند و ذکی و عاقل
دلوں پہ سکّہ جما کے اُٹھا نظر میں سب کی سما کے اُٹھا
غروب ہونے کو تھا جو سورج تمام تر زرد پڑ گیا تھا
اُٹھا عیادت کے بعد جو بھی وہ دل پہ صدمہ اُٹھا کے اُٹھا
جو گھر کہ عشرت کدہ تھا پہلے، وہ آہ ماتم سرا بنا ہے
ہوائے غم کی نہ تاب لا کر چراغ تک جھلملا کے اُٹھا

یہ شور ماتم ہے یا قیامت، دکھائی بے طاقتی نے طاقت
جو ہل نہ سکتا تھا وقت آخر وہ سیکڑوں دل ہلا کے اُٹھا

بپا ہے ہر سمت کس کا ماتم، یہ کیوں زمانہ ہے چشم پُر نم
یہ کس کی بزم عزا ہے ہمدم، جو بیٹھا آنسو بہا کے اٹھا

بٹھا کے نقش سخن دلوں پر دکھا کے حُسن بیاں کے جوہر
ہزار ہا گل کھلا کے اُبھرا، ہزاروں نغمے سُنا کے اُٹھا

ادب کی دنیا ہے آج سُونی، نہ کیوں ہو تکلیف دل کو دونی
کہ جگمگاتی تھی جس سے محفل، وہ شمع کوئی بجھا کے اٹھا

جہاں ہے کھجوے پہ باغ ناظم، وہیں بہشت بریں کا عازم
کفن سے منھ کو چھپا کے لیٹا، اغیار پردے گرا کے اُٹھا

قریب مسجد کے قبر پائی، لحد یہ تھی جمع اک خدائی
بسا تعجب یہ کج ادائی، کہ سب سے آنکھیں پھرا کے اٹھا

حیات میں جسقدر کمایا، وہ جیتے جی بید ریغ اُڑایا
متاع دنیا کو کیا سمجھتا جو اپنی ہستی مٹا کے اُٹھا

وہ خواب راحت میں فرش گل پر، ہم اور افکار خار بستر
ہزاروں فتنے جگا کے سُویا، ہزاروں کانٹے بچھا کے اُٹھا

شکستہ بازو ضعیف کیونکر سنبھالے ٹوٹی ہوئی کمر کو
ظریف دنیا سے اٹھنے والا صفی کے دل کو بٹھا کے اٹھا

ماخوذ از روزنامہ سرفراز مورخہ ۲۵ جنوری ۱۹۳۸ء

جناب ظریف کی رحلت پر اظہارِ غم

بنارس ۱۸ جنوری ۱۹۳۸ء کو میونسپل ہائی اسکول بنارس میں اُردو ایسوسی ایشن کی طرف سے ایک بہت بڑا جلسہ جناب سید مقبول حسین صاحب ظریف لکھنوی کی ناگہانی اور قبل از وقت موت پر اظہار تاسف کرنے کے لئے منعقد کیا گیا مسلمانوں نے سورۂ فاتحہ سے مرحوم کی روح کو ایصال ثواب کیا اور ذیل کا تعزیتی رزدلیوشن پاس کیا گیا۔

اُردو ایسوسی ایشن میونسپل ہائی اسکول بنارس کا یہ جلسہ اپنے ملک کے سربرآوردہ نغزگو شاعر شیریں کلام اکبر ثانی جناب سید مقبول حسین صاحب مرحوم ظریف کی ناگہانی موت پر اپنے دلی صدمات کا اظہار کرتے ہوئے اُن کی موت کو ملک و قوم بلکہ دنیائے ادب کے لئے ایک ایسی کمی محسوس کرتا ہے جس کا نعم البدل فی الحال مشکل ہے اور مرحوم کے ورثا خصوصاً مولانا صفی صاحب کی خدمت میں نہایت خلوص سے تعزیت ادا کرتے ہوئے دست بدعا ہے کہ خداوند کریم اُنھیں صبر جمیل اور مرحوم کی روح کو سکون ابدی عطا فرمائے۔

(حکیم محمد رفیق)

جونپور بتاریخ ۱۰ جنوری ۱۹۳۸ء ایک جلسۂ خاص اساتذہ و طلاب شیعہ اسکول جونپور کا بغرض ادائے تعزیت جناب سید مقبول حسین صاحب ظریف مرحوم لکھنوی زیر صدارت جناب سید حسن صاحب انصاری بی اے۔ سی۔ ٹی ہیڈ ماسٹر شیعہ اسکول جونپور منعقد ہوا۔ تمام حاضرین نے ہدیۂ سورۂ فاتحہ سے مرحوم کو یاد کیا اور ذیل کا رزدلیوشن پیش ہو کر منظور ہوا۔

(۱) یہ جلسہ جناب سید مقبول حسین صاحب ظریف مرحوم لکھنوی کی خبر وفات سنکر نہایت افسوس کرتا ہے اور مرحوم کے اعزا دپس ماندگان سے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے دست بدعا ہے کہ خدا مرحوم کو

غریق رحمت اور اُن کے ورثا کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

(۲) پاس ہوا کہ اس جلسہ کی کارروائی سرفراز قومی اخبار میں بغرض اشاعت روانہ کی جائے اور اس کی ایک نقل جناب فخر الشعرا، سید علی نقی صاحب صفی کی خدمت میں ارسال کی جائے۔

احقر الزمن شیخ نجم الحسن صدر انجمن ادب شیعہ اسکول جونپور

افسوس ظریف بھی مر گئے

از جناب شیخ ممتاز حسین صاحب جونپوری

اگر ظریف بجائے اُردو کے کسی اور زبان کے شاعر ہوتے اور اس نامراد اور بدنصیب ہندوستان کے بجائے کسی اور ملک اور قوم میں پیدا ہوتے تو آج اُن کے مرنے پر نہ صرف حلقہ ارباب ادب میں بلکہ ہر طبقہ میں ایک کہرام برپا ہوتا۔ اخباروں میں مُدّتوں مضامین نکلتے ظریف کی شاعری محض تفریحی نظم نہیں۔ ظریف ایک زبردست رفارمر اور مصلح ملک و قوم تھے اور جیسا سید اکبر حسین صاحب اکبر جج مرحوم نے کئی مواقع پر ارشاد فرمایا وہ اپنے رنگ کے یکتا اور عدیم المثال شاعر تھے ہوم رول کی نظم موجودہ زمانے کی شاعری والی نظم، الکشن والی نظم کو غور سے دیکھا جائے تو یہ نظمیں محض ہنسنے اور ہنسانے والی نظمیں نہیں بلکہ یہ اخلاقیات اور سیاسیات پر زبردست تبصرہ اور ہر ایک اپنی جگہ پر دردانگیز مرثیہ ہیں۔ ظریف سے جن لوگوں کو باتیں کرنے کا اتفاق ہوا ہے وہ جانتے ہیں کہ جن مسائل پر اُنھوں نے اظہار خیال کیا ہے اس کے ہر پہلو پر کس قدر عالمانہ تنقید سے نظر دوڑائی ہے افسوس اب ظریف سے باتیں بھی نہ ہو سکیں گی شکسپیر روز نہیں پیدا ہوتا صدیوں میں قاآنی اور نظیری پیدا ہوتے ہیں۔ آسمان کے بہت سے دور گزرے مگر پھر فرزدق اور متنبّی پیدا نہ ہوئے اسی طرح سمجھ لیجیے کہ اس دنیا سے ظریف کیا اُٹھ گئے آسمان ظرافت کا وہ آفتاب ڈوب گیا جس سے دنیائے ادب جگمگا رہی تھی، داغ

آمیرے لیکر اس وقت تک صدہا اُردو کے شعرا سے مجھے تبادلۂ خیالات کا موقع ملا صفی ظریف
اور اقبال کی باتوں میں روح شاعری کے ایسے جوہر پائے گئے جس سے اندازہ ہوا کہ اُنھوں نے کائنات
کے جزئیات کا بہت عمیق نظر سے مطالعہ کیا ہے۔ ظریف اپنے خاص رنگ کے اور شاعری میں ایک
خاص جادے کے موجد تھے اور اس رنگ کی شاعری کا خاتمہ انھیں پر ہو گیا۔ رونا ہے تو اس کا کہ اب
اس طرح کی شاعری ظریف کے بعد ختم ہو گئی افسوس کہ ظریف کی ایک یہ فرمائش مجھ سے پوری نہ ہو سکی کہ
اُن کے کلام پر ایک مختصر سا مقدمہ لکھدیتا۔ میں نے بارہا ہمت کی مگر اپنے دلی جذبات پر قابو حاصل نہ کر سکا
اور نہ لکھ سکا ظریف مرحوم کے مرنے پر کوئی مضمون لکھنا مجھے مشکل ہے۔ علاوہ شاعری کے کمال کے اُن کے
دیگر اوصاف و کمالات اتنے زیادہ ہیں کہ ہر ایک کے لئے ایک ایک جداگانہ مضمون لکھنے کی ضرورت ہے
اِسوقت میں نے چاہا تھا کہ ان کے قومی خدمات پر کچھ لکھوں مگر دل بھر آیا اور اب آگے کچھ نہ لکھ سکا شاید
دل سنبھلے اور طبیعت اور صحیح ہو لے تو کچھ اور لکھ سکوں۔

اصحاب ذیل سے گزارش ہے کہ وہ ظریف کی شاعری پر کچھ لکھ کر سرفراز اخبار میں چھپنے کو جلد سے جلد بھیجیں
تاکہ عنقریب ایک مبسوط مضمون میں ان اجزا کو جگہ دینے کا موقع مل سکے۔ پنڈت آنند نرائن مُلّا سید مسعود حسن
صاحب رضوی ادیب۔ مرزا محمد عسکری صاحب بی اے۔ مولانا اختر علی صاحب تلہری۔ مولانا حسرت صاحب
موہانی۔ مرزا جعفر علیخاں صاحب اثر سید علی عباس صاحب حسینی۔ مولانا بیخود موہانی۔ جوش ملیح آبادی۔ بالفعل

اسقدر نام مجھے یاد آئے جن سے میں بذریعۂ اخبار بھی گزارش کر رہا ہوں اور جداگانہ بھی عرض کروں گا کہ چاہے
یہ حضرات کتنا ہی عدیم الفرصت ہوں لیکن کچھ نہ کچھ ضرور لکھیں مجھے امید ہے کہ عنقریب ظریف مرحوم کا کلام
جناب راجہ صاحب محمود آباد کی ادب نوازی کا مرہون منت ہو کر فخر اشاعت حاصل کرے گا راجہ صاحب
ممدوح نے ظریف صاحب کے دوران علالت میں معالجہ کے لئے اور ان کی وفات پر فاتحہ خوانی وغیرہ کے مراسم
کے ایفا کے لئے جس خسروانہ عالی ہمتی اور فیاضی سے امداد فرمائی وہ اس قدیم ریاست کے روایتی اُمور
میں ایک یادگار اضافہ ہے اور اسکے لئے وہ تمام احسان شناس شریف قوم جس کی ایک فرد ظریف مرحوم

تھے ہمیشہ شکر گذار رہیگی۔

ماخوذ از روزنامۂ سرفراز مؤرخہ ۲۵ر اکتوبر ۳۶ء

ظریف مرحوم کی یاد

(چشم خوں بستہ سے کل رات لہو پھر ٹپکا)

ظریف مرحوم کو علاوہ انکی اور خوبیوں کے صرف بہ حیثیت ایک خوشگو شاعر ہی کے دنیا جانتی ہے اور اس نظر سے کہ اپنے رنگ کے وہ تنہا اور عدیم المثال شاعر تھے اور اب ان سے یہ خاکدانِ عالم خالی ہو گیا رہ رہ کر ان کی یاد ستاتی ہے اور اہلِ دل اہلِ نظر تنہائی میں بیٹھ کر ہر سر زمین میں اُن پر آنسو بہاتے رہتے ہیں۔ مولانا صفی صاحب جو ان کے بڑے بھائی ہیں ظریف کے مرنے کے بعد کچھ ایسا خاموش اور دل ملول ہو گئے کہ تنہائی اور گوشہ نشینی میں ان کی صورت ان کی حالت ظریف کی ماتمداری اور مرثیہ خوانی کر رہی ہے مجھے آج کئی باتوں کے سلسلے میں ظریف کی یاد آئی کچھ ان کے اہل وعیال کی پریشانی کچھ مولانا صفی کی مجبوری و تنہائی وغیرہ وغیرہ اسکے ساتھ یوں خاص کر یاد آئی کہ ایک خط مجھے میرے دوست حافظ حکیم ناظم حسین صاحب نے الٰہ آباد سے بھیجا ہے جس میں اُنھوں نے اُن قطعات اور نظم کو ارسال کیا ہے جو الٰہ آباد میں ظریف کی وفات پر اسی زمانے میں تعزیتی جلسوں میں پڑھی گئی تھیں۔ چونکہ مولانا صفی صاحب ظریف مرحوم کے کلام کی ترتیب دے رہے ہیں اور جس طرح مرنے والوں کے کلام اِدھر سے اُدھر سے ڈھونڈ کر جمع کئے جاتے ہیں وہ غریب اس پیرانہ سالی میں اکٹھا کر رہے ہیں۔ جہاں کہیں اصلاح اور صحت کی ضرورت ہے وہ بھی کمی پوری کر رہے ہیں اور مجھ سے فرمائش کی کہ ان کے کلام پر مقدمہ نگاری کے فرائض کو پورا کرنے والا کوئی نہیں ملتا اس لئے باہمہ انکار و خدمات قومی اس فرض کو میں ہی پورا کر دوں اس لئے میں نے اپنے جاننے والوں سے کہہ رکھا ہے اور پھر اعلان کرتا ہوں کہ ظریف

کے متعلق جہاں کہیں تعزیتی جلسے ہوئے ہوں ان کے حالات اور نظمیں اور جس کو اور جو کچھ ان کے سوانح حیات کے متعلق معلوم ہو مجھے مطلع فرمائیں یہ نوٹ مطول ہو جاتا ہے اس لئے میں ان تمام باتوں کو قطع نظر کر کے جن سے ظریف کی یاد نے مجھے پھر بے چین کر دیا ذیل میں ان قطعات کو پیش کرتا ہوں جو الہ آباد سے میرے پاس آئے ہیں اور وہ یہ ہیں۔ یہ میں اس لئے شایع کرتا ہوں کہ محفوظ رہ جائیں اور دنیا پر ظاہر ہو کہ جہاں کہیں قدر شناس ظریف کے ہیں اُنھوں نے ان کی اسطرح قدر کی ہے مجھے نہیں معلوم کہ لکھنؤ کی مشہور ادبی انجمن بہار ادب نے کیا کیا ذیل کی نظموں میں کچھ ایسے اشعار ضرور ہیں جو ادبی ذوق کی روح اور عطر ہیں اس لئے اہل زمانہ سے اس کو مخفی رکھنا مناسب نہ سمجھا گیا۔ (ممتاز حسین جونپوری)

ذیل کی نظم جو نتیجہ فکر مفتی تہور حسین صاحب آثر بدایونی ہے ۳۰ جنوری ۱۹۳۹ء کو سید ضامن علی صاحب پروفیسر کے یہاں ظریف کی وفات پر تعزیتی جلسہ میں پڑھی گئی اور حکیم حافظ ناظم حسین صاحب نے الہ آباد کے ریڈیو اسٹیشن سے براڈکاسٹ نشر فرمایا۔

یہ کیسی دل شکن اخبار میں یارب خبر آئی　　کلی باغ تمنا کی نظر آتی ہے مرجھائی
لبوں پر مہر خاموشی دلوں پر مُردنی چھائی　　صفِ ماتم سے ہر سو ہو رہی ہے بزم آرائی

مسرت کے گئے دن رنج کا ہنگام آپہونچا
ظریف زندہ دل کی موت کا پیغام آپہونچا

جواب اس دور میں پیدا کرے گا دہر کیا تیرا　　زباں تھی بذلہ گو تیری تو دل تھا پارسا تیرا
ادیبوں میں لقب تھا بلبل رنگیں نوا تیرا　　غضب ہے ساز یوں ہو جائے اکدم بے صدا تیرا

مجسّم درد ہے تصویر صد یاس و الم دل ہے
ترے خاموش ہو جانے سے سب خاموش محفل ہے

کمی اقوام کی رنگیں اداؤں میں بتادینا ہنسی کے بھیس میں اک داستانِ غم سنادینا
بڑے سنجیدہ لوگوں کو اشاروں میں ہنسادینا گنواروں کی زباں میں لطف کے دریا بہادینا

ادب کی مجلسوں کی بھی وہ کیا پر لطف راتیں تھیں
زبانِ خاص میں تیری سبق آموز باتیں تھیں

بڑا احسان ہے تیرا ادب کے جاںنثاروں پر بہارِ شعر بھاری تھی تری لاکھوں بہاروں پر
ظرافت کرتی تھی چشمک زنی پر نور تاروں پر لطافت جان دیتی تھی ترے ادنیٰ اشاروں پر

قیامت تک رہیگی یاد دل میں خوش بیاں تیری
درستی تھا سخن تیرا لطیفہ تھی زباں تیری

جُدائی میں تری محفل کی محفل جان کھوتی ہو نہ پاکر تجکو چشمِ شوق پھروں خون روتی ہو
تمنّائے مسرّت آنسوؤں سے منھ کو دھوتی ہو نہ ہونے سے ترے سب کو کمی محسوس ہوتی ہو

دُعا کرتے ہیں یہ اللہ سے، بندے محبّت کے
قیامت تک تری تربت پہ برسیں پھول رحمت کے

اشعار تعزیت مع تاریخ نتیجۂ فکر شاہ حبیب الرحمن صاحب فریدی ساکن دائرہ حضرت شاہ حجّۃ اللہ قدس سرہٗ آلہ آباد جو بزم ادب کے تعزیتی جلسے میں ۳۰ جنوری ۳۹ء کو سیّد ضامن علی صاحب پروفیسر کے یہاں پڑھی گئی

بڑے بڑے نامور ہوئے ہیں کہ جن کا باقی نشاں نہیں ہے
مٹے ہیں ایسے کہ انجمن میں کسی کی بھی داستاں نہیں ہے

فنائے نقش و نگار ہستی کا شکوہ بیجا بھی ہے عبث بھی
روش چمن میں ہے کون ایسی کہ پائمالِ خزاں نہیں ہے

نہیں ہے دھوکے کے ماسوا کچھ سرائے دنیا کی زینتوں میں
نہ گھر سمجھ اس کو دیکھ غافل یہ راستہ ہے مکاں نہیں ہے

تھا ایک دم مرنے والے کا اور ساری دنیا کے لاکھوں جھگڑے
لحد میں کیونکر نہ نیند آئے کہ فکر سود و زیاں نہیں ہے

غمِ جدائی کے سوزِ پنہاں میں کیفیت یہ عجیب دیکھی
سلگتی ہے آگ دل میں لیکن بظاہر اس کا دھواں نہیں ہے

زباں نواز و کلام پرور۔ ادب کے حامی، ظریف شاعر
بہت ہیں دنیا میں۔ تم سا لیکن کسی کا طرزِ بیاں نہیں ہے

بتائیں ہم حال کیا صفیؔ کا تمہارے غم میں وہ ہیں تو زندہ
مگر جو کل تک تھی بازوؤں میں وہ آج تاب و تواں نہیں ہے

قلم نے رو رو کے خون اختر لکھی یہ تاریخ عیسوی کی
وہی ہے بزم آہ اپنی لیکن ظریف رطب اللساں نہیں ہے

---

۶ ۱۹ ۳۷

حضرت ظریف مرحوم کے انتقال کی خبر پاکر جو ماتمی جلسۂ عام آلہ آباد کی پبلک نے کیا اس میں متعدد نظمیں پڑھی گئیں تھیں ان میں سے ایک یہ ہی جو جناب محمد شریف صاحب آلہ آبادی کلرک ہائیکورٹ نے پڑھی تھی

ٹھنڈی سانسیں بھر رہی ہے کیوں نسیم خوش خرام
محوِ شیون کس لئے ہے عندلیب الخ کام

دل شکستہ بیٹھے ہیں رندانِ مے آشام کیوں
کس لئے ٹوٹے پڑے ہیں ساغر و مینا و جام

ہر طرف ہے شورِ سونی ہو گئی بزمِ ادب
شاعری کا ہو گیا ہے درہم و برہم نظام

اُٹھ گیا افسوس بزم دہر سے وہ اُٹھ گیا
درسِ بیداری تھا اہلِ ملک کو جس کا کلام

خوش مزاج و خوش خصال و خوش مذاق و خوش بیاں
نیک سیرت نیک طینت نیک خصلت نیک نام

اہلِ ذوق اس کو بخوبی جانتے ہیں اَے ظریف
کس قدر تیرا مذاق خاص ہے مقبولِ عام

دیکھئے قولِ بزرگاں آج ثابت ہو گیا
نیک کاموں سے ہوا کرتا ہے انساں نیک نام

ہے دُعا بس یہ شریفؔ زار کی شام و سحر
کر عطا جنت میں یا رب اِن کو تو عالی مقام

(ممتاز حسین جونپوری)

نظم تعزیتی موسوم بہ "غمِ ظریف" مرسلہ عقیل احمد صاحب جعفری نبیرۂ حضرت ریاضؔ مرحوم از خیرآباد
ضلع سیتاپور

جو سخن تھا دلنشیں تھا خوب تھا معقول تھا — تو مغنی تھا وہ نغمہ بھی ترا "مقبول" تھا
بھائی بھی اُستاد کا تھا، اور خود اُستاد بھی — شاعرِ شیریں بیاں بھی شعر کا نقاد بھی

اک خصوصیت ہو تجھ میں تو کوئی اس کو کہے
کیسے بھولیں، عندلیب خوشنوا کے چہچہے

یا غزل تھی یا ہزل تھی اردو کے دیوان میں
تو ظرافت کو سجا کر لایا اس ایوان میں

آہ وہ حسنِ زباں تیرا وہ انشائے لطیف
تو ہنساتا تھا ہمیں ہم روتے ہیں تجھکو ظریف

رنگ اپنا رکھتا تھا ہر رنگ کا ماہر تھا تو
سچ ہے تجھ سے شاعری تھی ٹھیک ہے شاعر تھا تو

ساری دنیا کے بھرے تھے نغمے تیرے ساز میں
گاتا تھا تو سُر ملا کر غیر کی آواز میں

پردۂ تصویر بھی کرتا تھا تجھ سے گفتگو
تیرے دل میں گھر بنا لیتی تھی سب کی آرزو

ہاتھ باندھے رہتا تھا زندہ دلی کے سامنے
"جوش" پانی بھرتا تھا تیری خودی کے سامنے

خمکدے میں تیرے معلومات میں منطق بھی ہے
جام "ساغر" ہی نہیں ہے بادہ مشرق بھی ہے

دل ہی اک تابع نہیں ہے حسن کی آواز کا
زخم خوردہ ہے "جگر" بھی تیری بزم ناز کا

رند تھا پہلے، ترقی کر کے ساقی بن گیا
جام "فانی" کو پلایا وہ کہ باقی بن گیا

رنج کا خوگر کیا اتنا دلِ بے تاب کو
مل گیا آخر قرارِ دائمی "سیماب" کو

"یاس" کو "چنگیز" کا فوجی ترانہ کر دیا
تھا جو بیگانہ اُسے تو نے "یگانہ" کر دیا

طائرِ مضمون اُڑ کر آتا تھا ہونے کو صید
تیری محفل میں نہیں تھی "اصغر" و "اکبر" کی قید

اصغر و اکبر تو کیا ہیں "میر" و "غالب" کا بھی ننگ
اسطرح تو نے اڑایا تھا کہ اک دنیا تھی دنگ

لکھنؤ مرنے سے تیرے آج ویراں ہو گیا
"گلکدہ" تھا اک ادب کا جو پریشاں ہو گیا

مر نہیں جاتا ہے کوئی بھی کسی کے پیچھے خیر
زندگی بے لطف ہے لیکن عقیلؔ اس کے بغیر

دیوانجی حصّۂ اوّل

فہرست غزلیات بہ ترتیب حروف تہجّی

فہرست غزلیات بہ ترتیب حروف تہجی

فہرست غزلیات بہ ترتیب حروف تہجی

فہرست غزلیات بہ ترتیب حروف تہجی

فہرست غزلیات بہ ترتیب حروف تہجی

فہرست غزلیات بہ ترتیب حروف تہجّی

فہرست غزلیات بہ ترتیب حروف تہجی

فہرست غزلیات بہ ترتیب حروف تہجی

فہرست غزلیات بہ ترتیب حروف تہجی

میزان کل ۱۸۸۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غزلیات حصہ اول

غزل نمبر (۱) ردیف الف تعداد ابیات ۱۲۴

قطعۂ تاریخ تمہیدی مع مصرع تاریخ

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان ۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

قلم ہے آجکل زوروں پہ یارانِ سخنداں کا
وہ پنجہ پھر گیا دیکھو جنونِ فتنہ ساماں کا

زبردستی ہزاروں دھجیاں سب نے اڑا دالیں
پرانا چیتھڑا پایا جو ناسنجے کے گریباں کا

کھلے ہیں جا بجا گل اسقدر چاکِ گریباں کے
گماں ہے صفحۂ قرطاس پر گلچیں کے داماں کا

زمین شعر ہے زور آورانِ نظم کا دنگل
گل کشتی ہے گویا قافیہ چاکِ گریباں کا

کھلا میرا ابھی منہ خمیازۂ چاکِ گریباں پر
اسے میں کیا کروں یہ خاصہ ہے طبعِ انساں کا

خدا شاہد غزل پڑھتے ہوئے اب شرم آتی ہے
کہ یہ فن ہو گیا بازیچۂ اطفالِ دبستاں کا

جسے دیکھو وہی بے مثل اپنے کو سمجھتا ہے
یہ ہمسر ہے فرزدق کا وہ ہمپایہ ہے سحباں کا

مرا مشرب ہے صلحِ کل مرا مسلک ہے آزادی
نمک پروردہ ہوں ذوقِ سخن کے خوانِ احساں کا

چمن زارِ ظرافت سیرگاہِ طبعِ موزوں ہے
کہ ہے خارِ حسد سے پاک تختہ اس گلستاں کا

سٹری ہو جائے ہنستے ہنستے جب دیکھے کوئی بدبیں
زمین شعر میں یوں گل کھلے چاکِ گریباں کا

سخنور زہر کھائیں دیکھ کر کیوں میری سرسبزی
مجھے اک سبزۂ بیگانہ سمجھیں اس گلستاں کا

لگے ہاتھوں یہیں اک قطعۂ تاریخ ہو جائے
تقاضا ہے بہت مجھ پر جنونِ فتنہ ساماں کا

الف ایک ٹھونس کر کہہ دو کہ اب گن لو سن ہجری
جنوں گلدستہ رنگیں ہے یہ چاک گریباں کا

۱۳۱۶ + ۱ = ۱۳۱۷
سنہ ۱۳۱۷

غزل بقید ردیف الف چاک گریباں کا

اُلجھتا ہے جو دامن سے کوئی کانٹا بیاباں کا
دکھاتا ہے اُسے ٹھینگا الف چاکِ گریباں کا

ابھی کھیلے گلی ڈنڈا الف چاک گریباں کا
جو ممدودہ ہو مقصورہ الف چاکِ گریباں کا

جواب رودِ نیلِ مصر ہے پاٹ اپنے داماں کا
قدِ عوج ابن عوق اک تھا الف چاکِ گریباں کا

جہاز دل کو وحشت میں نہ ہوتا خوف طوفاں کا
اگر مستول بن جاتا الف چاکِ گریباں کا

مکرر حکم ہے سب پر یہی شاخ غزالاں کا
کہ باندھو شاعرو! دھرا الف چاکِ گریباں کا

گماں تجھ کو ہے لیلےٰ غلط غولِ بیاباں کا
بھگا ناقے کو وہ آیا الف چاکِ گریباں کا

بتِ ترسا کی ہوں زلف چلیپا کا میں سودائی
بنا ہے اس لئے گرجا الف چاکِ گریباں کا

بہ آسانی پڑے شہتیر وحشت خانۂ دل میں
جو دے ساکھو کا اک لٹھا الف چاکِ گریباں کا

ڈفالی دیکھ کر سترک میں کیا کیا راگ لائیں گے
جو گاڑیگا وہاں جھنڈا الف چاکِ گریباں کا

کسی نے بات تک پوچھی نہ اُسکی جوشِ وحشت میں
مگر بیکس کا تھا لگا الف چاکِ گریباں کا

ٹھہرتے کیوں نہ مرفوع القلم محشر میں دیوانے
لوائے حمد کی چھڑ تھا الف چاکِ گریباں کا

حلاوت اسکی مرغوب مذاق اہل وحشت ہے
مگر ہے بمبئی پونڈا الف چاکِ گریباں کا

دل وحشی کا ٹٹو اُڑ گیا ہے دشتِ وحشت میں
جمائے بڑھ کے اک سانٹا الف چاکِ گریباں کا

کبھی گنتا نہ گھڑیاں جوشِ وحشت میں شب فرقت
نہ گھنٹا گھر اگر ہوتا الف چاکِ گریباں کا

عجب کیا نٹ کی صورت دل تہ و بالا ہو وحشت میں
جو ڈے اک بانس لانبا سا الف چاکِ گریباں کا

قطب مینار جس کو یا منارِ قطب کہتے ہیں
وہ ہے دلی میں اک مسرا الف چاکِ گریباں کا

میں ابکی فصل بارش میں بناتا اُس کا پرنالہ
جو ہوتا بانس کا ٹونٹا الف چاکِ گریباں کا

رہِ غربت میں کیا کیا وحشیوں نے سینہ کوبی کی
عجب سنگین دُرمٹ تھا الف چاکِ گریباں کا

کیا دستِ جنوں نے خوں لاکھوں بیگناہوں کا
قسائی کا تھا کیا کھونٹا الف چاکِ گریباں کا

اُٹھائیں آسماں چھپّر کی صورت سر پہ دیوانے
جو ڈے ایک بانس کا لگّا الف چاکِ گریباں کا

سرِ شوریدۂ عاشق سے خون بہتا ہے یا تاڑی
درخت اک تاڑ کا ہے یا الف چاکِ گریباں کا

حسین آباد کو ویرانہ وحشت میں سمجھتا ہوں
ہے ایسی تھکنڈا گویا الف چاکِ گریباں کا

سہارا ڈھونڈھتے تھے اُسکا کیوں وحشت میں دیوانے
کوئی تھونی ہے یا کھمبا الف چاکِ گریباں کا

زمانہ ہے پر آشوب اُس سے کہہ دو کیا سڑی پن ہے
لڑا کرتا ہے لٹھ پونگا الف چاکِ گریباں کا

جنوں کی راہ میں اب بے عصا کے چل نہیں سکتا
ہوا ہے اس قدر اندھا الف چاکِ گریباں کا

مضر ہے شعلۂ داغِ جنوں کی روشنی اے دل
جلاتا ہے یہ کیوں لالا الف چاکِ گریباں کا

کسی میدان میں جائے جو شوقِ نیزہ بازی ہے
ہلاتا ہے بہت برچھا الف چاکِ گریباں کا

اڑائے دشتِ وحشت یوں مرے دامن کا کنکوّا
گریباں کانپ ہو ٹھڈا الف چاکِ گریباں کا

مجھے وحشی سمجھ کر پھینکتے ہیں ڈھیلے سب لونڈے
کہاں ہے بڑ بکے ڈنڈے ڈنڈا الف چاکِ گریباں کا

اگر آہِ رسا سے قد کہیں اُسکا ہوا چھوٹا
کہیں گے سب کے بونا ہے الف چاکِ گریباں کا

لبوں پر آکے آہِ آتشیں کی ریل جب ٹھہری
اس اسٹیشن کا سگنل تھا الف چاکِ گریباں کا

پکڑ لیتا ہے دم میں سیکڑوں مرغانِ وحشی کو
لگا دیتا ہے جب کمپا الف چاکِ گریباں کا

بہارِ باغ سودا ہو چکی سینے کے گلشن میں
بٹھائے اب نیا پودا الف چاکِ گریباں کا

جو ہیں لیلےٰ کو ڈانٹا مولوی صاحب نے مکتب میں
گھما کر قیس نے مارا الف چاکِ گریباں کا

میں وادی ہوں کہا کرتی تھی اکثر وال دامن کی — مرے آگے کا ہے لونڈا الف چاکِ گریباں کا
کہا کرتا تھا مجنوں بچپنے میں اپنے والد سے — دکھا لاؤ ہمیں ابّا الف چاکِ گریباں کا
کوئی بچّہ جو چُسنی مانگتا ہے باپ کہتا ہے — تجھے لادوں گا میں بیٹا الف چاکِ گریباں کا
یہی دن بھر رٹا کرتا تھا مجنوں جا کے مکتب میں — الف چاکِ گریباں کا الف چاکِ گریباں کا
دلِ ناداں جو سمجھے ہیں اُسے وہ سب ہیں دیوانے — لئے ہے گود میں بچّا الف چاکِ گریباں کا
کسی صورت سے ہو مقصود یہ ہی نظم ہو جائے — کہیں اُلٹا کہیں سیدھا الف چاکِ گریباں کا
جو اے دستِ جنوں اُلجھیگا اسکا پاؤں دامن سے — گرے گا منھ کے بھل اوندھا الف چاکِ گریباں کا
اُسے بھی خبط ہے جو اس کو دھن کُٹّی سمجھتا ہے — اُٹھا لایا ہے بھڑ بھونجا الف چاکِ گریباں کا
جنوں کے جوش میں اڑا پھٹا سیدھا نہ یہ نکلا — بنا ابجد کی بے سارا الف چاکِ گریباں کا
نہ سنبھلا جائے گا ہرگز گرے گا دھڑ سے دیوانہ — اگر ہو جائے گا گھوڑا الف چاکِ گریباں کا
میں بے کی طرح اک لحظے میں چت اس کو لٹا دیتا — اگر کچھ مجھ سے ٹرّاتا الف چاکِ گریباں کا
دو چشمی ھے اگر ہوتی اہاہا، تو پھر کیا تھا — یہی عینک لگا لیتا الف چاکِ گریباں کا

غزل بقید قافیہ (چاکِ گریباں)

دلِ وحشی ہمارا مقبرہ ہے قیس کی ماں کا — شگافِ قبرِ کہنہ ہے نشاں چاکِ گریباں کا
سڑی ہو کر بھتیجا کہہ رہا ہے ماہِ کنعاں کا — تھارا چاک دامن ہے چچا چاکِ گریباں کا
فرشتے آسماں پر سنتے ہیں آواز چرچوں کی — سحر کھلتا ہے جب پھاٹک مرے چاکِ گریباں کا
عمودِ دستِ وحشت سطح سے سینے کے ملتا ہے — نہیں بے قاعدہ یہ زاویہ چاکِ گریباں کا
جسے دیکھو اُسے شیطان کی آنت اب سمجھتا ہے — یہاں تک طول پہونچا ہے مرے چاکِ گریباں کا
اسی غم میں سر اپنا دھن رہا ہے آج دیوانہ — لُٹا ہے راستے میں قافلہ چاکِ گریباں کا

پڑا کیا کر رہا ہے یہ بتا اے دستِ وحشت تو
ارے اُٹھ اور پردہ کھولدے چاکِ گریباں کا

سحر ہو پھٹتے ہی دامانِ شب کیا غل مچاتا ہی
یہ بھو بو بھی ہے ہم پلّہ مرے چاکِ گریباں کا

یہاں ذرّت جنوں ہردم صفائی کرتا رہتا ہی
یہ کیا جاروب کش ہے کوچۂ چاکِ گریباں کا

نکالیں چار سو سٹرکیں بہت مینو سپلٹی نے
اڑا خاکہ نہ میرے جادۂ چاکِ گریباں کا

یقیں ہے مادّہ سودے کا مجنوں سے نکلجاتا
اگر گلقند کھا لیتا گل چاکِ گریباں کا

اگر دستِ جنوں اندھا نہ ہوتا جوشِ وحشت میں
بگڑتا منہ چڑھانا دیکھ کر چاکِ گریباں کا

یہاں تک قیس کے دستِ جنوں نے مشق وحشت کی
کہ آخر گھس گیا بالکل قلم چاکِ گریباں کا

ذرا تم سرگذشت اسکی سرِ فرہاد سے پوچھو
پھٹے میں پاؤں دینا کام تھا چاکِ گریباں کا

توانائی کہیں دستِ جنوں میں آتنی آجاتی
کہ تا درگاہ لے جاتا علم چاکِ گریباں کا

کماں ابرو یہ جتنے ہیں ابھی سیدھے ہوں نکالے
چڑھے ان پر اگر چلّہ مرے چاکِ گریباں کا

نکیل اپنی تڑاکر بھاگتا کیوں ناقۂ لیلےٰ
اگر مجنوں دبا دیتا گلا چاکِ گریباں کا

جو دھونا ہو تو دھولے ہاتھ لے دستِ جنوں ایسے
کہ ہے بہتا ہوا دریا مرے چاکِ گریباں کا

ہوئی صبح شبِ وصلت تو میں نے سینہ کوبی کی
گجر دم کھل گیا پھاٹک مرے چاکِ گریباں کا

درختِ بیدِ مجنوں کاٹتا ہے دشت میں مجنوں
ملا ہے کیا اُسے آرا مرے چاکِ گریباں کا

کہا لیلےٰ نے مجنوں سے مزاحاً ایک دن اتنا
مرے آگے بنا نقشہ ترے چاکِ گریباں کا

نکلتا جس گلی کوچے سے ہے اب قیس بیچارہ
چڑھاتے ہیں اُسے لونڈے "ابے چاکِ گریباں کا"

گریباں میں ذرا منہ ڈال پھر جھنکارتا ہاتھی
کہاں تیرا کہاں نالہ مرے چاکِ گریباں کا

بہت گھوما کیا پرکار ٹانگیں چیر کر اپنی
پتہ پایا نہ لیکن مرکزِ چاکِ گریباں کا

یہ سمجھیں لوگ انگریزی میں بھی نا کس تماچھوٹی
ہوا کچھ ایسا دنا ٹا مرے چاکِ گریباں کا

تمہاری زلف کا دشمن ہے اسکو سانپ سمجھا ہے
بکانے سے ہے جو مسرنیولا مرے چاکِ گریباں کا

ہوا مردوں کو دھوکا دامنِ محشر بچھا شاید
ہوا کچھ ایسا بھرّا ٹا مرے چاک گریباں کا

پرانا ہوں میں عہدِ آصف الدولہ کا دیوانہ
ہے نقشہ رومی دروازہ مرے چاکِ گریباں کا

خوشی سے قبر کھود عاشقِ وحشی کی تم اپنے
تمھیں ملجائے گر پھڑوا مرے چاکِ گریباں کا

برائے وحشیانِ مردہ دل وہ وقف ہے بالکل
کھلا ہے جو نیا تکیہ مرے چاکِ گریباں کا

فراقِ حضرت حوّا کا تو موجد ہے اے آدم
ترا چاک گریباں باپ ہے چاکِ گریباں کا

غزل بقوافی مختلف بقید ردیف (کا)

گڑا ہے عرش پر جھنڈا مری طبعِ سخنداں کا
لوائے حمد کی چھڑ ہے قلم میرے قلمداں کا

پھراتا ہے یہ اک انگلی سے چنبر چرخِ گرداں کا
بگولا اسقدر شہ زور ہے میرے بیاباں کا

یقیں ہے زہر کا چشمہ ہو چشمہ آبِ حیواں کا
جو اسمیں گر پڑے قطرہ تمھارے آب پیکاں کا

بندھا ہے عہد یہ دستِ جنونِ فتنہ ساماں کا
کہ دامن سے کروں گا آج گٹھ بندھن گریباں کا

ہوا ہے اس نظر سے شوق میرے دل کو قلیاں کا
کہ اکثر ناچ دیکھا کرتا ہوں دودِ پریشاں کا

جنوں میں اس سے سر توڑوں کا نفسِ دشمن جاں کا
عمودِ دستِ قدرت نام ہے چاکِ گریباں کا

نہ بہلے محفلِ صحرا میں دل کیونکر غزالاں کا
کہ اکثر ناچتا ہے طائفہ غولِ بیاباں کا

رہِ غربت میں سر نیچے ہو اوپر دونوں ٹانگیں ہوں
اشارہ ہے یہی اہلِ جنوں شاخِ غزالاں کا

ترے دیوانے کو صحرا میں باتیں سننی پڑتی ہیں
کیا کرتا ہے ٹائیں ٹائیں ہر طوطا بیاباں کا

مرا قاتل بناتا ایک لنگی اپنے سقّے کی
جو پاتا کھاروا وہ چادرِ خاکِ شہیداں کا

ترا اے جمع ہیں آہوں سے اک چھڑونکا میلہ ہے
گھما اے سوزِ دل تو بھی ہنڈولہ دودِ پیچاں کا

مہ و خورشید کی کیونکر بھلا پھر روٹیاں پلتیں
تنور اے دل نہ ہوتا گرم اگر گردونِ گرداں کا

نکالے کیوں نہ گردن اب دلِ عشاق کا چھوا
کہ منہ کھولے ہے گھونگا یار کے لبہائے خنداں کا

ادھر آؤ ادھر آؤ ادھر جاؤ نہ دیوانو — وہاں بیٹھا ہوا ہے مولوی کوہِ بیاباں کا
نہ پھر سنبھلا گیا افسوس فوراً گر پڑا الٹے — ہماری آنکھ کی کھڑکی سے طفلِ اشک جب جھانکا
میاں مجنوں کو اتنا ہوش تھا دیوانگی میں بھی — پکڑ لیتے تھے دُم کو اونٹ لیلیٰ نے جہاں ہانکا
کمر کا انکی عاشق ہوں کہہ اے جرّاح دھیان اتنا — مرے زخمِ جگر کیواسطے جیو نٹے کا ہو ٹانکا
ہوا ترچھی نظر کا عشق جب سے تیرے عاشق کو — سمجھتے ہیں اُسے سب اپنے بیگانے کہ ہے بانکا
تری کھڑکی سے بچپن کا مرے ساتھی نکل بھاگا — زباں تو نے نہ پکڑا ہاتھ دور افتادہ دنداں کا
خزاں کا وہ زمانہ اور صبحِ پیریِ لیلیٰ — ستاروں کی طرح سے ٹوٹ کر گرنا وہ دنداں کا
زرا اے دستِ وحشت ٹہر کے سر دونکا ٹکرا دے — گلے میں قیس کے ہو طوق لیلیٰ کے گریباں کا
دہن کا مدرسہ پیری نے کھولا تھا زباں تجکو — سبق پچھلا وہ پڑھنا یاد ہے ہل ہل کے دنداں کا
لغت کی سب کتابیں کھولکر بیٹھیں کہ پڑھتا ہو — دو غزلہ وہ کہ جو دیباچہ ہو قاموس و برہاں کا

غزل بزبانِ عربی آمیز اُردو

جو طائر کو تفحّص ہو دمِ تعشیش اغصان کا — افانینِ ھفھف کو تعہّد ہو تو اذعان کا
دموعِ دمِ فوادِ مرتعش سے منہمر ہونگے — نہ پوچھو حال اثخانِ جریحِ دمعِ اجفانِ کا
تماثیلِ کثیرہ دال ہیں اے لوذعی اسپر — فسادِ شنشنہ باعث ہے استبشاعِ اعیان کا
عیونِ باکیہ ہیں جارحر کے غول کا باعث — تجرّعِ لبن کے ہے ترعرعِ طفل اناّں کا
تمرّغِ قیس کا بیجا نہیں انواحِ وادی میں — اسے مطبوع استصماغ ہے نخلِ مغیلاں کا

اشعار بزبان فارسی آمیز اُردُو

پژوہندہ نہ ہو لے خیرہ سر دلہائے پژماں کا
کہ ان مرغاں نے پایا پاخرہ پادام پاچاں کا

بہم جفسیدن و آخر نجیدن اسکا کیا باعث
مگر چپچاپ کیا آوازہ تھا چاکوچ دنداں کا

لگا دُ اس کو جُم جُم چرغنہ وگرنہ یہ کرے جُم جُم
دم چامہ سرا ٹھیا ہوا ہے حکم جاناں کا

وژندا تنا نہ ہو لے دل نژندا تنا ہوائے دل
ژغارہ سے ہے داکیوں ژفرہ ترے زخم خنداں کا

کچول اپنے گدا کا دیکھ لو کچلول کو لیکر
چرسداں کیلئے دو ایک پارہ اپنے چپاں کا

دمِ غربیلہ کہتا ہے ظرایف اب وہ پری پیکر
کہ چنچولی مرا ہم پایہ ہے تختِ سلیمان کا

حلّ لغات عربی وفارسی

۱ہ بروزن زائر بمعنی پرندہ ۲ہ بروزن و بمعنی تجسّس ۳ہ بروزن تقدیر بمعنی آشیاں بندی ۴ہ بروزن ایوان بمعنی شاخہا جمع غصُن ۵ہ بروزن مزامیر بمعنی شاخہائے باریک جمع فنن ۶ہ بروزن مسلسل بمعنی نازک ۷ہ بروزن تصرّف بمعنی قصد کار ۸ہ بروزن ایمان بمعنی اطاعت ۹ہ بروزن طلوع بمعنی اشک جمع دمع ۱۰ہ بروزن سم بمعنی خون ۱۱ہ فواد بروزن مراد بمعنی دل ۱۲ہ بروزن مختلف بمعنی لرزاں ۱۳ہ بروزن مضطرب بمعنی جاری درداں ۱۴ہ بروزن احسان بمعنی سستی زخم ۱۵ہ بروزن قتیل بمعنی زخمی ۱۶ہ بروزن صبح بمعنی نیزہ ۱۷ہ بروزن ہیجان بمعنی پلکیں جمع جفن ۱۸ہ بروزن تصادیر بمعنی تمثیلات ۱۹ہ بروزن ذخیرہ بمعنی

زیادہ ۲۰ھ بروزن ال بمعنی دلالت کنندہ ۲۱ھ بروزن اجنبی بمعنی مرد زیرک ۲۲ھ بروزن مواد بمعنی خرابی ۲۳ھ بروزن سلسلہ بمعنی طبیعت ۲۴ھ بروزن عاجز بمعنی سبب ۲۵ھ بروزن استقبال بمعنی ناخوشی ۲۶ھ بروزن اران بمعنی بزرگاں ۲۷ھ بروزن جنون بمعنی آنکھیں جمع عین ۲۸ھ بروزن جاریہ بمعنی گریاں ۲۹ھ بروزن قاعدہ بمعنی دست ۳۰ھ بروزن قول بمعنی ہلاکت ۳۱ھ بروزن تبسّم بمعنی گھونٹ گھونٹ پینا ۳۲ھ بروزن چلن بمعنی شیر ۳۳ھ بروزن تکلّف بمعنی نشو ونما ۳۴ھ بروزن منّان بمعنی بہت رونیوالا ۳۵ھ بروزن تجمّل بمعنی خاک پر لوٹنا ۳۶ھ بروزن ومعنی اطراف جمع ناحیہ ۳۷ھ بروزن وادی بمعنے گذرگاہِ آب ۳۸ھ بروزن مصروف بمعنی پسندیدہ ۳۹ھ بروزن استفراغ بمعنی گوند چننا ۴۰ھ بمعنی ببول کا درخت ۴۱ھ بروزن فروزندہ بمعنی تلاش کرنیوالا ۴۲ھ بروزن کینہ ور بمعنی متحیّر ۴۳ھ بروزن درماں بمعنی افسردہ ۴۴ھ بروزن عریاں بمعنی پرندگان جمع مرغ ۴۵ھ بروزن باجرہ بمعنی نشیمن ۴۶ھ بروزن آیام بمعنی پھندا جو گھوڑے کے دُم سے بنایا جائے اور اسمیں چڑیاں پھنسائی جائیں ۴۷ھ بروزن ومعنی پاشاں ۴۸ھ بروزن ومعنی چسپیدن ۴۹ھ بروزن چمیدن بمعنی لڑنا جھگڑنا ۵۰ھ بروزن کنتاپ بمعنی بوسہ ۵۱ھ بروزن ناموس بمعنی ہتھوڑا ۵۲ھ بروزن دنداں بمعنی نہالی ۵۳ھ بروزن پنجورہ بمعنی تازیانہ ۵۴ھ بروزن گُم سُم بمعنی روش ۵۵ھ بمعنی غزلخوانیاں ۵۶ھ بروزن گرنٹ بمعنی تند و تیز ۵۷ھ بروزن فرنٹ بمعنی خشمگیں ۵۸ھ بروزن کتارہ بمعنی فغاں ۵۹ھ بروزن سفرہ بمعنی دہانہ ۶۰ھ بروزن قبول بمعنی کوبے مٹکانا ۶۱ھ بروزن ومعنی کشکول (کاسۂ گدائی) ۶۲ھ بروزن نمکداں بمعنی جھولی ۶۳ھ بروزن آرہ بمعنی ٹکڑا ۶۴ھ بروزن ٹیاں بمعنی کہنہ لباس ۶۵ھ بروزن سنجیدہ بمعنی نازنخرے ۶۶ھ بروزن مقبلی بمعنی جھولا -

(صفی عفی عنہٗ)

نوٹ ۱۸۹۰ء میں ایک گلدستہ تصویر عالم پریس نے شایع کیا تھا جس میں اس مشاعرے کی غزلیں درج تھیں جنمیں ناسخ مرحوم کی طرح میں اساتذہ لکھنؤ نے بقید قافیہ الف چاک گریباں چاک گریباں قوافی مختلف طبع آزمائی کی تھی لہٰذا اسی گلدستہ کو سرمشق بناکر یہ مبسوط مزاحیہ غزل کہی گئی اس میں نئی نئی تشبیہوں سے کام

لیا گیا ہے اور صرف لغات عربی و فارسی کی مضحکہ خیز صورتیں دکھائی گئی ہیں۔ اپریل ۱۸۹۹ء میں یہ غزل تیار ہوئی اور مزاحیہ گلدستہ میں جسکا نام پھلجھڑی تھا شایع کی گئی۔ گلدستہ مذکور باہتمام سید صغیر حسین صغیر نگارستان پریس لکھنؤ میں چھپا تھا۔ صغیر مرحوم بھی میرے شاگرد تھے۔ (صفی عفی عنہ)

غزل نمبر۲ ردیف الف تعداد ابیات ۳۵

بحر۔ رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف
ارکان۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

۱ بھی اگر قافیہ مصرع ثانی ہو گا
ہم تو مطلع ہی کہیں گے اُسے کچھ بھی ہو گا

بیٹری سے دلِ عشاق کے نکلے گی وہ گیس
جس میں کچھ مادۂ برق تجلی ہو گا

توپ دوں گا اُسے دیوار گرا کر اُن کی
دل بیتاب جو خواہانِ تسلی ہو گا

تم ہوا کھانے تو نکلے ہو مگر یاد رہے
بھر گیا پیٹ تو کس طرح سے خالی ہو گا

بار اُٹھائے گا جو لے رشکِ مسیحا تیرا
اس کی دُم ہو کہ نہ ہو وہ خرِ عیسیٰ ہو گا

رند مشرب ہیں جو احباب وہ بھولیں کبھی
مادہ ساقن ہے جو نر ہو تو وہ ساقی ہو گا

ہوں گے تربوز کے گودے کی طرح وہ آب آب
چہرہ پوڈر سے اگر اُن کا گلابی ہو گا

دوڑتی ساتھ چلی جائے گی مجنوں اُس کے
بات اُلٹ جائے گی محمل میں جو لیلیٰ ہو گا

راز داری سے خدا کے لیے باز آئیں آپ
پیٹ پھوٹے گا کوئی راز جو مخفی ہو گا

خانساماں سے یہ کل پوچھتے تھے اک صاحب
ہم سے تم بولے جو اس لفظ کا معنی ہو گا

جس جگہ کوئی نہ ہو ہے عدم آباد وہی
جس میں سب کچھ ہو وہی عالمِ ہستی ہو گا

اِس جگہ تک تو فقط قافیہ پیمائی تھی
دوسرے رنگ میں اب مطلع ثانی ہو گا

غزل بالفاظِ پُر شوکت بلا لحاظِ معنی

سیر آہنگِ طرب سازِ مُغنّی ہوگا
نغمہ دَر ناخنِ مضرابِ بھی یعنی ہوگا

ناقۂ سوختہ ساماں کا تقاضا ہے یہی
کہ دلِ قیس باندازۂ لیلی ہوگا

خونچکاں دَشنہ بکف عربدہ جُو مست خرام
تا حدِ شوقِ جنوں رو بہ ترقی ہوگا

دورِ خمیازۂ چرخ ستم آرا معلوم
دلِ خوں گشتہ حنا بندِ تسلّی ہوگا

محشر ستانِ خیالات میں دیباچۂ عشق
شرحِ تجریدِ حقیقی و مجازی ہوگا

پیچ و تابِ رگِ سودا کا یہ مطلب تھا کہ قیس
طُرّۂ دلکشِ لیلی دُمِ افعی ہوگا

تھی دلِ نوح میں اک شورشِ طوفاں انگیز
کہ سفینہ یہ کُلاہِ سرِ جُودی ہوگا

مجھ کو اظہارِ لیاقت نہیں منظور ظریفؔ
اب غزل کا مری ہر قافیہ ہندی ہوگا

پاس اسکے ترا رومال جو لیلیٰ ہوگا
قیس باندھے ہوئے صحرا میں لنگوٹی ہوگا

رہ گیا زلفِ رسا میں جو اُلجھ کر بیکار
دلِ صد چاک وہ ٹوٹی ہوئی کنگھی ہوگا

جانِ شیرینیٔ لب پر جو دئیے دیتا ہے
وہ حضور آپ کا عاشق نہیں مکھی ہوگا

زلف کی شست میں پھنس جانیسے معلوم ہوا
دلِ بیتاب نہ ہوگا کوئی مچھلی ہوگا

بھائی یوسف کے زلیخا کو یہ سمجھاتے تھے
آپ بھیّا کا نہ غم کیجیے بھابھی ہوگا

نقدِ دل ہار گیا بیٹھ کے محفل میں اگر
آپ کا عاشق نادار جواری ہوگا

دل کے لٹو کو نچاتا جو پھرے زلفوں میں
ایسا معشوق میاں کوئی مداری ہوگا

پاؤں سے اپنے ہٹادے جو مزارِ عاشق
وہ تو معشوق نہ ہوگا کوئی ہاتھی ہوگا

پوچھتا ہے کوئی اُنسے جو انھیں کو سرِ راہ
وہ گھُڑکتے ہیں کہ تو کون ہے کوئی ہوگا

بیضہ ہائے دل عشاق لئے بیٹھا ہے
یار انسان نہ ہوگا کوئی مرغی ہوگا

شیخ جی آڑ میں کھیلیں گے بطِ مئے کا شکار
جلوۂ ریش فقط دھوکے کی ٹٹی ہوگا

جو اُتر جائے سلامت تری تلوار کے گھاٹ
مچھلی والا وہ کوئی ہوگا کہ دھوبی ہوگا

ندیاں دودھ کی فرہاد بہاتا تھا اگر
ہم تو یہ جانتے ہیں قوم کا گھوسی ہوگا

حشر میں جائے گا ہر شخص تلی کی صورت
سر پہ لادے ہوئے اعمال کی گٹھری ہوگا

ایسے معشوق سے نفرت نہ ہمیں کیوں ہو ظریفؔ
جب وہ مشہور ہے جلاد تو بھنگی ہوگا

نوٹ ۔ اس غزل کے دوسرے ٹکڑے میں ان شعرا کا چربہ اتارا گیا ہے جو بے سمجھے بوجھے فارسی ترکیبوں کا استعمال کرتے ہیں لفظیں شاندار مگر مطلب خبط اور اسی کو غالب مرحوم کی تقلید سمجھتے ہیں ۔ صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۳ ردیف الف تعداد ابیات ۱۲

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف ۔
ارکان ۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

دہنِ یار تو دُرجِ دُرِ غلطاں نکلا
لی جو بٹوے کی تلاشی تو نہ تیاں نکلا

فارسی میں کسی ہندی کا جو دیواں نکلا
بیضۂ بلبلِ شیراز سے ٹیٹیاں نکلا

نالہ منہ سے جو مرے صورتِ افغاں نکلا
آہ پر پیچ کا پہنے ہوئے تنباں نکلا

لے دو لیلیٰ کا کھلونا یہی ضد کرتا تھا
گود میں لے کے جو مجنوں کو بیاباں نکلا

زالِ دنیا کی ہمیں زلف رسا یاد آئی
عید کے دن جو کوئی لیکے سویاں نکلا

آیا تھا جانکے دیوانہ مجھے دق کرنے
مارنے دوڑا ہوں جب گھر سے بیاباں نکلا

اے بھلے مانسو! اتنا تو کرو پیدا نام
نامور جیسا کہ ان شہدوں میں سیاں نکلا

بو کھلائے وہ مرا دل جو زرا لینے میں
ہاتھ اُن کا کبھی دہنا کبھی بایاں نکلا

کھا کے وحشت میں قلابازی پھٹے جب کپڑے | جیب میں ہاتھ جو ڈالا تو گریباں نکلا
ہو گیا چاہِ زنخداں پہ دہن کا دھوکا | ہم کنواں جس کو سمجھتے تھے وہ کنوئیاں نکلا
قیس کی ماں کا مگر پیٹ بھی تھا وادیٔ نجد | کہ جب اس میں سے یہ نکلا ہے تو عریاں نکلا

پلپلا کر دل عاشق کو وہ کہتے ہیں ظریف
دل جسے سمجھے تھے وہ آم بھدّیاں نکلا

نوٹ ۱؎ ایک قسم کی کوڑی ۲؎ طوطے کی ایک قسم ہے جو لہبر سے چھوٹا ہوتا ہے ۳؎ افغانوں کا پائجامہ۔ ۴؎ شہدوں کے ایک چودھری کا نام ہے ۵؎ چھوٹا کنواں ۶؎ بھادوں کے مہینے میں جو آم پھلتا ہے۔ (صفی عفی عنہٗ)

غزل نمبر ۱ ردیف الف تعداد ابیات ۱۱

بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف مقصور یا محذوف | ارکان مفعولُ مفاعیلُ مفاعیل یا فعولن
کوشش ہو اٹھانے کی تو کیونکر نہ اٹھیگا | لنجے نہیں ہیں آپ جو جنجر نہ اٹھیگا
کمزور ہوں میں بوجھ مکرر نہ اٹھیگا | تھہّر اگر اٹھ جائے تو مرمر نہ اٹھیگا
مانا کہ محبت کے اکھاڑے میں ہوں کمزور | کچھ نال نہیں ہے جو مرا سر نہ اٹھیگا
کوچے میں ترے دن کو کثافت ہی رہیگی | جاڑے میں سویرے سے جو مہتر نہ اٹھیگا
کچھ ایسی غم و رنج کی کہنہ ہے رضائی | ابرا اگر اٹھ آیا تو استر نہ اٹھیگا
اغیار کی شرکت سے اٹھانا بھی گراں ہے | ہم سے ترے احسان کا چھپّر نہ اٹھیگا
جب تک کہ نہ اب ہوگا قیامت کا تھیٹر | پردہ ترا اے چرخ ستمگر نہ اٹھیگا
تا حشر کٹہرے میں یونہیں بند رہے گا | مردے سے اگر قبر کا پتھر نہ اٹھیگا
تخئیلِ قدیم آکے اگر سر پہ بھی لادے | نخاس ۱؎ سے معیار کا دفتر نہ اٹھیگا

لکھا ہے ظریف اُنکے مٹاپے کا اگر حال
خط جائے گا کس طرح جو سر پہ نہ اٹھیگا

نوٹ۔ ۱۸۹۵ء میں ایک مجلس دائرۂ ادبیہ میں نے قایم کی تھی جس میں اکثر ادبا و اساتذۂ لکھنؤ شریک تھے مثلاً منشی سجاد حسین ایڈیٹر اودھ پنچ مرزا محمد ہادی رسوا پروفیسر کرسچین کالج پیارے صاحب رشید حکیم ممتاز حسین عثمانی وغیرہ۔ مشاعرہ و مناظمہ و مناثرہ کے لئے ماہانہ صحبتیں ہوتی رہتی تھیں اور اُن کے جو اطلاعی رقعے تقسیم کئے جاتے تھے ان میں غزل کے متعلق بجائے مصرع طرح صرف قافیہ و ردیف و نام بحر اور نظم و نثر کے مضمون کی سُرخی دیدی جاتی تھی کچھ دنوں کے بعد اسی ادارے سے ایک ادبی رسالہ موسوم بہ معیار شایع ہونے لگا جس میں اشعار شعرا بتقابل توافی و زبان و تخئیل کے متعلق اصلاحی مضامین درج ہوتے تھے اِس ادارے کے اڈیٹر حکیم محسن علیخاں آبر تھے اور دفتر اسکا نخاس میں اس زمانے میں بھی شعرا کی دو پارٹیاں تھیں ایک پابند تخئیلِ قدیم دوسری پیروِ تخئیل جدید۔ لہذا نویں شعر میں اُسی طرف اشارہ ہے۔ (صفی عفی عنہ)

غزل نمبر ۵ ردیف الف تعداد ابیات

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور یا محذوف
ارکان مفعولُ فاع لات مفاعیلُ فاعلات یا فاعلن

میں بھی تو اک ذریعہ ہوں افشائے راز کا
دامن یہ کہہ رہا ہے کسی پیشواز کا

ہے آسماں زمین کی جانب جھکا ہوا
گویا یہی رکوع ہے اُس کی نماز کا

متسقیوں کے پیٹ سے آتی ہے یہ صدا
میں اک قرابہ ہوں عرقِ خانہ ساز کا

شیطان کی جو آنت سے ہوتا مقابلہ
کھل جاتا حال آپ کی زلف دراز کا

قاصد کو نامہ دیدیا یہ کہہ کے یار نے
یہ خط لکھا ہوا ہے کسی جبل ساز کا

اے یار تو ہر یک سے تنتا ہے کس لئے
تبلا تجھے مرض تو نہیں ہے کزاز کا

طولانی اسقدر ہے ظرِ لطیف آہِ نارسا
مستول جیسے ہو کسی بادی جہاز کا

نوٹ عسہ وہ درد جو سردی لگ جانے سے گردن سینے اور جوڑوں میں ہوتا ہے اور گردن پشت کی طرف جھک جاتی ہے۔ (صفی عفی عنہ)

غزل نمبر ۶ ردیف الف تعداد ابیات ۱۵

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

چار ہی حرفوں میں سارا شکوۂ جانانہ تھا
اُونھ بھی کرنا ہجر میں اک مختصر افسانہ تھا

مجمعِ عشاق میں جو تھا بڑی دیوانہ تھا
گھر کسی کا کیا تھا اچھا خاصہ پاگل خانہ تھا

میکشِ خمیازہ کش گویا ترا کھلیا سا مُنہ
بادہ پیائی کے خاطر قدرتی پیمانہ تھا

لے چلا نخّاس میں پیرِ مغاں جب بیچنے
بوتلوں کا ٹوکرا چلتا ہوا میخانہ تھا

آہوِ چشم آ کے آخر کیوں نہ اس کو چر گئے
جب خطِ رخسارِ جاناں سبزۂ بیگانہ تھا

خالی خولی مجمعِ عشاق تھا حقّہ نہ پان
واہ اچھا انتظامِ محفلِ جانانہ تھا

وقتِ پیری طالبانِ دید کا مجمع کہاں
جائے عبرت ہے کہ بی تیتی کا گھر ویرانہ تھا

یار کا گھر تھا کہ شمعِ حسن کی تھی لالٹین
پاسبانِ کوئے جاناں تھا کہ اک پروانہ تھا

ناقۂ لیلےٰ نے مستی میں جڑی مجنوں کے لات
یہ شترِ غمزہ برنگِ لغزشِ مستانہ تھا

میکشِ نادار پہونچا میکدے میں اس طرح
پاؤں میں جوتا نہ تھا پر ہاتھ میں پیمانہ تھا

پھر تو وہ اُلّو کا پٹھّا ہی تھا اسمیں شک نہیں
عاشقِ شوریدہ کا مسکن اگر ویرانہ تھا

وقتِ پیری رال جب مُنہ سے بہی ثابت ہوا
کیوں نہ چھلکے عمر کا لبریز جب پیمانہ تھا

وائے ناکامی کبوتر لیکے نامہ پھر گیا
عاشقِ نادار کے گھر میں جو قحطِ دانہ تھا

سیکڑوں کو ایک ہی گردش میں گھائل کردیا   چشم جاناں کیا بنیٹھی تھی کوئی یا بانہ تھا

چار پیسے والا کہتے تھے اُسے ہم بھی ظریف
جب تمہارے عاشق مفلس کے پاس ایک آنہ تھا

نوٹ۔ بستی ایک مشہور طوائف کا نام ہے جو لکھنؤ میں رہتی تھی۔ صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۲   ردیف الف   تعداد ابیات ۱۴

بحر ہزج مثمن سالم   ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

وہ ہو کیسا ہی دُبلا تار بستر ہو نہیں سکتا   غلط ہے آدمی اس طرح لاغر ہو نہیں سکتا
کبھی آنسو کا قطرہ مثلِ گوہر ہو نہیں سکتا   غلط ہے ابرِ نیساں دیدۂ تر ہو نہیں سکتا
بزرگوں میں پدر جس طرح مادر ہو نہیں سکتا   پسر یونہی کبھی خردوں میں دختر ہو نہیں سکتا
نومبر بھی اسی صورت دسمبر ہو نہیں سکتا   کہ جیسے ماہ اکتوبر ستمبر ہو نہیں سکتا
نہ جبتک مرد اور عورت کا ہولے عقد آپس میں   یہ زوجہ ہو نہیں سکتی وہ شوہر ہو نہیں سکتا
میاں مجنوں ہوں چاہے کوہکن ہوں دونوں خبطی تھے   کسی کا کچھ بھی اُنسے خاک پتھر ہو نہیں سکتا
کسی بکری کا تم نے دیدۂ دل کیا نہیں دیکھا   یہ شیشہ ہو نہیں سکتا وہ پتھر ہو نہیں سکتا
یہ سب کہنے کی باتیں ہیں کہ تم سر کاٹ لو تن سے   کسی کو اس طرح سر اپنا دوبھر ہو نہیں سکتا
کمر جبکہ نہ ہو وہ بار سے کیونکر چلے گا پھر   خلافِ عقل ہے یہ اس طرح پر ہو نہیں سکتا
کہو پھر یہ کمر موٹی ہے سر چھوٹا ہے دلبر کا   نہیں تو پھر قدِ جاناں صنوبر ہو نہیں سکتا
وہ خطِ شوق کے جتنے پلندے چاہے لیجائے   ملازم ڈاکخانے میں کبوتر ہو نہیں سکتا
چٹادو گر کہیں سلیّ تو سارا بانکپن غائب   کسی کا ابروِ خمدار خنجر ہو نہیں سکتا
کہا معشوق کو قاتل، تو بھنگی کیوں نہیں کہتے   یہ کیا جلاد ہو سکتا ہے مہتر ہو نہیں سکتا

ظریف آئینہ دیکرڈاردن صاحب کو سمجھا دو
نہ ہو جب تک شریر انسان بندر ہو نہیں سکتا

غزل نمبر ۸ — ردیف الف — تعداد ابیات ۱۷

بحر رمل مخبون مقصور یا محذوف ۔
ارکان ۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فعلات یا فعلن

تیرے رہنے کو مناسب تھا کہ چھپّر ہوتا
کہ نہ چوکھٹ تری ہوتی نہ مرا سر ہوتا

قسمت نجد کا گر قیس کمشنر ہوتا
لیڈی لیلیٰ کی ہوا خوری کو موٹر ہوتا

غیر بل جل کے اٹھا لیتے کہ تھے بے غیرت
گو پہاڑ آپ کے احسان کا چھپّر ہوتا

بات اُلٹی ہے کہ رفتار سے مردے جیتے
بوٹ چلنے میں جو اُس شوخ کا چرمر ہوتا

رات کو آپ کے ہاتھوں سے اگر چھٹ جاتا
دلِ بیتاب شرر بار پچھوندر ہوتا

راستہ آٹھ پہر پھر تو رہا کرتا صاف
پاسبانِ درِ دلدار جو مہتر ہوتا

گرچہ لیسنس نہ ملتا تو منڈانا پڑتا
آپ کا ابروِ خمدار جو خنجر ہوتا

تالیاں ہم بھی بجاتے ترے کوٹھے کے قریب
کسی اُلّو کا اگر رات کو لکچر ہوتا

تھا مقدّر میں ترے سب کا ستانا ہی اگر
کاش معشوق نہ ہوتا کوئی بندر ہوتا

قیس کو مارتے کیوں نجد میں لونڈے لاڑی
وہ اگر مدرسۂ عشق کا ٹیچر ہوتا

چائے میں ڈالکے عشاق اُسے پی جاتے
درحقیقت لبِ معشوق جو شکّر ہوتا

ملکُ الموت پہ جھلنے کو بناتا میں چنور
طائرِ روح کی دُم میں جو کوئی پر ہوتا

لے ہی لیتا لبِ دلدار کا بوسہ اُڑ کر
کاش عاشق جو بنایا تھا تو مچھّر ہوتا

ٹھوکریں غیر کے مرقد پہ لگاتا کیونکر
بوٹ کی جا پہ جو تو پہنے سلیپر ہوتا

چاٹتا ساری کتابوں کو بغیر از دقت
علم کا شوق جسے ہے جو وہ جھینگر ہوتا

میں کبھی میو نیسپلٹی کا جو ممبر ہوتا
پیش کرتا رزولیوشن کہ حسینوں پہ ہو ٹیکس

لکھنؤ سے شب یکشنبہ بریلی آتے
پاؤں میں گر نہ ظریفؔ اپنے سنیچر ہوتا

غزل نمبر ۹ ردیف الف تعداد ابیات ۸

بحر ہزج مثمن سالم ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

جنوں میں کیوں چلا ہیں دوڑ کر بھولا جو دم میرا
حماقت کی نشانی بن گیا نقش قدم میرا

شمیم زلف مشکیں سونگھ کر نکسیر پھوٹی ہو
ترے بالوں کی بُو سے ناک میں آیا ہے دم میرا

دفور شوق میں معشوق کو دیدے پٹکتا ہوں
کوئی خلوت سرائے ناز میں دیکھے اُدھم میرا

ضعیف و ناتواں ہو مجھ کو الفربہ بناتا ہو
مرے بھر دیئے تن کا ذریعہ ہے ورم میرا

یہ دونوں جانور ملکر اُسے کچا ہی کھا جائیں
شتر گربہ کے ڈر سے آ نہیں سکتا ہی ہم میرا

میاں فرہاد و مجنوں شیخ چلی ہیں جو لڑتے ہیں
یہ کہتے ہیں عرب میرا وہ کہتے ہیں عجم میرا

ارے داتا اِسے بھرنا نہ بھرنا کام ہے تیرا
مگر کشکولِ سائل سے مشابہ ہے شکم میرا

وہ ڈکٹیشن میں جو لکھوائینگے معلوم ہے مجکو
ظریفؔ اُنکی زباں سے پہلے چلتا ہے قلم میرا

غزل نمبر ۱۰ ردیف الف تعداد ابیات ۱۵

بحر ہزج مثمن سالم ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

جواں تو ہے جواں اور پیر بڈھا طفل ہو لڑکا
کہیں گے خُرد اُسکو جو ہو چھٹکا اور کلاں بڑکا

کیا کرتے ہیں استعمال جو کھا نیں پاپڑ کا
رہا کرتا ہے انکے پیٹ میں اک شور گڑبڑ کا

کہیں پر اتفاقاً ایک بھی پتّا اگر کھڑکا
مثلِ طفلِ دل ناداں دلِ ناداں بن لڑکا
ان انگریزوں نے بھی مجرم کی کیا پہچان رکھی ہے
سُنا ہے بادشاہی میں سواری جب نکلتی تھی
بکا سلفیورک ایسڈ گیس انگریزوں کے آنسے
یہ راحت ہے کہ جب سے اُسی دم لے لیا پانی
زرا سی بات کہنے میں وہ فوراً پھول جاتا ہے
کہیں عشاق بھی ایسے الم برداشت کرتے ہیں
رقیب روسیہ کو اسقدر محفل میں پیٹا ہے
بنا جب سے ہوئی ہے لکھنؤ میں اس بیپرل کی
سمجھ لو شام ہے اڑتے نظر آئیں جو بڑ با گڑ
دہن مُنہ گال عارض ناک بینی اور ذقن ٹھوڑی

یہ وحشت کا تقاضا ہے کہ بس بندہ میں بھڑکا
مرد در راہِ ناہموار رستہ چل نہ بہڑکا
نشاں مٹتا نہیں ہے بید کے پڑنے سے چوتڑکا
تو اُس کے آگے اِک کرکٹ کہنا چلتا تھا کرکا
نہ وہ چورن کی گولی ہے نہ وہ پانی ہے اب ہڑکا
کسی کا راستے میں اتفاقاً دِل اگر دھڑکا
تمھارا گال ہے صاحب کہ یہ ہے گیند اڑکا
اُٹھانا ختم ہے آغائی[۱] مرزا پر بڑی چھڑ کا
نشان باقی ہے اُسکی پیٹھ پر ابتک دِہتڑکا
نشاں ملتا نہیں ہے شہر میں ڈھونڈھے سے گودڑکا
جو بولے مرغ ککڑوں کوں تو سمجھو ہو گیا تڑکا
گلو گردن شکم پیٹ اور سُرین ہے نام چوتڑکا

جب آئی زور سے آندھی ظریفؔ اُسوقت ہم سمجھے
رکھا ہے نام بادِ تند اِن عجموں نے جھکڑ کا

نوٹ ۔ [۱] آغائی مرزا لکھنؤ میں رہتے تھے بہت لانبی چھڑ والا علم اُٹھانے میں استاد تھے اتنی بڑی چھڑ کوئی اور نہ اُٹھا سکتا تھا وہ اِس چھڑ کو کبھی کاندہے پر کبھی ہتھیلی پر کبھی شانے پر کبھی دانتوں پر اُٹھائے رکھتے تھے ۔
شعر میں الم کے لفظ سے ایہام تجنیس کی صنعت پیدا کی گئی ہے ۔ صفی عفی عنہٗ

غزل نمبر ۱۱ ردیف الف تعداد ابیات ۶

بحر مجتث مثمن مخبون مسکن مقصور یا محذوف ارکان ۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

فلک سُنا ہے بلندی میں آبلا دِل کا
جو اب شیش محل ہے دو منزلا دل کا

سُنار سے جو ہے اُن کے معاملا دِل کا — پڑا ہوا ہے کھٹائی میں فیصلا دل کا
بِعلم قسم ابھی وار دِ ئے درد دل جائے — کہیں جو حال للا اُن سے کچھ للا دل کا
چلو چڑھائیں حسینوں کے طاق ابرو میں — جو یک پکا کے ہو تیّار گُلگُلا دل کا
حوادثات کی چپتیں بہت کراری ہیں — کہیں داغ نہ ہوجائے پلپلا دل کا

ظریف حشر میں ہوگی تلاشی اعمال
فرشتے کھول کے دیکھیں گے پوٹلا دل کا

نوٹ۔ شیش محل حسین آباد کے قریب لکھنؤ میں ایک مشہور قدیم عمارت ہے۔ صفی عفی عنہٗ

غزل نمبر ۱۲ — ردیف الف — تعداد ابیات ۱۲

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف — ارکان۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

جس کے سونے کو پلنگ ایک نواڑی نہ ہوا — وہ حسینوں میں کسی کھیت کی مُولی نہ ہوا
منتخب بزم حسیناں میں ہوا کب کوئی — یار کِس دن پریسیڈنٹ کمیٹی نہ ہوا؟
گو مُعمّا دہن یار کو کہتے ہیں عجم — یار ہندی ہے تو مُنہ اُسکا پہیلی نہ ہوا
صیغہ واحد ترا اے امر مونث حاضر — کیا ہوا قول سے بتلا تو جو قولی نہ ہوا
دہنِ یار کو حبِ تنگِ شکر کہتے ہیں — ترجمہ کیجئے شکّر کی وہ تھیلی نہ ہوا؟
غیر جاتا ہے وہاں گربۂ مسکیں بنکر — توڑ ڈالے گا سگِ یار جو لینڈی نہ ہوا
مردے نے خوب گلا غیر کا گھونٹا شب وصل — اُس نے چاہا تھا کہ بّر لے سو وہ بھی نہ ہوا
اے مسیحا ترے بیمار جسے کھاتے ہیں — رنج و غم کیوں ہوا وہ مونگ کی کھچڑی نہ ہوا
داغ کے درہم و دینار بھرے ہیں جس میں — دل وہ کیوں کر ہوا صرّاف کی تھیلی نہ ہوا
بَن کے منجن کسی معشوق کے کام آجاتا — کیوں دل سوختہ تو نیم کی چیلی نہ ہوا

کبھی نو عمر حسیں مُنہ تو لگا تے اِس کو
دلِ ناداں مرا افسوس پپیری ہی نہ ہوا
رشتۂ عمر کے باعث سے ہے جب اُسکا وجود
پھر تو انسان بھی اک طرح کی ککڑی نہ ہوا
میں نے جب شعر میں باندھا تو بنا باندھا ظریف
میرا مضموں کبھی حمّام کی لنگی نہ ہوا

غزل نمبر ۱۳ ردیف الف تعداد ابیات ۱۲

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور یا محذوف
ارکان مفعولُ فاعلاتُ مفاعیلُ فاعلات یا فاعلن

کردن کے پیٹ میں تو ذرا بھی نہ درد تھا
کس طرح پھر وہ مادّہ نکلا جو گرد تھا

کب قیس کوہ کن کا حریفِ نبرد تھا
اسکے تو ایک چانٹے میں وہ گرد برد تھا

نیرنگِ حُسن و عشق میں جوڑا یہ فرد تھا
لیلیٰ سیاہ فام تھی اور قیس زرد تھا

تھا کس کا عشق اور کہاں اسکے درد تھا
مجنوں کی طرح ناقۂ لیلےٰ جو زرد تھا

اُولے پڑے تھے کیا مرے صحرائے قلب میں
جھونکا ہوائے آہ کا آیا تو سرد تھا

لیلیٰ نے خاک رُدب سمجھ کر نہ رُخ کیا
مجنوں کے جسمِ زار پہ بلبوس گرد تھا

پہلے تمام قصّۂ یوسف سُنا گئے
پھر پوچھتے ہیں زن تھی زلیخا کہ مرد تھا

اس میں کسی کے باپ کا کہئے اجارہ کیا
نوشیرواں کا پوتا اگر یزدِ جرد تھا

صیاد نے سمجھ کے بیا کر لیا اسیر
بُلبل کا رنگ فرقتِ گُل سے جو زرد تھا

غم کھا چکا تھا شب کو مچائی جو ہائے ہائے
ظاہر ہوا کہ پیٹ میں عاشق کے درد تھا

ماری تھی لات ناقۂ لیلے نے اس لئے
لنگڑا رہا تھا ٹانگ میں مجنوں کے درد تھا

نزلہ ہوا ظریف تو بولے حکیم جی
یہ محترم فقط اثرِ سرد و برد تھا

غزل نمبر ۱۴۱ — ردیف الف — تعداد ابیات ۱۶

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور یا محذوف — ارکان۔ مفعولُ فاعلات مفاعیلُ فاعلات یا فاعلن

منڈتے ہی صاف گیسوئے جانانہ ہوگیا
پھَل اُستریکا اتنا کراشانہ ہوگیا

اچھا میں راگ لایا کہ دیوانہ ہوگیا
گاتے ہی گاتے ختم سب افسانہ ہوگیا

گزرا سِن شباب تو پھر کون پوچھتا
اب ترک اُن سے رسمِ قدیمانہ ہوگیا

دُہرائیں اُنسے بیٹھ کے کیا سرد مہریاں
چھینک آگئی تو ختم سب افسانہ ہوگیا

اخلاص جب سے چھا گیا اُس شاہِ حسن پر
عُشاق کا مذاق رئیسانہ ہوگیا

قاصد کی کوئی بات بھی اب پوچھتا نہیں
محصول خطِ شوق کا آدھ آنہ ہوگیا

تیر نگاہِ ناز چلے آئیں بائیں شائیں
اندھا کوئی ہوا تو کوئی کانا ہوگیا

تیغ نگاہِ خنجر ابرو مژہ کے تیر
چہرہ کسی حسیں کا سِلح خانہ ہوگیا

عُشاق کھارہے ہیں قلا بازیاں تمام
سرکس کا کھیل جلوۂ جانانہ ہوگیا

ایسا نہ ہو کہ دوڑ کے مجنوں کو کاٹ کھائے
لیلیٰ کا اونٹ نجد میں دیوانہ ہوگیا

عُشاق میں ہے آپ کے اُلّو کی خاصیت
بیٹھے یہ جس جگہ وہیں ویرانہ ہوگیا

مُدت کے بعد دخترِ رز ہم سے مل گئی
پھر منچلوں سے رشتۂ سالانہ ہوگیا

ضبطِ غمِ فراق سے تھا نفخ پیٹ میں
اچھا ہوا مریض کو پاخانہ ہوگیا

گنج اُن کے ہے تو طائرِ دل کیوں نہوں شکار
زُلفوں کے دام کے لئے یہ دانہ ہوگیا

رحمت ہے میکشوں پہ عجب کارساز کی
کلھیا سا منھ ضعیفی میں پیمانہ ہوگیا

لائے گئے ظریف یہاں ہم کشاں کشاں
گویا مُشاعرہ نہ ہوا تھانہ ہوگیا

غزل نمبر ۱۵   ردیف الف   تعداد ابیات ۱۲

بحر ہزج مثمن اخرب سالم   ارکان۔ مفعولُ مفاعیلن مفعول مفاعیلن

مجنوں کا جو لے لیلیٰ جوتا نہ پھٹا ہوتا   پیچھے ترے ناقے کے کیوں برہنہ پا ہوتا
بیفائدہ غل مچتا کیا جانیے کیا ہوتا   گر اُن کی گلی ہوتی اور میرا گلا ہوتا
کھولے ہوئے آنکھوں کو چپ چاپ پڑا ہوتا   میں راہِ محبت میں نقشِ کفِ پا ہوتا
کھجلی سہی نہ کیوں اُٹھتی میخوار دنیکے ہاتھوں میں   واعظ کا سر اقدس گر خوب گھٹا ہوتا
مکتب میں عجب کیا ہو بیچاری کو ٹیپاتی   لیلیٰ سے اگر سن میں مجنوں نہ بڑا ہوتا
وہ بن کے مسیحا بھی اچھا جو نہ کر سکتے   بیمار ترے حق میں یہ اور بُرا ہوتا
ہوتا اگر آدم کا دُنیا میں کوئی بھائی   نسلِ بنی آدم کا واللہ چچا ہوتا
گر قیس کی وحشت کا کچھ اونٹ اثر لیتا   لیلیٰ کو گرا دیتا اور بھاگ کھڑا ہوتا
خارِ رہِ غربت جب ٹھینگے اُسے دکھلاتے   وحشی ترا صحرا میں انگشت نما ہوتا
ناحق سگِ جاناں سے اک چھین جھپٹ ہوتی   اُلّو تھا اگر مائل ہڈی پہ ہُما ہوتا
مُفلس سے زیادہ تر منعم ہی گرسنہ ہیں   کیوں روز ہوا کھاتے گر پیٹ بھرا ہوتا

معدوم دہن ہوتا مفقود کمر ہوتی
معشوق ظریف ایسا ہوتا بھی تو کیا ہوتا

غزل نمبر ۱۶   ردیف الف   تعداد ابیات ۱۳

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف   ارکان۔ فاعلاتن فاعلاتن (فعلاتن) فاعلات یا فاعلن

عاشق بیتاب یوں لوٹا کہ رولر ہو گیا   کوچۂ جاناں کا تختہ اب برابر ہو گیا

سبزۂ خط کے نکل آنے سے بدتر ہو گیا — چہرۂ معشوق اب اُونی سلیپر ہو گیا
جب رواں اچھی طرح دل کا سلنڈر ہو گیا — توسنِ عمرِ رواں تیزی میں موٹر ہو گیا
رنج و غم کی جب دلائی اوڑھ لی عُشاق نے — ایک ابرا بن گیا اور ایک اَستر ہو گیا
خون کا پیاسا ہے یہ وہ نیش زن فرقت کا — یار کھٹمل بن گیا اور غیر مچھر ہو گیا
خط مرا لیتے ہی بیچارے کو مرگی آ گئی — میرا قاصد کیا ہوا لوٹن کبوتر ہو گیا
اُن کی مٹھی میں کبھی سینے کے پنجر میں رہا — دل مرا آدھا بٹیر اور آدھا تیتر ہو گیا
اِس تماشا گاہِ عالم میں تماشے کے لئے — عشق بجری بن گیا اور حسن بندر ہو گیا
قیس پاگل تھا علاقہ نجد کا کورٹ ہوا — اور اُس میں آپ کا عاشق منیجر ہو گیا
وہ کسی تکیہ پہ آخر جا کے چپکے سو رہے — سایۂ دیوارِ جاناں جن کا بستر ہو گیا
لوگ کہتے ہیں کہ مجنوں گو شریف القوم تھا — عمر صحرا میں بسر کرنے سے کنجر ہو گیا
شُعلہ باری اور بیتابی رہی شام و سحر — اُن کے ہاتھوں سے چھٹا جب دل چھچھوندر ہو گیا

لکھنؤ سے بُدھ کو چندہ پور تک آئے ظریف
تین دِن پہلے سے پیروں میں سنیچر ہو گیا

غزل نمبر ۱۷ — ردیف الف — تعداد ابیات ۱۲

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف — ارکان۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

ناقۂ لیلیٰ کی دُم پکڑے یہ کس کو ہوش تھا — تارکِ مجنوں خرابِ ضربتِ پاپوش تھا
کل بخارِ دل کا اتنا اس فضا میں جوش تھا — تھی زمیں دیگ بہ گلی اور آسماں سرپوش تھا
جن دنوں دل میں سیاسی ولولوں کا جوش تھا — بے تکلف ہر حسینِ شوخ کھدر پوش تھا
تار گھر میں کون سنتا عاشقِ نادار کی — بیٹھ کے کرسی پر ہر بابو سر آسودہ نوش تھا

عشق کے جرمن کو دم بھر میں شکستِ فاش دی — حُسن کے پیرس میں جو غمزہ تھا جنرل نوش تھا
میں یہ سمجھا خانقہ میں ریچھ کا ہوتا ہے ناچ — جمع تھے اطفال رقصاں شیخِ کمّل پوش تھا
تھا وہ پھوّا جسنے طے کی رفتہ رفتہ راہِ شوق — خوابِ غفلت میں بسر کی جس نے وہ خرگوش تھا
دید کے قابل تھی بزمِ عاشق و معشوق بھی — کوئی تو ہمیں گراں گوش اور کوئی خاموش تھا
ڈاکیوں میں تھا ملازم آپ کا عاشق مگر — حشر میں جو وقت پہونچا بار رسل بردوش تھا
میں نے پوچھا کونسی تتھ[1] اِس مہینے کی ہے آج — کہتے ہیں ایکادشی[2] پرسوں تھی کل پردوش[3] تھا
عمر اِس کمبخت کی آوارہ گردی میں کٹی — پیرِ گردوں ابتدا سے طفلِ بازی گوش تھا

اُس طرف ساغر لئے بیٹھا تھا میں ساقی ظریفؔ
اِس طرف کنھیا سامنہ کھولے ہوئے مے نوش تھا

نوٹ ۔ ١ یعنی تاریخ ٢ ہر پاکھ کی گیارھویں ۔ ٣ ہر پاکھ کی بارھویں یا تیرھویں ۔
صفی عفی عنہ

غزل نمبر ١٨ — ردیف الف — تعداد ابیات ١٣

بحر۔ ہزج مثمن اخرب مکفوف مقصور یا محذوف — ارکان۔ مفعولُ مفاعیلُ مفاعیلُ یا فعولن

تو مرغِ مسیحا جو سرِ شام نہ آیا — شب بھر ترے بیمار کو آرام نہ آیا
گلچیں تو نزاکت کا کبھی ہوگا نہ قائل — گر چونچ میں بلبل کی گلِ اندام نہ آیا
بتلائیے اب کیا اُسے سب لوگ کہیں گے — جو صبح کا بھولا ہوا تا شام نہ آیا
یہ چار ڈبل آج مرے مفت گئے مفت — بیرنگ خط آیا کوئی پیغام نہ آیا
عشاق کہیں کھینچ نہ لیں ٹانگ پکڑ کر — اس خوف سے معشوق لبِ بام نہ آیا
کیا جانیئے کیوں دیکھ کے عشاق کو بھاگا — ہر چند بلایا کئے آرام نہ آیا

یہ ناقۂ لیلیٰ کا شُتر غمزہ تو دیکھو — مجنوں کی طرف دوڑ کے دو گام نہ آیا
تیمور نے لنگڑا نہ بنارس سے منگایا — کیوں سامنے ہمنام کے ہمنام نہ آیا
ناکامیٔ اُلفت کی کوئی حد بھی ہے اے شوخ — قیدی کو ترے جیل میں بھی کام نہ آیا
ثابت ہوا اس سے کہ وہ جلاّد تھا بھنگی — گو قتل کئے سیکڑوں الزام نہ آیا
تخئیلِ قدیم اس کو کہے گی کہ غلط ہے — جس شعر میں جَم آ گیا اور جام نہ آیا
پھرتا بقدم زلفِ رسا کیوں نہ یہ ہوتی — جب اُن کے عقیقے میں بھی حجّام نہ آیا

سچ ہے یہ ظریف آپ کے اشعار ہیں مُنڈے
جب کنگھی کا چوٹی کا کہیں نام نہ آیا

غزل نمبر ۱۹ — ردیف الف — تعداد ابیات ۳۵

بحر رمل مثمن مشکول — ارکان فعِلاتُ فاعلاتن فعِلاتُ فاعلاتن

اِک اُن کا گال ہوتا اِک میرا گال ہوتا — یہ زرد زرد ہوتا وہ لال لال ہوتا
موئے کمر تمھارا مجھ کو وبال ہوتا — یہ گرچہ شیخ جی کی ڈاڑھی کا بال ہوتا
دردِ جگر کا سوزِ اُلفت میں جب مزا تھا — اُن کو بخار آتا میرا کر طحال ہوتا
وہ قبر پر کھڑے ہیں لیٹا ہی تو لحد میں — اے اُنیہ مرنے والے کیونکر وصال ہوتا
جاکر مریضِ اُلفت آخر کہیں تو رہتے — اُن کا مکان ہوتا یا اسپتال ہوتا
بندر کی طرح جب وہ اُسکو کریدتے ہیں — زخم جگر کا کیونکر بھر اندمال ہوتا
آئینے میں جو تیری صورت نظر نہ آتی — اُس وقت فی الحقیقت تو بیمثال ہوتا
دو جز تو ہیں مُذکر پھر کلُ ہے کیوں مؤنث — کیوں شیر مال ہوتی یا شیر مال ہوتا؟
ہوتا رقیب بندر معشوق اک بُزِ نر — یہ پات پات ہوتا وہ ڈال ڈال ہوتا

دندانِ دل میں اٹکا لمبا سا ریشۂ غم
کاہش سے تن نہ کیونکر مثلِ ہلال ہوتا

احکامِ عیدِ قرباں کرتا تھے اُن کو جاری
عاشق اگر نہ ملتا مینڈھا حلال ہوتا

مانا کہ سیمتن ہے لیکن بخیل از حسد
عُشاق مانگتے کچھ گر وہ زوال ہوتا

مجنوں پہ لوگ دیتے فرہاد کو فضیلت
شملے پہ کوہ کن کا گر انتقال ہوتا

مٹھی سے پھر نکل کر دُزدِ حنا نہ جاتا
معشوق تو نہ ہوتا گر کوتوال ہوتا

آموں کی فصل میں وہ کھلواتے آم ہم کو
ٹپکا وہ چاہے ہوتا چاہے وہ پال ہوتا

کیا خوب؟ عہدِ پیری اور جوشِ عشقِ جاناں
باسی کڑھی میں پیدا کیونکر اُبال ہوتا

میں مار بیٹھتا گر وہ تو تکار کرتے
ویسا جواب دیتا جیسا سوال ہوتا

آب و ہوائے فطرت چولا اگر بدلتی
بطّخ حرام ہوتی کوّا حلال ہوتا

سب رند خوب پیتے بارش میں وہ پلاتا
اے کاش دوست اپنا کوئی کلال ہوتا

پڑھے لطیف ادب کے شعراب ظریف صاحب
محفل میں ہر طرف سے ہے یہ سوال ہوتا

ادبِ لطیف

ذرّاتِ دل میں پیدا ذوقِ کمال ہوتا
یعنی حواس میں بھی کچھ اختلال ہوتا

تھا مرکزِ خموشی اُدبت وجودِ تیرا
تو کیا جواب دیتا گر کچھ سوال ہوتا

برقِ شباب رَوی کا ہے جذب لغزشوں میں
ساقی وگرنہ تجھ کو چلنا محال ہوتا

چند یا بھجا کے کہتا با ناخنِ شکستہ
اے کاش میرے سر میں تیرا خیال ہوتا

اجزائے زندگانی گر منتشر نہ ہوتے
با وصفِ ناتوانی کیوں انتقال ہوتا

ساقی بیادِ بادہ مطرب بفکرِ نغمہ
اِک دوسرے کا پھر کیوں پُرسانِ حال ہوتا

موجِ تبسّم اُن کی طوفانِ بدتمیزی
جس سے حباب دلمیں جوشِ ملال ہوتا

از خنجرِ شکستہ وہ ذبح کرنے آئے
با گردنِ توانا میں کیوں حلال ہوتا

پھبتے نہیں ہیں تم پر یہ گیسوئے مسلسل — گسترده دام کیوں ہو پیچیدہ جال ہوتا
ہر روز فاقہ مستی پھر اُس پہ گھر گرستی — از دستِ تنگ دستی جینا مُحال ہوتا
برق خرام جاناں گرتی جو آشیاں پر — مرغِ شکستہ پَر کو جینا وبال ہوتا
تیغِ جفا میں تیری آہن زبانیاں ہیں — خنجر بکف جو آتا اک انفعال ہوتا
حاجت روائے عالم اتنا مجھے بتا دے — وہ مُنہ کہاں سے لاتا جس سے سوال ہوتا
فطرت کے گر مخالف ہوتا سرور حاصل — اے غم کشوں کے داتا دل کو ملال ہوتا

اُن کی زباں میں حالت اپنی اگر نہ کہتا
بیشک ظریفؔ اُن کو سننا وبال ہوتا

غزل نمبر ۲۰ — ردیف الف — تعداد ابیات ۱۴

بحر۔ رمل مثمّن مقصور یا محذوف — ارکان۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

نجد سے لیلےٰ کو لے بھاگا یہی الزام تھا — اونٹ بے چارہ اسی سے شہر میں بدنام تھا
مُفت کی اُلجھن کسی کی زلف جس کا نام تھا — کون سلجھاتا کہ وہ زنجیر تھی یا دام تھا
میں بُلاتا موت کو تو میرے سر الزام تھا — وہ خود آئی، منع کیوں کرتا، مجھے کیا کام تھا
میں نے پوچھا وصل کی ترکیب کا کیا نام تھا — ہنس کے بولے صرف دو ہمجنس کا اِدغام تھا
غالبیّت کا جو دعویدار وہ خود کام تھا — شعر بھی اُس کا علی الرّغمِ مذاقِ عام تھا
کون معلوماتِ علمیہ میں کرتا ہمسری — اُس کی ماں عَلّامہ تھی اور وہ بڑا علام تھا
دیکھ کر وہ چھاج سی ڈاڑھی جناب شیخ کی — مجھ کو یہ دھوکا ہوا گملے کے اندر پام تھا
تھا علاجِ دردِ سر اُس شوخ کا آشوب چشم — چیپڑ اُن آنکھوں کا تھا یا شیرۂ بادام تھا
اُسترا اِک ہاتھ میں تھا آئینہ اک سامنے — وہ بتِ خود کام اپنا آپ ہی حجّام تھا
تُرش باتوں کا بھی دونگا میٹھی باتوں سے جواب — وہ اگر اِملی کہیں گے میں کہوں گا آم تھا

محفلِ جاناں میں اِک اِندر سبھا کی شان تھی
راجہ اِندر غیر تھا اور وہ حسیں گلفام تھا

ناقہ جب بھاگا تو بھاگا نجد سے قبلے کی سمت
دُم کے پیچھے قیس تھا آگے خدا کا نام تھا

اِک چراغِ دل کے بجھنے سے ہوا کُل جسم سرد
عاشقِ خوں گرم دلّی کا مگر حمّام تھا

آخر اِس بزمِ ادب میں کیوں چلے آئے ظریفؔ
یہ نہ سمجھے تم ظرافت کا یہاں کیا کام تھا

غزل نمبر ۱۲ ردیف الف تعداد ابیات ۲۸

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف
ارکان. فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

صاحبیت سے زباں بگڑی یہ الزام آیا
مُنہ میں اُنکے سؤر آیا کبھی گڈ ام آیا

شمع کے پاس جو پروانہ سرِ شام آیا
خودکشی کرنے کا بیچارے پر الزام آیا

جب مسلسل ہوا اظہار پریشانیِ زلف
یار کے سر پہ بھی اخلاص کا الزام آیا

آگئیں یاد ہمیں یار کی چپڑی آنکھیں
دیکھنے میں جو کبھی شیرۂ بادام آیا

دھجیاں ہو کے اُڑے بندِ قبا اور قبا
جب سے اچکن بنی اور کاج میں بوتام آیا

نامہ بر آپ اجل کے ہیں یہ معلوم ہوا
آپ جب آئے کہ جب موت کا پیغام آیا

عہدِ تیمور میں لنگڑا جو بنارس سے گیا
غل تھا دربارِ شہنشاہ میں ہمنام آیا

آگئی آنکھ جو ساقی کی تو سمجھے میخوار
مئے گلرنگ کا لبریز کوئی جام آیا

نغمے بلبل کے نہیں اب ہے کنیری کی صدا
باغ میں پہلے جہاں گل تھے وہاں یام آیا

خانساماں کی ضرورت ہے جوانی میں اُسے
جس کے بچپن میں کھلائی کا کرے کام آیا

ہچکیاں آئیں دمِ نزع تو عقدہ یہ کھلا
موت اب آتی ہے بے تار کا پیغام آیا

بھاگا مقتل سے بچی جان ہزاروں پائے
آج اپنا دلِ ناکام بڑے کام آیا

داہ جو مونڈلے ہوتی ہے اُسی کی عظمت — سب کے سر جھکتے ہیں جب سامنے حجام آیا
اُن کے کوچے میں ہو ناکامونکی صرف آمد و رفت — ایک ناکام گیا دوسرا ناکام آیا
شعر میں شوکتِ الفاظ ہو اور کچھ بھی نہ ہو — نسخہ اچھا ہے ظریف اور بڑے کام آیا
اب اُسی رنگ کے اشعار سُناؤں دو چار — میں گنہ گار جو مطلب کا کہیں نام آیا

ادب لطیف

محشرستانِ جنوں میں دلِ ناکام آیا — نالہ ہنگامہ نوازی پہ سرِ شام آیا
مہر از روئے معلی جو لبِ بام آیا — دیکھئے دیکھئے اب دھوپ گئی گھام آیا
برق کی شعلہ نوازی سببِ طولِ حیات — فطرتِ موت تری زیست کا ہنگام آیا
منتشر ہو گئے جس وقت سب اجزائے حیات — قطرہ دریا میں یہ اندازۂ انجام آیا
توسنِ عمرِ گریزاں کی سُبک رفتاری — کام دیتی نہیں جب موت کا پیغام آیا
مرکزِ روح یہ ہے کشمکشِ موت و حیات — پھر بھی وارفتگیٔ شوق پہ الزام آیا
میں وہ آسودۂ سوزِ خلشِ مژگاں ہوں — جس کو راہِ طلبِ شوق میں آرام آیا
طُور سے اک کششِ مشق تھی صورت گرِ شوق — تجھ پہ اے وادیٔ ایمن عبث الزام آیا
سردمہری سے کسی کو جو ہوئی حاجتِ غسل — گرم جوشی کو بغل میں لئے حمّام آیا
زلف کے جال میں معشوق کا سر ہے خود بھی — قیدیو مژدہ کہ صیّاد تہِ دام آیا
قبر سے راستہ سیدھا ہے خدا کے گھر کا — جو اُدھر جانے لگا باندھ کے احرام آیا
ہے اگر نام اسی کا ادبیاتِ لطیف — تو ظریف اُسکو کہیں کیا جسے یہ کام آیا

غزل نمبر ۲۲ — ردیف الف — تعداد ابیات ۶

بحر ہزج مثمن اشتر — ارکان فاعلن مفاعیلن فاعلن مفاعیلن

جنوری کی چوتھی کو شاعروں نے کیا پایا — شاعری کا اعرابی اونٹ پر چڑھا پایا

شرع کا اثر ایسا طرح میں گھسا پایا — جو پڑھا خوش الحان بھی اُس کو بے سُرا پایا
حق یہ ہے ڈفالی نے گا کے کیا مزا پایا — بول اٹھا رہا نہ بھی ہم نے مُدعا پایا
اونٹ پر چڑھے ہے جب ہم اور مُنہ سے کچھ بولے — شعر یوں ہوا موزوں جیسے کچھ پڑا پایا
طرح کیا کہ گھٹیا ہے بحر کیا کہ لقوہ ہو — نظم کے لئے بیٹھے ایک عارضا پایا
وزن کی لگی ٹھوکر ہو گئی زباں لنگڑی — شعر کہہ کے یہ ہم نے دردِ لادوا پایا
شاعری کے موج آئی اُسپہ بھی پڑے موزوں — طرح نے طبیعت کو جرأت آزما پایا
اس طرح یہ جب نالہ مُنہ سے بے تُکا نکلا — کھا گیا قلا بازی اِس سے نارسا پایا

اے ظریف گو پانی ابھی سال کم برسا
تو بھی مثل مینڈک کے شعر کو دتا پایا

غزل نمبر ۲۳ — ردیف الف — تعداد ابیات ۱۱

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

تناسخ ہے جنم لینا اِدھر آنا اُدھر جانا — ہزاروں بار جی اُٹھنا ہزاروں بار مر جانا
خیالی ہجر میں فرضی مریضِ غم کا مرجانا — یہ سب کیا ہے سلامت جھوٹ کے پل سے اتر جانا
دولتی سے سمندِ ناز کی عاشق کا مر جانا — یہی تو ہے طویلے کی بلا بندر کے سر جانا
رخِ روشن کی جھرّی حسن کا گویا ٹھٹھر جانا — قیامت ہے کسی معشوق کا سن سے اُتر جانا
مری آہ ہونکی تو یوں کلا وہ خالی خولی سر ہونا — وہ اُن کا لاٹ صاحب کیطرح غیرونکے گھر جانا
مجھے کو راستہ چلنے میں بھی اب خوف آتا ہے — سُنا ہے جب سے مرجانیکو کہتے ہیں گذر جانا
وہ ضبطِ آہ سے عاشق کی بے چینی معاذ اللہ — وہ اکثر کروٹیں لینا وہ پیٹ اُسکا اپھر جانا
مہذب چوٹٹا پن ہو یہ معشوقِ خیالی کا — کہ دزدیدہ نگہ سے دل کا لینا اور مکر جانا

مریضِ ہجر پر فالج کا گرنا سرد مہری ہے
وہ آخر تختۂ مشقِ اطبّا کا بن رہ جانا

بھگانا دیکھ کر بگٹٹ وہ اُسکا اپنے ناقے کو
میاں مجنوں کا چلّانا کہ بی لیلیٰ ٹھہر جانا

جو آنا ہے رتجگے میں گلگلے مضمون کے لے کر
ظریف اچھا ہے اردو شاعری کا طاق بھر جانا

غزل نمبر ۲۴ — ردیف الف — تعداد ابیات ۲۰

بحرِ مضارع اخرب مکفوف مقصور یا محذوف
ارکان مفعولُ فاعلاتُ مفاعیل فاعلات یا فاعلن

شادی ہوئی کسی کی تو وہ شاد ہو گیا
سُسرے کی بیٹی بیاہ کے داماد ہو گیا

ہندو نہ کس طرح سے ہوں اس لفظ پر خفا
جب بار بار سب انہیں برباد ہو گیا

جرّاح وہ ہے کرتا ہے زخموں کا جو علاج
جب اُس نے فصد کھولی تو فصّاد ہو گیا

کہتے تھے جس کو لوگ چڑیمار ہند میں
مُلکِ عرب میں جاتے ہی صیّاد ہو گیا

شاگرد سے یہ کہتے ہیں مکتب میں مولوی
چھٹّی دی جاؤ گھر جو سبق یاد ہو گیا

مجرم سے کہہ رہے تھے یہ اکدن مجسٹریٹ
دِل تم کو تین ہفتے کا میعاد ہو گیا

شاگرد سے خلیفہ ہوا اُس سے جب بڑھا
مشہور سب میں بس وہی اُستاد ہو گیا

سمجھے گا اب تو شورشِ پنہانِ اہلِ دل
بیداد گر کے خوب ہوا داد ہو گیا

در عشق خاک گشتم و برباد می شدم
میں خاک ہو کے عشق میں برباد ہو گیا

پڑھیے لطیف ادب میں بھی کچھ شعرا بے ظریف
جو فن کے چند روز سے ایجاد ہو گیا

ادبِ لطیف

دِل میں خیالِ شکلِ پری زاد ہو گیا
ناقوسِ برہمن خطِ حسّاد ہو گیا

نخچیر مشکِ نافۂ بہزاد ہو گیا — داغِ زمینِ باغ کا شمشاد ہو گیا
ممکن تھا حلِّ صورتِ دنداں نمائے غیر — مثلِ گُلِ شجر سرِ جلّاد ہو گیا
جسمِ عروسِ نکہتِ باغِ ریاض میں — تاجِ خروسِ گلشنِ فرہاد ہو گیا
معنیِ رشتۂ خطِّ نوخیز سبزہ زار — گُلدستۂ ہُما دلِ شدّاد ہو گیا
برگِ حبابِ موجِ درختِ سوادِ نور — مثلِ ضیائے آتشِ فرہاد ہو گیا
یہ پرورش ہے گاوِ فلک کی کہ بڑھتے ہی — آہو کا بچّہ ناقۂ بغداد ہو گیا
حالِ کفِ سمند کا سب خون بہہ گیا — محوِ جمالِ ناز جو حدّاد ہو گیا
کلکِ قلم براد دواتِ سیاہ رو — چاقو سے کٹ کے مالکِ فرہاد ہو گیا

جب سے ہوا لطیف ادب کی چلی ظرافیہ
اُردو میں جو خزانہ تھا برباد ہو گیا

نوٹ۔ ؎ گیا اس جگہ بطور اسم کے استعمال ہوا ہے ہندوؤں کے تیرتھ کا ایک مقام ہے۔
؎ "ادبِ لطیف" وہ صنفِ کلام ہے جس میں شاندار بامعنی لفظین استعمال کی جائیں مگر عبارت کا مفہوم کچھ نہ ہو۔ صفی عفی عنہٗ

غزل نمبر ۲۵ — ردیف الف — تعداد ابیات ۳۲

بحر رمل مثمّن مخبون مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

شعر گوئی سے کبھی تم نہ ہراساں ہونا — ساتھ مشکل کے اگر آئے نہ آساں ہونا
پیٹ پکڑے ہوئے عشاق کا وہ ماں ہونا — اور وہ نالۂ و فریاد کا جرڈ داں ہونا
قہر ہے جا کے پلٹنا نہ مرے نالوں کا — دونوں کانوں کا ترے بھول بھلیّاں ہونا
مولوی قیس کا وہ یادِ رخِ لیلیٰ میں — محوِ دیباچۂ گلزارِ دبستاں ہونا

گھر تمھارا ہے نہ کچھ باپ کا اُسکے گھر ہے
غیر کے ساتھ مرے گھر میں نہ مہماں ہونا

خانساماں کئی صاحب کے گئے لینے مول
سُن کے اُنکے لبِ خنداں کا نمکداں ہونا

یار تمباکو کا پنڈا ہے اگر ہونے دو
تم کو اے آنکھو! مناسب نہیں پٹّیاں ہونا

سب پہ ظاہر ہوا عشّاق کے بہکانے سے
رُخِ روشن کا ترے غولِ بیاباں ہونا

یوں ہی وابستہ ہے عاشق کی خوشی زلفوں سے
جس طرح عید میں تقسیم ستّو یاں ہونا

مانگتے بھیک تو زلفوں کو نہ دیکھا ہم نے
شعرا باندھتے ہیں اُن کا پریشاں ہونا

کھیل عاشق کے لئے تھا شب تنہائی میں
قلبِ مضطر سے وہ میری مری گویّاں ہونا

وہ منڈائے ہوئے سر وصل میں آنا اُن کا
مختصر قصّۂ طولِ شبِ ہجراں ہونا

آگ کی طرح دہکنا وہ ترے چہرے کا
اُسپہ عاشق کے کلیجے کا وہ بریاں ہونا

خوب نقدِ دلِ عشّاق کو لوٹا تو نے
شہد پن یہ ہے اِسے کہتے ہیں سیّاں ہونا

چھڑھ کے اک بیل کے مُنھ پر یہ کہا چھینکے نے
مجھ کو آتا ہے ترے حلق کا دَرباں ہونا

یا تو کپڑے بھی پہنا کر کبھی دکھلا دو ہمیں
یا تو باندھا نہ کرو شمع کا عُریاں ہونا

جا کے چپکے سے رقیبوں کی پکڑ لینا ٹانگ
کبھی دیوانہ جو تو اے سگِ جاناں ہونا

ما مقیمان وہ درِ یار پہ پڑے رہنا میرا
اُن کے چہرے کا وہ غصّے سے گلستاں ہونا

وہ مجھے خواہشِ وصل اُنسے بہ تخئیلِ جدید
وہ بہ تخئیلِ قدیم اُن کا گُریزاں ہونا

تھامنا قیس کا وہ ناقۂ لیلیٰ کی مہار
نو کدُم بھاگنا وہ اُس کا ہراساں ہونا

میز پر کھول کے رکھ دینا وہ ٹائی کالر
وہ بہ تہذیب مرا چاک گریباں ہونا

صاف لفظوں میں ہے ہلتے ہوئے دانتونکا ثبوت
دہنِ یار کا دُرج دُرِ غلطاں ہونا

آئینہ خانے میں اب ایک نیا عالم ہے
آپ ہی آپ ہیں اور آپ کا عُریاں ہونا

بیسوں عشّاق بلا ناغہ پٹا کرتے ہیں
روز ہوتا ہے کسی کوچے میں گریاں ہونا

در و دیوار یہ کیوں کانپ رہے ہیں تھر تھر
کیا مرے گھر میں گھس آیا ہے بیاباں ہونا

حیف اُس مُشتِ پر و بال کی سر سبزی بخت
جسکی قسمت میں کہ ہو یار کا ٹُیّاں ہونا

غالبؔ و میرؔ کے پیرو جو ہیں اُردو میں ظریفؔ
اُن کو اس عُرس[۵۴] میں لازم ہے غزلخواں ہونا

دُم[۵۵] ریز غزل مدن کو ر

شمع کی طرح کسی بزم میں عُریاں ہونا
اِس سے بہتر ہے چراغ شب ہجراں ہونا

یہ تو اِنکار نما شکل اک اقرار کی ہے
آپ کی سمت سے ہر بات پہ جی ہاں ہونا

بال پڑنا دلِ عُشاق کے آئینے میں
ہے ترا سبزۂ رُخسار نمایاں ہونا

ہے سر دست کتابت کی ترقی کا ثبوت
فاونٹن پن کا بتدریج قلمداں ہونا

شاعری کا اُسے سیلاب سمجھتا ہوں ظریفؔ
گھاگھرا پار کہیں جا کے غزلخواں ہونا

نوٹ ۔ ۵۱ تمباکو فروش پہلے تمباکو کے پنڈے پر کوڑیاں رنگ برنگ اور ٹیمّوں کو چپکا کر گُل بوٹے بناتے تھے مگر اب یہ رسم باقی نہیں ۵۲ ستیاں لکھنؤ میں ایک شخص کا نام تھا جو تھہدوں کی جماعت کا چودھری تھا۔ ۵۳ ہندوُں کا ایک تہوار ہے جسمیں کپڑے کی چھوٹی چھوٹی گڑیاں بنا کر لڑکے چوراہوں پر لیجاکے جھانکرٹ کی رنگین چھڑیوں سے پیٹتے ہیں اور اکھاڑوں کے پہلوان اسی روز لیزم ہلاتے باجا بجاتے نکلتے ہیں۔ ۵۴ معیار کا یہ سالانہ مشاعرہ ۱۱ ستمبر ۱۹۰۹ء کو لکھنؤ میں ہوا تھا۔ اس میں یہی طرح کی گئی تھی۔ ۵۵ دُم ریز غزل کے چند شعر گھاگھرا پار کے ایک مشاعرے میں پڑھے گئے تھے

غزل نمبر ۲۶ — ردیف الف — تعداد ابیات ۲۰

بحر رمل مثمّن مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

بے خبر سوئے جو عاشق مُفت الزام آگیا
ساتھ خرّاٹوں کے لب پر آپ کا نام آگیا

کیوں نہ ہو لیکھوں بھری زلفوں میں مُرغ دل اسیر
چاہیئے کیا اور وا نہ آگیا دام آگیا

آنکھ کھولے بزم میں تھا ساقی گردن بلند
بادہ کش سمجھے صراحی آگئی جام آگیا

قوّت نظارہ سمجھیں یا اِسے تمکینِ حُسن
پھٹ پڑا بھجّا جہاں وہ بت لبِ بام آگیا

بال رب مکڑی کے جالے ہیں اُلجھ کر رہ گئے
دامِ صیّادِ جفا جو خود تہِ دام آگیا

جب گریباں کی جگہ تہذیب نے کالر نے لی
ساتھ ہی بند قبا کی جا پہ بٹن نام آگیا

کافرِ عشقِ بتاں کا دیکھئے کیا حشر ہو
جب پُکارا رام کو آرام آرام آگیا

رات بھر عشّاق اُلٹے خواب میں لٹکے رہے
دلکا چمگادڑ جو زلفوں پر سرِ شام آگیا

رکھتے ہیں نادار عاشق سر میں پھر سودائے خام
مُژدہ بادلے دِل کہ بیکالُن کا نیلام آگیا

گدگداتا ہے ہر اک پہلو کو اُٹھ کر بار بار
دلگی کرنے لگا جب درد آرام آگیا

سر برا اصلاح کیسی مونڈنا مقصود تھا
لیکے الٹا اُسترا ہاتھوں میں حجّام آگیا

کہتا تھا صیّاد کر کے روز دانتوں میں خلال
ایک ایک تنکا نشیمن کا مرے کام آگیا

پڑھ کے اشعارِ غزل ہو جاؤں چُپ کیو نکر ظریف
قابلیت کچھ تو ظاہر ہو وہ ہنگام آگیا

ادب لطیف

اُن کا ابروئے ہلالی برق صمصام آگیا
آفتابِ جلوہ افروزی لبِ بام آگیا

ہو گئے عاشق نفیر و اللہ اللہ رعبِ حسن
ہمہمہ کرتا ہوا گو یا کہ ضرغام آگیا

حُسن کی تبخالہ ریزی نے دکھایا یہ اثر
شمع رُو کا منہ دمِ جذباتِ دُشنام آگیا

مہرِ عالم تاب جسکا آسماں پر تھا دماغ
قبضۂ ذرّات میں رعشہ بر اندام آگیا

نرگسِ مخمورِ لیلیٰ قیس پر تھی طعنہ زن
لو خمستانِ جنوں کا بادہ آشام آگیا

اشتیاق نے قطرہ زنی کی چشمِ عاشق سے جہاں
غُلّ ہوا حلوا فروشِ مغز بادام آگیا

کیا لطیف اُردو ادب ہوتا ہے ایسا ہی ظریف
آئی اُبکائی زباں پر اُسکا جب نام آگیا

نوٹ ۔ ۱ ؎ لکھنؤ حضرت گنج سول لین میں ایک انگریزی دُکان اِس نام سے مشہور تھی جہاں لوگ نیلام کے لئے اپنی چیزیں بھیجا کرتے تھے ۔ صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۲۷ ردیف الف تعداد ابیات ۵

بحر رمل مُثمّن مقصور یا محذوف ۔ ارکان ۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

گو ندانی وقت پر ملتی نہیں ہمپر کُھلا
نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ بر اکثر کھلا

یار نے اُلٹی رُخِ روشن سے جالی کی نقاب
اور میں سمجھا دُکانِ حُسن کا شٹر کھلا

اک سمندِ ناز جب دوڑا دولتّی جھاڑتا
میں یہی سمجھا طویلے سے کوئی خچر کھلا

پاسباں کوئی نہ ہو جب کیوں نہ پھر گھس جائیں ہم
مثلِ غالبؔ یار کا دروازہ پائیں گر کھلا

اسقدر ہے مختصر چادرِ معیشت کی ظریفؔ
پاؤں پھیلائے فراغت کے لئے تو سر کھلا

غزل نمبر ۲۸ ردیف الف تعداد ابیات ۵

بحر ہزج مُثمّن سالم ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

بگولے ناچتے تھے نجد میں اور قیس عریاں تھا
یہ سب کیا تھا فقط لیلیٰ کی دلچسپی کا ساماں تھا

مرا دل ڈاک بنگلہ اور تصوّر خانساماں تھا
خیالِ یار جنٹلمین کیصورت سے مہماں تھا
جنوں اک شعبدہ تھا میرے خاک اڑتے ہوئے دیکھا
کبھی گھر تھا بیاباں میں کبھی گھر میں بیاباں تھا
اجی فرہاد تو تھا بھوٹیا اور قیس تھا کنجڑ
وہ رہتا تھا پہاڑوں پر مکاں اسکا بیاباں تھا
منڈا کر ہو گیا اب فارغ البال انکی الجھن سے
مرا معشوق زلفوں سے بہت اپنی پریشاں تھا
مُقدّس کیوں نہ جانیں اس کو ہندو مولوی صاحب
گئو مُتر آپ سمجھیں ہیں جسے وہ آبِ حیواں تھا
ظریفؔ اُس کو طلسم بحر ہستی کیا نظر آتا
جو عاشق اُنکا کچھوے کی طرح سر در گریباں تھا

غزل نمبر ۲۹ ردیف الف تعداد ابیات

بحر رمل مثمّن مقصور یا محذوف
ارکان - فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

حُسن کی دُنیا میں اک اندھیر برپا کر دیا
عشق نے جبدن سے بی لیلیٰ کو لیلیٰ کر دیا
تم کو جھنڈے پر چڑھا کر اور رسوا کر دیا
عشق نے یہ کام بھی لگے ہیں لگا کر دیا
کسقدر زندہ کئے کتنوں کو اچھا کر دیا
تم مسیحا تھے بھی یا تم کو مسیحا کر دیا
کھاتے پھرتے ہیں قلا بازی فراقِ یار میں
عشق کو لوگوں نے سرکس کا تماشا کر دیا
صدقے اِس فیشن کے کیا کہنا حسینانِ فرنگ
پٹے رکھ کر حسن کو تم نے لنڈورا کر دیا
تربتِ عُشّاق پر آئے تو ماریں ٹھوکریں
اُلٹے شکوہ کر رہے ہیں وہ کہ لنگڑا کر دیا
اک سمندِ ناز کو تخئیل کے میدان میں
شاعروں نے اتنا دوڑایا کہ لنگڑا کر دیا
ہو گیا بیوہار دو کوڑی کا اُسدن سے ظریفؔ
بند لینا حب سے ان بنیوں نے دھیلا کر دیا

غزل نمبر ۳۰ ردیف الف تعداد ابیات ۲۴

قطعۂ تمہیدی

بحر رجز مثمّن مطوی مخبون ارکان مفتعلن مفاعلن مفتعلن مفاعلن

خون کی گردشیں نہ تھیں دورِ شرابِ ناب تھا
مست تھے بے پئے ہوئے یہ اثرِ شباب تھا

اب نہ وہ دلمیں ولولہ اور نہ شوقِ شاعری
دیکھ کے بھول بھی گئے جس کو یہ ایسا خواب تھا

ہو کے خموش بن گئے گوشہ نشینِ عافیت
فکرِ سخن نہ تھی کبھی جان پر اک عذاب تھا

شرکتِ بزمِ شاعری ہے فقط امتثالِ حکم
ورنہ ظریف اب ہمیں اس سے بھی اجتناب تھا

طرح میں شورِ اضطراب ہم میں سکونِ خامشی
کہئے کہیں تو کیا کہیں قلب میں پیچ و تاب تھا

دفعتہً آ گیا خیال کیجئے اُسی کا اتباع
جس کا کلام منتخب اپنا ہی خود جواب تھا

جوش میں آبشارِ فکر جس کی رواں بشکلِ سَیل
جسکا ہر ایک شعر تر رشکِ صد حباب تھا

اُسکے جمالِ فکر کا میری غزل ہے آئینہ
اے کہ مری نظر میں جو شاعرِ لاجواب تھا

غزل در صنعتِ ادب لطیف

در پئے رقصِ متصل زمزمۂ رباب تھا
شکوۂ حریمِ ناز میں شورِ صد اضطراب تھا

مطلع اولیٰ

میکدۂ جنوں میں تھا تارِ نظر رواں دواں
دل کی رگوں میں شعلہ ریز یوں اثرِ شراب تھا

دستِ اجل نے کر دیا ربطِ زندگی خموش
تارِ رگِ گلو ہنوز مائلِ اضطراب تھا

کاہشِ ناخنِ حیات عقدہ کشائے زندگی
موت کے دستِ شوق میں دامنِ انقلاب تھا

جامِ شرابِ برق ریز اُف تری گرمیِ وجود
قلب برشتہ کباب مرکزِ التہاب تھا

منظرِ آبشارِ حسن ہوش و حواس لے اُڑا
پردے میں مستتر ہنوز جلوۂ بے نقاب تھا

برق کی خندہ ریزیاں ابر کی کالی راتیں
روئے تبسم آشنا شرح کنِ حجاب تھا

کشتِ عمل کا سبزہ زار چونک کے لہلہا اُٹھا
وجد میں جھُومنے لگا پہلے جو مست خواب تھا

شپرگیِ چشمِ عشق تو نے نہ دیکھنے دیا
جلوۂ حسنِ بے نقاب روکشِ آفتاب تھا

دلکی رگوں کی گتھیاں عشق سے کیا سلجھ سکیں
کاکلِ عنبریں کا خم حاملِ پیچ و تاب تھا

اے کہ تری سُبک روی درس دہِ نسیم صبح
جبکہ حریمِ ناز میں حُسن کو ذوقِ خواب تھا

لرزشِ تارِ بے صدا باعثِ ارتقائے حسن
پھر بھی سکوتِ نغمہ میں نالہ کامیاب تھا

حالِ گذشتہ اس طرح لوگوں سے کیجیے بیاں
پوچھے اگر کوئی ظریف کہیے کہ ہاں جناب تھا

صاف سا ایک قطعہ ہی خیر اُسے بھی پڑھ نہ دو
جو کہ تمھاری رائے میں خارج از انتخاب تھا

دِلّی دلکھنؤ میں جب چھڑ گئی بحث جنسیت ق
اِسنے کہا نقاب تھی اُسنے کہا نقاب تھا

پردے نے اُٹھ کے دفعتہً دونوں کا فیصلہ کیا
اب جو نظر پڑی تو صاف اک رُخ بے حجاب تھا

غزل نمبر ۳۱ — ردیف ت — تعداد ابیات ۱۸

بحر رمل مثمنؐ مقصور یا محذوف
ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

دال ہوئی ماش کی کھاتی ہے نازک خوئے دوست
"بالش و بستر سے محشر آرہی ہے بوئے دوست"

کی جو کریا غیر کی۔ ہیں صاف چار ابروئے دوست
چودھویں کا چاند گویا ہو گیا ابروئے دوست

نیل کا گدنا میں گودوں گا سر بازوئے دوست
ہاتھ سے اپنے کروں گا ایکدن اُتوئے دوست

عاشقانِ زرد رو کے طائرِ دل ہیں مقیم
ڈوبنے کے جھونجھ میں اُلجھے ہوئے گیسوئے دوست

دشمنوں کی زد سے بچتا ہوں میں اُسکی آڑ میں
عافیت کے قلعے کا دمس ہے مجھے پہلوئے دوست

ڈھونڈتے پھرتے ہیں عاشق پر نشاں ملتا نہیں
آ گئی چوڑی سڑک میں سب نے مین کوئے دوست

آبداری آئی جب خنجر پہ بھاگے جاں نثار — ہو گئے بیکار پیری میں سفید ابروئے دوست
کھوپڑی عاشق کی پِل جاتی ہے دیوالی میں جب — جاگتا ہے مرگھٹے پر رات کو جادوئے دوست
شام تک عشّاق کو ہوتا نہیں کھانا نصیب — دیکھ لیتے ہیں سحر کو اُٹھ کے جب دن روئے دوست
اُسپہ سر رکھتے ہی عاشق ہو گئے انٹا غفیل — نرم تھا سنبھل کے تکیے سے سوا زانوئے دوست
فرض کیجے اِک طویلہ مجمعِ عشّاق کو — اور بندر اُس طویلے کے لئے ہے خوئے دوست
یاالٰہی اسقدر ہو عمر کی رسّی دراز — دیکھتے ہی دیکھتے ہو جائیں سَن گیسوئے دوست

شعر کچھ ہندی قوافی میں بھی پڑھیئے اب ظریف
کر رہی ہے یہ اشارہ نرگسِ جادوئے دوست

حُسن کے دلکش طویلے میں ہے نمبر خوئے دوست — ہے سمندِ ناز یا اڑیل کوئی ٹٹّوئے دوست
کم حقیقت نیش زن اغیار ہیں بیٹھے ہوئے — دیکھ لو دیکھے نہ ہوں تم نے اگر بِچھوئے دوست
تالیاں کوٹھے کی چھت پر متصل بجتی رہیں — رات بھر دیتا رہا اسپیچ اک اُلّوئے دوست
ساقیا دے جام تو اوروں کو بزمِ یار میں — میری سیری کے لئے کافی ہے اک چُلّوئے دوست

جاگ اُٹھے تم صبحدم آواز سے جسکی ظریف
ریل گھر کا تھا وہ بھونپو یا کہ تھا بھونپوئے دوست

غزل نمبر ۳۲ — ردیف سا — تعداد ابیات

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

تصدّق ماگھ میلا اِس ہجومِ کوئے قاتل پر — وفورِ شوق میں بسمل چڑھا جاتا ہے بسمل پر
صدائے نالۂ مجنوں سے بھڑکا ناقۂ لیلیٰ — کبھی ناقے پہ محمل تھی کبھی ناقہ تھا محمل پر
شہیدانِ وفا کا خونِ ناحق رنگ لایا ہے — اُگی ہے لال چولائی زمینِ کوئے قاتل پر

کمر موٹی لنڈورے بال سینہ صاف قد لانبا — ہزاروں ہیجڑے صدقے بتانِ فیشن ایبل پر
خطا پیشاب ہو جب امتحانِ نگاہِ محبّت میں — تو سمجھو دہار رکھدی عاشقوں نے تیغِ قاتل پر
محبّت کے اکھاڑے میں یہ حُسن و عشق کی کشتی — کبھی بسمل پہ قاتل ہے کبھی بسمل ہے قاتل پر

ظریفؔ اِس کو تو خالی لب کی شیرینی سے مطلب ہے
فضیلت ہے، الہ آباد کے امرود کو دل پر

غزل نمبر ۳۲ — ردیف ڑ — تعداد ابیات ۱۵

بحر رمل مُثمن مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

ظلم کا لگّا لگا کر آشیانوں کو نہ چھیڑ — بلبلیں صیّاد چپ ہیں بے زبانوں کو نہ چھیڑ
باغ اگر اُجڑا تو پھر بولینگے اُلّو اس جگہ — ہمصفیر اچھّا نہیں ہے باغبانوں کو نہ چھیڑ
حُسن کے عاشق کرینہ دیں ہڑتال اسکا خوف ہے — حُسن کے چلتے چلاتے کارخانوں کو نہ چھیڑ
سو سیانے ایک مت تونے سُنی ہوگی مثل — یہ سراسر بیوقوفی ہے سیانوں کو نہ چھیڑ
دیکھتے ہیں دوست اور دشمن کو جو اک آنکھ سے — دیکھ اندھا ہو نہ ظالم ایسے کانوں کو نہ چھیڑ
مادہ رُدیوں سے نہ لڑ مردانگی کے ہے خلاف — گالیاں دینے لگیں گے اِن زنانوں کو نہ چھیڑ
خاں بہادر جو نہیں اے شیخ تو اُنسے نہ بول — دلّگی میں ان امیٹیشن پٹھانوں کو نہ چھیڑ
اُنکی گنتی ہے نہ زندوں میں نہ مُردوں میں شمار — پاس ہوں جو بُڈّل ایسے نیم جانوں کو نہ چھیڑ
تجھ کو آثارِ قدیمہ کی حفاظت چاہیئے — اے نئی تہذیب کے پُتلے پُرانوں کو نہ چھیڑ
حیثیت سے اُنکی بڑھکر باندھ دینگے اُنپہ ٹیکس — ڈالکر چھپّر رہا کر اب مکانوں کو نہ چھیڑ
یہ کچل ڈالینگے موٹر اپنا ہاتھی ریل کر — کھدو شوفر سے ارے تو فیل بانوں کو نہ چھیڑ
چڑھ کے زپلین پہ نہ اترا اور نہ ہو اتنا بلند — اے زمیں کے رہنے والے آسمانوں کو نہ چھیڑ

تانا نانا توم نا۔ ورنا تنا نا توم نا
جب بجے انگلش پیانو ان ترانوں کو نہ چھیڑ

کہہ گل و بلبل کا قصہ کیوں کلب میں بیٹھ کر
محفل نو میں پرانی داستانوں کو نہ چھیڑ

لکھنؤ سے پہونچے منصوری تک آواز ظریف
ہم سے لازم تھی ہمارے مہربانوں کو نہ چھیڑ

نوٹ۔ بتاریخ ۲۳ راگست ۱۹۲۸ء اس طرح میں مشاعرہ بمقام مونٹ کلیر کوہ منصوری حسب تحریک راجہ نواب علی خاں تعلقدار اکبر پور بفرمائش مہاراجہ صاحب بہادر ریاست کلسیا باہتمام امر سنگھ پرائیوٹ سکریٹری منعقد ہوا تھا اور ظریف بذریعہ تار بلائے گئے تھے عفی عنہ

غزل ۴۳ ردیف م تعداد ابیات ۹

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف
ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

مانگ شیریں کی ہے اے فرہاد جوئے شیر غم
ٹانگ مجنوں ناقۂ لیلیٰ کی ہے شہتیر غم

کیوں نہ ہو تانیث عشرت حاصل تذکیر غم
بی خوشی زیب النسا ہیں بنت عالمگیر غم

لفظ غم میں میم ہے اور میم ہے کبڑی کی شکل
ہے غلط جو باندھتے ہیں شعر میں شہتیر غم

ایک نر اک مادہ پھر توأم جو دونوں میں یہ کیا
یا ہے غم شوہر خوشی کا یا خوشی ہمشیر غم

گر نہ ہو باور چھری سے کاٹ کر تم دیکھ لو
پیاز کی آنڈی کے اندر ہو گھسی تاثیر غم

اس سے بہتر مل نہیں سکتا ہے بیضاوی فرم
دل کے آئینے میں رکھنا چاہیئے تصویر غم

بڑھ گئی چوٹی جب اس بت نے کیا کریا کرم
ہو نہ ہو بس ہے یہی لے برہمن زنجیر غم

"برسر اولاد آدم ہر چہ آید بگزرد"
خلد سے آدم اٹھا کر لائے تھے شہتیر غم

دیکھا ہے اکثر کلام میر ہم نے بھی ظریف
اس کا ہر مصرع ہے دل کیواسطے اک تیر غم

نوٹ - ۵ۓ محاورۂ اردو میں کبڑی اس چھڑی کو کہتے ہیں جس کے اوپر کا سر خمدار ہو۔ صفی عفی عنہٗ

غزل نمبر ۳۵ ردیف ن تعداد ابیات ۶

بحر خفیف مُسدس مخبون مسکن مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

میلا پانی بہا جو نالی میں
ہو گا چالان کو توالی میں

تھا کبڑیے کا میل مالی میں
پھول بھیجے ہیں اُسنے ڈالی میں

یار تھنوں چنے نہ چبوا وُ
نہ بھرو چھرے اس دو نالی میں

منصف اس شہر کے ہیں گویا قطب
اِک جنوبی میں اک شمالی میں

قیس بُزدل پہ ناقہ لیلےٰ
دانت پیسا کیا جگالی میں

گتھ گئے یوں ظریف دو مُلّا
مُرغ لڑتے ہیں جیسے پالی میں

غزل نمبر ۳۶ ردیف ن تعداد ابیات ۱۳

بحر رمل مُثمن مخبون مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن فاعلاتن فعلات یا فعلن

فارسی اُردو کو جب دست و گریباں دیکھوں
بنیم اے جاں رُخ تو مُنہ ترا اے جاں دیکھوں

ہو اگر سوئے شفا خانۂ شاہی جانا
صورتِ ڈاکٹر و حالِ مریضاں دیکھوں

شبہ کیا ہے میں کہوں گا کہ گلہری ہو ضرور
کسی دیوار پر گر تو شتابِ پرّاں دیکھوں

آبِ زر اور کفِ دست و دلِ من رگِ پا
یاد آجائے جو گلزار دلبتاں دیکھوں

کس لئے مجھ کو نہ دھوکا ہو بشر کا اُس پر
آدمی کو جو میں ہم صورتِ انساں دیکھوں

روز دریا میں حبابوں سے صدف کہتے ہیں
مو تیا بند ہو گر میں تو نیساں دیکھوں

دلمیں اپنے اُسے سمجھوں گا کہ ہے چُوہے داں
کیا خطا میری کہ ہوں ہند کا رہنے والا
اپنے اشعار میں ہیں نظم کئے جتنے لُغت
اہلِ فارس جسے کہتے ہیں کہ آ رے بگرم
مجھ سے فرمانے لگے خواجہ محمد یوسف علیہ
آئے دن خوب عدالت کے تماشے دیکھے

کسی دوکان پہ اگر مجلسِ مُوشاں دیکھوں
چھپکلی سمجھوں اگر غنچۂ پنہاں دیکھوں
اُنکے معنی بھی بتادوں گا جو برہاں دیکھوں
ترجمہ اُردو میں اُسکا ہوا جی ہاں دیکھوں
کچھ دنوں سیرِ گل و سنبل پیچاں دیکھوں
فصلِ گل آئی ہے اب چلکے گلستاں دیکھوں

مجھ کو رَنو اس کے معنے نہیں معلوم ظریف
لاؤ برہان زرا لفظ شبستاں دیکھوں

نوٹ۔ خواجہ محمد یوسف بھی میرے شاگرد تھے۔ محلہ باغ شیر جنگ میں رہتے تھے اور ایک ماہانہ مشاعرہ کرتے تھے۔ عدالت دیوانی میں عرائض نویس تھے لیکن پھر دکن حیدرآباد چلے گئے۔ اور وہاں قانون پڑھ کر وکالت کا امتحان دیا۔ یہ غزل اُنھیں کے مشاعرے کی طرح میں ہے تقریباً پچاس برس ہوئے ہوں گے جب یہ مشاعرہ ہوا تھا۔ ضفی عفی عنہٗ۔

غزل نمبر ۳ ردیف ن تعداد ابیات ۱۲

بحر مجتث مثمن مخبون مسکن مقصور یا محذوف
ارکان مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

جفاکش اور بڑے بُردبار ہوتے ہیں
کہیں شریفوں سے بہتر کہار ہوتے ہیں

کسی سے چھُٹ کے جو کرتے ہیں شعلہ بار آہیں
تو یہ کہو دلِ عاشق انار ہوتے ہیں

لحد میں جاتے ہیں ہمراہ دیکھئے اعمال
نصیب ایسے کہیں یارِ غار ہوتے ہیں

اُنھیں کو سیر سپاٹے سے کام رہتا ہے
جو لوگ دہر میں بے روزگار ہوتے ہیں

بتوں کے دانت تو کوڑی کو بک نہیں سکتے
اِسی طرح کے دُرِ شاہوار ہوتے ہیں؟

کبھی یقیں نہ جانو یہ جھوٹ ہے بالکل
تمھارے نام پہ عاشق نثار ہوتے ہیں
حسیں جو چاہتے ہیں مرگِ عاشقِ لاغر
اگر یہ ہے تو بڑے ہی چمار ہوتے ہیں
وہ آنکھ پھوٹ نہ جائے یہ حسیں رہتے ہیں
اگرچہ تیرِ نگہ دل کے پار ہوتے ہیں
جو واقعی نہیں مرتے ہیں دم چُراتے ہیں
وہی میانِ لحد بیقرار ہوتے ہیں
دماغ کی بھی رطوبت ہی پھر تو آبِ گہر
اگرچہ اشک دُرِ آبدار ہوتے ہیں
شرابخوار، دغاباز، سنگدل، نازک
اسی قماش کے غزلوں میں یار ہوتے ہیں
سڑی مرا ہوا بھک منگا چیخنے والا
یہ عاشقوں کے لقب تین چار ہوتے ہیں
ظریف جن کی لڑکپن میں تربیت نہ ہوئی
وہ بڑھ کے اک شترِ بے مہار ہوتے ہیں

غزل نمبر ۳۸ ردیف ن تعداد ابیات ۸

بحر ہزج مثمّن سالم
ارکان۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

درِ دلدار پر ہم اس طرح بستر لگاتے ہیں
کبھی اندر لگاتے ہیں کبھی باہر لگاتے ہیں
لحد پر اس لئے عشّاق کی پتھر لگاتے ہیں
بجا لنگڑانے لگتے ہیں جہاں ٹھوکر لگاتے ہیں
نئی تکرار اپنے نیم جانوں سے نکالی ہے
کبھی جی جی کبھی بس رٹ ہیں وہ مر مر لگاتے ہیں
پُرانے وقت کے معشوق جو ہیں ان زمانے میں
قبا اب تک پہنتے ہیں مگر کالر لگاتے ہیں
نئی تہذیب نے اپنا دماغوں پر اثر ڈالا
جنابِ شیخ اپنے نام میں مسٹر لگاتے ہیں
اُڑا دیتا ہے دعدوں میں اگر تو اُسنے بے پر کی
ترے عشّاق آہوں میں اب اپنی پر لگاتے ہیں
جنوں ہنس ہنس کے کہتا ہے کہ میں بینڈ سولڑتا ہوں
درِ دلدار پر عشّاق جب ٹکر لگاتے ہیں
ظریف اغیار دیں کیوں دخل میری اُنکی باتوں میں
کہ وہ اقرار جب کرتے ہیں یہ بچر لگاتے ہیں

غزل نمبر ۳۹ — ردیف ن — تعداد ابیات ۱۳

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف

ارکان۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

نالۂ دل وہ جسے مشہور سب افغاں کریں
کیوں نہ اُس کے واسطے تیار ہم تنباں کریں

اس طرح سے خانہ آبادیِ بتِ ناداں کریں
بیاہ اپنے گڈے کا جس دن کہ ہوں گڑیاں کریں

ہیں قسائی تیز گر وہ دشنۂ مژگاں کریں
دِل کوئی مینڈھا نہیں اپنا جو ہم قرباں کریں

گز بنائیں آنت مل جائے اگر شیطان کی
اس سے پھر پیمائشِ طولِ شبِ ہجراں کریں

گول ہوں شفاف ہوں ڈھلکیں برابر سطح پر
دانت ایسے ہوں تو نظم اُن کو دُرِ غلطاں کریں

عاشق و معشوق کا کیا گھر ہے کوئی اسپتال
جائیں جو بیمار پڑ کر خواہشِ درماں کریں

ہیں بڑے منحوس معشوق اچھے خاصے چور ہیں
عاشقوں کا گھر یہ غارت گر اگر ویراں کریں

نالہ کش عشاق سے کہہ دو کہ اب تونبی بجائیں
مثلِ افعی بَل جو اُن کے گیسوِ پیچاں کریں

لعل و گوہر ہیں تو بیچیں جوہری بازار میں
بند یا صندوقچے میں و لب و دنداں کریں

ڈول رسّی جانتے ہیں اب تو سقّے دیکھ کر
اور ہم دل کو اسیرِ کاکُلِ پیچاں کریں

کیوں سٹھائی، ماش کی دال اور کھائیں سیٹھ جی
اب پڑے کھٹیا پہ توڑا رات دن بڑیاں کریں

بولیں اپنی بولیاں چھوٹے بڑے عشاق سب
ٹائیں ٹائیں لھبر اور ٹیں ٹیں ترے ٹُیاں کریں

جی چرانا کام ہے اچھا نہیں کہہ دو ظریف
عاشق اُن کے جیل میں بیٹھے بنادریاں کریں

غزل نمبر ۴۰ — ردیف ن — تعداد ابیات ۶

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف

ارکان۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

علم میں جھینگر سے بڑھ کر کامراں کوئی نہیں
چاٹ جاتا ہے کتابیں امتحاں کوئی نہیں

اپنے ہمسن ہیں کہ جڑواں اُن کو کہنا چاہیئے
پیر ہیں ساتوں فلک اِ ہمیں جواں کوئی نہیں

ظلم ہے با وصفِ مہر اسکو کہیں نا مہرباں
آسماں سے بڑھ کے سچّا مہرباں کوئی نہیں

حضرتِ حوّا سے کچھ کم حضرت عیسیٰ نہ تھے
باپ اِنکا بھی نہیں گر اُن کی ماں کوئی نہیں

لکھنؤ دلّی اِنہیں شہروں پہ کیا موقوف ہے
ہر جگہ اہلِ زباں ہیں بے زباں کوئی نہیں

ہے مثل مشہور دستِ خود دہانِ خود ظریف
ہوٹلوں میں میہمان و میزباں کوئی نہیں

غزل نمبر ۱۲۱ ردیف ن تعداد ابیات ۱۲

بحر مجتث مثمّن مخبون مقصور یا محذوف
ارکان مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

علی الصّباح جو مردم بکار و بار نہیں
بلاکشانِ محبّت بہ کوئے یار نہیں

کچھ ایسے رشکِ مسیحا کا اعتبار نہیں
خطا معاف گدھے پر بھی جو سوار نہیں

نہ ہو حضور کا عاشق جو بُردبار نہیں
شریف ہے وہ کوئی قوم کا کہار نہیں

ہمیشہ عاشقِ لاغر کے کوسنے والے
بتا دے کون ہے پھر تو اگر چمار نہیں

رقیب جان کے پھرتے ہیں اُسکی دُم کیساتھ
جنابِ قیس کو ناقے کا اعتبار نہیں

یہ کہہ کے شوخ نے عاشق پہ کر دیا پیشاب
بھلا وہ تیغِ ادا کیا کہ جسمیں دھار نہیں

لگا کے ٹھوکریں کہتے ہیں میرے مرقد پر
ہماری ٹانگ نہیں یا ترا مزار نہیں

ہزاروں عاشقوں کے ہوتے آئے دن چالان
خدا کا شکر کہ معشوق تھانیدار نہیں

چبا چبا کے پڑھیں شعر یہ نہیں آتا
پسند مونگ پھلی کی ہمیں ٹھنگار نہیں

کیا ہے پیرِ مُغاں نے یہ جاری آرڈیننس
گناہگار ہیں وہ سب جو بادہ خوار نہیں

اگرچہ اب وہ بلا ہیں تو کھد و صاف اُنسے
مشاعروں کا کوئی بندہ ٹھیکیدار نہیں

فضول خدمتِ فاضل میں کیوں گئے آخر
ظریف جب تمھیں کھانسی نہیں بخار نہیں

غزل نمبر ۴۲ ردیف ن تعداد ابیات ۱۱

بحر مضارع اخرب مکفوف مقصور یا محذوف
ارکان مفعولُ فاعِلاتُ مفاعیلُ فاعِلات یا فاعلن

آئے تھے کل وہ فاتحہ پڑھنے بخار میں
گرمی ہے آجتک مری خاکِ مزار میں

عُشاق آپ کے چمنِ روزگار میں
بیٹھے ہوئے ہیں جو تجھ کے اندر بہار میں

پوچھا جو میں نے اُن سے کہ ہو کس شمار میں
ہنسکر کہا کہ ہم تو ہیں دو میں نہ چار میں

آوارہ گردیوں سے رہا کچھ نہ اِمتیاز
مجنوں میں اور اِک شترِ بے مہار میں

ہے واقعی یہ عشق کے موٹر کی بیٹری
بجلی بھری ہوئی ہے دلِ بیقرار میں

لنگڑا رہے ہیں قبر کو ٹھوکر لگا کے وہ
پتھر لگا ہوا تھا کسی کے مزار میں

اندھا اُسے سمجھیے بتائے جو کوئی فرق
میری شبِ فراق میں کالے بخار میں

لاکھوں کو جھوٹ موٹ جو کرتے ہیں روز قتل
معشوق سب وہ بھیجدئے جائیں دار میں

جو رنج و غم اُٹھانیکے عادی ہیں رات دن
عاشق قلی بنے ہیں وہ اود آر میں

ہر چند تھے شریف چڑیمار بن گئے
حاصل ہوا یہ طائرِ دل کے شکار میں

یہ بزدلی پسند نہیں ہم کو اے ظریف
ہر قافیے کے بعد کہیں بار بار میں

غزل نمبر ۴۳ ردیف ن تعداد ابیات ۱۶

بحر رمل مُثمن مخبون مقصور یا محذوف
ارکان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن یا فعلن

یار مصروف رہا زلف کے سلجھانے میں
دیر اِس وجہ سے اِسکو ہوئی پاخانے میں

آ گیا فیلِ سیہ مست جو میخانے میں — چھُپ گیا پیرِ مُغاں چپکے سے پیمانے میں
یہ خبر ہو گئی تحقیق ندک خانے میں — سات دن آج سے ہیں زلزلے کے آنے میں
ماش کی دال برہمن کو ملی کھانے میں — اِس سے ناقوس بجایا کیا پاخانے میں
انقلاب آپ ذرا دیکھئے تو گانے میں — بستی مشہور ہوئی دہر کے ویرانے میں
بہرِ تحقیقِ معانی و لُغاتِ مُغلق — گھُس گیا جھینگرِ ادراک کتب خانے میں
جب کمر یار کی معدوم ہی ٹھہر کیا حاصل — سعی کیوں کرتے ہو پاجامے کے پہنانے میں
کاکُلِ مُرغِ حوادث بھی پریشاں ہو جائے — غل ہو زنجیر کا جو وقتِ جلوخانے میں
فیل نے بینیٔ نازک کو دکھا کر اپنی — کر دیا ناقے کو مجبور شُتر خانے میں
مجتمع ہو کے ریاحِ بتِ خاموش آخر — نکلے ناقوسِ برہمن ہی سے بت خانے میں
گورکن خاک میں آخر کو ملا دیتا ہے — سعی غسّال جو کچھ ہوتی ہے نہلانے میں
طائرِ قبلہ نُما بہرِ شکارِ عفریت — چونچ کھولے ہوئے ہنستا ہے جلوخانے میں
دُزدِ دی شب بہ خراباتِ گرفتار شدہ — چور پکڑا گیا کل رات کو میخانے میں
اکتسابِ کمرِ فیل بہت مشکل ہے — یہی ہم سنتے چلے آئے ہیں افسانے میں
خوف سے ڈاکٹرو نکلے اُسے دست آنے لگے — اب کی طاعون چھُپا شہر کے پاخانے میں

آجکل ہے ادبیّت کا یہ معیارِ ظریف
وہی اُستاد ہے مشّاق جو ہو گانے میں

غزل نمبر ۴۳ — ردیف ن — تعداد ابیات ۱۱

بحر مضارع اخرب مکفوف مقصور یا محذوف — ارکان مفعولُ فاعلاتُ مفاعیلُ فاعلات یا فاعلن

اک روز دیکھا ناقۂ لیلیٰ نے خواب میں — محمل اُلجھ کے رہ گئی شاید رکاب میں

تمساح گوشہ گیر بھی ہے اضطراب میں / دیکھا ہے جب سے زاویہ وسطِ حباب میں

بط اُڑ کے پہونچی جب کہ دکانِ شراب میں / مُرغ برشتہ چھپ گیا قرصِ کباب میں

شیریں کی جستجو کے لئے اضطراب میں / فرہاد جا کے کُود پڑا اجُنسمِّ راب میں

کافورِ شب سیاہی نصفُ النہار سے / پوشیدہ ہو گیا عمقِ آفتاب میں

سیماب کے سکون کے باعث تو اور ہیں / ہر سنگِ کوہ رہتا ہے اک اضطراب میں

تشبیہ تام ہے اُسے بے فائدہ نصیب / اجزائے عنکبوت ہیں چشمِ غراب میں

بہر بیاضِ عارضِ چشمانِ شب پرہ / عصفور نالہ گیر ہے بہرِ فکرِ گلاب میں

مضراب خامہ بہر صدائے کیتِ گل / گریاں ہے وسطِ دائرہ آفتاب میں

ایذا کو درد ہو گا زمینِ فشار سے / دار فنا رہا جو یہ نہی انقلاب میں

دامِ شکارِ ققنس و عنقا ہے یہ غزل
آتی نہ کیوں ظریف کے پھر انتخاب میں

غزل نمبر ۱۴۵ — ردیف ن — تعداد ابیات ۸

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف
ارکان ۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

خود بخود لکڑی میں یوں سوراخ ہو جاتا نہیں / جب تلک برمے سے نجار اس کو برماتا نہیں

ایسے سائل کو بلا کب جو کہ چلاتا نہیں / ہے مثل بے مانگے بچہ دودھ بھی پاتا نہیں

فارسی میں کس طرح اُسکو کہیں لائق ہے یہ / ترجمہ جس کو ممی آید کا بھی آتا نہیں

اِک نہ اِک دن ہے یقیں ہو گا گرفتار بلا / گر سگِ جاناں کی گردن میں کوئی پٹا نہیں

جیتنا ممکن نہیں اُس شخص کو جز ہار کے / جو کبھی گھوڑ دوڑ میں گھوڑے کو دوڑاتا نہیں

المدد اے دست و پائے عنکبوتِ بے خبر / بے ترے اب عقدۂ بالِ مگس کھلتا نہیں

سب کے سب اسکو کریں دیوان جی صاحب خیال — یہ کسی بنئے مہاجن کا بہی کھاتا نہیں

حالِ دِل اپنا اشارو نمیں وہ کہتا ہے ظریف
منھ میں گونگے کے زباں ہے اِسطرح گویا نہیں

غزل نمبر ۱۴۶ — ردیف ن — تعداد ابیات ۹

بحر رجز مثمن مطوی مخبون — ارکان مفتعلن مفاعلن مفتعلن مفاعلن

قول کسی حسیں کا سچ ہے کہ معتبر نہیں — وعدۂ وصلِ یار کیا جسمیں اگر مگر نہیں
ہو گئی عاشقوں کی بھور اسکی انھیں خبر نہیں — میری شبِ فراق کی شام تو ہے سحر نہیں
خون کے آنسوؤں کی چاہ یار کو چشمِ تر نہیں — قدر کوئی کرے تو کیوں لعل نہیں گہر نہیں
بہرِ عیادت آئے کیا حال وہ پوچھے کسطرح — جس کا دہن دہن نہیں جسکی کمر کمر نہیں
رات کو زلفِ یار کا اُلجھا سا قصۂ طویل — سب کو سنانے بیٹھ جاؤں راس یہ دردِ سر نہیں
کہنے کو کہیئے ہاں لوں جھوٹ میں سچ بلا ہوا — تیغ بندھے تو کس طرح یار کے جب کمر نہیں
اچھے یہ کاتبِ ازل لکھتا ہے جب خطِ شکست — کوئی پڑھے تو کیا پڑھے زیر نہیں زبر نہیں

قدرتِ حق کا ہے مذاق خلقتِ آدم اے ظریف
باپ سبھوں کا بن گیا خود وہ مگر پسر نہیں

غزل نمبر ۱۴۷ — ردیف ن — تعداد ابیات ۷

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

ستاتی ہیں جوئیں جب ہم رضائی دیکھ لیتے ہیں — جو کھٹمل کاٹتے ہیں چارپائی دیکھ لیتے ہیں
خریدیں جب کتابیں مصطفائی دیکھ لیتے ہیں — مگر اُسوقت جب کاغذ چھپائی دیکھ لیتے ہیں

اطبا جب کبھی دستِ غذائی دیکھ لیتے ہیں
تو پہلے کھول کر وہ اقسرائی دیکھ لیتے ہیں

یہی مشہور ہے بلیۃ آفسر جس گھر میں آتی ہے
فقط وہ پائخانوں کی صفائی دیکھ لیتے ہیں

بھڑک اُٹھتی ہے آتش سینۂ سوزاں میں خواہش کی
گُرسنہ جب تنورِ نان بائی دیکھ لیتے ہیں

وہ افیونی ہیں بھر آتا ہے پانی دم بدم مُنہ میں
جو بنیے کی دکاں پر بھی کھٹائی دیکھ لیتے ہیں

ظریف آتے ہیں مجلس میں جو حقّے کیلئے مومنؔ
نہیں اُٹھتے جہاں رکھی مٹھائی دیکھ لیتے ہیں

غزل نمبر ۴۸ — ردیف ن — تعداد ابیات ۱۷

بحر ہزج مثمن سالم
ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

قلم ہوتے ہیں سر لوگوں کے وہ تیغ آزماتے ہیں
گلی کو از سرِ نو سر کٹا نالہ بناتے ہیں

درِ جانانہ پہ عاشق اسلئے بستر لگاتے ہیں
کہ اپنے گھر میں سوتے ہیں تو کھٹمل کاٹے کھاتے ہیں

بیاضِ صبح کا منظر غزل میں یوں دکھاتے ہیں
سوادِ مُردمک وہ چشمِ عاشق سے بہاتے ہیں

بگولا بنکے اُٹھتے ہیں تو آندھی بنکے آتے ہیں
سڑک پر ساتھ اپنے عاشقوں کو بھی نچاتے ہیں

ترے دیوانگانِ عشق کو یہ بھی نئی سوجھی
جب اُن پر انگلیاں اُٹھتی ہیں ٹھینگا دکھاتے ہیں

جنابِ عشق فرماتے ہیں سر ٹکرانے والوں سے
تماشا دیکھو ہم بیٹھے ہوئے مینڈھے لڑاتے ہیں

مچلتا ہے جو طفلانہ یہ آغوشِ تمنّا میں
دلِ بیتاب کو ہم رات بھر جھنجھنو جھلاتے ہیں

بوقتِ نزع عقدہ کھُل گیا سب رونیوالوں کا
یہ ہچکی آرہی ہے موت سے یا ہچکچاتے ہیں

خدا کے بعد اِس دنیا میں جو کچھ ہو وہ نائی ہو
بلا تفریق جس کے سامنے سب سر جھکاتے ہیں

بجا کر تالیاں تقریر پر تحسیں کے پردے میں
مہذّب لوگ اسپیکر کو کیا اُلو بناتے ہیں

خدا جانے یہ کس اُردو ادب کی ہو شری مٹی
کہ جس سے آجکل بدمست پیمانہ بناتے ہیں

نئی اردو ہے گھوڑی کی تبسم پاش فطرت نے — دکھایا ہو وہ منظر جس سے گھوڑے ہنہناتے ہیں
کہیں صحرائے تنہا میں کوئی مستِ مناظر ہے — جسے دوشیزۂ فطرت کے نغمے گدگداتے ہیں
کہیں ہو صرف یعنی لفظ لایعنی کا ہم معنی — غرض یہ ہے کہ خشکے سے گنڈیری خوب کھاتے ہیں
ہو جب سے کوچۂ جاناں میں کرفیو آرڈر جاری — تو شب کو دس بجے سے قبل عاشق بھاگ جاتے ہیں
برا ہو دل کا لیلیٰ پردۂ محمل میں نکلی ہے — میاں مجنوں لنگوٹی باندھ کے پیچھے دوڑے جاتے ہیں

ظریف ان بے تکوں سے اب مچلکا کیوں نہیں لیتے
یہ نظم و نثر لکھتے ہیں کہ ظالم منہ چڑھاتے ہیں

غزل نمبر ۴۹ — ردیف ن — تعداد ابیات ۲۶

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

کریں گے سب یہ دعویٰ نقدِ دل جو ہار بیٹھے ہیں — خفیفہ میں تمہارے عاشقِ نادار بیٹھے ہیں
انھیں جب ہم سرِ محفل کبھی چمکار بیٹھے ہیں — تو وہ کس کس ادا سے بنکے چیتے یار بیٹھے ہیں
ادھر منہیار بیٹھے ہیں ادھر منہیار بیٹھے ہیں — گھٹنا بیچ میں پہنے وہ چوڑی دار بیٹھے ہیں
نہ لینا ان سے غمزے کی جو خدمتگار بیٹھے ہیں — لئے ہاتھوں میں پہلے ہی سے وہ پیزار بیٹھے ہیں
اگر گلگشت ہو منظور آؤ عیش باغ آؤ — چڑھے پیڑوں پہ دیکھو طالبِ دیدار بیٹھے ہیں
حقیقت میں کہیں کچھ بھی نہیں باتیں ہی باتیں ہیں — مسیحا وہ ہمارے ہیں نہ ہم بیمار بیٹھے ہیں
کوئی کہدے کہ جھوٹے موتیوں کی قدر کیا ہو گی — وہ سیپی کی طرح منہ کھولکر بیکار بیٹھے ہیں
کسی قفلِ دہن کا کھولنا منظور ہے شاید — درِ دلدار پر عاشق لئے اوزار بیٹھے ہیں
تمہارا گھر شفاخانہ ہے تم ہو ڈاکٹر صاحب — لئے قارورۂ دل سیکڑوں بیمار بیٹھے ہیں
عجب کیا عاشقوں کو دلمیں یہ معشوق کہتے ہوں — یہ کیوں گھر گھیر کر میرا خدا کی مار بیٹھے ہیں

حسینوں کی کمر جب شاعروں معدوم ہی بالکل
تو پھر کس چیز میں وہ باندھ کر تلوار بیٹھے ہیں

لب بام آکے اینٹ کھینچ مار اک اینٹ اے ظالم
ترے عاشق جو زیر سایۂ دیوار بیٹھے ہیں

بھلا معشوق تو کاہکو وہ ضحاک ہیں گویا
کہ دو شانوں پہ اُنکے زلف کے دو مار بیٹھے ہیں

مجھے اندیشہ اس کا ہے تمھیں لونی نہ لگ جائے
بنانے چند لئیے آپ کی دیوار بیٹھے ہیں

تری ترچھی نظر ہونے سے تیری قدر دونی ہے
جو دو عاشق بھی ہوں تو جانتا ہے چار بیٹھے ہیں

شب فرقت کا اک دریائے غم ہے بیچ میں حائل
جو میں اس پار بیٹھا ہوں تو وہ اُس پار بیٹھے ہیں

نرالی ہے ادا حسن طلب کی دیکھ لے ساقی
خیال مئے میں مُنہ کھولے ہوئے میخوار بیٹھے ہیں

تمھاری بے تکلف بزم کیا ہے چانڈو خانہ ہے
ادہر دو سنا ہیں لیٹے ہیں اُدھر دو چار بیٹھے ہیں

گئے ہم پیر سے اک روز پہلے جب تو کیا دیکھا
کچہری بند دفتر میں میاں اتوار بیٹھے ہیں

تمنائے شہادت سے وہ زک آنیکو ہے آغا
جھکائے سر کو عاشق اسلیئے بسیار بیٹھے ہیں

کوئی ہو اطلاع اسوقت کردے جا کے تھانے پر
وہ میرے قتل پر کھینچے ہوئے تلوار بیٹھے ہیں

سفیدی خانۂ دل میں یہ کارونکے پھیریں گے
نہیں ممبر یہ واعظ پاڑ پر معمار بیٹھے ہیں

پکڑ کر کان اپنا درسگاہ عشق میں عاشق
ہزاروں بار اُٹھے ہیں ہزاروں بار بیٹھے ہیں

جہاں پر آبرہ ہوں کہتی ہے تخئیل قدیم اکثر
ارے بھاگو یہاں تو حضرت معیار بیٹھے ہیں

کہا کرتے تھے والد قیس کے فرط محبت میں
نہیں معلوم کس جنگل میں برخوردار بیٹھے ہیں

ظریف اب فائدہ کیا شاعروں کو سری کھانے سے
غزل ہم پڑھ چکے گھر جائیں کیوں بیکار بیٹھے ہیں

غزل نمبر ۵ ردیف ن تعداد ابیات ۱۵

بحر ہزج مثمن سالم
ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

ترے کپڑوں کی لادی لادنا جب یاد کرتے ہیں
تو اکثر شب کو دھوبی کے گدھے فریاد کرتے ہیں

کہو اُن سے جو اکثر شکوۂ بیداد کرتے ہیں
جب اُن کے داد ہو جاتا ہو کیوں فریاد کرتے ہیں

بتوں کو بھول جاتے ہیں خدا کو یاد کرتے ہیں
برہمن جب سفر سوئے اِلٰہ آباد کرتے ہیں

نہ گردن مارتے ہیں وہ نہ دیتے ہیں کبھی پھانسی
حسینوں کو یہ سب مشہور کیوں جلاد کرتے ہیں

یہ مجنوں کوہ کن تو جس زمین شعر کو دیکھو
وہاں گھس پل کے اک عاشق نو آباد کرتے ہیں

حسینوں سے کریں یوں گفتگو ہم کو غرض کیا ہو
کہ ہم ہیں عرض کرتے آپ کیا ارشاد کرتے ہیں

ستم ایجاد کہتے ہیں یہ کیوں معشوق کو شاعر
ستم بھی کیا کوئی کل ہے جسے ایجاد کرتے ہیں

بگولا ہیں کوئی معشوق آندھی ہیں کہ جھکڑ ہیں
جو چلکر عاشقوں کی خاک کو برباد کرتے ہیں

ہمیں بتلا نہ دیں عاشق جو ہیں رٹے کتابی پر
سبق ہے کیا کوئی معشوق جس کو یاد کرتے ہیں

یہ مستوں کی شادی دُختِ رز کیا ٹھہری ہے
مبارک حضرتِ پیرِ مغاں داماد کرتے ہیں

چڑیمار انکو کہیے شوق سے کیا ہرج ہے ہمیں
شکارِ طائرِ دل روز جو صیاد کرتے ہیں

یہ وائرلس کا ٹیلیفون کیا دلمیں لگایا ہے
کہ ہم کو ہچکیاں آتی ہیں جب وہ یاد کرتے ہیں

تمھارا مصحفِ رخ یاد کرنے والے اندھے ہیں
کہ قرآں حفظ اکثر کورِ مادرزاد کرتے ہیں

ارے بھائی یہ تخئیلِ قدیم ایسا تماشا ہے
کبھی شاگرد کرتے ہیں کبھی اُستاد کرتے ہیں

حسینو کیا تمھارے باپ کے ہیں ہم غلام آخر
جو کہتے ہو ظریف اب ہم تمھیں آزاد کرتے ہیں

غزل نمبر ۵۱ ردیف ن تعداد ابیات ۱۳

بحر ہزج مثمن سالم
ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

صلۂ آئینہ رو بھی صورتِ حجام لیتے ہیں
سر اُلٹے اُسترے سے مونڈ کر انعام لیتے ہیں

دُمِ ناقہ میاں مجنوں اُچک کر تھام لیتے ہیں
شترِ غمزوں کا چڈّا اپنے سر الزام لیتے ہیں

تمھیں وہ عارضہ ہو لوگ جس کو درد کہتے ہیں
تمھارا نام لیتے ہیں کلیجہ تھام لیتے ہیں

تری دکھتی ہوئی آنکھوں کا دھیان آتا ہے ساقی
مئے گلرنگ کا جب ہاتھ میں ہم جام لیتے ہیں

قفس میں بند کر دیتا ہے کیوں صیاد جھنجھلا کر
اسیر دام اپنے جھوجھو کا جب نام لیتے ہیں

کمر معدوم ہے چلنے میں بل کھاتی ہے پھر کیا شے
نزاکت سے نہیں کیا چیز آخر تھام لیتے ہیں

دل عاشق نہیں ملتا تو اب معشوق بیچارے
کبھی امرود یا منڈی میں جا کر آم لیتے ہیں

نہیں معلوم جی کس نے چرایا کون مجرم ہے
میں اُن کا نام لیتا ہوں وہ میرا نام لیتے ہیں

گرانی کے سبب معشوق اتنے ہو گئے مفلس
پُرانے دل جو بیکالن کرے نیلام لیتے ہیں

تماشا رقص کا کیوں دیکھنے جاتے ہو مقتل میں
جو بسمل سٹّیوں کی طرح دامن تھام لیتے ہیں

ادھر تو دیکھئے قربان دزدیدہ نگاہوں کے
جہاں چوری ہوئی سب آپ ہی کا نام لیتے ہیں

ہر اک عاشق کو مر جاتے ہی دیکھا ناتواں ہو کر
نہیں معلوم کیا معشوق اُن سے کام لیتے ہیں

ظریف ایسے شریفِ کعبہ ہیں فیشن کے دلدادہ
کہ اب ڈِی وَن برائے جامۂ احرام لیتے ہیں

غزل نمبر ۵۲ ردیف ن تعداد ابیات ۱۷

بحر رجز مثمن مطوی مخبون
ارکان مفتعلن مفاعلن مفتعلن مفاعلن

آہ ستارے ٹانک کر حسن کی پیشواز میں
ناچ دکھاوے عشق کو بارگہ نیاز میں

اینٹھ بر غضب کی ہے کلکِ سخن طراز میں
جب سے ہوا ہے مبتلا عارضۂ کراز میں

اتنی لگائیں ٹکریں پیشِ خدا نماز میں
برق سی اک چمک گئی آج سرِ نیاز میں

بیٹھے تھے اُس مقام پر جس میں ہوا نہ جا سکے
میرا خیال گھس گیا اُن کے حریم ناز میں

اُن کو جو عاشقوں کے گھر جانے میں عذر لنگ ہے
پیر مُڑک گیا نہ ہو مشقِ خرام ناز میں

ہوہی گیا وضو شکستہ زہد کی بزدلی تو دیکھ
جب کہ خیالِ رُعبِ حسن کود پڑا نماز میں

اُسکی کرشمہ سازیاں دیکھیے اور رو دیئے
غم کے اثر کو تہ بہ تہ بند کیا پیاز میں

گونگے ہوئے ہیں جمع دو ہوتی ہے چُپکے چُپکے بحث
زخمِ دہن دریدہ اور تیغِ زباں دراز ہیں

قلزمِ رنگ و بو کو چھوڑ چاہِ ذقن میں پھاند پڑ
شوقِ فنائیت میں ڈوب بیٹھ نہ تو جہاز میں

عشقِ دلِ لہولہان حسن کی آنکھ صید گیر
جیسے کوئی بٹیر ہو چنگلِ شاہ باز میں

طرح یہ ہے کہ معجزہ پھیریگا جب قلم چھری
بکری کی طرح دیکھنا بول اُٹھیگی قاز میں

چار ہی ٹانگیں اونٹ کی اور وہ پھنسی ہیں دو جگہ
اکطرف عراق میں ایک طرف حجاز میں

پردۂ رنگ و بو میں آج غنچہ کا دل ہے باغ باغ
موجِ نسیمِ صبح ہے محوِ کشودِ راز میں

آدمی کیوں کہوں اُنھیں وہ ہیں چرند یا پرند
دانہ جو دیکھ کر پھنسیں دامِ گہ مجاز میں

دل ہو جو اُنکے ہاتھ میں اور وہ دل ہو نالہ کش
تو یہی سمجھئے دل نہیں پنجۂ نے نواز ہیں

بوسے بہا جنوں کو تو اُدبتِ سیمتن نہ دے
ورنہ وہ درج ہونگے سب اصل نہیں بیاز میں

دی تپِ شعلہ زا نے آگ ہولی میں جا کے جب ظریف
عشق نے دھول جھونک دی دیدۂ امتیاز میں

غزل نمبر ۵۳ — ردیف ن — تعداد ابیات ۱۲

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف
ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

اچھی خاصی یار کی بیمار آنکھیں ہوگئیں
شاعروں کے جھوٹ کی طومار آنکھیں ہوگئیں

حسن کی دوکاں کھلی منہیار آنکھیں ہوگئیں
حلقے پڑ جانے سے چوڑیدار آنکھیں ہوگئیں

آپ کی فرقت میں رونے سے ہوئی موٹی نگاہ
ہمتو دُبلے ہوگئے تیار آنکھیں ہوگئیں

شیخ جی کا عہدِ پیری دوسرے ماہِ صیام
جھریاں پڑنے سے لچھے دار آنکھیں ہوگئیں

آم کی پھانکوں سے جب دینے لگے تشبیہ لوگ
حُسن کا پایا ثمر دلدار آنکھیں ہوگئیں

دیکھ کر رندوں کو آنکھوں میں اُتر آتا ہے خون
شیخ جی کی بے پیے گلنار آنکھیں ہوگئیں

آپ آئے نزع میں اللہ رے تمکینِ حُسن
پُتلیاں پتھرا گئیں کہسار آنکھیں ہوگئیں

دیکھتے کچھ بھی نہیں سُننے پہ ہے دارومدار
آپ کے تو کان اے سرکار آنکھیں ہوگئیں

دعوئی انسانیت اور سُرمۂ دنبالہ دار
دیکھئے تو آپ کی دُم دار آنکھیں ہوگئیں

آپ کے دُزدِ حنا کا یہ لگاتی ہیں سُراغ
دیکھنے والوں کی تھانے دار آنکھیں ہوگئیں

ہجر کے شکووں کا دفتر سُن کے کرلیتا ہے بند
اُس بُتِ بے پیر کی اتوار آنکھیں ہوگئیں

اسکو اُلفت نے کیا اندھا جوانی نے اُسے
عاشق و معشوق کی بیکار آنکھیں ہوگئیں

دیکھئے عینک لگانے کا نتیجہ اے ظریف
لوگ کہتے ہیں کمانی دار آنکھیں ہوگئیں

تعداد ابیات ۱۱

غزل نمبر ۵۴ ردیف ن

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف

ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

قبر کی محمل میں بی لیلیٰ جو پنہاں ہوگئیں
آرزوئیں قیس کی غولِ بیاباں ہوگئیں

باعثِ آبادیٔ گورِ غریباں ہوگئیں
بستیوں میں جب پلیگ آیا تو ویراں ہوگئیں

آہ کی ضربیں مری راحت کا ساماں ہوگئیں
مشکلیں اِتنی پڑیں آخر کہ آساں ہوگئیں

شُہدپن کرنے لگیں دُنیائے حُسن و عشق میں
حسرتوں کو مل گیا موقع توسیاں ہوگئیں

عشق کا جادو بنادیتا ہے نادانوں کو تر
دل میں جتنی آرزوئیں تھیں سب اریاں ہوگئیں

جوشِ وحشت میں بہت تنبیہ کرتی ہیں اُسے
ابتو لیلیٰ کی ادائیں قیس کی ماں ہوگئیں

اب وہ ہرگز کھا نہیں سکتا زمانے کی ہوا
ہچکیاں حلقِ مریضِ غم کی درباں ہوگئیں

اسقدر پھیلی پریشانی کہ دامن بن گئی
سختیوں نے یوں گلا گھونٹا گریباں ہوگئیں

قحط کا سارا اثر معشوق ہی کے سر گیا
کال کی ماری ہوئی زلفیں پریشاں ہوگئیں

اِسقدر پھیلا دہن تیرا کہ گھونگھا بن گیا | اسقدر سمٹیں تری آنکھیں کہ ٹیاں ہو گئیں

یاد آتا ہے کہ اُن زلفوں میں اُلجھے تھے ظریف
اب جو تارِ عنکبوتِ طاقِ نسیاں ہو گئیں

غزل نمبر ۵۵ ردیف ن تعداد ابیات ۲۵

بحر ہزج مثمن سالم ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

شرارے آہ سے اُڑتے ہیں جب آنسو نکلتے ہیں | اِدہر برسات ہوتی ہے اُدھر جگنو نکلتے ہیں
بہت آنسو نکلتے ہیں نہ کم آنسو نکلتے ہیں | یہاں حاضر ہیں بھی غائب ہی کے پہلو نکلتے ہیں
کبھی گاندھی نکلتے ہیں کبھی نہرو نکلتے ہیں | مسلمانو! فدائے قوم اب ہندو نکلتے ہیں
اسیرانِ قفس نے تیلیوں میں کھڑکیاں کرلیں | ارے صیّاد کیا روکے گا ان کو تو نکلتے ہیں
اگر معشوق کے نقشِ قدم پر چل نہیں سکتے | تو عاشق بن کے پھر کیوں اُنکے پچھلگو نکلتے ہیں
بھروسہ دست و بازو پر جنھیں اپنے نہیں ہوتا | نبی جی بھیجو کہتے وہ میاں مٹھو نکلتے ہیں
اذاں سُنکر کریں مسجد کا رُخ یہ ہو نہیں سکتا | گھروں سے اپنے سُنکر ریل کا بھونپو نکلتے ہیں
اِسے سمجھو نہ عذرِ لنگ یہ بھی ایک صنعت ہے | وہ فرشِ خاک پر کرتے ہوئے اُتو نکلتے ہیں
بجاؤ تالیاں ہم سے نئی تہذیب کہتی ہے | جہاں اسٹیج دینے رات کو اُلّو نکلتے ہیں
شبِ فرقت رفاقت کو کسی کے خفتہ بختوں کی | کبھی کھٹمل نکلتے ہیں کبھی پسّو نکلتے ہیں
حسینو دورِ آزادی میں تم نے رکھ لئے پٹے | ارے بھاگو اسیرِ حلقۂ گیسو نکلتے ہیں
زمینِ لکھنؤ تو آسماں ہے وہ ستارے ہیں | تری سڑکوں پہ جو مہتر لئے جھاڑو نکلتے ہیں

بڑی مشکل سے مطلب قافیے کا ذہن میں آیا
وہ شرماتے ہیں جو کرتے ہوئے سُو سُو نکلتے ہیں

اشعار بصنعت اردوئے لطیف

انا الحق کی صدا تھی اک نشیدِ سازِ منصوری — مرے ذرّات دِل سے نغمۂ یا ہو نکلتے ہیں
نہایت تنگدل ہے دائرہ ذرّات ہستی کا — شعاعی مرکزِ جذبات کے پہلو نکلتے ہیں
بُرا ہو میرے اعمالوں کا اے بر جبینِ ناکامی — نشاطِ زہرہ بنکر آنکھ سے آنسو نکلتے ہیں
صحیفے میں سوادِ دہر کے معدوم ہے عشرت — بیاضِ چشم کے اجزا ہیں جو آنسو نکلتے ہیں
نظامِ ذوقِ یکجائی سے وابستہ ہے دِل میرا — برنگِ چہرۂ تصویرِ غم پہلو نکلتے ہیں
غریقِ بحرِ نورانی مری روحِ مُدّلل ہے — فضائے قُلزمِ ناسوت میں ٹاپو نکلتے ہیں
مرے آئینہ ادراک کا مرکز ہے نورانی — ضیائے خانۂ ہستی میں بھی جگنو نکلتے ہیں
مری تخئیل کی حیرت سر و سامانِ آزادی — بخارِ دُودِ ہستی سُوزِ عنبر بُو نکلتے ہیں
تفسیر خوابِ ہستی طرفہ عبرت خیز منظر ہے — بظاہر اختلافِ باطنی ہر سُو نکلتے ہیں
مجھے اب سعیِ کارِ زندگانی کی کہاں ہمت — مُعلّم درسِ عبرت کے بہت خوشخو نکلتے ہیں
میں ہوں نظارۂ ویرانۂ دل کا تماشائی — بہت اوصاف جسمیں چشمِ عبرت جو نکلتے ہیں

ظریف ایسی زمیں جب ہو غزل کیونکر بھلے پھولے
بجائے بامزہ اشعار کے کدّو نکلتے ہیں

غزل نمبر ٥٦ — ردیف ن — تعداد ابیات ٥

بحر رجز مثمن مطوی مخبون — ارکان۔ مفتعلن مفاعلن مفتعلن مفاعلن

اور اضافہ ہو گیا قیس کے خلفشار میں — نجد میں جب اُلجھ گئی ناقے کی دُم مہار میں
اتنا تحمل اب نہیں عاشقِ بُرد بار میں — جیساکہ اک قُلی میں ہو یا ہو کسی کہار میں
ڈر نہ یہاں رقیب کا اور نہ غیر کا گزر — چپکے سے آکے لیٹ جاؤ پاس مرے مزار میں

کونسلوں نے دونوں کو آنرایبل بنادیا — تھی جو صفت شریف کی اب ہے وہی چار میں
یہ تو بڑا غضب ہوا آتے ہی ڈھول جھونکدی — آپکی چال ڈھال نے دیدۂ انتظار میں
منزلِ قبر کی طرف عمر کا کارواں رواں — موت کی دُم بندھی ہوئی زیست تری مہار میں
ہجوِ ملیح و بُز دلی دونوں کا ہو مظاہرہ — آپ کہیں کہ واہ واہ میں کہوں بار بار میں

وحشتِ عشق سے ظریفؔ کچھ بھی رہا نہ امتیاز
قیسِ رواں دواں میں اور اُشتر بے مہار میں

غزل نمبر ۵۷ — ردیف ن — تعداد ابیات ۵

بحر کامل مُثمّن سالم — ارکان متفاعلن متفاعلن متفاعلن متفاعلن

وہ جہاں میں وصفؔ ہوں غمزدہ کہ خوشی کا دِل میں گزر نہیں
مجھے سمجھو شمعِ تُنک ضیا سرِ شام ہوں تو سحر نہیں
کرے موت ریشہ دوانیاں مرے دِل کو اِس کی خبر نہیں
مری روح ہے وہ نہالِ غم کہیں جس میں برگ و ثمر نہیں
وہ دہن بھی تنگ ہے اسقدر کہ ہوا کا جس میں گزر نہیں
ہے ردیف بعد کمر نہیں نہ کہو کہ وصف کمر نہیں
یہ سُنا ہے گریۂ وصف پر ہوا خندہ زن بُتِ فتنہ گر
کہ بیاضِ چشم بہا چکا مگر اُس کو ضعفِ بصر نہیں
کہو تم یہ ظریفؔ وصف سے وہ حسین کب ہیں حسین ہی
سرِ دوش کُل ہے دہن نہیں نہ ناف سب ہے کمر نہیں

ع۵ نواب وصی علی خاں وصفؔ مرحوم کو میرزا محمد ہادی عزیزؔ کی طرح پہلے نواب بنتے صاحب شاق

مرحوم سے تلمذ تھا پھر دونوں صاحب مجھ سے اصلاح لینے لگے۔ معنی بند اشعار کہنے کا وصف مرحوم کو بھی بہت شوق تھا۔ فارسی ترکیبوں اور شوکتِ الفاظ کے دلدادہ تھے۔ ظریف مرحوم کے ان شعروں میں روئے سخن انھیں کی طرف ہے۔ صفی عفی عنہٗ

نوٹ ۔ جناب واٰمق کو جو بہت کمسن صاحبزادے تھے اُن کے چچا نواب مجّن صاحب جو یاؔ مرحوم لیکر ایک روز میرے پاس آئے اور فرمایا کہ ان صاحبزادے نے ایک مشاعرہ کیا ہے لہذا آپ سے شرکت کا وعدہ لینے آئے ہیں میں نے وعدہ کرلیا اُنھوں نے ایک مطبوعہ رقعہ دیا اُسے میں نے فرش پر بغیر پڑھے رکھدیا اثنائے گفتگو میں اُنھوں نے اِس رقعہ کی جانب مجھے متوجہ کیا اُسوقت اُسے اُٹھاکر میں نے پڑھا واقعی عجیب وغریب انشاء پردازی تھی نگارندۂ رقعہ کے دماغ کی اصلاح مقصود تھی اسلئے رقعہ ظریف مرحوم کو دیکر یہ نسخہ تجویز ہوا مشاعرے کے دن ایک بہنگی میں میرے کتب خانہ کے کل کتبِ لغات لاد کے اپنے ملازم ولی محمد کو (جو عجیب الہیئت سا آدمی بہار کیطرف کا رہنے والا تھا) ظریف مرحوم نے دیے اور اسکے سر پر ایک بڑی چاندنی لیکر ایک بڑا سا پگڑ باندھکر کہا کہ یہ بہنگی لیکر ہمارے ساتھ چلو اور مشاعرے کے باہر بیٹھے رہنا جب ہم زور سے پکاریں تو اِسی ہیئت کذائی کے ساتھ ہمارے پاس چلے آنا چنانچہ ایسا ہی ہوا جب سنجیدہ غزلیں میری غزل پر ختم ہوئیں اور ظریف مرحوم کی باری آئی تو اُنھوں نے بآوازِ بلند پکارا ”ابوالقوامیس“ اور ملازم بہنگی لئے پہونچ گیا محفل میں اُسوقت ایک قہقہہ پڑا اور غزل کے ہر شعر پر تو ہر شخص کا ہنسی کے مارے بُرا حال تھا۔ صفی عفی عنہٗ

نقل منتہائے تقریض

سنہ ۱۹۰۴

دولتکدۂ عالیجناب گردوں قباب نواب باقر علیخاں بہادر اُدام اللہ اقبالہ و اجلالہ

در مسلک و غیر سلک تاریخ ببیں
معیار قرائح است ایں بزم جفنج

ذوقِ سلیم را بدو فطرت لبیائے سخن موسوم ساخت چہ آساہں قالبِ مسجود فرشتگان بتربیع اجسامِ موّلفہ و رباعیات متوالیہ متحاذیہ انتقاد و بیت طاجبین بمناظر قرعہ اندازان حُسن از مقلِ ظبار دجیرہ گوئے سباق در ربودہ لاجرم اُنچہ مُخمرِ ازل را ابجد اجتبار رسید در سلاسلِ رگہا دعروقِ مخلوق ہیچو کمیّت در تجاویفِ اجسام مخمورہ دوید ودواعی ہوا جس کہ تہی از مساوی ساوس ست حلیفان زوایائے شوق را بر موائد فوائد عوائد صلا میزند کہ حینیکہ جزء اثنا عشری سنین عربی را بہ ۲۴ شہر اگست سنہ ۱۹۰۴ء مسیحی انطباق افتد و ساعتِ لیلیہ بدارج نہ رسد محاریب بیوت را برائے حواجب شاہدانِ ابیات ترک گفتہ قصرِ تمنائے نکاہت شعریہ را لطول باع عرض سخن بنوازند۔ والسلام

(صوری و معنوی) شائقاں چوں پئے تاریخ خیالش آمد۔ یک ہزار و سہ صد و لست و دو سالش آمد

سنہ ۱۳۲۲ھ

مضمار سخن

قید سخن	دعا عبث ہے اثر جب مری زباں میں نہیں	تا لی قید
زبان	صلا زن	میں نہیں

خاور جاہ امتیاز قدر مرزا محمد حیدر علی المتخلص بہ واثق

غزل نمبر ۵۸ | ردیف ن | تعداد ابیات ۳۵

قطعہ تمہیدی

بحر مجتث مثمن مخبون مقصور یا محذوف
ارکان مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

اس اعتراف سے ہیں معرضِ زباں میں نہیں — کہ مجھ سا شاعرِ کم علم اس جہاں میں نہیں
دیا جو حضرتِ داغؔ نے متند لے قریض — میں کچھ نہ سمجھا ملائی بہت سی ہاں میں نہیں
چلا نہ زور کہا تب کروں الٰہی کیا — ذرا بھی لوچ لچک اس کڑی کماں میں نہیں
میں اسکے مغزِ سخن تک کہاں پہونچ سکتا — وہ اُن لغات میں سختی جو استخواں میں نہیں
یہ فکر تھی کہ کروں اسکا ترجمہ کس طرح — صُراح بھی نہیں قاموس بھی مکاں میں نہیں
مدد بہارِ عجم سے جو لوں تو کیونکر لوں — کہ یہ لغاتِ عرب فارسی زباں میں نہیں
وہ رقعہ جستجو دکھایا دیا جواب اُس نے — جنابِ بندہ میں داخل کے خانداں میں نہیں
صلا زن اسکے جو ہوں اُنسے جاکے پڑھ لیجے — ہے لکھنؤ میں وطن میرا نہرواں میں نہیں
تمام رقعے میں ہم تو اسی قدر سمجھے — مصرع طرح "دُعا عبث ہے اثر جب مری زباں میں نہیں"
کہا یہ میں نے غلط ہے جناب من یہ خیال — اگست کیا انہیں سطروں کے درمیاں میں نہیں
کہا اُنھوں نے کہ یہ نام ہے مہینے کا — شمار اس کا ستو رقعے کی زباں میں نہیں
کرو نہ فکر معانی سمجھنے کی اس کے — لیاقت اتنی کسی خسرو اور کلاں میں نہیں
کہاں سے لاؤ گے ایامِ زندگانیِ خضر — تمہارا حصۂ میاں عمرِ جاوداں میں نہیں
بتائے دیتے ہیں اک سہل سی تمھیں تدبیر — جو وہم میں بھی تمہارے نہیں گماں میں نہیں
کرو تمام یہ الفاظِ بے معانی یاد — نہ سمجھو نفع کچھ اس سعیِ رائگاں میں نہیں

اِنھیں کو نظم کے قالب میں ڈھال کے پڑھ دو — وہ ضو دکھائیں گے جو شمع کی زباں میں نہیں
کہی یہ سُن کے اسی طرح پر غزل میں نے — پڑھوں وہ مجمعِ احبابِ نکتہ داں میں نہیں

مطلع

[1] لِمااللہ عاءٔ اثر جب مری زباں میں نہیں — [2] کہ طولِ باع بعرضِ سخن بیاں میں نہیں

[3] — [4]

یہ واقعات کہیں ابن خلکاں میں نہیں — محاوراتِ چنیں خواں لنکراں میں نہیں

[5] [6] [7] [8] [9] — [10] [11] [12]

جلاخ جففخ بہ جلواخ نتدلائے قریض — قرجیہ بزمِ جففخ صلا زنا ں میں نہیں

[13] [14] — [15] [16]

رباعیاتِ چہار آخشیج میں ہے یہ فسردہ — نکاہتِ بشریّہ فرشتگاں میں نہیں

[17] [18] [19]

عروق میں ہیں تجاذلیف جسقدر لایے جبر — ہے خود مشاہد شاہد کہ ریسماں میں نہیں

[20] [21] [22] — [23] [24]

جو مُصرعاتِ محاریبِ حاجبین میں ہے — بہ اِعوجاجِ بجینِ کششِ کماں میں نہیں

[25] [26] [27] [28] — [29] [30] [31]

نحول کا متلطخ ہو دُہن سے یا نوخ — تو بیم تُطع کا بَلع تثقیف و ناں میں نہیں

[32] [33] — [34]

تفاخ صورتِ تُرمود کیوں اچھلتی ہے — تمطط اتنا مناسب اسے حصاں میں نہیں

کِلاب[36] حین[37] تبصبص[38] کرینگے اتلقا — اَقول[40] حینئذٍ[41] غطھُم[42] وہاں میں نہیں

رَائیت[43] اِمراۃً[44] کیف[45] بغتۃً[46] فی السوّق[47] — تشعَرُھا[48] عبقات[49] ایسے ضیمراں[50] میں نہیں

عمائد[51] آئین فوائد[52] کے یاں موائد[53] ہیں — وہ ایک جز میں زوائد[54] جو کل جہاں میں نہیں

غزل ظریف حلیف[55] اپنے رنگ میں پڑہیئے — لغت کے صرف سے خوبی کوئی بیاں میں نہیں

سلام کیجئے اِس اُردوِ مُعتبر کو — خدانخواستہ موج آپ کی زباں میں نہیں

مطلع

جو حسن اُنمیں پری کیا پری کی ماں میں نہیں — وہ عشق ہم میں وہ جن کیا فرشتے خاں میں نہیں

زمین نام ہے مٹی کے ٹھوس گولے کا — ہوا بھری ہوئی ہو کچھ بھی آسماں میں نہیں

وہ شوخ پوچھ رہا تھا کل اپنے بنیئے سے — یہ کیا کہ جنس معانی تری دُکاں میں نہیں

کماں گردوں نے جو دیکھا کسی کے ابرو کو — کہا کماں وہ کیا تانت جس کماں میں نہیں

غلط ہے یار کو عیسیٰ سے دیں اگر تشبیہہ — صفات حضرت مریم جب اُسکی ماں میں نہیں

حلِ لغات

۱ دعا ہائے چہ ۲ مقدار دراز کردن ہر دو دست ۳ نام کتاب ۴ نام کتاب
۵ سیل ۶ تکبر و ناز ۷ وادی فراخ پُر آب ۸ اعلان ۹ شعر ۱۰ طبیعت انسانی
۱۱ نازاں ۱۲ آوازہ دہندگان ۱۳ جمع رباعی ۱۴ عناصر اربعہ ۱۵ خوش طبعی ۱۶ انسانی
۱۷ رگہائے بدن ۱۸ جونہا ۱۹ دانشمند ۲۰ جمع مصرع ۲۱ جمع محراب ۲۲ ہر دو ابرو ۲۳ کجی ۲۴ بوقت
۲۵ ذکور ۲۶ آلودہ ۲۷ روغن ۲۸ زمۂ سر یعنی تالو ۲۹ زکام ۳۰ فرو بردن در گلو یعنی نگلنا ۳۱ سرکہ
تند و تیز ۳۲ زنِ خوبرو ۳۳ بچۂ بزِ کوہی ۳۴ وا داشتن خود را یعنی کھینچنا ۳۵ بزرگ بودن یک
پستان از پستانِ دیگر ۳۶ جمع کلب ۳۷ بوقت ۳۸ دم جنبانیدن سگ ۳۹ بر پشت غلطیدن ۴۰ میگویا
۴۱ ہرگاہ ۴۲ استخواں در دہانِ شاں ۴۳ دیدم ۴۴ زنے را ۴۵ چہ طور ۴۶ ناگہاں ۴۷ دربارۂ
۴۸ پس سوہائے او ۴۹ خوشبوہا ۵۰ ریحانِ دشتی ۵۱ جمع عمید یعنی پیشوائے قوم ۵۲ جمع فائدہ
۵۳ جمع مائدہ ۵۴ جمع زائد ۵۵ تیز زباں۔ صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۵۹ ردیف و تعدادِ ابیات ۱۵

بحر ہزج مُثمن سالم
ارکان۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

جو ہے شوقِ تماشا یہ چھچھوندر دیکھتے جاؤ
شرر بارئ آہِ قلبِ مضطر دیکھتے جاؤ

زمانہ ہو رہا ہے نیچے اوپر دیکھتے جاؤ
ہنڈولا گھومتا ہے دل کا کیونکر دیکھتے جاؤ

عجائب گھر ہے باغِ حُسن بھی اک قسم کا گویا
کہ دو ڈانگو کا ہے جسمیں صنوبر دیکھتے جاؤ

پڑے ہیں چین سے مرقد میں عاشق پاؤں پھیلائے
انھیں دیکھوگے تم کیا خاک پتھر دیکھتے جاؤ

صراحی دار گردن کا تمھاری مدح خواں جو ہو
بناتا ہے تمھیں در پردہ کُگّر دیکھتے جاؤ

تمہارا گول عاشق ہے نہیں فٹ بال سے کچھ کم
ذرا چلنے میں جب ٹکرا کر اس کو ٹھوکر دیکھتے جاؤ

زمین و آسماں کے نیلے بھُوریکا یہ پٹھا ہے
ذرا شام و سحر کا چپ کبوتر دیکھتے جاؤ

کیا ہے قتل جس کو تم نے بھتنا بن کے کہتا ہے
کہ مجھ کو سر کٹے ناٹے کے اندر دیکھتے جاؤ

وہی جس نے کہ تم پر جان دی اُسکی نشانی ہے
لگی ہے جسپہ لوحِ سنگِ مرمر دیکھتے جاؤ

مرے جاتے ہیں جو بیکار تم اُن سب کو گننے دو
فقط رفتار میں جوتے کی چرمر دیکھتے جاؤ

تمہارا ناتواں عاشق ہلاتا ہے باسانی
اداؤ ناز کے ہر روز مگدر دیکھتے جاؤ

دلِ عاشق غمِ دنیا کا کتنا بوجھ لادے ہے
اِدھر آؤ اُدھر آؤ یہ خچر دیکھتے جاؤ

سودیشی جنس کے خواہاں جو عاشق ہوں نہانہیں
کہو اُن سے ہمارے لب کی شکر دیکھتے جاؤ

کسی کے چونچلوں پر عاشقِ بزدل یہ کہتا ہے
یہ بکری دیکھتے جاؤ وہ بندر دیکھتے جاؤ

سوا نیزے پہ شاید آفتابِ حسن آئے گا
ظریف اب جمع ہیں سب اہلِ محشر دیکھتے جاؤ

نوٹ ۔ ١ کسگر مخفف کاسہ گر مسلمان کمہار کہلاتے ہیں ٢ اس طرح میں محشر صاحب لکھنوی کے مکان پر مشاعرہ ہوا تھا۔ صفی عفی عنہٗ

غزل نمبر ٦ — ردیف و — تعداد ابیات ٢٣

قطعۂ تمہیدی

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان ۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

کروں کیوں اختیار اُسکو جب ایسا شعر کا فن ہو
کہ محسودِ جہاں ہوں اک زمانہ اپنا دشمن ہو

بھلا اُس راہِ ناہموار میں چلنے سے کیا حاصل
دمِ لغزش جہاں پر خندۂ یارانِ ہم فن ہو

بمثالِ شمع گر سر کا پسینا پاؤں تک پہنچے
یقیں ہے جب بھی محفل میں نہ اپنا نام روشن ہو

ہوائے شوق اگر مجھ کو یوں ہیں مجبور کرتی ہے
وہاں چلکر کروں گلگشت جو بے خار گلشن ہو

پنہاؤں فکر کو اس حسن سے جامہ ظرافت کا
کشادہ ہر طرف تہذیب کا جیبیں کہ دامن ہو

گرہ ہو گتھیاں ہوں پیچ و خم سے جسکے الجھن ہو
یہی مضمون جو بٹنا ہے تو زلفیں کیوں ہوں بھرسن ہو

تمنا ہے کسی کی تیغ ہو اور اپنی گردن ہو
پھر اُس کے بعد یارب سر کٹے نالے میں مدفن ہو

ہجومِ عام ہو اور مجتمع گوروں کی پلٹن ہو
سمجھ لو لاٹ آئے ہیں جو اسٹیشن پہ دن دن ہو

کہو معشوق کو غنچہ دہن جب اُسکے ٹھو ٹھن ہو
لکھو تم شوخ کج رفتار جب ٹیڑھی کا ٹانگن ہو

کہیں قاتل کو ہم محبوب اگر ہے عینِ نادانی
حذر لازم ہے ایسے شخص سے جو اپنا دشمن ہو

لبِ شیریں اگر معشوق کا قندِ مکرر ہے
جبھی جانیں کہ بھٹیں مکھیاں اور اُس پہ بھن بھن ہو

نہ تربت کی جگہ کوچے میں پائی تو شکایت کیا
گلی اُنکی کوئی تکیہ ہے جس میں اپنا مدفن ہو

یہ سب لکڑی کے تختے خاک میں ملجائیں جل بھنکر
غضب ہو جائے گر سچ مچ لحد میں داغ روشن ہو

جو دیکھیں سر آگیا بیتال آنکھیں بند ابھی کر لیں
مگر خواہش یہ ہے پیش نظر وادیِ ایمن ہو

یہی وحشت اگر دست جنوں کی ہو تو اے بھائی
دوپٹا اوڑھ لو جس میں گریباں ہو نہ دامن ہو

نگاہِ شوق کیا ٹھہری وہ گویا بلیچہ ٹھہری
مکانِ یار کی دیوار میں جس سے کہ روزن ہو

اگر تم جنگجو ہو سیکڑوں کو قتل کرتے ہو
تو پھر یہ جھوٹ ہے نازک بدن کیوں ہو تہمتن ہو

نہ بجھتا ہے یہ پھونکے سے نہ جلتا ہے یہ ڈیوٹ پر
چراغ اُن کا کہو کس طرح سے پھر رُوئے روشن ہو

دہن گلھیا سا ہو چہرہ طباق اور پیٹ مٹکی سا
قباحت پھر نہیں کچھ گر صراحی دار گردن ہو

مچائے شور و غل آہِ شرر افشاں کرے ہر دم
یہی اوصاف لازم ہیں تو عاشق کیوں ہوا انجن ہو

ہمارا جھونجھ پھلواری میں ہو کوئی نہیں کہتا
یہی کہتے ہیں یارب باغ میں اپنا نشیمن ہو

حسینِ شوخ وہ صحرائے محشر جس کا دامن ہو
ازل سے تا ابد لمبی یقیں ہے ٹانگ بھی ہوگی

ظریف انصاف سے کہہ دو وہ عاشق ہے کہ چوہا ہے
زمینِ قصرِ جاناں میں جو یہ چاہے کہ مسکن ہو

نوٹ - اس طرح میں ایک مشاعرہ ۱۸۸۹ء مطابق ۱۳۰۷ھ لکھنؤ میں ہوا تھا۔ اُسمیں ظریف مرحوم مزاحیہ غزل کہکر میرے ساتھ گئے تھے چونکہ پہلی مرتبہ ایک عظیم الشان مشاعرہ میں غزل پڑھنا تھی اس لئے بذریعہ قطعہ تمہیدی اسکا اظہار ضروری تھا کہ ظرافت کا رنگ کیوں اختیار کیا گیا ہے۔ سر کٹا نالہ لکھنؤ میں چوک کے قریب وہ مقام ہے جہاں عہدِ شاہی میں مجرمین کی گردن زدنی ہوتی تھی۔ اب وہاں ایک محلہ اسی نام سے مشہور ہے۔ (صفی عفی عنہ)

غزل نمبر ۱۶ — ردیف و — تعداد ابیات ۱۱

بحرِ رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف
ارکان - فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

دہنِ یار فقرہ ہے اگر ہونے دو
ٹینٹ سے اُن کے اگر گم ہے کمر ہونے دو

تاک مادہ کی ابھی کون ہے نر ہونے دو
دخترِ رز کی جو خواہش ہے پسر ہونے دو

نہ اِدھر ہونے دو مجھ کو نہ اُدھر ہونے دو
آجکی رات اسی طرح بسر ہونے دو

آپ ہی دیکھ کے سب اُس کو کہیں گے بھینگا
اگر اس شوخ کی ترچھی ہے نظر ہونے دو

عاشقو دِل ہے مداری کا یہ لٹو تو نہیں
رسنِ زلف میں زیر اور زبر ہونے دو

جب نہ دو کوڑی کو پوچھے کوئی تو کیا حاصل
دانۂ اشک جو ہے مثلِ گہر ہونے دو

چشمِ دلدار کو پھر ساغرِ مے کہدینا
حلقہ پڑ جانے دو اور اُسمیں کگر ہونے دو

حرکتیں تو ہیں سنیچر کی مگر ظاہر ہیں
ہیں وہ مشہور اگر رشکِ قمر ہونے دو

خود قبولیں گے کہ ہاں ہم نے چرایا ہے دل
کوتوالی میں ذرا اس کی خبر ہونے دو

اس کو دلدار تو کیا کچھ نہ دکھائی دے گا — غیر کو عارضۂ ضعفِ بصر ہوتے دو
کج ادائی کا اُسی حال میں دعویٰ کرنا — جسم کو اینٹھنے دو قد میں بَرَر ہونے دو
لوگ سمجھیں گے یہاں سیند لگی تھی شب کو — خانۂ یار کی دیوار میں دَر ہونے دو
ایک عالم کے قضیے سے ہمیں کیا مطلب — تھا جنوں قیس کو لیلےٰ کا اگر ہونے دو
جا کے بیٹھے جو رقیبوں میں کیا بیچ بچاؤ — ایک آغا نے کہا ہنس کے بکر[۱] ہونے دو
نقدِ دل لے کے یہ کہنا کہ ملی ہے تمھیں چنگہ — اپنے عشاق کے تم دردِ کمر ہونے دو
طفلِ اشک اُنکا جو دیکھو تو کرو دوڑ کے پیار — نام مشہور زمانے میں پدَر ہونے دو
بال سر کے جو منڈاتے ہیں منڈانے دو انھیں — رات کٹنے دو کہیں وقتِ سحر ہونے دو
تم اگر ناز سے چلتے ہو چلو جوں کی طرح — خوں نزاکت کا صنم غیر کے سر ہونے دو
اُڑ کے جا کوچۂ جاناں میں کہا جب میں نے — نامہ بر بیٹھ رہا گھر میں کہ پَر ہونے دو
تو سہی غیر قلابازیاں کھاتا نہ پھر — بیچ میں ٹانگوں کے تم ضعف سے سَر ہونے دو

ہم جگا دینگے اُنھیں آنکھ لگے گی جو ظریفؔ
کھٹ کھٹائیں گے ذرا بند تو دَر ہونے دو

نوٹ۔ ۱ افغانی و ایرانی لوگ آغا کہلاتے ہیں۔ اُن کے مُنہ سے رائے ہندی یعنی ڑ کا تلفظ ادا نہیں ہوتا۔ بکڑ کو بکر کہتے ہیں۔ لہذا مزاحاً یہ قافیہ نظم کیا گیا ہے۔ بکڑ بمعنی کُشتی۔ صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۶۲ — ردیف و — تعداد ابیات ۱۲

بحر ہزج مُسدس مقصور یا محذوف — ارکان۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیل یا فعولن

جو وہ باتیں کریں مجھ کو خبر ہو — الٰہی خانۂ دل تار گھر ہو
نہ لو کروٹ جو بستر تر بتر ہو — اجی تم انتہا کے بے خبر ہو

جسے منظور کسبِ مال و زر ہو وکالت وہ کرے یا ڈاکٹر ہو

کہیں ہم نیک کو انسان کیونکر بشر وہ ہے کہ جس کے ساتھ شر ہو

حسیں وہ ہے عجائب گھر کے قابل دہن غائب ندارد جب کمر ہو

نہیں معشوق ہرگز چور ہے چور حسیں جس کی کہ دزدیدہ نظر ہو

رقیب زشت رو ہو گر تہِ تیغ مناسب ہے کہ گینڈے کی سپر ہو

درِ دلدار سے ہم کو اٹھا دیں رقیبوں کے اگر باوا کا گھر ہو

کہا جب نرگسِ آنکھیں گوش ہیں گل یہی پھر کیوں نہ کہہ دو کو رو کر ہو

نہ ہو کیوں خلقتِ آدم پہ حیرت بنے سب کا پدر جو بے پدر ہو

صفت یہ کیا مذمت ہے سراپا ق کہ جس سے آدمی بھی جانور ہو

ظریفؔ اچھا ہے[1] وہ معشوق جس کی
ہرن کی آنکھ چیتے کی کمر ہو

نوٹ۔ [1] "اچھا ہے وہ معشوق" یہ فقرہ اس مقام پر طنزیہ طور پر استعمال ہوا ہے
صفیؔ عفی عنہ

غزل نمبر ۳۱ ردیف و تعداد ابیات ۱۲

بحر مضارع مثمن اخرب سالم یا مبیّغ ارکان۔ مفعول فاع لاتن مفعول فاع لاتن یا فاعلیان

جب ہیں شریر سب وہ آخر ہیں جنکے یاں ہو اِس کلیے میں داخل تم بھی تو مہرباں ہو

اصطبل زندگی میں نر ہو کہ مادّ یاں ہو کس طرح پیٹ پالے ہر چیز جب گراں ہو

عاشق کی یہ صفت ہے دبلا ہو ناتواں ہو بالکل مرا ہوا ہو یا صرف نیم جاں ہو

جب اِک گنوار کا لٹھ لیلیٰ کا ساربان ہو مجنوں کو کیوں نہ ڈانٹے ٹھہرے رہو میاں ہو

عاشق نہ ہوتے پیدا ہرگز جو تم نہ ہوتے
فی الواقعی حسینو تم عاشقوں کی ماں ہو

شکوہ فضول جب ہے، دونوں کی ایک حالت
میں تم سے بدگماں ہوں تم مجھ سے بدگماں ہو

اُس ترک کے ہمارے ہوگا نباہ کیونکر
جب ہم کہیں چنیں ہو اور وہ کہے چناں ہو

پہونچیں گے ہم یہ کہتے کمرے میں امتحاں کے
حاضر ہیں امتحاں کو گر قصدِ امتحاں ہو

میونسپلٹی جب سے گھسنے لگی گھروں میں
دونوں ہیں پھر تو یکساں رستہ ہو یا مکاں ہو

کیا کیا طلا ہیں کیسے کیسے خضاب بجتے
مُردہ ہو زندہ جنسے بوڑھا بھی جواں ہو

ایسے دہن سے حاصل ایسی کمر سے مطلب
جو ہو فقط مُعمّا جو صرف چیستاں ہو

باتیں یہ اُلٹی سیدھی سب ہیں خوشامدانہ
چاہے چُناں چنیں ہو چاہے چنیں چناں ہو

بے چٹ لنگوٹ باندھے کرتے ہیں زیر سب کو
نازک بدن حسینو تم ایسے پہلواں ہو

عُشاق بکتے بکتے خاموش ہو گئے خود
معشوق بے دہن ہے کیونکر نہیں سے ہاں ہو

ٹھوڑی میں اُن کی کنویاں ہیں نیک نیک دیکھو
چاہِ ذقن کا مطلب بھاشا میں یوں بیاں ہو

لیلیٰ کے پاس کُتا ہے اک بڑا شکاری
مجنوں سمجھ کے جانا تم مُشتِ اُستخواں ہو

کھدر کی اک لنگوٹی باندھے ہوئے ہو مجنوں
لیلیٰ کی ہے یہ خواہش محمل پہ دھوبیاں ہو

عصرِ جدید ہم کو تعلیم دے رہا ہے
یعنی میاں ہو بی بی، بی بی ہر اک میاں ہو

موت و حیات دونوں میں یہ رہے تناسب
معشوق کا ہو دسواں عاشق کا بیسواں ہو

معشوق بھی ہے انگریز کلچر کا اک نمونہ
رُخسار پہ ہو سبز ٹھوڑی میں اک کنواں ہو

شکوہ نظر لگے کیوں ہے قسمت میں یہ لکھا تھا
عُشاق گاؤدی ہوں معشوق کائیاں ہو

غزل نمبر ۶۴ ردیف و تعداد ابیات

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

تمھیں دلدار بھی ہو اور تمھیں مشہور دلبر ہو
سمجھ میں کچھ نہیں آتا یہ کیونکر ہو وہ کیونکر ہو

اُنھیں کے مرقدوں پر نصب لوحِ سنگِ مرمر ہو
جنھیں منظور تیرے عشق میں مرنا مکرّر ہو

مُنڈا کر داڑھی مونچھیں مادہ رو ہونے پہ مُصِر ہو
مؤنث دیکھنے میں ہو حقیقت میں مُذکّر ہو

بنے مادہ جُنوں کی شعبدہ بازی سے جو نر ہو
نہائے بیڑیاں لیلیٰ تو وہ مجنوں کا زیور ہو

اُسی کے تحت میں تھی ناک اس پر کیا گزر جاتی
کسی کا ابروے خمدار خنجر ہو تو کیونکر ہو

کبھی میری طرف ہے اور کبھی ہے آپ کی جانب
مزہ پھر کیا ہے جب تھالی کا بینگن قلب مضطر ہو

وہ چاہے کل گھروں کو بیچ لے یا رہن کر ڈالے
ظریفؔ آفادہی ہے ہر محلّے کا جو مہتر ہو

غزل نمبر ۶۵ ردیف و تعداد ابیات ۱۵

بحر ہزج مُثمّن سالم
ارکان۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

یہ سُوجھی دل لگی دستِ جُنونِ فتنہ ساماں کو
میانی تک بڑھا کر لے گیا چاکِ گریباں کو

اگر پیچش ہوئی تیرے مریضِ زُلفِ پیچاں کو
تو بیچارہ فقط پھانکا کرے گا تخمِ ریحاں کو

مُبارکباد دیں سب اہلِ وحشت قیس کی ماں کو
بسائے جس کا بچہ نجد سے چٹیل بیاباں کو

جُنوں جب زور کرتا ہے گلے ملتے ہیں آپس میں
لڑاتے ہیں ترے وحشی گریباں سے گریباں کو

سُوالِ وصل پر انکار ہے اقرار ہے کیا ہے
کچھ اس انداز سے کہتے ہیں سمجھے کون جی ہاں کو

دفورِ بیخودی میں یار کو دیدے ٹپکتا ہوں
خدا غارت کرے ایسے جُنونِ فتنہ ساماں کو

اُسے محفل میں رندوں کی جو لانا ہو تو یوں لاؤ
کسی فانوس کا لہنگا پہنا دو شمعِ عُریاں کو

غضب یہ ہے کہ عادت پڑ گئی ہے ٹانگ کھانے کی
گرانی کے زمانے میں تری زُلفِ پریشاں کو

جُنوں گھس جائیگا رب وحشیوں کے خانۂ دل میں
کھُلا دیکھا اگر دروازۂ چاکِ گریباں کو

کر دیں چار آنکھیں اے حسینو ملنے والوں سے
کبھی دیکھو کبھی گھورو کبھی تاکو کبھی جھانکو

اے بیداد گر کچھ اس اشارے کو سمجھتا ہے
کھجا کر داد ظاہر کر رہا ہوں سوزِ پنہاں کو

شہید دل نے سرِ مقتل کسی کی آبرو رکھ لی
اُڑھا کر خون کی اک سُرخ چادر تیغِ عُریاں کو

مسی مالیدہ لب کا قفل زنگ آلود کھُلتا ہے
عجب کیا گر ملے حکم رہائی اہلِ زنداں کو

سحر تک اے شبِ فرقت میں تنہا جاگنے والے
بجھا کر لیٹ رہ چپکے چراغ شامِ ہجراں کو

دیا ہے حکم جُوکر[1] نے ظریف اچھا تو ہے شب بھر
مفاعیلن کے چوبرؔ ڈھے پہ مضموں لاد کر ہانکو

نوٹ۔ [1] جُوکر یعنی دلگی باز اس لفظ سے اس مقام پر مشتّق صاحب خلفِ مشّاق مرحوم مراد ہیں جنھوں نے اپنے مشاعرے کی طرح بحر ہزج مُثمّن سالم میں کی تھی اور یہ مشاعرہ معالیخاں کی سرا میں ہوا تھا مشتق صاحب بھی انجمن معیارِ ادب کے ایک رُکن تھے۔ صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۶۶ ردیف و تعداد ابیات ۴۰

غزل چوزگی

اَدَبِ ضعیفؔ

بحر متدارک[ع] مخبون شانزدہ رکنی
ارکان فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن

میرے تئیں مت روکو یاراں اسکی اُدر کو جانے دو
دلکی بات یہ ہے کیوں دلمیں دلبر سے کہہ آنے دو

بن کے دیوانہ اسکی گلی میں سو سو پھیرے کرتا ہوں
دلکی لگی کو وہ کیا سمجھے ناصح کو سمجھانے دو

مقتل میں نندی لو ہو کی آج بہے گی سنتا ہوں
جوشِ جنوں ہے بار ہو یہ ہمدم مت روکو اب جانے دو

نوٹ۔ [ع] اس وزن میں مخبون اور مسکن کا اجتماع ہر جگہ جائز ہے۔ صفی عفی عنہ

پھاڑ کے نامہ پھینک دیا یہ کہہ کے قاصد سے اُن نے — عاشق کاغذ کے گھوڑے دوڑاتے ہیں دوڑانے دو
رفتنِ رنگیں گلرویاں سے گلشن میں ٹھہراؤ نہیں — چاؤ اگر ہو کرنے تماشا اُسکے کنے تک جانے دو
کیا دیکھو ہو آگا پیچھا مقتل کے گلزار میں جا — یکدم اُس بے چشم درد کی تیغ تلے پھل کھانے دو
دل کی کلی مرجھائی ہوئی ہے جس کی گرہ میں دام نہیں — اس کے تئیں کیا فصلِ بہار آئی ہے چمن میں آنے دو

اَدَبِ کثیف

رشکِ قمر کو آبِ چاہِ باغ سے تم نہلانے دو — پیڑ اُسی سے سینچو ہر پھل مہتابی بن جانے دو
عاشق دامن میں صحرا کے جاکے گریباں پھاڑینگے — چولی مسکے گی انگیا کی اُن کی جوانی آنے دو
پیرِ مغاں کے سر پر سایہ لال پری کا رہتا ہے — اس کی گواہی دینے آئے مُلّا اور سیانے دو
زلفوں کی ہر ناگن اُسکے جوبن پر لہرائے گی — باندھ کے جوڑی کی تو بنی محفل میں اُسکو آنے دو
آبِ رواں کا ہم نہ دوپٹا اُس کے لئے بنوائیں گے — مثلِ حباب اُس بحرِ ادا کو ہم سے آنکھ چرانے دو
زلف بنانے وہ بیٹھے مشاطہ سے کیا کیا بگڑے — ٹوٹ گئے گھونگھر میں پھنسکر کنگھی کے دندانے دو
لیٹا رہا تارا سی آنکھیں کھولے وہ مہ وش بھر — ایک سنی اُس نے نہ میری گو میں نے کہے افسانے دو

اَدب لطیف

جوشِ شبابیات سے پُر ہیں آنکھوں کے پیمانے دو — سیمابی ساغر میں بوندیں شبنم کو ٹپکانے دو
دیکھ کے شبنم کی عریانی غنچے تبسّم پاش ہوئے — صحنِ چمن میں بیچ کی انگلی کانٹوں کو مٹکانے دو
جوشِ تبسّم بجلی کا وہ شورِ تخیّل بادل کا — غور سے دیکھو ابر میں تو آتے ہیں نظر دیوانے دو
اُنکے لبوں پر عریاں ہو کر جبکہ تبسّم رقص کرے — ہرج نہیں کانوں کے پردے پھٹ جائیں پھٹ جانے دو
ان کی دوشیزہ لڑکی بھورے بھورے بال لئے — رقص کرے گی صحنِ چمن میں فصلِ بہاری آنے دو

دیکھ کے سنّاٹے بن کی شیر تُرنّم خیز ہوئے
آہو لرزاں کہہ کے بھاگے ہم کو جان بچانے دو

کیفِ بقا سے مستغنی ہے جوشِ فنائیت میں غرق
قُلزمِ رنگ و بو میں مُسلسل دلکو غوطے کھانے دو

سانس جو لی مستانہ ہوا نے بحر میں اک طوفان اٹھا
جوشِ جنُوں موجوں کو ہوا ساحل سے ٹکرانے دو

اس پیمانے کی مئے اُردو مہوے کی ہے تلخ شراب
اُسکو پی کے سماعت کا جی تلملائے تلملانے دو

ادبِ ظریف

ہم کو اُڑانے دو کنکوّے بدکر پینچ لڑانے دو
سر پہ فلاکت منڈلاتی ہے ہرج نہیں منڈلانے دو

فیشن کا یہ حکم ہے عورت مرد بنے پٹے رکھلے
مرد زنانی شکل بنائیں ڈاڑھی مونچھ منڈانے دو

غیر کی دیکھا دیکھی تم سے چار آنکھیں کیا خاک کریں
چاہے اس میں اک اندھا عاشق ہو چاہے کانے دو

قیس میں اور فرہاد میں آخر کونسا تھا حُسن کا رَ
گھُس پل کر ہر ایک غزل میں آتے ہیں دیوانے دو

کھینچے کھینچے پھرنا گردن باندھ کے بزدلِ عاشق کی
مُفت کی بن جائیگی رسّی زلفوں کو بل کھانے دو

مرد کی صورت ایک یہ ہے اور ایک یہ عورت کا چہرہ
ہر اسٹیشن پر ہیں دیکھو جلوہ نُما پاخانے دو

سنگدلی کی حد ہے کوئی مُردوں پر غصّہ کیسا
مار کے ٹھوکر سنگِ لحد پر لنگڑائیں لنگڑانے دو

کوئی سمجھا اذن دیا اور کوئی یہ سمجھا منع کیا
حکم دیا دربان کو اُسنے روکو نہ اُنکو آنے دو

ناک پکڑ کر شعلہ رخوں کی کھینچ کے کہنا ٹھہرو تو
ہے یہ چراغِ حسن کی بتّی اس کو ذرا اُکسانے دو

صدہا دل لیکھوں کی صورت اُن کی لٹوں میں چمٹے ہیں
دِل کا کچھ نا کچھ جائیگا زلفوں کو سُلجھانے دو

میل کی صورت ہند میں کیا ہو بچّہ بچّہ جب یہ کہے
ٹیسو ہمارا جھگڑا کرے گا اب کی دسہرا آنے دو

ہاتھی گھوڑا منگتے نہیں ہم شال دوشالہ منگتے نہیں
مال خزانہ منگتے نہیں اک آنہ یا دو آنے دو

دینگے صدا مشتاق کرانٹے بیچنے والی چیل جھپوٹہ
اپنی نظر کی چیل کو دل کی بوٹی پر منڈلانے دو

یار کے کوچے کی ہے رونق ایک فقط اُسکے دم سے
بھیڑ دل ناچیگا مقتل میں بسمل کو مر جانے دو

گگری چھوچھی بیل پیاسا کالے مینگھا پانی دے
لوٹ کے سب میخوار کہیں گے جام و سبو تو آنے دو

مقتل بھر میں صد ہا بسمل تا تھئی تا تھئی ناچیں گے
ناچ کھلاڑی دِھننک دِھننا قاتل کو فرمانے دو

خالی خولی واہ جو کی کیا حاصل اُس سے بھائی ظریفؔ
جس کا شعر پسند آئے فی شعر اُسے دو آنے دو

نوٹ ۔ ۲۰ فروری سنہ ۱۹۲۶ء کو اس طرح میں ایک مشاعرہ بمقام لکھنؤ یونیورسٹی ہوا تھا۔ وہیں یہ غزل پڑھی گئی تھی ۔ صفی شفیعی عنہٗ

غزل نمبر ۶۷ ردیف ہ تعداد ابیات ۱۱

بحر ہزج مثمن اخرب سالم
ارکان۔ مفعولُ مفاعیلن مفعولُ مفاعیلن۔

سرکس کا تماشا ہے بدمستوں کا میخانہ
اک اور قلابازی اے لغزشِ مستانہ

لیلیٰ تری محمل میں گھس پڑتا ہے دَرّانہ
مجنوں کی شکایت کیا دیوانہ تو دیوانہ

مغرب کے مُقلّد کا گردش میں ہے پیمانہ
دونوں سے رفو چکر کعبہ ہو کہ بتخانہ

اے شیخ مُبارک ہو طوفِ درِ میخانہ
یہ جُبّہ و عمّامہ یہ سجّہ صد دانہ

تا صبح سُنا تا میں اشعار ظریفانہ
فی شعر اگر دیتا کوئی مجھے اک آنہ

پھوٹی ہوئی قسمت میں میخاروں کی لکھا ہے
اک بال پڑا شیشہ درکا ہوا پیمانہ

گر چشم قناعت سے دیکھو تو برابر ہے
نادار کا اک چھپّر زردار کا خس خانہ

فیشن کی محبّت میں ہرگز نہ گوارا کر
تقلید زنانوں کی اے ہمّتِ مردانہ

اے دُزدِ حنا تیری بندھواؤں کہاں مشکیں
نزدیک یہاں چوکی کوئی نہ کوئی تھانہ

ہر چند وہ ہی کھونڈا صورت میں نہیں بھونڈا
ہر موج تبسّم ہے اک سین کا دندانہ

انسان ظریفؔ اچھّا خاصہ بھی اگر ہوتا
دیوان ترا پڑھ کر ہو جاتا وہ دیوانہ

غزل نمبر ۶۸ ردیف ہ تعداد ابیات ۳۱

بحر مجتث مثمن مخبون مقصور یا محذوف (قطعہ بند) ارکان ۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

سمجھئے آپ اُسے فیشن کا ایک دیوانہ
ہو جس کی شکل زنانی لباس مردانہ

ہے احترامِ بزرگی منافی تہذیب
اسی کا نام ہے آزادئ بہیمانہ

یہ انقلابِ زمانہ سے ہوگئی حالت
ہوے ہیں مذہب و ملّت سے لوگ بیگانہ

جو مادّے کی اُلٹ پھیر کو خدا سمجھے
وہ اِس زمانے کا عاقل ہے اور فرزانہ

خیال پیرس و لندن نے کر دیا مدہوش
کہ اَب نظر میں نہ کعبہ ہے اور نہ بُت خانہ

گناہ ہے حج و تیرتھ بحکمِ دورِ جدید
طوافِ شملہ و لندن ہے فرضِ سالانہ

وہاں یہ دیکھو گے کیا خاک پتھر آنکھوں سے
یہاں ہے حُسنِ فرنگ اور ادائے مستانہ

کہیں مفید ہے سب سے زیادہ فنّی فیر
جہاں دکھائی تو دیتا ہے روئے جانانہ

انھیں نہ کام ہے گیتا سے اور نہ قرآں سے
جو لوگ پڑھتے ہیں اسٹیمین [سٹیڈ] روزانہ

خود اشتہارِ حسیں اپنا دے کے کہتے ہیں
متاعِ حُسن جو لینا ہو بیچو [بھیجو] بیعانہ

یہ فیضِ عام نئی روشنی کا صدقہ ہے
بدل گیا رُخِ تصویرِ شمع و پروانہ

قصائدِ فلم اسٹارس وہ بھی با تصویر
یہ کیا ہے گر نہیں دیّوتی ادیبانہ

جُوا۔ کلب۔ اسینما۔ ریس کورس و دورِ شراب
مہذّبوں کے یہ اشغال ہیں حکیمانہ

جناب شیخ گئے اسپتال بہرِ علاج
ملاحظہ ہو ذرا یہ ادائے رندانہ

بیان کرتے ہیں یوں ڈاکٹر سے حال اپنا
بصد سُرور بہ اندازِ بے حجابانہ

شراب خواری سے ہاتھوں نہیں ہو گیا رعشہ (مصرعِ طرح) "چھلک گیا مرے ہونٹوں تک آ کے پیمانہ"

سُن اپنے بچّوں کی حالت بغور مادرِ ہند
نہیں سُنانے کے قابل ہے گو یہ افسانہ

خدا کی شان وہ آزادیوں کے طالب ہیں ۔۔۔ کہ جن کی ذہنیتیں ہو چکیں غلامانہ
ہوئے مقلّدِ یورپ تو صرف فیشن میں ۔۔۔ اُنھوں نے غیر کی تقلید کی تو کورانہ
بیٹھیں گے جاکر ٹیپرین[۱] کی شاپ میں آپ ۔۔۔ نہ چاہیے بیوی کے کھانے کو گھر میں ہو دانہ
پھٹی پُرانی لنگوٹی میں پھاگ کھیلیں گے ۔۔۔ اور اُس پہ ضد ہے کہ سمجھو نہ اِنکو دیوانہ
بہار[۲] میں ہے قیامت بپا تو ان کو کیا ۔۔۔ جو شام کو سینما دیکھتے ہیں روزانہ
نہ قومیّت ہے نہ غیرت نہ اُن میں استقلال ۔۔۔ تدبّری کا ہے دعویٰ مزاج طفلانہ
ہے جوش سوڈے کی بوتل کی طرح کا وقتی ۔۔۔ پھر اُس پہ شوقِ حکومت بطرزِ شاہانہ
کہیں اذاں کی صدا باعثِ اذیّتِ قلب ۔۔۔ مگر ہے چرچ کا گھنٹہ صدائے جانانہ
یہ سُورما ہیں مگر محض خانہ جنگی میں ۔۔۔ خطا ہو غیر کی گھُرکی سے جن کا پاخانہ
خلل نماز میں پڑنے لگا ہے باجے سے ۔۔۔ رجوعِ قلب کا اب رہ گیا یہ پیمانہ
ہے خانقاہ میں جانا گناہ اِس کے لئے ۔۔۔ ہے اُس کے واسطے تکلیف دہ عزاخانہ
زباں سے ہیں ابھی وحدانیت کے کچھ قائل ۔۔۔ مگر خدا ہے ہر اک شخص کا جُداگانہ
ہے اتحاد فقط ایک لفظ بے معنی ۔۔۔ زمانہ جبکہ ہو روحانیت سے بیگانہ

ظریف ختم کرو داستانِ عہدِ جدید
سُنے گا کون بہت تلخ ہے یہ افسانہ

نوٹ ۔ ۱ لکھنؤ کے محلہ حضرت گنج میں ایک انگریزی دکان تھی۔ جہاں انگریز اور مغرب زدہ ہندوستانی جاکر چائے پیتے تھے۔ ۲ جس زمانہ میں شدید زلزلہ صوبۂ بہار میں آیا تھا بہارِ ادب کے مشاعرے میں یہ طرح ہوئی تھی۔ ظریفی عفی عنہ

غزل نمبر ۶۹ ردیف یائے معروف تعداد ابیات ۱۶

بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف مقصور یا محذوف — ارکان مفعول مفاعیل مفاعیل و مفاعیل یا فعولن

کوئی دلِ بیتاب کو ڈانٹے کہ ٹھہر بھی — اُدھالی کے بیگن تو اِدھر بھی ہیں اُدھر بھی
دریا میں تلاطم بھی ہے موجیں بھی بھنور بھی — گھڑیال بھی کچھوا بھی ہے مچھلی بھی مگر بھی
کہتے ہیں گدھا لوگ جسے ہے وہی خر بھی — انساں ہے وہی سب جسے کہتے ہیں بشر بھی
اڑیل ہیں جو گھاس اُنکے لیے خشک بھی تر بھی — مصرع طرح "والے خانہ برانداز چمن کچھ تو اِدھر بھی"
جھالر نہ ہو جس میں تو وہ اقرار ہے لنڈا — وعدہ ہے وہی جس میں اگر بھی ہو مگر بھی
ہے چوک کا بازار ترے دانتوں کا چوکا — دلال زباں ہے جو اِدھر بھی ہے اُدھر بھی
گھڑیالیوں کو دیکھئے گھڑیال بجا کر — چار آٹھ پہ بارہ پہ بجاتے ہیں گجر بھی
مشہور مثل ہے غلط العام فصیح — اسوجہ سے سب صدر کو کہتے ہیں صدر بھی
گہہ رخ پہ نقاب اُس کے کبھی ہاتھ میں تلوار — معشوق وہ معشوق جو مادہ بھی ہو نر بھی
سُن لیجئے تشبیہہ بغیر اِسکے ہے ناقص — عیسیٰ ہیں اگر آپ تو اک پالیئے خر بھی
کہتی ہے سدا صاحبِ مقدور کی اولاد — ترکہ ملے ہم کو اب جلدی کہیں مر بھی
اک ڈول مرے دل کا ہے تجھ میں وہ نکل آئے — اُو چاہِ ذقن جلد کسی رُ د ز اُگر بھی
تحریر کا عنوان بھی تہذیب نے بدلا — معشوق کے القاب میں ہے مائی ڈیر بھی
دن رات یہی ہجر میں کھانا ہے تو صاحب — غم اپنا برک فاسٹ بھی ہے اور ڈنر بھی
یہ حسن نرالا ہے کہ دو عضو ندارد — معشوق وہ ہی جس کے دہن بھی ہو کمر بھی

بلبل کہو تم شوق سے ایسے شعرا کو
اک چونچ بھی جن کے ہو ظرافت اور ہوں پر بھی

غزل نمبر ۷ — ردیف ی — تعداد ابیات ۸

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

جسے کہتے ہیں گزدم ہے اُسی کا نام بچھّو بھی
ہرن کہتے ہیں جس کو ہے وہی مشہور آہو بھی

سگِ جاناں کو گردر اصل تم کُتا سمجھتے ہو
بلا دُ امتحاناً ایک دن پھر کہہ کے تُو تُو بھی

یہ دیکھا ہے جہاں برسات میں دنکو پڑا پانی
اندھیری رات میں اکثر اُڑا کرتے ہیں جگنو بھی

کوئی گھبرا کے گر پانی پئے تو ہم نے دیکھا ہے
اِسی جلدی میں اکثر اُس کو ہو جاتا ہے اچھّو بھی

اُنہیں دیکھو زمانے میں کبوتر باز ہیں جتنے
کبھی سیٹی بجاتے ہیں کبھی کرتے ہیں کُو کُو بھی

جو انگریزی میں لکھتے ہیں الف بے قاعدہ یہ ہے
کہ اوّل اکس وائی زڈ کے لکھ دیتے ہیں ڈبلو بھی

کیا ہے زرد اِس کالی بلا نے وائے بیدردی
اُنھیں کو حُسن کے جو اکثر پیا کرتے ہیں چانڈو بھی

ظریف اُردو کے لٹریچر میں ہم یہ کہہ نہیں سکتے
مذاقِ اہلِ یورپ میں تو سنجیدہ ہے اُلّو بھی

غزل نمبر ۸ — ردیف ی — تعداد ابیات ۱۲

بحر ہزج مثمّن اخرب مکفوف مقصور یا محذوف — ارکان مفعولُ مفاعیلُ مفاعیلُ مفاعیلُ یا فعولن

تعریف دہن کی ہمیں آئی نہ کمر کی
کچھ دھیان اِدھر کا ہے نہ کچھ فکر اُدھر کی

اُس شوخ کو سنتا ہوں ضرورت ہے چنور کی
دُم نوچوں گا اِک روز کسی مرغِ سحر کی

نازک ہے کلائی تری تیغ اُٹھ نہ سکے گی
عاشق نے یہ کہہ کہہ کے بلا ٹال دی سر کی

بھیجوں گا کلیجی کے کباب اُن کو کسی دِن
لذّت جنھیں معلوم نہیں سوزِ جگر کی

نھّے سوئیاں یہ پاؤں کسی جیب گھڑی کی
گردش ہی میں دن رات جو اوقات بسر کی

شاید کہ یہ مسٹر ہے کوئی اور وہ لیڈی
کتے پہ مرے شیر ہے کتیا ترے در کی
عشاق سمجھتے ہیں حضور آپ ہیں بھنگی
سچی یہی تعریف ہے بس ترچھی نظر کی
چہرہ تو نہ اُن کا کبھی گھٹتا ہے نہ بڑھتا
تشبیہہ غلط ہے رُخِ روشن سے قمر کی
تم جس میں ہو ناسور اُسی دل کے ہیں رستے
لو کچھ تو خبر اپنے ٹپکتے ہوئے گھر کی
چُپ چاپ چھپا بیٹھا ہے وہ عرش کے نیچے
اے دستِ دعا ٹانگ تو لے بڑھ کے اثر کی
جس شخص کا جی چاہتا ہو بنے کو پاگل
گتھی وہی سلجھائے ترے موئے کمر کی
انگریزی کا یہ زور ہے، بستے ہیں جہاں ترک
کہتے ہیں مسلمان، ظریف اب اُسے ٹرکی

غزل نمبر ۲۷ — ردیف ی — تعداد ابیات ۱۲

بحر خفیف مسدس مخبون مقصور یا محذوف۔
ارکان۔ فاعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

رات کٹنے پہ صبح گر نہ ہوئی
دل لگی ہو گئی سحر نہ ہوئی
وہ خوشی جس کو لوگ کہتے ہیں عید
ایک دن ہو کے سال بھر نہ ہوئی
شبِ فرقت کچھ اسطرح روئی
رات بھیگی پر آنکھ تر نہ ہوئی
آہ نے توڑ دی کمر لیکن
فلکِ پیر کو خبر نہ ہوئی
میرے اُنکے ہوئی لڑائی یوں
آئی ڈی ٹی کو بھی خبر نہ ہوئی
ڈر تھا عادت خراب ہو جائیگی
آہ ہم صحبتِ اثر نہ ہوئی
جب کہا میں نے اُس سے الفت ہے
ہنس کے کہنے لگا اگر نہ ہوئی
گو پریشاں بہت ہوئی لیکن
زلف اُس کی بتر بتر نہ ہوئی
باندھ کر تیغ گھومتے وہ ضرور
بہت اچھا ہوا کمر نہ ہوئی

کہتی ہے یہ ادائے یار کہ میں — حُسن کے بحر میں مگر نہ ہوئی
بیدِ مجنوں کی ایک شاخ ہوئی — وہ لچکتی ہوئی کمر نہ ہوئی
وہ بھی گونگے بنے رہے ہم بھی — گفتگو قصّۂ مختصر نہ ہوئی
سر بھی ہے ہاتھ پیر بھی موجود — یار ٹیسو ہے جب کمر نہ ہوئی
شاعرِ یار کی نشیلی آنکھ — کیوں ہرن ہے یہ گورخر نہ ہوئی
اُس نے بیمار کا گلا گھونٹا — جب دوا کوئی کارگر نہ ہوئی
ایسی الفت کا اعتبار ہی کیا — جونیر سے جو سینیر نہ ہوئی
جنگلوں میں جو زندگی گزری — پھر بسیرا ہوا البسر نہ ہوئی
قحط سے عاشقوں کو کیا مطلب — فاقہ مستوں کو کچھ خبر نہ ہوئی
طائرِ دل کا جو شکار کرے — وہ تو شکرا ہوا نظر نہ ہوئی
دخترِ رز کو لے گئے سب رند — پیرِ میخانہ کو خبر نہ ہوئی
اِس کو آیا کبھی نہ غُرّانا — لومڑی دل کی شیرِ نر نہ ہوئی

آدبِ لطیف

طبع مائل مگر اِدھر نہ ہوئی — مشقِ لافِ جنوں اثر نہ ہوئی
عرضِ خمیازۂ قدح پیما — نقلِ خم خانہ نظر نہ ہوئی
سازِ محشر پہ جنبشِ مضراب — دل شکستن سے نغمہ ور نہ ہوئی
وضعِ تمکینِ شاہدِ طنّاز — آتش افروزِ خشک و تر نہ ہوئی
اللہ اللہ نفس گُدازیِ شوق — شمعِ کاشانۂ سحر نہ ہوئی
پھر کہیں گے ظریف کوئی غزل — طرح گر یوں کٹر پٹر نہ ہوئی

نوٹ ۱؎ ایک انگریزی اخبار کا نام ہے ۲؎ دسہرے کے زمانے میں کمہار ایک کھلونا بناتے تھے۔ جس کا چہرہ گردن تک اور دونوں ہاتھ گٹّے تک علٰحدہ علٰحدہ ہوتے تھے ہندؤں کے لڑکے انھیں مول لیکر تین لکڑیوں پر جو ہاتھ ہاتھ بھر کی ہوتی تھیں نصب کرکے لکڑیوں کو بیچ سے باندھ دیتے تھے۔ اِن لکڑیوں کا نام ٹِگُڑا یا تھا بیچ والی لکڑی کے سرے پر سر ہوتا تھا۔ اور دونوں طرف کی لکڑیوں میں ہاتھ اور اُسے ٹیسو کہتے تھے ہر شام اِس ٹیسو کو لے کر ہر دروازے پر جاتے تھے اِس غول میں ایک لیڈر ہوتا تھا اور وہ کہتا تھا۔

ٹیسو جی تم ہم سے راجی: سدا دُوارے نوبت باجی۔ باقی لڑکے اِسی کو دہراتے تھے اس کو ٹیسو مانگنا کہتے تھے لوگ اُنھیں پیسہ دو پیسے دے دیا کرتے تھے۔ دسویں روز یہ ٹیسو دریا میں سِرا دیا جاتا تھا اور جو رقم جمع ہوتی تھی۔ اُس کے ریوڑی چُرڑے خرید کر لڑکے باہم تقسیم کر لیتے تھے لکھنؤ میں پہلے یہ رسم جاری تھی۔ لیکن اب موقوف ہوگئی۔ صفی عفی عنہ

غزل ۳۷ ردیف ی تعداد ابیات ۱۲

بحرِ ہزج مثمن سالم

ارکان۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

بنے جب عشق مشاطہ تو کیا ہو شادماں کوئی / ملی مجنوں کو بیوی اور نہ لیلےٰ کو میاں کوئی

گرے یارب اُسی ہنگام میں بجلی نشیمن پر / چمن میں جب اُجاڑے آکے میرا آشیاں کوئی

بیانِ عشق میں پہلے اُنھیں کا نام آتا ہے / زمانے بھر کے ٹھیکیدار تھے مجنوں میاں کوئی

جنابِ واعظ اس قرأت نما تقریر کے صدقے / بجز حضرت کے یوں کیونکر لڑائے بلبیاں کوئی

بندھی جب ۴؎ ساچ اب وہ گھڑی بھی آنے والی ہے / کلائی میں خوشی سے اپنے پہنے چوڑیاں کوئی

صفایا داڑھی مونچھوں کا اِدھر زلفیں اُدھر غائب / میاں بیوی بنا کوئی بنی بیوی میاں کوئی

محبت متصل ہوتی ہے اس تہذیب سے سب میں / کوئی انعام پائے اور بجائے تالیاں کوئی

بھلا فیشن کا ہو، بلیرڈ کھیلے تو مہذّب ہے
مگر دونا مہذّب ہے جو کھیلے گولیاں کوئی

نہیں معلوم اُردو میں اُسے کہیئے تو کیا کہیئے
مہذب پولٹری شو ہیں جو بھیجے مرغیاں کوئی

نہایت سہل ہے افسوس سے الفاظ واپس لے
جسے جی چاہے پہلے شوق سے دے گالیاں کوئی

مہذّب یہ طریقہ خوب ہے، اُلّو بنانے کا
کہ جب اسپیچ سے خوش ہو بجاوے تالیاں کوئی

الہ آباد میں اسکول کالج ہر جگہ پہنچے
ظریف اب دو یا مندر میں دوگے امتحاں کوئی

غزل ۱۴۷ ردیف ی تعداد ابیات ۱۵

بحر ہزج مثمّن سالم
ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن،

ضرورت اُن کو مشاطہ کی ہوگی اب شانے کی
قسم کھائی ہے اس گرمی میں سارا سر منڈانے کی

یانا بامزہ تخئیل ہے اگلے زمانے کی
مگر شیرینیٔ لب کیا نہ پینے کی نہ کھانے کی

پریشانی سے ہے محتاج کنگھی دانے کی
تری زلفوں کو ہوگی اب ضرورت مانگ کھانے کی

جوانی جوش پر آئی مُہاسوں کی یہ کثرت ہے
بُت کافر کا چہرہ ہے کہ لیّا رام دانے کی

اثر مشقِ تصوّر کا ہوا مر نے پہ بھی ظاہر
ضرورت ہو گئی عاشق کی میّت کو نہانے کی

اِدھر عشاق کو دیکھا اور ان کی گردنیں پکڑیں
ہوئی ہے اُن کو عادت اسقدر ڈنبل ہلانے کی

حقیقت میں شبِ وصل و رہنی مون ایک ہی شئی ہے
نئی تہذیب میں تخئیل ہے اگلے زمانے کی

محبت کے اکھاڑے میں بہت کمزور ہوں لیکن
مجھے عادت ہے خالی ہاتھ ہی مُگدر ہلانے کی

بچانے اتنی محنت کی چھٹی کا دودھ یاد آیا
یہ کیا فرہاد کو سُوجھی تھی جوئے شیر لانے کی

ارادہ ہے کہ اپنے خانۂ دل میں نہ رہنے دوں
کہیں عادت نہ پڑ جائے اُنھیں گھر بیٹھ جانے کی

سُنو صاحب تمہارے حسن کی میونسپلٹی میں
ہے عاشق اِک کراچی رنج کا کوڑا اُٹھانے کی

یہ عاشق اپنے معشوقوں کو کیا شہد سمجھتے ہیں
تمنّا اُس سے کرتے ہیں جو میّت کے اُٹھانے کی

ابھی جوہر تمھارے خنجر ابرو کے کھُل جائیں
جو مقتل میں اجازت دو ذرا سِلّی چٹانے کی

وہ غمگیں ہوں کہ بی شادی سمجھ کر رو دیا فوراً
سُنی آواز جب طفلی میں مَیں نے شادیانے کی

نہ اِس میں درد کا کھٹکا نہ اسمیں عشق کا جھگڑا
ظریف اپنی غزل اک چیز ہے ہنسنے ہنسانے کی

نوٹ ۔ ۱؎ بی شادی ایک فرضی نام ہے ۔ عورتیں یہ نام لیکر چھوٹے بچّوں کو جب وہ روتے ہیں ڈراتی ہیں ۔ صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۵۷ ردیف ی تعداد ابیات ۲۴

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف
ارکان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

اُس نے مضمون پڑھا اور نہ عبارت دیکھی
خط مرا پھاڑ کے پھینکا یہ جہالت دیکھی؟

نبض ہی دیکھی نہ بیمار کی حالت دیکھی
تھرما میٹر سے مسیحا نے حرارت دیکھی

اِن کو مَر یل نہ سمجھئے یہ بڑے داہدت ہیں
جیتے جی مر گئے عشاق کی عُجلت دیکھی؟

خطِ دلدار کی حجّام نے کر دی اصلاح
کوئی اعراب نہ دیکھا نہ اضافت دیکھی

اس مصیبت میں کٹا دن کہ الٰہی توبہ
صبح کو آپ کی عاشق نے جو صورت دیکھی

ناک کان آنکھ تو موجود مگر مُنہ غائب
اِس پہ کچھ آئینے کی آپ نے حیرت دیکھی؟

اُس پہ عاشق ہوئے احباب تو پاگل پن ہے
نام جس شخص کا معلوم نہ صورت دیکھی

اُٹھ کے اک بار کبڈّی جو لگائی اُس نے
چلتی پھرتی ہوئی لوگوں نے قیامت دیکھی

سر منڈاتے کبھی دیکھا کبھی کاکُل چھوڑے
شامِ غربت کبھی صبحِ شبِ وصلت دیکھی

یہ بھلا فاتحہ خوانی کا طریقہ ہے کوئی
جَڑ دی اک لات جہاں آپنے تربت دیکھی

غیر نے بیچ میں جھنجھلا کے الف ٹھونس دیا
آپ نے اس کی حمیت کی حمایت دیکھی؟

ہوئی اس حال[۱] سے بیمارِ محبت کی خبر
چادرِ بسترِ غم اُس نے جو اُلٹ پَت دیکھی

دھیمی دھیمی جو ہوا میں ہوئی وحشت پیدا
بدلی رُت وحشیوں کی اور حماقت دیکھی

ہوگیا دائرۂ عشق سے بالکل باہر
آپ نے غیر کی چوکور محبت دیکھی

آئے تھے فاتحہ خوانی کو خفا ہو کے چلے
اپنے عاشق کی جو ٹوٹی ہوئی تُربت دیکھی

اے پھدکتے ہوئے دل تیرے پھدکنے کے نثار
شُبہ مینڈک کا ہوا جب تری صورت دیکھی

طفلِ اشک اپنے گراتا ہوں ترے دامن پر
تو نے ظالم یہ ہُمکتی ہوئی ہمت دیکھی

انکھڑیاں پھاڑ کے رہ رہ گیا وہ شوخ نظر
میرے اشعار پہ جب صاد کی کثرت دیکھی

چھاؤں تاروں کی وہ سمجھا کیا دھوکا کھایا
ہائے جب دھوپ سُہانی سرِ تربت دیکھی

یہ اسیری کی شفقت سے گری جاتی ہے
آپ سب نے مری کمزور طبیعت دیکھی؟

سندیں دے کے بناتے ہیں مجھے سب شاعر
لکھنؤ والوں کی سنجیدہ ظرافت دیکھی؟

شاعروں[۲] نے نہ لیا کیا اُسے زٹیل سمجھے
میرے دیوان کی آدھ آنہ جو قیمت دیکھی

ناچتے بھاگے عیادت کیلئے آئے تھے گو
اپنے بیمار کی تم نے جو بُری گت دیکھی

ہے مرے منھ میں زباں اہلِ زباں ہوں میں ظریف
آپ نے میرا تصرف مری جدت دیکھی؟

نوٹ۔ ۱؎ اِس حال اور اسہال میں ایہام تجنیسی ہے۔ اسی بنا پہ یہ شعر نظم ہوا ہے ۲؎ اس شعر میں کلیم کے دیوان کی طرف اشارہ ہے۔ کلیم ایک شاعر تھے اور اُن سے بہت لوگ مزاح کرتے تھے جب اُن کا دیوان چھپا۔ تو یاروں لوگوں نے اُسے ٹکے سیر بیچنا شروع کر دیا اور اُنھوں نے بگڑ بگڑ کے گالیاں دینا شروع کیں۔ صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۶ ردیف ی تعداد ابیات ۵

بحر ہزج مثمن سالم ارکان۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

جب اسٹیشن کے باہر ریل گاڑی ہمنشیں نکلی
سوا انجن کے کس کے منہ سے آہِ آتشیں نکلی

خدا کی شان ہو دیکھے موٹا پا کوئی اُس بت کا
نہ نکلا آستیں سے ہاتھ آخر آستیں نکلی

ہوا ہوں غرق اتنا شاعری کے استعاروں میں
فلک پر چاند نکلا میں پکارا لو جبیں نکلی

ہوئی کل ہاتھا پائی یار اور اغیار میں ایسی
کسی کا پائینچا نکلا کسی کی آستیں نکلی

سُنا جب اِس کمرے کے نیچے امریکن کے تلوے ہیں
کہوں کیا میں ظریف اُسوقت پیروں سے زمیں نکلی

غزل نمبر ۷ ردیف ی تعداد ابیات ۱۴

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فعلن

کج ادائی آپ کے تیرِ نگاہِ ناز کی
دیدۂ دانستہ عاشق نے نظر انداز کی

پٹتے پٹتے جان نکلی عاشقِ جانباز کی
مار ڈالا تیرے غمزوں نے دہائی ناز کی

تجھ کو دیکھوں کس طرح الفت نے اندھا کر دیا
میرے کانوں کو تمنّا ہے تری آواز کی

شمع ساں گھلنے پہ بھی پھولے ہیں نقارہ سے گال
آدھی صورت سوز کی ہے آدھی صورت ساز کی

آہِ آتش بار ہے فرقت کی شب دیپک کا راگ
روشنی پھیلی ہے لو دیتی ہوئی آواز کی

آئی پیری اُڑ گیا چہرے کا سب کُندن سا رنگ
دیکھ لی صنعت ترے حسنِ مُلمّع ساز کی

گھوم کر تم نے جو دیکھا روح نکلی جسم سے
ایک نے تاڑا لگایا ایک نے پرواز کی

حُسن کے سر پر چڑھایوں خونِ ناحق عشق کا
لال پگڑی ہوتی ہے جس طرح برقنداز کی

بات کرنا تجھ سے او گندہ دہن دشوار ہے
ناک میں دم کر رہی ہے بو تری آواز کی

نزع میں پکڑے ہوئے تھے اپنی داڑھی شیخ جی
رہ گئی دُم اور مُرغ روح نے پرواز کی

بعد مرنے کے ملا دو گز کفن دو گز زمیں
یہ عنایت گورکن کی وہ میاں بزّاز کی

نزع کے ہنگام ہے آواز بھرّائی ہوئی
اب تو نالے سے صدا آتی ہے بگڑے ساز کی

تیر تو گھٹنے پہ مارا پھوڑ دی عاشق کی آنکھ
کج ادائی دیکھ لی تیرِ نگاہِ ناز کی

ہو گئی نٹ کا تماشا اُن کی محفل میں ظریفؔ
صورتِ زار اک قلابازی سے دل کے راز کی

غزل نمبر ۲ ردیف ی تعداد ابیات ۱۵

بحر رمل مُثمّن مخبون مقصور یا محذوف
ارکان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

گالیوں کی انھیں پروا ہے نہ بیزاروں کی
کیا حمیّت ہے محبت کے گرفتاروں کی

تھوک دیتا ہے جو وہ مست کبھی پان کی پیک
دیکھ کر رال ٹپک پڑتی ہے میخواروں کی

نہ غذا کھاتے ہیں مطلق نہ دوا پیتے ہیں
ایسی تیسی مرضِ عشق کے بیماروں کی

طائرِ دل کو جو زلفوں میں پھنسا لیتے ہیں
یہ حسینوں کی ہے خصلت کہ چڑیماروں کی

رہنے والے تو مسافر عدم آباد کے ہیں
پھر یہ دنیا ہے سرا کون سے بھٹیاروں کی

گنجی چندیا پہ چھڑک لی ہے اُنھوں نے افشاں
چاند کی ہم کو ضرورت ہے نہ اب تاروں کی

جان دی ہو لبِ شیریں پہ جنھوں نے اپنی
اُنکے سوئم کی ہو مجلس تو شکر پاروں کی

دمِ آخر ملک الموت کی وہ شکلِ مہیب
دیکھ کر آنکھ بھی جاتی رہے بیماروں کی

سُنکے ہوتی ہے ہر اک اہلِ زباں کو وحشت
سنسنی خیز ہے اُردو مگر اخباروں کی

دیکھ کر حُسنِ حقیقی کا بتوں میں جلوہ
جذبِ باطن سے رگیں کھنچ گئیں زنّاروں کی

محو ذرّاتِ جہاں تاب ہیں اُن کی آنکھیں
کوچۂ حُسن میں ہے چھاؤں انھیں تاروں کی

چشمِ عاشق کی سفیدی کو جو بہتے دیکھا
آنکھیں پتھرا گئیں اُس قصر کے معماروں کی

ساقیا رنگِ زمانہ ہے تری مٹھّی میں
عالم آشوب ہے چِتون ترے میخواروں کی

دشتِ وحشت کی طرف دل نے جو پھیلائے پاؤں
تلوے سہلانے لگی بڑھ کے خلش خاروں کی

سبزۂ خط رُخِ جاناں پہ جو نکلا ہے ظریفؔ
نظریں للچائی ہوئی پڑتی ہیں گھسیاروں کی

غزل نمبر ۷۹ — ردیف ی — تعداد ابیات ۱۵

بحر ہزج مُثمّن سالم — ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

جو غیرت مندِ طبعِ زاہدِ مسند نشیں ہوتی
تو یوں مُرغی کے چُگنے کی طرح کیوں یہ جبیں ہوتی

جو فکرِ شعر ایسی طرح میں میرے تئیں ہوتی
تو اُسکا سر کہیں ہوتا اور اُسکی دُم کہیں ہوتی

نہ ہوتا کچھ بھی صرف اُس گول چہرے میں جبیں ہوتی
حسینو! چاند سی صورت تمھاری جب کہیں ہوتی

اُنھیں نادان عاشق مِثلِ ٹیسو کے سمجھتے ہیں
حسینانِ جہاں ایسے کمر جن کی نہیں ہوتی

غضب ہوتا اُسی کے تحت میں تھی ناک کٹ جاتی
اگر خنجر کہیں ظالم تری چینِ جبیں ہوتی

بڑی قیمت سے بکتی فائدے میں یہ حسیں رہتے
اگر دکّانِ پیکالن پہ زُلفِ عنبریں ہوتی

وہ تُرک آ آ کے مقتل میں یہی باتیں بناتا ہے
مرا خنجر چُناں ہوتا تری گردن چنیں ہوتی

سراسر اہلِ عالم گاؤدی ہی گاؤدی ہوتے
اُٹھائے سینگ پر دنیا اگر گاوِ زمیں ہوتی

ہزاروں چیونٹیاں اور مکھیاں آ کر لپٹ جاتیں
لبِ شیریں میں اُس بُت کے جو شانِ انگبیں ہوتی

سُنا ہے ناقۂ لیلےٰ کی ٹانگیں تھیں بہت لانبی
جو ایسا تھا تو دستِ قیس میں اک دُوربیں ہوتی

لنڈورے پن کی اے مشّاطہ کچھ اصلاح ہو جاتی
سمندِ ناز کی دُم میں جو زلفِ عنبریں ہوتی

محبّت میں جو دونوں دست پاچہ ہو کے رہ جاتے
نہ اُن کا پائینچہ ہوتا نہ میری آستیں ہوتی

جبھی یہ قافیہ قالب میں ڈھلتا روز مرّہ کے
جو مصرع میں چُناں کی دُم کے پیچھے اک چُنیں ہوتی

زمیں چلتی ہے ہیئت داں مگر کچھ اور کہتے ہیں
نہ یہ کہتے جو گول اُن کی نہ عقلِ دُور بیں ہوتی

پھلے پھولے ظریف اپنی غزل اس میں تروہ ہے
قلم کا ہل چلاتے گر نہ یہ اوسر زمیں ہوتی

نوٹ ۔ سلہ بیکالن کے نام کا ایک انگریزی دوا خانہ حضرت گنج میں تھا۔ جہاں خالص مشک و عنبر مل سکتا تھا۔ اور اسی کی ایک دوسری دکان تھی جس میں لوگوں کا اسباب نیلام ہونے آتا تھا۔
صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۸ ردیف ی تعداد ابیات ۹

بحر رمل مثمّن مقصور یا محذوف
ارکان ۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

نالہ کش بھی وقفِ لطفِ ناخنِ بیداد بھی
غالباً عشّاق کے خارشت بھی ہے داد بھی

اُن کو بھاتی ہے کتھا بھی محفل میلاد بھی
جو تبرک بھی لیا کرتے ہیں اور پرشاد بھی

سائے کی صورت رقیبِ روسیہ ہے ساتھ ساتھ
ہے اُنھیں کی دُم کے پیچھے یہ سگِ ہمزاد بھی

کرتے ہیں گلزار کو آگ، آگ کو گلزار یہ
حُسن والے ہیں مگر نمرود بھی شدّاد بھی

دُختِ رز کے ساتھ اِن سب کا تعلق ہے ضرور
معبچے پیر مغاں تیرے ہیں گھر داماد بھی

دیکھ کر تصویر میں اُن کا دہن اُن کی کمر
دیکھیے مانی بھی چمپت ہو گیا بہزاد بھی

کاٹ کر نلیا نکالی دودھ پینے کی سبیل
جیسے بی شیریں کی آنا تھے میاں فرہاد بھی

ہو وہ شادی یا غمی شہدوں کا آنا فرض ہے
تعزیت بھی آ کے یہ دیں گے مبارکباد بھی

شعر گوئی نے بنایا ہے ظریف آوارہ گرد
کانپور آئے تو اب جائیں الہ آباد بھی

نوٹ ۔ ۵۱ آزاد منش گداؤں کا ایک گروہ لکھنؤ میں شہدوں کے نام سے مشہور ہے جن کے افراد ہر تقریب میں خواہ غمی کی ہو یا شادی کی لوگوں کے مکان پر پہونچ کر کچھ رقم حاصل کرتے ہیں اور جتنک پانہ جائیں غل مچاتے رہتے ہیں۔ صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۸۱ — ردیف ی — تعداد ابیات ۷

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور یا محذوف
ارکان مفعولُ فاع لات مفاعیلُ فاع لات یا فاعلن

یہ بھی ہے کوئی بات جہاں میں نے آہ کی
فوراً ہی وہ لگاتے ہیں رٹ واہ واہ کی

پیشی ہے اُس جگہ پہ تمے داد خواہ کی
حاجت وکیل کی نہ جہاں پر گواہ کی

کھرپے سے اپنا سبزۂ رخسار چھیلئے
گر ہے سمندِ ناز کو حاجت گیاہ کی

عشّاق جانتے ہیں کہ ہے آنکھ میں فتور
ناحق حضور آپ نے ترچھی نگاہ کی

بجو نری بنے گی خوب اگر دستیاب ہو
ڈاڑھی جنابِ شیخ مشیخت پناہ کی

دیوانہ ہو گیا ہے سگِ کوئے یار تو
لیتا ہے ٹانگ بڑھ کے ہر اک خیر خواہ کی

کیا خاک جاؤں کوچۂ دلدار میں ظریفؔ
اُٹھ اُٹھ کے روکتی ہے مجھے گرد راہ کی

غزل نمبر ۸۲ — ردیف ی — تعداد ابیات ۱۳

بحر مجتث مثمن مخبون مسکن مقصور یا محذوف
ارکان مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

بُریدہ حلق صدائیں بلند خرخر کی
گلی میں اُن کی یہ کثرت ہے خون نخچر کی

جوابِ خط میں سراسر اُڑائی بے پر کی
سُنی جب اُس نے غٹر غوں مرے کبوتر کی

تمھارا موئے کمر آئے گا نظر اُن کو
اندھیرے میں جو پکڑتے ہیں ٹانگ مچھر کی

ہمیشہ ناقۂ لیلیٰ کی دُم کے ساتھ رہے — جنابِ قیس کو کچھ سُدھ نہیں تھی گھر در کی
خرامِ ناز سے عشّاق کیوں ہلاک نہ ہوں — صدا نکلتی ہو جوتے سے جسکے چرٗ مرٗ کی
کسے حسینوں کے تیرِ نگاہ نے مارا — اُڑاتے رہتے ہیں عشّاق یونہی بے پَر کی
جہاں میں جس قدر انسان ہیں شریر النفس — ضرور نسل سے ہیں ڈارون کے بندر کی
شبِ فراق جو نالاں ہے ناتواں عاشق — صدائیں کان میں آتی ہیں اُسکے جھینگر کی
یہ لوگ کہتے ہیں پھر کیا سمجھ کے سخت اسے — زمینِ شعر نہ کنکر کی ہے نہ پتھر کی
شرابِ حسن سے اتنا غفیل ہے ساقی — خبر اُسے نہ صراحی کی اور نہ ساغر کی
قریبِ شعلۂ رُخ زلفِ عنبریں آئی — سُنو سُنو وہ صدا آ رہی ہے بھر بھر کی
وہ شوخ قبر کو ٹھکرانے پھر نہیں آیا — لحد پہ لوح لگائی جو سنگ مرمر کی

ظریف طبع رواں کام دے تو کیونکر دے
مشین بگڑی ہوئی آجکل ہے موٹر کی

غزل نمبر ۸۳ — ردیف ی — تعداد ابیات ۱۵

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف — ارکان۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

بُردباری دیکھ لی جب اُشترِ بغداد کی — اونٹ گاڑی حضرتِ انسان نے ایجاد کی
میں نے دیکھا خواب جیسے آپنے بیداد کی — جب تو خرّاٹوں سے آتی ہے صدا فریاد کی
آبرو نالے کی ہو عزّت رہے فریاد کی — تولیت دید جو عاشق کو حسین آباد کی
ڈارون صاحب نے اِک تھیوری نئی ایجاد کی — حضرتِ آدم خبر اب لیجئے اولاد کی
عُمر جوئے شیر لانے میں عبث برباد کی — اِس خطا پر بخشی کیا دودھ ماں فرہاد کی
عہدِ شاہی سے کسی کے کشتۂ بیداد کی — سر کٹے نالے سے آتی ہے صدا فریاد کی

منہ لگاتا قیس کو کس طرح پھر لیلیٰ کا باپ
کون ساسرا قدر کرتا ہے کسی داماد کی

چینختا بھاگا کوئی عاشق سے انجن بن گیا
رفتہ رفتہ اس قدر لے بڑھ گئی فریاد کی

یار سے سائے کی صورت وہ جدا ہوتا نہیں
ہے رقیبِ روسیہ میں خاصیت ہمزاد کی

سوزشِ پنہاں سے رہتا ہے غرض دونوں کو کام
ملتی جلتی خاصیت ہے عشق کی اور داد کی

میری ٹھنڈی سانس پر گھورا نگاہِ گرم سے
قہقہہ اُس نے لگایا میں نے جب فریاد کی

ہر ادا پیٹنٹ کروا لے تو لاکھوں ہاتھ آئیں
قدر یورپ میں بہت کچھ ہو ستم ایجاد کی

آپ کا بچہ بہن کنجر ہے میرا بھوٹیا
مادرِ مجنوں سے کہتی تھی یہ ماں فرہاد کی

دلگی میں نامۂ اعمال سب اُڑ جائے گا
مل گئی پرگت فرشتوں سے جو آدم زاد کی

ہے کمر خم ظلم اوٹھے کیا ضعیفی میں ظریفؔ
ہو گئی یہ شکل جیسے دال ہو فریاد کی

نوٹ - ۵۱ لکھنؤ میں وقف حسین آباد امجد علیشاہ بادشاہ نے قائم کیا تھا۔ اسکی بہت کافی آمدنی امورِ خیر میں صرف ہوتی ہے۔ ۵۲ ڈاروِن صاحب انگریز تھے جن کا نظریہ یہ تھا کہ آدمی بندر کی ارتقائی شکل ہے۔ اور اُسی کی نسل سے پیدا ہوا ہے۔ صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۱۴۸ ردیف ی تعداد ابیات ۶

بحر ہزج مثمن سالم
ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

مرامز دور اگر جھکتا بڑی تقصیر ہو جاتی
لئے تھا خوانچہ فرنی کا ٹیڑھی[۵۳] کھیر ہو جاتی

زمینِ کوئے دلبر کو گڑھیا سب بنا دیتے
اگر خاکِ درِ جاناں کہیں اکسیر ہو جاتی

قیامت تک نہ پیتا دودھ کوئی گائے ماتا کا
جو بچھیا اُس کی پنڈت جی کہیں ہمشیر ہو جاتی

اگر مُنہ میں کسی گونگے کے ہکلے کی زباں ہوتی
بیاں شاید ہمارے خواب کی تعبیر ہو جاتی

کسی مسجد میں پھر کوئی مؤذن کیوں جگہ پاتا انھیں مرغوں کی کگڑوں کوں اگر تکبیر ہو جاتی
ظریف اِس عہد میں زندہ اگر ہوتے میاں مجنوں
یقیناً پھر تو کورٹ نجد کی جاگیر ہو جاتی

نوٹ - ۱؎ ٹیڑھی کھیر کی ایک مثل مشہور ہے۔ کسی شخص نے ایک اندھے سے پوچھا۔ کہ بھائی کھیر کھاؤ گے اُس نے کہا کھیر کیسی ہوتی ہے۔ اس شخص نے کہا سفید۔ اندھے نے پوچھا سفید کیا۔ اُس نے کہا جیسے بگلا اندھے نے پوچھا بگلا کیا۔ اُس نے اپنا ہاتھ ٹیڑھا کرکے اُسپر اندھے کا ہاتھ پھیر کے بتایا کہ ایسا ہوتا ہے۔ اندھا گھبرا کر کہنے لگا کہ یہ ٹیڑھی کھیر ہے میں نہ کھاؤں گا اُسوقت سے یہ مثل مشہور ہے۔ مشکل کے مقام پر بولی جاتی ہے۔ صفی عفی عنہٗ

غزل نمبر ۸۵ ردیف ی تعداد ابیات ۲۱

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف ارکان۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

قبر کے اوپر مسہری خالی خولی نام کی بھائیو! مُردوں سے ایسی دل لگی کس کام کی
نر ہے یا مادہ عجب ترکیب ہے اِس نام کی کچھ حقیقت ہی نہیں کھلتی ہے ستیارام کی
کوئی تو حسرت نکل جاتی دلِ بدنام کی خالی خولی آپ کی اُلفت مرے کس کام کی
آنکھ کے ڈھیلے پھرا کر حُسن کی بازار میں وہ حسینوں کی صدائیں لے گری بادام کی
بادہ نخوت بھرا رہتا ہے اس میں کس طرح کھوپڑی انسان کی ہے شکل اوندھے جام کی
غیر کا قبضہ نہ ہو اس گھر پہ گریہ خوف ہے دل پہ اک تختی لگا دوں گا تمھارے نام کی
اپنے بھنگی پر خفا ہوتا ہو وہ جلاد کیوں کچھ تو غیرت چاہیئے ہمنام کو ہمنام کی
میرے جیلر خوف تیرا دل سے شاید مٹ چلا قید ہستی میں جو سُوجھی ہے مجھے آرام کی
تم ہو مہتر عاشقوں کے ہاتھ میں ہستی ہو جونک جب تو شہرت ہے تمھاری تیغ خوں آشام کی

چیخ کر سر پہ اُٹھائے گا یہ ساتوں آسماں — فصد دیوانے کی کھولی جائے ہفت اندام کی
عاشقِ زلفِ رسا لے لے اگر موقع ملے — آپکے سر کی بلائیں تیغ سے حجّام کی
لے گئے وہ داغ کا اک لیمپ بولی بول کر — خانۂ دل کی گرستی میں نے جب نیلام کی
ضبطِ گریہ سے نہ اُس کے دل کا جب نکلا بخار — آپکے عاشق کو نوبت آگئی سرسام کی
ذبح تو کرنے چلے ہو کچھ تمھیں معلوم ہے — کیا سزا قانون میں ہے قتل کے اقدام کی
ایسا میکش اپنا مُنہ کلھیا سا جو کھولے رہے — سچ بتا ساقی اُسے پھر کیا ضرورت جام کی
گرم جوشی جس کی سُن لے ساتھ ہو کچھ دیر تک — وہ حسینِ بیوفا لنگی ہے اک حمّام کی
دُہرا حصّہ تو لا کرتا جو پڑھتے مرثیہ — سب ہنسیں جسپر بھلا ایسی غزل کس کام کی
پھوٹ نکلا خونِ دل فکرِ مے و معشوق میں — ایسی تیسی عاشقو اس گردشِ ایّام کی
توسنِ عمرِ گریزاں کی ہے یہ اک یادگار — بال کھچڑی دُم میں ہیں جو ابلقِ ایّام کی
وقتِ پیری قبر کی ظلمت کا یوں ہے انتظار — فکر جمگادڑ کو جیسے دن رہے سے شام کی

کیا یہ خواہش بھی خلافِ وضعِ فطری ہے ظریفؔ
قلبِ اشہرؔ اور تمنّا اس بُتِ خود کام کی

نوٹ۔ ؎ اشہرؔ صاحب بھی اِس انجمن معین الادب کے ایک رکن تھے جسکے سکریٹری بہارؔ تھے اور یہ مشاعرہ اشہرؔ صاحب ہی کی طرف سے ہوا تھا اور مصرع طرح بھی انھیں کا مجوّزہ ہے ؎ قلبِ اشہرؔ اور تمنّا اس بُتِ خود کام کی۔ اسی پر مقطع میں مصرع لگایا گیا ہے۔ صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۸۶ — ردیف ی — تعداد ابیات ۱۵

بحر ہزج مثمّن سالم — ارکان۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

نہاتے وقت کرتا قیس کو یہ تھی دعا ماں کی — الٰہی خیر کرنا میرے بچّے کے گریباں کی

مجھے منظور پیمائش ہے طولِ شامِ ہجراں کی
بنالوں گز کہیں سے آنت ملجائے جو شیطاں کی

پُرانے وقت کے عاشق یونہی غم کھاتے رہتے ہیں
چُھری کانٹے کی حاجت ہے نہ اُنکو خانساماں کی

مژہ تیرا ایک ابرو تیغ ہے تو دوسرا خنجر
سلح خانے کی ہے فہرست یا تصویر جاناں کی

ورق پتّوں کی صورت ہر گلی کوچہ میں اُڑتے ہیں
خزاں ہے بلبلِ شیراز سے کہہ دو گلستاں کی

گلی میں آپ کی یوں درس خوانِ عشق بیٹھے ہیں
دبائے ہیں بغل میں جلد ایک اک ما مقیماں کی

کسی دن جا کے پاگل خانہ تھوڑی دیر دیکھ آئے
نہ جسنے سیر دیکھی ہو کبھی بزمِ حسیناں کی

نئی قاتل نے سقّے کے لیے لنگی بنائی ہے
عوض میں کھارو ے کے چادرِ خاکِ شہیداں کی

دلِ عاشق کے کنکر اس لیئے منگوائے جاتے ہیں
بنائے گی سڑک میونیسپلٹی کوئے جاناں کی

جو مانگے بھیک تو کنگھی کا دانہ بھی نہیں ملتا
یہ حالت قحط سے پہونچی ہے اب زلفِ پریشاں کی

بلا کی طرح سب عاشق جمٹ جائینگے معشوق تو
سوالِ وصل پر بھولے سے بھی تم نے اگر ہاں کی

مؤذن کی صدا سُن کر جو مستِ ناز چونک اٹھا
تو یہ سمجھا کسی بلی نے پکڑی ٹانگ ٹیاں کی

تم اُن کو ذبح کرتے ہو وہ چھپکے ذبح ہوتے ہیں
یہ سب عُشّاق ہیں یا بھیڑیاں ہیں عیدِ قرباں کی

دلِ عاشق کا ڈول اس میں پہونچنا سخت مشکل ہے
جگت سینے سے ہے اونچی ترے چاہِ زنخداں کی

کوئی لڑھیا سمجھتا ہے کوئی چھکڑا ظریف اُس کو
مضامیں کے جو چوبر دھے کی گاڑی آپنے ہانکی

غزل نمبر ۸ ردیف یائے مجہول تعدادِ ابیات ۳۲

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور یا محذوف
ارکان مفعولُ فاعِ لاتُ مفاعیلُ فاعِ لات یا فاعلن

آئی یہ فصل گردشِ لیل و نہار سے
گورے ہزاروں مرگئے کالے بخار سے

ممکن نہیں ہے روکنا اُسکا مہار سے
اُشتر نکل کے بھاگے جو کوئی قطار سے

باہر ہے یوں زباں دہنِ تنگِ یار سے ‏ ‏ جس طرح اژدہا نکل آتا ہے غار سے
دوخستہ ہو گیا ہے بہت کار و بار سے ‏ ‏ باور نہ ہو تو پوچھ لو جا کر چمار سے
پیچش بڑھی جو جان بچی کچھ بخار سے ‏ ‏ باز آئے ایسی مونگ پھلی کی ٹنگار سے
گِنتوا لو لاکھ مرتبہ چاہے ہزار سے ‏ ‏ دو ایک سے زیادہ ہیں اور آٹھ چار سے
جھنڈے پہ بال کھولے ہوئے اپنے سربسر ‏ ‏ فریاد کرتے جاتے ہیں سیّد سالار سے
مہنگی نے کر دیا ہے اُسے اس قدر نحیف ‏ ‏ خود اپنا بوجھ اُٹھ نہیں سکتا کہار سے
فاقوں سے زرد رو ہیں حسینانِ سبز فام ‏ ‏ ظاہر خزاں کا رنگ ہے فصلِ بہار سے
پُولے کی ٹھیکی خاک میں جل بھُن کے مل گئی ‏ ‏ تحقیق یہ خبر ہمیں آئی ہے پار سے
لیلیٰ نے قیس سے یہ مزاحاً کیا سوال ‏ ‏ جاتے ہو کس طرف شترِ بے مہار سے
بیوی کی روٹی کھاتے ہی نواب ہو گیا ‏ ‏ شادی ہوئی کسی کی اگر مالدار سے
کیا انقلاب ہے کہ سمجھ کر اُسے جوان ‏ ‏ بُڑھیاں ہزاروں لپٹی ہیں نخلِ مدار سے
اِس درجہ نازکی ہے کہ اُٹھنا وبال ہے ‏ ‏ عاجز ہے یار کثرتِ موئے زہار سے
کیا اس لیئے لگاتے ہیں پیڑے میانِ قبر ‏ ‏ مُردہ نکل کے بھاگ نہ جائے مزار سے
دیکھو سحر کو پھرتے ہیں جھاڑو لیئے ہوئے ‏ ‏ بہتر سڑک پہ اخترِ دُنبالہ دار سے
بے اُو بغیر اُس کے نُومن مری طرف ‏ ‏ بابا رساتھ یار کے از یار یا رسے

ہاں اب قصیدہ رنگ غزل کے بھی چند شعر
لکھیئے ظریف کلکِ ظرافت نگار سے

اب تازگیِ موسمِ فصلِ بہار سے ‏ ‏ اُگتے ہیں کرگدن شجرِ میوہ دار سے
امداد زورِ خامۂ رُوبہ شکار سے ‏ ‏ شیروں کو میں لڑاتا ہوں اب سوسمار سے
تمساح تشنہ کام ہو صحرا میں جا گریں ‏ ‏ بھاگے جو رعبِ فیلِ ذوی الاقتدار سے

معشوق سنگ پشت ہے یہ دست رس کہاں کھجلاؤں اُس کی پشت کو میں پشت خار سے
دارِ فنا رہا جو یونہی انقلاب میں ایذا کو مُردہ ہوگا زمین فشار سے
اب دوسری غزل میں پڑھوں اور رنگ کی
اتنی اجازت چاہتا ہوں شعرائے نامدار سے

نظمِ نثر نُما

جب لڑائی ہونے لگی اغیار اور یار سے آخر کو رقیب بھاگا مار سے
بُلبل جو آشیانے کے اندر چھپکی بیٹھی ہوئی ہے کیا خفا ہوگئی ہے فصلِ بہار سے
عاشق کے قتل کرنے کو جب مقتل میں پہونچا تلوار گر پڑی کمر یار سے
جس کا جی چاہے فاتحہ پڑھ دے مُردے کا نشان باقی ہے مزار سے
بڑی گرمی ہے موسم گرما شروع ہو گیا بہار سے
کس قدر آنکھوں میں ٹھنڈک پہونچتی ہے سبزہ زار سے
ایک مرتبہ مزدور گر پڑا جمعہ مسجد کے مینار سے
ظریف ہم نے تو کتابوں میں لکھا دیکھا ہے
کہ حضرت علی علیہ السلام لڑتے تھے ذوالفقار سے

نوٹ ۔ سید سالار[۱] مسعود غازی کا مقبرہ بہرائچ میں ہے۔ عرس کے زمانے میں قافلے کے قافلے زیارت کو جاتے ہیں ڈفالیوں کا گروہ جھنڈے طرح طرح کے لیکر گانا بجاتا وہاں پہونچتا ہے ۔ [۲] اس شعر میں ایک مقامی واقعہ کی تلمیح ہے ۔ جس زمانے میں یہ غزل کہی گئی تھی ۔ اُسی زمانے میں گومتی پار پولے بتادر کی ٹھیکی میں آگ لگ گئی تھی ۔

ضفی عفی عنہ

غزل نمبر ۸۸ — ردیف ے — تعدادِ ابیات ۲۳

بحر ہزج مُثمّن سالم — ارکان۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

یہ وصفِ ناتوانی سنئیے اک موہوم لاغر سے — لپٹ کر رہ گیا طفلی میں اکثر چینِ بستر سے
ابھی سے لوٹتے ہیں عاشقِ بیتاب ولر سے — پڑے ہیں سیکڑوں دل کوچہ جاناں میں کنکر سے
اِسے بھی کام ٹھوکر سے اُسے بھی کام ٹھوکر سے — مشابہ کس قدر زلفِ بال ہے عشاق کے سر سے
یہیں پر تھے حسینوں کے مکاں اگلے زمانے میں — صدا آتی ہے ابتک سر کٹے نالے کے اندر سے
حسینو! ہو گئی لیسنس سے تلوار مستثنےٰ — کہو عُشّاق سے ہشیار ہو جائیں ز رابر سے
جہاں ہو سایۂ دیوارِ جاناں لیٹ جاتے ہیں — غرض عُشّاق کو تکیے سے ہوتی ہے نہ بستر سے
جنابِ قیس کے والد شکایت کرتے پھرتے ہیں — میاں مجنوں خدا جانے نکل بھاگے کہاں گھر سے
بس اِتنا شعلۂ حسنِ رُخِ جاناں سے کھٹکا ہے — کہیں زُلفِ معنبر جل نہ جائے ایک دن بھر سے
جُنوں کے زور میں مرنے پہ بھی پنجہ لڑاتی ہے — مرے دل کی حرارت آفتابِ صبحِ محشر سے
بھرا ہے اُس میں جذبِ شوق کی قوّت کا سنگِ ہر — اب اُن کے در کا پتھر ٹوٹتا ہے میری ٹکّر سے
اِسی کو ارتباطِ عاشق و معشوق کہتے ہیں — ہمارے دل کا طوطی بولے اُن کے لب کی شکّر سے
دہ محوِ بیخودی ہوں حال کچھ میرا نہ تم پوچھو — شبِ وصلت میں اکثر ترتبر اُٹھتا ہوں بستر سے
اُنھیں جب ارتباطِ عہدِ طفلی یاد آتا ہے — سمجھکر ماں لپٹ جاتے ہیں دہ آغوشِ بستر سے
ہمارے دل میں تو مُدّت سے ہے اک درد کا کھٹکا — مسیحا چارہ سازی کو اُترتا ہی نہیں خر سے
لطیف اردو ادب کے بھی ظرافت شعر پڑھ ڈالو — یہی آواز آتی ہے دہانِ ہر سخن ور سے

اشعارِ ادبِ لطیف

خلافِ وضعِ فطری فطرت خاموش کرتی ہے — صدائے مرگ آتی ہے مکرر رنگِ مرمر سے

نمودِ بسترِ مرگِ جوانی نوحہ خواں ہوگی
مریضِ عشق کا تکیہ سرک جائے اگر سر سے

بہ اندازِ رگِ سودا شمیمِ زلف کہتی ہے
یہ تابِ کفِ قاتل رواں جاتا ہے خنجر سے

حریرِ عارضِ جاناں کے رنگِ شوخ کا عالم
میانِ عالمِ ایجاد افزوں ہے چقندر سے

سفیدی صبحِ وصلت کی اگر خمیازہ کش ہوتی
ٹپکتا خون کا قطرہ نہ ہرگز چشمِ جوہر سے

نمک پاشِ جراحت ہائے قلبِ ناتواں ہوگی
صباحت پھوٹ نکلے گی اگر دِ صلت کی چادر سے

چمک کر جلوہ دکھلایا جو ہیں برقِ تجلّی نے
کلیم اللہ ٹکرانے لگے سر اپنا پتھر سے

لطیف اُردو ادب ہے جو نہ ہو شرمندہ معنے
سُنی ہے اے ظریف اُس کی یہی تعریف اکثر سے

غزل نمبر ۸۹ — ردیف ے — تعداد ابیات ۱۰

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف
ارکان. فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

سُن کے اُلجھن ہو جسے یہ وہی افسانہ ہے
نہ کہیں زلف تری ہے نہ کہیں شانہ ہے

ایک حقّے میں پلا دیتا ہے میلے بھر کو
کیا ہی ساقی ترا چلتا ہوا میخانہ ہے

دِلِ عاشق کے جہاں بول رہے ہیں اُلوّ
یہ تری زلفِ پریشاں ہے کہ ویرانہ ہے

آتے ہیں ہو کے گرفتار جہاں مجرمِ عشق
بزمِ معشوق نہیں ہے یہ کوئی تھانہ ہے

مے طلب کرنے پر افلاس سے رو دیتا ہے
آنکھ ساقی کی چھلکتا ہوا پیمانہ ہے

فاقہ مست اُسکے جو چلنے میں گرے پڑتے ہیں
قحط کہتا ہے یہی لغزشِ مستانہ ہے

اِسے لے جاکے دکھا دے میڈیکل کالج میں
میرا دِل ہے کہ ہتھیلی میں تری دانہ ہے

آتشِ حسن سے ہو جاتے ہیں عاشق بیہوش
پھر تو مرگی کا مرض جلوۂ جانانہ ہے

لیئے قارورۂ دل بیٹھے ہیں صدہا بیمار
کوچۂ یار ہے یا شاہی شفاخانہ ہے

پاسبانِ درِ دلدار سے پوچھو تو ظریفؔ
کیوں جی اِس گھر میں زنانہ ہے کہ مردانہ ہے

غزل نمبر ۹۰ ردیف ے تعداد ابیات ۹

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور یا محذوف ارکان مفعولُ فاع لاتُ مفاعیلُ فاعلات یا فاعلن

گم صورتِ کمر دہن یار کر چکے
شاعر سب اپنے یار کو بیکار کر چکے

بھو پنو کی طرح زور سے نالہ کرینگے ہم
انجن کی طرح آہِ شرر بار کر چکے

سنیئے لطیف ادب کے بھی اب ہم سے چند شعر
اپنی غزل اِسی میں ہیں تیّار کر چکے

اشعارِ ادبِ لطیف

یہ تو حکیم آ کے کئی بار کر چکے
اندازِ نبضِ ناقۂ بیمار کر چکے

آہوئے دشت وجد میں اکثر رہا کیئے
تقریر جب کہ فیلِ سیہ کار کر چکے

لازم ہے دفن میّتِ مہماں کفن سمیت
جب قبر اس کی کھود کے تیار کر چکے

ہیں جو عمق میں چاہِ ذقن کے اسیر ظلم
پیمائشِ بلندیِ رُخسار کر چکے

یعنی دماغ گریۂ رنگیں خرام سے
بحثِ توی جنابِ سگِ یار کر چکے

باز آئے اِس لطیف ادب سے ہم اے ظریفؔ
قے جس کو سُن کے لوگ کئی بار کر چکے

غزل نمبر ۹۱ ردیف ے تعداد ابیات ۱۶

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور یا محذوف ارکان مفعولُ فاع لاتُ مفاعیلُ فاع لات یا فاعلن

وہ بیٹھنے کی چیز ہے مونڈھا کہیں جسے
وہ لیٹنے کی شئے ہے کھٹولا کہیں جسے

کالا سا اک پرند ہے کوّا کہیں جسے — وہ دوسرا سفید ہے بگلا کہیں جسے
دو دیکھتا ہے ایک کو بھنگا کہیں جسے — کچھ سوجھتا نہیں اُسے اندھا کہیں جسے
ڈانگر اُسی کو کہتے ہیں دُبلا کہیں جسے — تنڈا اُسی کا نام ہے مُوٹا کہیں جسے
بچّہ اُسے کھٹکتا ہے انڈا کہیں جسے — انڈے سے وہ نکلتا ہے بچّا کہیں جسے
میٹھا ہے ایک قسم کا حلوا کہیں جسے — روٹی ہے ایک طرح کی مانڈا کہیں جسے
وہ مرد ماں کا باپ ہے نانا کہیں جسے — ماں کی بہن وہ زن ہو کہ خالا کہیں جسے
غنچہ دہن وہی ہے کہ گونگا کہیں جسے — ہے سرو قد وہ اصل میں لنگڑا کہیں جسے
معشوق چاہیئے کہ ہو ایسا سیاہ فام — مجنوں میاں بھی دیکھ کے لیلیٰ کہیں جسے
کہتے ہو گرچہ دید کے قابل ہے روئے یار — ایسا تو ہو کہ لوگ تماشا کہیں جسے
مے کو جو اصطلاح میں کہتے ہیں دختِ رز — وہ مغبچہ ہے رندوں کا سالا کہیں جسے
سب اُنگلیاں جُھکا کے انگوٹھا اُٹھایئے — بنجائے گی وہ شکل کہ ٹھینگا کہیں جسے
آتا ہے دوپہر میں بنارس سے لکھنؤ — کیا تیز رو وہ آم ہے لنگڑا کہیں جسے
سب جانور نہ حضرتِ انسان کیوں ڈریں — پیدا ہی اُس کے پیٹ سے ہوّا کہیں جسے
پوچھا جو میں نے گھر تو اُلٹ کر دیا جواب — رہتا وہاں ہوں بادِ امینا کہیں جسے
کیا خوب[1] کے علاوہ بتاؤ تو اب ظریفؔ — ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

نوٹ ۔ [1] کیا خوب۔ ایک مشہور بھانڈ کا نام ہے جو لکھنؤ میں رہتا تھا۔ صفیؔ عفی عنہ

غزل نمبر ۹۲ — ردیف ے — تعداد ابیات ۲۶

بحر مضارع مثمّن اخرب مکفوف مقصور یا محذوف — ارکان۔ مفعولُ فاع لاتُ مفاعیلُ فاع لات یا فاعلن

گھُگھیا سا مُنہ کھُلا ترے در پر لیئے ہوئے — ساقی میں گھر سے آیا ہوں ساغر لیئے ہوئے

طالب ہیں خوابِ مرگ کے آوارگانِ عشق — تکیے کی سمت جاتے ہیں بستر لیئے ہوئے
دیوانہ ان کا روگی ہے کھلوائے گا نہ فصد — کیوں چارہ ساز بیٹھے ہیں نشتر لیئے ہوئے
خمدار ناک والوں کا نتھنوں میں دم ہے آج — نکلا ہے کوئی ہاتھ میں خنجر لیئے ہوئے
بندر کے ہاتھ آیا ہے کیا ناریل کوئی — کیوں آپ اُچک رہے ہیں کٹا سر لیئے ہوئے
سِرکی کی پال ساتھ ہے مجنوں کے دشت میں — کنجر کی طرح گھومتا ہے گھر لیئے ہوئے
آئے گا یاد آج بچا کو چھٹی کا دودھ — فرہاد آ رہا ہے وہ پتھر لیئے ہوئے
مجنوں میاں نے جب سے گھٹایا ہے اپنا سر — لیلیٰ کا سار باں ہے سلیپر لیئے ہوئے
ناصح کو دیکھیئے کہ بڑا منطقی ہے جو — آیا ہے مجھ سے بحث کو کیونکر لیئے ہوئے
تھمب امپریشن اب نہ بناؤ تو ٹھینگے سے — آیا ہوں اپنے قتل کا محضر لیئے ہوئے
روتے کٹی ہے عمر جو عاشق کی دیکھنا — بیٹھی ہے آنکھ شکووں کا دفتر لیئے ہوئے
معیار کہہ رہا ہے کہ نکلوں گا روزِ حشر — ہاتھوں میں اپنے دامنِ محشر لیئے ہوئے
مر کر ہوں راما موتی کی زندہ یادگار — لیٹا ہوا ہوں سینہ پہ پتھر لیئے ہوئے
گو بال ہیں سفید مگر دل تو ہے غنی — پھرتا ہوں سر پہ چاندی کا پتّر لیئے ہوئے
وصلت کی شرح یہ ہے کہ لپٹا کے لیٹنا — معشوق کو مکان کے اندر لیئے ہوئے
مُنہ کھولے پوچھتا ہوں یہ ساقی سے بار بار — کُپّی لیئے ہوئے ہے کہ ساغر لیئے ہوئے

اب ایسے چند شعر سناؤں جو ہوں ظریف
اُردو میں رنگِ میرِ سخنور لیئے ہوئے

برنگِ میر مرحوم

جاتا ہے دل مرا مجھے کیدھر لیئے ہوئے — ایدھر لیئے ہوئے کبھی اُودھر لیئے ہوئے

دامن پسارے پھرتے ہیں خوباں چمن کے بیچ
اٹھکھیلیاں کرے ہیں گُلِ تر لیئے ہوئے

میں پنجۂ مژہ سے سمندر بلو چکا
بیٹھے رہیں وہ گانٹھ میں گوہر لیئے ہوئے

آیا جو محتسب تو سمجھ لو کہ راہ میں
واعظ پلٹ ہی جائیگا ساغر لیئے ہوئے

رکھ ہاتھ اُن نے دل پہ ٹک اک اپنے رو دیا
بھانپا جو تیغ زن کو سراسر لیئے ہوئے

اُس صیدگاہِ عشق میں یاروں کا جی گیا
ایدھر بڑھا جو تیغ ستمگر لیئے ہوئے

بسمل تڑپ کے ٹھنڈا ابھی ہو جا چکا دیے
بیٹھا ہے اب تئیں کوئی خنجر لیئے ہوئے

اُس کوُ میں میں دوانہ ہوں اور میرے ساتھ ساتھ
لڑکے ہزاروں جھولی میں پتھر لیئے ہوئے

اگلے محاورات کو چھوڑو نہ اے ظریف
لیکن مذاقِ حال کے اندر لیئے ہوئے

نوٹ۔ ۱ و ۲ انجمن معیار کے ممبروں میں محشر لکھنوی بھی تھے۔ مزاحاً اسی طرف اشارہ ہے۔

صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۹۳ ردیف ے تعداد ابیات ۱۷

بحر ہزج مُثمّن سالم
ارکان۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

کبوتر کیا لیئے میرے اگر بلّی وہ پالینگے
نہ خط اسطرح پھر بھیجیں گے ہم بلّے میں ڈالینگے

پولس اُنکو عدالت سے سزا دلوا کے چھوڑے گی
حسیں دزدیدہ نظروں سے جو نقدِ دل چرالینگے

تری دیوار میں ہمکو جو اک روزن ہی کرنا ہے
نگاہِ شوق سے بیکار پھر ہم بیلچا لینگے

تہ و بالا کرینگے دل کے لٹّو کو جو زلفوں میں
مداری بنکے یہ معشوق بھی پھر کچھ کما لینگے

یقیں ہے سوزشِ پنہاں سے تنگ آ آ کے بیچارے
مریضِ عشق جا کر اسپتالوں میں دوا لینگے

اگر مدِ نظر اُس کو یونہی پر آب رکھنا ہے
ہم ایسی آنکھ لیکر کیا بنا لینگے گھڑا لینگے

نئی ضد عاشقوں سے اپنے یہ معشوق کرتے ہیں
وہ کل ایک کابلی سے کہتے تھے ہم تو گدھا لینگے

دہن غائب کمر معدوم ہے جن جن حسینوں کی
اکھٹّا ہو کے یہ آخر عجائب گھر بنا لینگے

مثل مشہور ہے گر غم نداری بُز بخر پھر کیا
شبِ فرقت سے تنگ آئے ہوئے بکری نہ پالینگے؟

بتنگ آئے ہیں اتنا پیچ وخم سے اپنی زلفوں کے
وہ کل حجّام سے کہتے تھے ہم تو سر منڈا لینگے

بہت کثرت سے جن کے عاشقِ ناشاد مرتے ہیں
وہ سُونا پور کے نزدیک اپنا گھر بنا لینگے

قدِ بالا تک اُن کے گر رسائی ہو نہیں سکتی
ہمیں کیا خوف بوسے کے لئے سیڑھی لگا لینگے

بھلا عاشق میں اتنا دم کہاں وہ مُڑتی خود ہے
چلے ہیں باندھ کر جو تیغ اُس کا کیا بنا لینگے

حسینو! سبزۂ رُخ کی کرو اپنے نگہبانی
تمھارے ہی غزالِ چشم اک دن اسکو کھا لینگے

ہمارے دِل کے آئینے میں گنجائش کہاں اتنی
تری تصویر کا اِک قدِ آدم چوکھٹا لینگے

اُنھیں سمجھو کہ یہ گاوِ زمیں کے سینگ ہیں گویا
مرے نالے شبِ فرقت زمیں سر پر اُٹھا لینگے

سخن دانوں کی محفل ہے ظریف آنے سے کیا حاصل
تمھارے شعر سُن کر تم کو سب شاعر بنا لینگے

غزل نمبر ۹۴ — ردیف ے — تعداد ابیات ۱۵

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور یا محذوف
ارکان مفعول فاع لات مفاعیلُ فاع لات یا فاعلن

اے قحط کچھ دنوں جو ابھی اور تو رہے
باقی نہ میں رہوں نہ مری آرزو رہے

کچھ نیک و بد کی آپ کو پہچان ہی نہیں
اب تک حضور آپ وہی بانگڑو رہے

خمخانہ جہاں میں یہ کیفِ مئے نشاط
بیکار ہے جو پیٹ کا خالی سُبو رہے

خوبی اسی میں ہے کہ یہ کودن بنے رہیں
چیلے گرو بنیں تو کہاں پھر گرو رہے

دُھوبی کا ہے وہ کتّا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا
ساتھ آپکے وہی کہ جو ہر فالتو رہے

عُشّاق زرد رو ہوئے جس دن ہلائے کان — جبتک طمانچے کھائے بڑے سُرخرُو رہے
میونسپلٹی کو وہی پاخانہ ہے پسند — گھر بھر ہیں تار کوں کی جس سے کے بُو رہے
عُشّاق سوکھ سوکھ کے لقّات ہو گئے — اغیار اک ذرا نہ گھُلے ڈھو کے ڈھور ہے
چالان ہو جو بمبے پر جاکر نہائیے — کس طرح یہ بتائیے پھر آبرو رہے
کیا فائدہ اگر مے اُلفت ہے اتنی تلخ — پینے کے بعد کچھ نہ رہے آخ تھُو رہے
لیلیٰ کے واسطے جو بنایا تھا اک مکاں — مجنوں کا باپ کہتا تھا اُس میں بہو رہے
گر میر کی زبان میں فرماؤ نے ہیں آپ — کہیئے کبھی رہے کی جگہ پر کبھو رہے
عُشّاق کو وہ کرتے ہیں ہموار اس طرح — ممکن نہیں جو فرق تسو و وستو رہے
کھیتی سے کہہ رہی ہے یہ اسکیم نہر کی — اے تو سہی گلو نہ رہے دالشربور رہے
ہم اُن کو کیا کہیں جو زمانے میں اے ظریفؔ
کہنے کو مرد دیکھنے میں مادہ رو رہے

غزل نمبر ۹۵ ردیف ے تعداد ابیات ۹

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف — ارکان۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

ہجر کی شب کا عبث اُن سے گلا ہوتا ہے — جن کو معلوم نہیں وصل میں کیا ہوتا ہے
منہ سے کچھ کہتے نہیں سر کو ہلا دیتے ہیں — اُن کا اقرار بھی اِنکار نما ہوتا ہے
کسی انسان سے انساں کا محبت کرنا — کام اچھا ہے پر انجام بُرا ہوتا ہے
کوئے جاناں میں مزہ دیتے ہیں اکثر نالے — ہوتی ہے اُن کی گلی اپنا گلا ہوتا ہے
کبھی اداؤں کے ملنے سے بھی بن جاتا ہے نر — جمع ہو جائیں جو پریاں تو پرا ہوتا ہے
چڑھنے لگتا ہے سر آدم کا پکڑ کر مجنوں — نجد میں ناقۂ لیلیٰ جو کھڑا ہوتا ہے

اُن سے جب پوچھو ہے کیا مشغلۂ بیکاری — ہنسکے کہہ دیتے ہیں کچھ بھی نہیں لاہوتا ہے[۱]
جن حسینوں کو نزاکت کا ملا ہے لیسنس — اب وہ تلوار جو باندھیں بھی تو کیا ہوتا ہے

بیوی بچے نہ ہوں جس کے یہی سنتا ہوں ظریفؔ
مادہ رد نر دہ میاں خواجہ سرا ہوتا ہے

نوٹ ۱؎ معنی قانون (License) ظریفؔ عفی عنہ

غزل نمبر ۹۶ — ردیف سے — تعداد ابیات ۱۰

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف — ارکان ۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

قتل کیونکر ہوتے ہیں تیغِ نگاہِ ناز سے — کوئی بھی سی آئی ڈی واقف نہیں اس راز سے
نجد کا میدان طے کس بُردباری سے کیا — اونٹ بازی لے گیا لیلیٰ سمندِ ناز سے
جان جب دینا پڑے پہلے بہ امیدِ حیات — لے مسیحا باز آئے ہم ترے اعجاز سے
نجد میں ناقے کی دُم کیسا تھ ہیں مجنوں میاں — دیکھتی جاتی ہیں بی لیلیٰ نگاہِ ناز سے
او نہ سننے والے سُن شب کو ستاروں کی صدا — ہلتی جلتی ہے ترے عُشاق کی آواز سے
ہو گیا معشوق کو جس روز سے آشوبِ چشم — خون ہی ٹپکا کیا تیغِ نگاہ ناز سے
اونٹ بھڑکا نجد میں محمل سے لیلیٰ گر پڑی — قیس چلّایا کچھ اس وحشت بھری آواز سے
ہم دفا پیشہ ہیں وہ عیّار مشکل ہے یہی — دوستی کیونکر نبھے دمساز کی دمباز سے
جھوجھو میں سینے کے پھر انڈے کی صورت ہو گیا — مُرغِ دل محروم ابتک ہے پرِ پرواز سے

اللہ اللہ وہ بُتِ نازک کوئی تُک ہے ظریفؔ
مول کھدر لے قبا کے واسطے بزاز سے

غزل نمبر ۹۷ — ردیف ے — تعداد ابیات ۲۱

بحر مضارع مثمن اخرب سالم یا مسبّغ — ارکان مفعولُ فاع لاتن مفعولُ فاع لاتن یا فاعلیان

فریاد کیوں کریں وہ جن کا گذر نہیں ہے — کوئے حبیب کوئی خالہ کا گھر نہیں ہے
پھر وہ حسین کیا ہے ٹیسو اگر نہیں ہے — ہیں ہاتھ پاؤں جیسے لیکن کمر نہیں ہے
شکوہ فضول سا ہے اُس کو خبر نہیں ہے — معشوق آدمی ہے کچھ تار گھر نہیں ہے
فرہاد بے ستوں سے کیوں جوئے شیر لایا — کیا گھول کر پیے گا شیریں شکر نہیں ہے
تہذیب کے تھے پُتلے بیشک جناب آدم — صحبت میں اُن کی ذکر مادر پدر نہیں ہے
جب دل لگا کے ٹھنڈی سانسیں میں بھر رہا ہوں — کیونکر کہوں کہ دل میں میرے جگر نہیں ہے
او غیرت مسیحا اُس کو حلال کر دے — ہے سخت جان عاشق لیکن سُور نہیں ہے
کس مُنہ سے پھر وہ کرتے اقرار وصل آخر — جن کے دہن نہیں ہے جن کے کمر نہیں ہے
طے کیا کریں گے کوئے جاناں کے ہفت خواں کو — جن کا مکان میاں رستم نگر[۱] نہیں ہے
بیمار عاشقوں نے عیسیٰ بنا دیا ہے — معشوق کی سواری میں گو کہ خر نہیں ہے
اُس کو تمھارا وعدہ سمجھوں تو ناسمجھ ہوں — جس میں اگر نہیں ہے جس میں مگر نہیں ہے
کچھ مادہ نہ ہو تو مادہ سے ہے وہ بدتر — کس کام کا وہ نر ہے جس میں ہنر نہیں ہے
اللہ ری بدحواسی وہ حال پوچھتے ہیں — اور میں یہ کہہ رہا ہوں مجھ کو خبر نہیں ہے
بیمار فیس دیکر گھر پر جسے بلائے — رشک مسیح ہے وہ کچھ ڈاکٹر نہیں ہے

بنوٹ سے شام فرقت کچھ اس طرح سے رویا
چشم ظریف بالکل تے۔ رے زبر نہیں ہے

نوٹ ۔ ۱ لکھنؤ کا ایک محلہ جس میں آبر مُدیر "معیار" رہتے تھے ۔ صفی عفی عنہ

اشعار بصنعتِ ادب لطیف

ذرّاتِ آفرینش سر گشتہ، تماشا
جذباتِ دل کی لیکن اُس کو خبر نہیں ہے

روحانیت کے جوہر آئینہ دارِ ہستی
مرأتِ محویت پر صیقل مگر نہیں ہے

اظہارِ ناشکیبی تمغائے آدمیت
مانا یہ جذبِ باطن وہ جانور نہیں ہے

عنوان بیخودی ہے فطرت کا ہر صحیفہ
گو درخورِ تغافل ذوقِ نظر نہیں ہے

دنیا طلسمِ حیرت دیں منظرِ تخیّل
صورت گرِ معانی حبّ خشک و تر نہیں ہے

تمکو لطیف ادب سے ہے کیوں ظریف رغبت
مہمل ہے وہ کچھ اس کی شاید خبر نہیں ہے

غزل نمبر ۹۸ — ردیف ے — تعدادِ ابیات ۱۵

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف
ارکان۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

یہ دیکھ کر کہ دلِ خاکسار راہ میں ہے
وہ پوچھتے ہیں یہ کیسا چمار راہ میں ہے

زناتھائے عرب صد قطار راہ میں ہے
ہزار ہا شتر بے مہار راہ میں ہے

رواں ہے جانبِ سڑک ڈفالیوں کا گروہ
زباں پہ غلغلہ، دم مدار راہ میں ہے

کمندِ تارِ نگہ کے سرے پہ کیا باندھوں
نہ گوہ ہے نہ کوئی سوسمار راہ میں ہے

کہیں بگاڑ نہ دیں مُنہ پُلِ کمہاراں پر
وہاں نہ جاؤ کہ صد ہا کمہار راہ میں ہے

پڑی ہے فوج کو ٹک مارچ کر نہیں سکتی
چڑھایا گوروں کو کالا بخار راہ میں ہے

سرائے دہر کا اڈّا عجیب اڈّا ہے
کہ گرد و پیش ہزاروں کہار راہ میں ہے

شبِ برات وہ لے کر دلِ شرر افشاں
تمام رات چھڑاتا انار راہ میں ہے

یہ شب کو پوچھ رہا تھا کل اُس سے اک آغا
چراکھرا ہے یہاں تو چہ کار راہ میں ہے

دوالی آئی نہیں کیوں بے ادبُت کافر
ابھی سے کھیل رہا تو قمار راہ میں ہے

کسی کا گیسوِ شب رنگ اُٹھائی گیرا ہے
ہراک طرف سے جھبی مار مار راہ میں ہے

اَغل بغل ہیں دولتّی کے خوف سے عاشق
سمندِ ناز پہ وہ بُت سوار راہ میں ہے

نئی یہ اُس نے نکالی ہے طرزِ استنجا
کہ خود کھڑا ہے لبِ بام دھار راہ میں ہے

تراجواب نہیں اوسرا کی بھٹیاری
کہ دال چولھے کے اوپر بگھار راہ میں ہے

ظریف ہے وہ بُتِ شوخ کس قدر آزاد
جو سر گھٹائے لیئے پشت خار راہ میں ہے

نوٹ۔ اوسرا سترک ایک قصبہ اودھ میں ہے وہاں مدار صاحب کا مزار ہے وہاں بھی عُرس کے زمانے میں ڈفالیوں کا گروہ جاتا ہے اور بہت لوگ زیارت کو جاتے ہیں۔ صفیؔ عفی عنہ

غزل نمبر ۹۹ — ردیف ے — تعداد ابیات ۱۶

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف
ارکان۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

شعلہ بار آہیں بھی کیں گھوما کیئے مضطر بنے
گردشِ تقدیر عاشق بن کے گھن چکر بنے

لے کے دل ایذا رسانی کو حسین دلبر بنے
سچ تو یہ ہے ناریل ہاتھ آگیا بندر بنے

عاشقو اُس آئینہ رخسار کا منہ دیکھ کر
سچ کہو ششدر ہوئے تم لوگ یا ششدر بنے

تیز رفتاری سمندِ ناز کی بڑھ جائے اور
زُلفِ پیچاں کا اگر اُسکے لیئے ہنٹر بنے

شرط ہے سنگِ درِ دلدار ہو سنگِ مزار
عاشقوں کا جب کہیں جا کر ولی کھنگر بنے

کیوں نہ ساقی کی صراحی دار گردن دیکھ کر
میکشِ نادار کا کلھیا سا منہ ساغر بنے

بے عمل عالم اگر ساری کتابیں چاٹ جائے
آدمی تو بن نہیں سکتا وہی جھینگر بنے

جس نے چوکھٹ پر تمھاری بیچ اُدھیڑ میں جان دی
اُسکی قبر اندر بنائی جائے یا باہر بنے

اُن کے سنگِ آستاں پر لمبے لمبے لیٹ جائیں
فکر کیوں اس کی کریں تکیہ بنے بستر بنے

زور بڑھ جائے جنوں کا بال بھی بیکا نہ ہو
نوکِ مژگاں کا تمھاری گر کہیں نشتر بنے

عاشقوں میں نام ہو جائے جو مجنوں کی طرح
پہلے کچھ دن دشت میں گھوما کرے کنجر بنے

عاشقِ مفلس تمھارے حسن کی بازار میں
دل کے ٹکڑے بیچنے کو لال سوداگر بنے

کہہ کے یہ لیلیٰ نے کھولی ہے دکان جنسِ حسن
پسلیاں مجنوں کی ہاتھ آئیں تو اک ٹٹّر بنے

زاہد اس برسات میں فرمایئے کیونکر رہے
گر نہ ڈاڑھی کا جناب شیخ کی چھپّر بنے

پہلواں فکرِ معیشت میں بنے تیلی کا بیل
فائدہ آخر جو کولھو کاٹ کر مگدر بنے

شاعری بیکار شئے ہے اِس زمانے میں ظریفؔ
نام کی خواہش جسے ہو قوم کا لیڈر بنے

غزل نمبر ۱۰ — ردیف ے — تعداد ابیات ۱۲

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف
ارکان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

رُخ وہ آئینہ جسے دیکھ کے حیران ہو جائے
زُلف تو بھیک ہی مانگے یہ پریشاں ہو جائے

جمع ہو جائیں نکل کر جو کہیں آنکھ سے اشک
دامن اغیار کا بازیچۂ طفلاں ہو جائے

شکل ایسی جو نظر بازوں کو اندھا کر دے
نہ کبھی حیران ہو آئینہ تو حیراں ہو جائے

جھوٹا ہونے سے ہے امکان کھلا رہنے کا
دہنِ یار جو قفلِ درِ زنداں ہو جائے

کاٹ فرہاد نہ شیریں کے لئے جوئے شیر
کہیں ایسا نہ ہو آزردہ تری ماں ہو جائے

تم کتر ڈالو اگر بال تو اُلجھن گھٹ جائے
مختصر قصۂ طولِ شبِ ہجراں ہو جائے

گر بنے برہنہ پا قیس مرا ہمجولی
لیلی پردہ نشیں آپ کی گُئیاں ہو جائے

شمع فانوس کا پہنے ہوئے لہنگا ہے کھڑی
کیا کرے کوئی اب اُسپر بھی جو عُریاں ہو جائے

ڈالیاں خوب بڑے دن میں لگائیں عُشّاق
دو دو پیسے جو کہیں سیبِ زنخداں ہو جائے

زاہدِ الفت میں کسی بت سے جو دانہ بدلے
سبحہ ہندو بنے زنّار مسلماں ہو جائے

یونہی اُردو کی کلائی جو مڑوڑے ہندی
کیا عجب ہے یہ مڑک جائے تو ہیاں ہو جائے

دیکھ کر صبح بنارس کو یہ کہتا ہے ظریف
کیوں نہ کافور یہاں سے شب ہجراں ہو جائے

غزل نمبر ۱۰۱ ردیف ے تعداد ابیات ۱۱

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف۔ ارکان۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

یار گویا اک مسالہ پینے کی سِل بھی ہے
جب تو بٹے کی طرح پتھر کے اُس کا دل بھی ہے

فصلِ سرما میں حسین لڈو بنا کر بیچ لیں
لب میں شیرینی بھی ہے چہرے پہ صد ہا تِل بھی ہے

جس جگہ پہ ہوسٹری سودائیوں کا اک ہجوم
ہو وہ پاگل خانہ بھی اور یار کی محفل بھی ہے

پوچھ گچھ کرنے کو مرنے سے نکیرین آئینگے
پھر تو اک تھانہ پُولس کا قبر کی منزل بھی ہے

عشق کا افسانہ انگریزی میں جب اُنسے کہا
ہنسکے فرمایا کہ یہ قصّہ بھی ہے ناول بھی ہے

عمر بھر گھوما کیئے ناقے کی دُم کے ساتھ ساتھ
یہ میاں مجنوں نہ سمجھے اس کا کچھ حاصل بھی ہے

مرنے والوں کی بنائی جاتی ہوں قبریں جہاں
نام تکیہ بھی ہے اُس کا کوچۂ قاتل بھی ہے

وہ کھڑے ہیں سر پہ میّت کی بلحاظِ مستقیم
زاویہ مرقد کا گویا ایک رَیٹ اینگل بھی ہے

جب دہن غائب کمر معدوم نکلا یہ حساب
حُسن میں معشوق کے زیرو بھی ہے اور نل بھی ہے

پیٹ میں ہوں جسکے دو بچے رہے وہ حاملہ
حال بھی پیدا مضارع سے ہے مستقبل بھی ہے

پتلی کھچڑی کیوں نہ بیماروں کو دی جائے ظریف
یہ غذا بھی قصرِ تن کے واسطے کہگل بھی ہے

غزل نمبر ۱۰۲ — ردیف ے — تعداد ابیات ۵

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور یا محذوف
ارکان مفعولُ فاع لاتُ مفاعیلُ فاعلات یا فاعلن

فرہاد و قیس جانتے ہیں ماسٹر مجھے
اُن کے بزرگ لکھتے ہیں مائی ڈیر مجھے

مقتل میں تیغ باندھ کے پھر جائیگا آپ
پہلے دکھا تو دیجئے اپنی کمر مجھے

میرا رقیب واہ مجھی کو بنا دیا
وہ دیکھتی ہے آپ کی ترچھی نظر مجھے

مجھ ناتواں کے مُنہ سے نکلتی نہیں صدا
نالہ یہ کہہ رہا ہے کسی طرح کر مجھے

کہتی ہے سب سے فطرت انساں یہ خود ظریف
خالی نہیں ہوں شر سے سمجھ لو بشر مجھے

غزل نمبر ۱۰۳ — ردیف ے — تعداد ابیات ۱۲

بحر رمل مثمن مشکول
ارکان فعلاتُ فاعلاتن فعلاتُ فاعلاتن

کبھی عاشقوں کو فرصت نہیں نالہ و فغاں سے
کوئی کس طرح سے چھینکے کوئی کس طرح سے کھانسے

جو وہ شوخ شعلہ پیکر لے جسم عاشقاں سے
کہیں اُٹھ کھڑے ہوں فتنے کہیں بیٹھ جائیں بانسے

یہ ادا ہوا مکرّر مری لکنتِ زباں سے
یہ تتنگ آگیا ہوں وَوَ دورِ آسماں سے

یہ جناب قیس کہتے تھے جنوں ہیں اپنی ماں سے
کوئی گود میں تمھاری کہو آگیا کہاں سے

نہ تو وعدہ اُن کا سچّا نہ مجھے یقین اس کا
وہ بتا رہے ہیں جُتّے تو میں دے رہا ہوں جھانسے

یہ سُدرشی تار برقی کا ہے اک پُرانا آلہ
چلی آ رہی ہیں دل میں خبریں کہاں کہاں سے

مجھے خاک اُڑانے میں ہے یہ کمال آج حاصل
ابھی کہیئے تو ملا دوں میں زمیں کو آسماں سے

نہ بتائینگے وہ ہرگز جو پولس بھی اُن سے پوچھے
کہ وہ بعد دس بجے کے چلے آتے ہیں کہاں سے

ترے ہجر نے بنایا ہمیں نان کو اُپر بیٹر
نہ ہے شیخ ہی سے مطلب نہ تعلقات خانسے

کسی حسن میں وہ گرمی کہ خدا بچائے سب کو | جنھیں وصل بھی میسر ہو تو بیٹھ جائیں بانسے
مرا دل نہیں ہے کڑبی جسے آپ کاٹتے ہیں | مجھے ترچھی نظروں کے اب نہ لگائیے گڑانسے

ترے کوُ میں اب دوا نہ سا ظریف پھر رہا ہے
جو ہیں پاسباں گلی کے اُسے دے رہے ہیں جھانسے

غزل نمبر ۱۰۴ ردیف ے تعداد ابیات ۹

بحر ہزج مثمّن سالم | ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

کمر باندھے عدم کے واسطے تیار ہو جائے | غزل خوانی کا جس کو شوق یا آزار ہو جائے
مکرّر ہم پڑھیں گے جب تو کوئی کیا بنائے گا | کسی جلسے میں جب پابندیِ اشعار ہو جائے
یہاں تک صحبت شعر و سخن میں ات بھر جاگے | کہ مر جائے نہیں تو کم سے کم بیمار ہو جائے
معیشت کا جسے کھٹکا نہ کوئی فکر دنیا کی | وہی شاعر ہے جو اس عہد میں بیکار ہو جائے
خیالِ حفظِ صحّت جب پڑھے لکھّے نہیں رکھتے | تو شرکت کرنے والا پھر نہ کیوں بیمار ہو جائے

ظریف ایک آدھ لکچر سال بھر میں دے دیا جاکر
وہ خوش قسمت ہے جو شاعر نہ ہو نشّار ہو جائے

غزل نمبر ۱۰۵ ردیف ے تعداد ابیات ۵

بحر مضارع مثمّن اخرب سالم یا مُسبّغ | ارکان مفعولُ فاع لاتن مفعول فاع لاتن یا فاعلیان

مجنوں یہ پوچھتا تھا لیلیٰ کے سار باں سے | تبلا دُ سول لائے یہ اونٹ تم کہاں سے
تہذیب نے بنائے خواجہ سرا بکثرت | لونڈے کی شکل اب تو ملنے لگی یہاں سے
ظاہر ہو سوزِ پنہاں اور گرمی محبّت | عشّاق ہر چلن کے جب بیٹھ جائیں بانسے

پیری و ناتوانی کیا لطفِ شعر خوانی — اِک شعر پڑھنے بیٹھے دو چار بار کھانسے

ابرو پہ جن کے بل ہے کہہ دو ظریفؔ اُن سے
آئے ہیں آپ لڑنے ٹوٹی ہوئی کماں سے

غزل نمبر ۱۰۶ — ردیف ے — تعداد ابیات ۱۲

بحر ہزج مُثمن سالم — ارکان۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

تبا بیداد گر جز نالہ و فریاد کیا کرتے — ترے عُشّاق جن کے ہو گیا تھا داد کیا کرتے

عروسانِ چمن کا بیاہ بے دولھا کی محفل تھی — عنادل چہ چہ سے شورِ مبارکباد کیا کرتے

چھٹی کا دودھ یاد آتا تھا جوئے شیر لانے میں — نہ سر کو پھوڑتے تو حضرتِ فرہاد کیا کرتے

بجز اس کے کہ دیتے مجرموں کو جیل میں پھانسی — حسیں بالفرض بنتے بھی اگر جلّاد کیا کرتے

جنابِ قیس دُبلے پتلے لیلیٰ موٹی تازی تھی — وہ ناقے سے جو گر پڑتی تو یہ امداد کیا کرتے

حسینانِ جہاں بھی کوئی آندھی یا بگولا تھے — جو مل جاتی کسی کی خاک وہ برباد کیا کرتے

یہ مستوں کا قبضہ دخترِ رز پر ہو گیا خود ہی — بنا کر پھر اُنھیں پیرِ مغاں داماد کیا کرتے

جو لیلیٰ نجد سے سوئے عراق آجاتی ناقے پر — نہ جانے بلبلا کر اُشتُرِ بغداد کیا کرتے

تمھارے مصحفِ رُخ کو زبانی یاد کر لیتے — جو عاشق تم پہ ہوتے کورِ مادر زاد کیا کرتے

جو اُن کے وصل سے مانوس تھے عہدِ جوانی میں — اگر شادی نہ کرتے عاشقِ ناشاد کیا کرتے

حسینانِ خیالی پر تصوّر میں جو عاشق تھے — وہ اِن کو بھول کیا جاتے یہ اُن کو یاد کیا کرتے

غمِ خلدِ بریں میں جب ظریفؔ آدم نے رحلت کی
بجز غم و تفٔ وہ آخر علی الاولاد کیا کرتے

غزل نمبر۱۰ ردیف ے تعداد ابیات ۱۸

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف
ارکان. فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

پاس جب وقت گیا مار دی اک لات مجھے
کبھی ممکن نہ ہوئی اُن کی ملاقات مجھے

ہو گئی اُن کی مدارات میں جب رات مجھے
پھر تو حضرت نہ رہی یاد کوئی بات مجھے

قیس کہتا تھا یہی فکر ہے دن رات مجھے
مار دے ناقۂ لیلیٰ نہ کہیں لات مجھے

پان وہ دیتے ہیں میں دیتا ہوں حقّہ اُن کو
میری خاطر ہے اُنھیں اُن کی مدارات مجھے

پھر کہاں ٹکتا ہوں وحشت میں جو اُٹھ کر بھاگا
لاکھ آنکھوں پہ بٹھایا کریں دن رات مجھے

رنگ غصّے میں بدلتے ہیں وہ گرگٹ کی طرح
حُسن کی اپنے دکھاتے ہیں کرامات مجھے

جب سے لیسنس چلا کون بنائے خنجر
اب نہ فولاد ہے درکار نہ اسپات مجھے

رُخ روشن پہ فدا اور نہ سیہ زلف کا خبط
نہ کوئی دن ہے مجھے اور نہ کوئی رات مجھے

مکتبِ عشق میں بیٹھا ہوا حل کرتا ہوں
جیسے الجبرا کے ملتے ہیں سوالات مجھے

اِسکا مطلب تو نہیں یہ کہ کہیں مجھ کو لگا دُ
دلّگی ہو گئی ہے دل کی ہر اک بات مجھے

قیس کہتا تھا یہ لیلیٰ سے کہ معلوم ہوئی
نہ مری ذات تجھے اور نہ تری ذات مجھے

سرد مہری کو تری دیکھ کے رو دیتے ہیں غیر
اب کی جاڑے میں نظر آتی ہے برسات مجھے

بوتلیں بیچتے نخاس میں دیکھا اُس کو
کس جگہ جا کے ملا پیرِ خرابات مجھے

غسلخانے میں یہ غسّال سے مردہ بولا
جیل ہے قبر تو یہ گھر ہے حوالات مجھے

رشتۂ عمر ہے کم اور مری رسّی ہے دراز
آئی چرخے سے یہ آواز نہ تو کات مجھے

بزم میں دھوبیوں کی بیٹھ کے کہتا ہے وہ شوخ
ماش کی دال ہے بھاتا ہی بہت بھات مجھے

نئی تہذیب نے معشوقوں کا فیشن بدلا
کارڈ بھیجوں تو میسر ہو ملاقات مجھے

دردِ دل عشق میں ہی کا ہے سے سیکوں میں ظریف
نہ سلالین ہی ملتی ہے نہ بانات مجھے

غزل نمبر ۱۰۱ ردیف ے تعداد ابیات ۱۳

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف
ارکان ۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

زہد کی خشکی پھر اُس پر اس قدر مغرور ہے
ترش رُو زاہد تری گردن نہیں انجور ہے

قد پہونچنا اونٹ تک مشکل ہی محمل دُور ہے
قیس کو لیلیٰ کی صورت دیکھنا منظور ہے

حکم شیریں سے بنائی نہر یہ مشہور ہے
کوہ کن کچھ بھی نہیں جُورو کا تو مزدور ہے

تیز رو ناقہ ہے مجنوں ناتواں مجبور ہے
اُسپہ بی لیلیٰ کا یہ کہنا کہ دلّی دور ہے

طُور منبر کو کہا جائے تو اس میں کیا کلام
حضرتِ واعظ کی ڈاڑھی جب خدا کا نور ہے

یادِ خالق پہلے تھی اب دل میں ہی عشقِ صنم
جو الہ آباد تھا فی الحال سیتاپور ہے

جلوہ دیکھا سیکڑوں نے غش نہ آیا ایک کو
شیخ جی کہتے تھے ڈاڑھی کو خدا کا نور ہے

دستِ لیلیٰ میں دلِ مجنوں ہے یارب خیر کر
اونٹ پر سے چھُٹ پڑا شیشہ تو چکنا چُور ہے

جلوۂ ریشِ مبارک سے ہوا بیہوش کون
شیخ جی فرمائیں یہ کیسا خدا کا نُور ہے

کر دیا ہے منہ لگا کر یار نے اس کو شریر
آدمی کب ہے رقیبِ روسیہ لنگور ہے

واجب التعظیم ہیں ارکانِ معراج الادب
وہ شاعری جزویست از پیغمبری مشہور ہے

جائے گا جنّت میں تو زاہد جواں ہو کر تو کیا
جس میں صدہا سال کی ایک ایک بڑھیا حُور ہے

جاگ اُٹھینگے حشر کا بھونپو بجے گا جب ظریف
کہتے ہیں سب دستِ اسرافیل میں اک صور ہے

نوٹ ۔ سلہ انجمن معین الادب سے کچھ لوگ علیحدہ ہو گئے تھے اور اُنھوں نے انجمن معراج الادب قائم

کی تھی۔ لیکن یہ دونوں انجمنیں بہار مرحوم کی وفات کے بعد مدغم ہو کر انھیں کے نام سے معنون کر دی گئیں۔ یعنی "بہار ادب" نام رکھا گیا۔ صفی عفی عنہٗ۔

غزل نمبر ۱۰۹ ردیف ے تعداد ابیات ۱۲

بحر مجتث مخبون مسکن مقصور یا محذوف ارکان مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

خواصِ چند جو پائے جناب میں میں نے
تو دی جگہ دلِ خانہ خراب میں میں نے

خیال سبزۂ خط یادِ عارضِ رنگیں
کہاں سے بھنگ ملا دی شراب میں میں نے

لگائیں ضرب وہ اور میں کہوں کہ یا قسمت
بہت بڑی غلطی کی حساب میں میں نے

ہیں واقعی انھیں سمجھا کہ سانپ والا ہے
جو دیکھی زلف سیہ پیچ و تاب میں میں نے

گڑی ہوئی ہے نظر اُنکے روئے رنگیں پر
نئی یہ شاخ لگا دی گلاب میں میں نے

کہا یہ قیس نے لیلیٰ نہ آئے مکتب میں
پڑھا الف زبر آ جب کتاب میں میں نے

ہوئے وہ حسن کی میونسپلٹی کے ممبر
جب اُن کو ووٹ دیا انتخاب میں میں نے

سمجھ کے آپ نے بزدل مجھی کو ذبح کیا
کوئی خطا تو نہیں کی جناب! میں میں نے

کرے خوشی سے خود انسان اپنا مُنہ کالا
عجیب رنگ یہ دیکھا خضاب میں میں نے

زمین ہو گئی ہموار اُن کے کوچے کی
لگائی لوٹ جو اک اضطراب میں میں نے

نکل سکے نہ کسی طرح اتنے غوطے دیئے
اُنھیں ڈھکیل کے چشمِ پر آب میں میں نے

جلا رقیب کا جب دِل تو اور گالیاں دیں
ظرِیف مرچ لگا دی کباب میں میں نے

غزل نمبر ۱۱ ردیف ے تعداد ابیات ۱۷

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

بوقتِ ذبح آتی ہے صدا یہ حلقِ بسمل سے / بلا لیسنس ہے تلوار چھن جائیگی قاتل سے
چلے تو جائیں گے لیکن بڑی دقت سے مشکل سے / اگر مجنوں کی گردن باندھ دو لیلیٰ کی محمل سے
محبت کے اکھاڑے ہیں جہاں رکھا قدم میں نے / مرے ارمان کشتی لڑنے لگتے ہیں مرے دل سے
بُتِ کافر کے عاشق ہیں بنارس لے چلو ہم کو / ہمارا دل الہ آباد میں بہلے گا مشکل سے
سکھا طرزِ عمل بیفائدہ بکنے سے کیا حاصل / دماغ اپنا پھرا جاتا ہے ناصح تیری ٹِل ٹِل سے
عدم آباد کالج میں لحد دار الاقامت ہے / غرض ہو اپنی اپنی گور اپنی اپنی منزل سے
شکایت اُن کو لکھوں گا زمانے نے جو فرصت دی / ابھی دس بیس رم کاغذ منگانے دو مجھے مِل سے
یہاں تک رفتہ رفتہ اِس زمانے نے ترقی کی / سمندِ ناز ہچکرانے لگا آخر کو سائیکل سے
شہیدانِ وفا کا خون اتنا جم گیا اُس پر / کہ آخر کھاروا اُترا گیا دامانِ قاتل سے
لنگوٹی باندھے پیچھے دوڑتے جاتے ہیں بیچارے / میاں مجنوں کو لیلیٰ جھانکتی جاتی ہے محمل سے
وہ اپنے عاشقوں سے پوچھتے ہیں کون اچھا ہو / ملاتے ہیں الہ آباد کے امرود کو دل سے
یہ عاشق اپنے معشوقوں کو کیا اُلو بناتے ہیں / محبت ان کو کیوں ہونے لگی اُجڑے ہوئے دل سے
بسر کی ایک حالت پر نہ بدلا عمر بھر زانو / ادب اغیار نے سیکھا مرے بیٹھے ہوئے دل سے
ہماری شاعری کا اونٹ کس کل دیکھیے بیٹھے / غرض جس کو نہ مجنوں سے نہ لیلیٰ سے نہ محمل سے
محبت کا مسالہ پیتے اک عمر گذری ہے / دلِ عاشق کا بٹا گھس نہ جائے صبر کی سِل سے
بنایا کرتے ہیں عشاق لڈو فصلِ سرما میں / تمھارے لب کی شیرینی سے اور رخسار کے تِل سے
ظریف اچھا تو ہے یہ بھاری پتھر چوم کر چھوڑ / دلِ بیتاب دب سکتا نہیں اب صبر کی سِل سے

غزل نمبر ۱۱۱ ردیف ے تعداد ابیات ۱۷

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف
ارکان۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

مرگِ عاشق کے تماشے کو مکرر دیکھیے
آئیے مرقد پہ لوحِ سنگِ مرمر دیکھیے

داڑھی مونچھیں صاف ہیں مثلِ قلندر دیکھیے
مادہ رو ہیں مغربی تہذیب کے نر دیکھیے

اپنی شخصیت کو پہلے ہیٹ بر سر دیکھیے
بعد ازاں عینک لگا کر نیوز پیپر دیکھیے

دل کو گر مقصود ہو نظارۂ حسنِ فرنگ
چاہے شلجم دیکھیے چاہے چقندر دیکھیے

ڈال لیجے اپنے رخ پر آپ جالی کی نقاب
بند کر کے حسن کی دوکاں کا شٹر دیکھیے

اُن میں عزرائیل میں اک میچ ہے فٹ بال کا
کشمکش میں عاشقوں کا قلبِ مضطر دیکھیے

بھرتے ہیں کیسی چھلانگیں ارتقا کے پیڑ پر
مورثِ اعلیٰ ہیں جن لوگوں کے بندر دیکھیے

پی کے سگریٹ چھوڑیئے آہستہ آہستہ دھواں
چاہیے جب اُس بتِ ترسا کا گھونگھر دیکھیے

اُن سے کہیے آپ جو بوسے کے طالب ہیں حضور
مصحفِ رخ چاٹ جائینگے یہ جھینگر دیکھیے

کیجیے یوں چار آنکھیں عاشقوں کے سامنے
اُس طرف جب دیکھیے عینک لگا کر دیکھیے

اُس کرنجی آنکھ پر عشاق کا دل آگیا
ہو گیا مانوس بلّی سے کبوتر دیکھیے

لیڈری سستی ہوئی ہر چیز مہنگی ہو گئی
اب تو اِک آنے میں مل جاتا ہے لیڈر دیکھیے

جنکو بھاتی تھی بہت لبہائے شیریں کی مٹھاس
اُنکے قارورے میں اب آتی ہے شکر دیکھیے

دونوں جذبے ایک ہیں لیکن نر و مادہ کا فرق
اُن کی طاقت دیکھیے اور میرا پاور دیکھیے

خوابِ غفلت کیا حماقت ہے سرائے دہر میں
خود ہی سونے میں صدا آتی ہے خر خر دیکھیے

دیکھنا ہو خرد ماغی گر بتِ سفاک کی
کوچۂ جاناں میں جا کر خونِ خنجر دیکھیے

رات بھر کیوں چین سے سونے نہیں پاتے ظریف
یادِ جاناں کیا ہے کھٹمل ہے کہ مچھر دیکھیے

غزل نمبر ۱۱۲ ردیف ے تعداد ابیات ۱۱

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف ارکان ۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن ۔

یوں بہ تہذیب اُن کو عاشق کو سنا دینے لگے
بد نکل آئی تو سب ملکر دعا دینے لگے

یوں کفن بہرِ شہیدانِ وفاد بینے لگے
ناپ کر ہر اک کو دو گز کھاروا دینے لگے

مُنہ پُھلا کر تشنہ کامانِ محبت کو حضور
شربتِ دیدار کا پورا گھڑا دینے لگے

جب سے عاشق ہو گئے اُس بُت پہ چوکیدار تک
سونے والو! جاگتے رہنا صدا دینے لگے

جھوٹے عاشق اِس سے بڑھکر اور کیا دیتے ثبوت
ہوگئے گندہ دہن بوئے وفا دینے لگے

پیٹ ضبطِ آہ سے عُشاق کا پھولا جہاں
دھوکنی کی طرح سے نتھنے ہوا دینے لگے

سسکیاں لیں مُنہ بسورا عاشقوں کے سامنے
وہ کھجا کر داد کو دادِ وفا دینے لگے

ہوگئے عُشاق بھاک منگے الٰہی خیر ہو
آپ کی صورت جہاں دیکھی دعا دینے لگے

اُن کے بیماروں کا گھو نگھرو بولنا جب سُن لیا
جلدی جلدی تال مسٹر کالکا[1] دینے لگے

جب مسیحا سے نہ اچھے ہو سکے بیمارِ غم
ہو کے کھسیانے سبھوں کو سنکھیا دینے لگے

خوش ہوئے جب شعر پر تالی بجا دی اے ظریف
شاعروں کو لوگ انگریزی صِلا دینے لگے

نوٹ ۔ [1] کالکا کتھک بندادین کا بھائی تھا دونوں بھائی رقص و غنا میں بہت مشہور تھے اور جھاؤلال کے پل پر لکھنؤ میں رہتے تھے ۔ صفی عفی عنہٗ

غزل نمبر ۱۱۳ ردیف ے تعداد ابیات ۱۲

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف ۔ ارکان ۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

جب دوبارہ کسی عاشق کا جنم ہوتا ہے
اِک وفادار سگ کوئے صنم ہوتا ہے

جاں ستاں غمزۂ معشوق ستم ہوتا ہے
اسمیں کیا ہوتا ہے شل ہوتا ہے بم ہوتا ہے؟

سلسلہ دار جُدائی کا الم ہوتا ہے
کبھی غم ہوتا ہے اُن کو کبھی ہم ہوتا ہے

بچپنے میں جو ڈرا کرتے تھے بی شادی سے
شادیانے نہ بجاؤ اُنھیں غم ہوتا ہے

تان اور تال کی تشریح مُغنیؔ جانے
جس کو کھا لیتے ہیں عُشاق وہ سم ہوتا ہے

تیرا عاشق ہے مگر ضبط کی اُلٹی تصویر
چیخ اُٹھتا ہے کبھی درد جو کم ہوتا ہے

خانہ ویرانیٔ عاشق کا ہے سامان معشوق
سبزہ رویوں میں ہر اک سبز قدم ہوتا ہے

وصلِ جاناں سے جو پیری میں ہیں محروم انھیں
نہ بہت ہوتا ہے افسوس نہ کم ہوتا ہے

تین حرف اُن پہ جو کرتے نہیں اتنی سی بات
کاف رے میم کے ملنے سے کرم ہوتا ہے

کھاتے پھرتے ہیں قلا بازیاں عُشاق تمام
کوئے قاتل میں شب و روز اُدھم ہوتا ہے

چھوٹتی رہتی ہے عُشاق کی اکثر نکسیر
زُلفِ مشکیں سے تو بس ناک میں دم ہوتا ہے

مکتبِ عشق میں دیتے ہیں سبق حضرتِ وصلؔ [۵۱]
بے سے ہے میم ملا دو تو بہم ہوتا ہے

بے تکی خط میں اُڑاتے ہیں حسینانِ فرنگ
ہاتھ میں اُنکے جہاں پر کا قلم ہوتا ہے

جو دکھاتے ہیں رہِ عشق میں ثابت قدمی
ایسے عُشاق کے پیروں میں ورم ہوتا ہے

مجھ کو معلوم نہیں درد ہی یا کیا شئے ہے
کچھ مرے دل میں ترے سر کی قسم ہوتا ہے

کیا مزیدار ہے منعم کا اَچھوتا چُورن
کہ ہوا کھاتا ہے جب سیر شکم ہوتا ہے

ہو گئی ایک عربی داں سے محبت جو ظریفؔ
صرف تقریر میں اب لا و نعم ہوتا ہے

نوٹ۔ ۵۱ ایک شاعر کا تخلص ہے جو انجمن بہار ادب کے ممبر تھے۔

مصطفیٰ عفی عنہ

غزل نمبر ۱۱ — ردیف ے — تعداد ابیات ۱۲

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان ۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

جب اُن کے خواب میں شیطان بیباکانہ آتا ہے
وہ کہتے ہیں مجھے حرزِ ابو دجانہ[1] آتا ہے

دلیلِ کمسنی اب اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی
کہ جوڑا پاؤں میں اُس شوخ کے بچگانہ آتا ہے

ہیں تنخواہیں اُسی میں اہلکارانِ عدالت کی
یہ جتنی کورٹ فیس آتی ہے یا طلبانہ آتا ہے

پسینہ خالِ رُخ پر ہے یہ تخئیلِ قدیم اُن کے
گلابِ تند میں بھیگا نظر بہدانہ آتا ہے

اذاں دیتے ہوئے مرغوں کے آگے پھینک دیتے ہیں
بتوں کے ہاتھ میں جب سبحۂ صد دانہ آتا ہے

کئے ہیں شمع نے چھاندے وہ دیکھو آگ روشن ہے
چھلبداروں[2] کی صورت کودتا پروانہ آتا ہے

وہ دیکھو گارد ے کا گارد اک چھت پہ بیٹھا ہے
یہ گاڑی قیدیوں کی آتی ہے یا تھانہ آتا ہے

رقیب آئے تو اُس سے چھوٹ لڑنے کا ارادہ ہے
پٹا آتا ہے بانک آتی ہے مجھ کو بانہ آتا ہے

لبوں نے خوش نویسی سیکھی ہے یا قوت سے شاید
بنانا اُس دہن کے سین کا دندانہ آتا ہے

مسیحا دیکھ جا پیٹ اپنے بیمارِ محبت کا
اُسے پیشاب آتا ہے نہ اب پاخانہ آتا ہے

صفت تو دیکھیے ہر چند ہمت ہے مؤنث خود
پہن کر یہ زنانہ جانگیا مردانہ آتا ہے

ظریف اک دن بہ تخئیلِ قدیم اُس شوخ سے پوچھو
کہو کچھ شعر کہنا تم کو معیارانہ آتا ہے

نوٹ ۔ [1] ایک صحابی رسول تھے اُنھیں ایک جن ستاتا تھا۔ چنانچہ اُنھوں نے پیغمبرِ خدا سے شکایت کی اور حضرت نے جناب امیر المومنینؑ سے فرمایا کہ انھیں تعویذ لکھ دو اُنھوں نے لکھ کر دیدیا۔ اسی تعویذ کا نام حرزِ ابودجانہ ہے [2] چھلبدار قوالوں کا ایک طبقہ ہے جو احمد کبیر کی گائے ماننے والوں کے یہاں آکر صحن میں کوئلے بچھا کر آگ روشن کرتا تھا اور گا گا کر انگاروں پر لوٹ لگاتا

تھا۔ عام مسلمانوں میں یہ رسم جاری تھی کہ اپنی مراد بر لانے کے لئے احمد کبیر کی گائے مانتے تھے اس منتی گائے کے کباب بھی چھلبدا تیار کرتے تھے اور اس رسم کا نام چھاندا تھا۔ مدّت سے یہ رسم اُٹھ گئی۔ صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۱۱۵ ردیف ے تعداد ابیات ۱۴

بحر مضارع مثمّن اخرب مکفوف مقصور یا محذوف — ارکان مفعولُ فاع لاتُ مفاعیلُ فاع لات یا فاعلن

یہ بحث اب حکیم میں اور ڈاکٹر میں ہے
سُرعت یہ کیسی نبضِ نسیمِ سحر میں ہے

چندیا میں وہ چمک ہے کہ جو مال وزر میں ہے
قاروں ہے اپنے وقت کا وہ گنج سر میں ہے

معشوق کا حسین تو ہونا ہے لازمی
اب بحث جس قدر ہے وہ مادہ و نر میں ہے

ہم اُن کی چشمِ مست کو ساغر تو مان لیں
لیکن ہمیں کلام ذرا سا گگر میں ہے

دفتر شکایتوں کا جو لے کر وہ اُڑ سکے
طاقت کب اتنی میرے کبوتر کے پر میں ہے

معشوق مفلسی کے سبب سے ہے دربدر
ذاتی مکاں نہیں ہے کرائے کے گھر میں ہے

گویا ہمیں ہے درہم داغِ جنوں کا بنک
تیرِ نگاہِ ناز کا پہرا جگر میں ہے

عاشق کو تیرے باتوں میں اچھو جو ہو گیا
تالا پڑا ہوا ابھی بابِ اثر میں ہے

کانسٹبل کی نقل کرے گا وہ ترک آج
تلوار کے مقام پہ ڈنڈا کمر میں ہے

قائل ہوئے جو دورِ فلک کے تو اس طرح
کہتے ہیں وہ کہ بڑھیا کا چرخہ قمر میں ہے

کیسا فراق وصل کجا انتظار کیا
میں اپنے گھر میں بیٹھا ہوں وہ اپنے گھر میں ہے

ہے قتلِ نیم جاں کا ارادہ کئے ہوئے
قاتل کی آستین ابھی چڑھ اُتر میں ہے

سرو رواں جو کہتے ہیں تجکو بتا تو دے
انسان میں شمار ترا یا شجر میں ہے

عاشق کو ہے وہ بھیرویں بے وقت کی ظریف
کیا اچھی تان نغمۂ مرغِ سحر میں ہے

غزل نمبر ۱۱۶ ردیف ے تعداد ابیات ۲۱

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

دور تک آہ رقیبوں کو بھگا آتی ہے — مچھر اُڑ جاتے ہیں جس وقت ہوا آتی ہے
نجد سے ناقہ لیلیٰ کی صدا آتی ہے — بلبلاتی ہوئی مجنوں کی قضا آتی ہے
عشق نے آکے لگایا ہے کوئی ٹیلیفون — وہ جو بولیں مرے کانوں میں صدا آتی ہے
بے وفا دوڑتا ہے مارنے لے کر تلوار — کوئی جھوٹوں بھی جو کہہ دے کہ وفا آتی ہے
دو ہی کام آتے ہیں معشوقوں کو دنیا میں فقط — یا جفا آتی ہے یا ان کو حیا آتی ہے
ملک الموت اُسے لاد کے جب لاتے ہیں — اتنی موٹی ہے کہ جب جا کے قضا آتی ہے
نفع اتنا تو ہوا اس میڈیکل کالج سے — تیرے بیمار کے پینے کو دوا آتی ہے
مونڈ کر نائی لیئے جاتا ہے اُن کے جھونٹے — بھاگو بھاگو ارے بھاگو کہ بلا آتی ہے
اُس محلے میں رسائی ہو تو جا کر دیکھو — شام کو رسّی بٹولے زلفِ رسا آتی ہے
آنت شیطان کی بھی پڑھتی ہے لاحول اگر — سامنے اُس کے تری زلفِ رسا آتی ہے
کسی ترکیب سے اب باندھیں گے اس قافیئے کو — یہ تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ خدا آتی ہے
اپنی ناک آپ ہی ملتے ہیں کہ آجائے چھینک — یاد عشاق کو جب اُن کی جفا آتی ہے
ہیں وہ خلوت کدۂ ناز میں تنہا بیٹھے — پنکھا خود جھلتے ہیں جب جا کے ہوا آتی ہے
وہ جنازے پہ کھڑے پڑھتے ہیں تن تن کے نماز — جب قضا آئی تو اُن کو یہ ادا آتی ہے
آنکھ عاشق کی بھگو دیتی ہے رو کر دامن — دل جب آتا ہو تو یہ لے کے گھڑا آتی ہے
عیدِ قرباں سے نہیں کم ترا آنا اے شوخ — کہ ترے عاشق بزدل کی قضا آتی ہے
بن کے بی شادی ڈرا دیتی ہے اُسکو لیلیٰ — نجد میں لے کے جو مجنوں کو دَدا آتی ہے

عشق میں اِک بُتِ کافر کے مرا ہوں جل کر
مرگھٹے سے ترے عاشق کی صدا آتی ہے

گالیاں دیتے ہیں سب جان کے دیوانہ ترا
رات کو جب کسی اُلّو کی صدا آتی ہے

میں جو کرتا ہوں کبھی سوز کا اُن سے اظہار
وہ یہ کہتے ہیں کہ بس ہم کو سزا آتی ہے

چہرہ قاتل کا تو دوزخ کا نمونہ ہے ظریفؔ
دامنِ تیغ سے جنّت کی ہوا آتی ہے

نوٹ۔ لہ لکھنؤ کا ایک محلہ مولوی گنج کے قریب ہے جہاں کسی زمانے میں رسّیاں بٹی جاتی تھیں۔ صؔفی عفی عنہ

غزل نمبر ۱۱ ردیف ے تعداد ابیات ۱۰

بحر ہزج مُثمّن سالم
ارکان برفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

یہ اچھّی دِلگی عاشق سے کی حسرت بھرے دل نے
جہاں وصلت کا نام آیا یہ پہلے سے لگا ہلنے

ہوئی ہے بعد مدّت طرح کے مصرع میں شامل نے
قدم آسانیوں کی بزم میں رکھا ہے مشکل نے

نچائی دور سے اُنگلی کسی بیدرد قاتل نے
کچھ ایسا کردیا مبہوت اس کو رقصِ بسمل نے

چھٹی کا دودھ یاد آیا تھا جوئے شیر لانے میں
میاں فرہاد کو اتنا دبایا صبر کی سِل نے

پُرانا ٹاٹ گودڑ کون دنیا میں خریدے گا
قیامت ہوگئی اُس دن ٹاٹ جب اُلٹا پڑل نے

نہ اپنے گھر نہ اُس کی تیغ ہی کے گھاٹ تک پہونچا
بسر دھوبی کے کُتّے کی طرح کی مضطرب دل نے

بنی افیونیوں کی بزم میں تلخی بھی شیرینی
اِدھر انیوں لگی کھلنے اُدھر گنّا لگا چھلنے

جنابِ مشق کا اِصرار تھا احباب کیا کرتے
مفاعیلن کی جو بردھی کو ہانکا اہلِ محفل نے

خبر لیں مولوی صاحب کہ طُلّاب مدارس نے
کیا بدنام بے ترکیبیٔ مفعول و فاعل نے

غضب ڈھایا مٹادی سب ظرافت کی ضیاباری
ظریفؔ اپنے چراغِ عمر کی ہر وقت جھل مل نے

غزل نمبر ۱۱۸ — ردیف ے — تعداد ابیات ۲۰

بحر رمل مُثمّن مقصور یا محذوف — ارکان. فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

عشق ہو زہرا جبینوں سے بڑا دل چاہیے — پیٹ کو بھٹی دار مثلِ چاہِ بابل چاہیے
ردی صورت عاشقوں کی دیکھ کر بے اختیار — غنچہ ردیوں کیلئے ہر وقت کھِل کھِل چاہیے
اجنبی بن کر کہا کرتے ہیں وہ عُشّاق سے — کیا کرایہ لو گے ہم کو خانۂ دِل چاہیے
زُلف کی رَسّی سے جونا چاکرے لٹّو کی طرح — ان حسینوں کے لئے اک کاٹھ کا دِل چاہیے
ہم سے دیوانوں کے سمجھانے کو آیا ہے سڑی — ناصحِ ناداں کو خود طوق و سلاسِل چاہیے
بس یونہی ہوتا ہے حسُن و عشق کا قِصّہ تمام — ایک بِسمِل چاہیئے اور ایک قاتِل چاہیے
کوُہ کن سے کی بھی فرمائش تو یہ شیریں نے کی — اک مسالہ پیسنے کے واسطے سِل چاہیے
وقتِ پیری وصل کی خواہش ہو اِک اَمرِ فضول — تم کو اب خواجہ سرائی اے میاں دِل چاہیے
نازنیں جب ہے تو ہو جا سر پہ مجنوں کے سوار — تجھ کو ناقہ چاہیئے لیلیٰ نہ محمل چاہیے
ملکِ یورپ کا جو صاحب ہو تو افریقہ کی میم — اس طرح آمیزِش کافور و فُلفِل چاہیے
گربۂ زاہد بڑی محنت سے کرتی ہے شکار — اتبولے چوہو اسے تنخواہ کابِل چاہیے
ناتوانوں کے لئے ہے گرم کھچڑی زُود ہضم — قصرِ تن کو فصلِ سرما میں یہ کہگِل چاہیے
آرڈر اک بھیج دیجئے ٹاٹا مِل کو جانِ جاں — آپ کے عُشّاق کو فولاد کا دِل چاہیے
نامہ بر دشنٰ مینٰ رم سے کام چل سکتا نہیں — میرے خطِّ شوق کو پوری پیپر مِل چاہیے
پھولا ئیو جا عاشقوں سے اپنے بیٹھا ہے وہ بت — اس کے پچکانے کو نسخہ اک محُلِّل چاہیے
سچ تو یہ ہے قوم کے تیلی ہیں وہ عاشق نہیں — جو یہ کہتے ہوں ترے رُخسار کا تِل چاہیے
دو نوں میں اِک غیر منقولہ ہو منقولہ ہو ایک — یار کی چکّی کا یارو کو نسا پِل چاہیے

گر یبوست ہے مزاج زاہدانِ خشک میں
کاسٹرائیل کا روز ایک اُن کو مسہل چاہیے

میکدے والوں کو ان بحثوں سے کچھ مطلب نہیں
مدرسہ ڈھونڈھو اگر مفعول و فاعل چاہیے

جہل بھی جب منتہائے علم ہے بھائی ظریفؔ
پھر تو ہر عالم کو خود تقلیدِ جاہل چاہیے

غزل نمبر ۱۱۹ ردیف ے تعداد ابیات ۱۳

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف
ارکان۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

شکل ملجاتی جو میری قیس کی تصویر سے
عقد کر لیتا میں اے لیلیٰ تری ہمشیر سے

جن کی قسمت میں یہ لکھا تھا بنیں کولھو کے بیل
بن گئے عاشق تمہارے گردشِ تقدیر سے

قید ہو دُہری یہی ہے جوشِ وحشت کا علاج
یار کی زلفیں لپٹ جائیں مری زنجیر سے

زُلفِ مشکیں سُونگھ لینے سے پریشاں ہو دماغ
عاشقوں کا ناک میں دم آ گیا نکسیر سے

ان بڑی آنکھوں میں کیا چھوٹی سلائی کام دے
ہو قدر انداز تم سرمہ لگا لو تیر سے

دیکھنا کوچہ گڑھیا ایک دن ہو جائے گا
کم نہیں خاکِ درِ جاناں اگر اکسیر سے

عاشقوں کے باپ سے بھی وہ پڑھی جاتی نہیں
آپ کی تحریر ملتی ہے خطِ تقدیر سے

سامنے جب آئے تم آنکھوں پہ پردہ پڑ گیا
ہے شبِ دیجور پیدا حُسن کی تنویر سے

لوگ دسترخوان پر جھک جھک کے کھاتے ہوں جسے
ہم کو تو رکھیں مُعاف آپ ایسی ٹیڑھی کھیر سے

وصل کی خواہش سے نم پا کر بھری برسات میں
آپ کی تصویر چمٹی تھی مری تصویر سے

دُودھو پنڈت جی ہیں لیکن رہے اس کا خیال
گائے ماتا ہے تو بھیا کم نہیں ہمشیر سے

کیا حسینوں میں وہ سب نازک بدن مشہور ہیں
خانۂ دِل میں پڑے رہتے ہیں جو شہتیر سے

جوشِ آہِ سرد سے یہ ہو گیا ثابت ظریفؔ
کم نہیں عاشق کا سینہ گلگٹ و کشمیر سے

غزل نمبر ۱۲۰ — ردیف ے — تعداد ابیات ۶

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

کسی سارس ہی میں ہے اور نہ کسی قاز میں ہے
جس قدر سمع خراشی تری آواز میں ہے

یار مقتل میں کبھی خواب گہ ناز میں ہے
ہے مذکر کہ مؤنث یہ ابھی راز میں ہے

فون پر اے شب وصلت میں بلانے والے
کشش قرب تری دور کی آواز میں ہے

گنبد مقبرہ کی شکل ہے بطن مادر
صورت انجام کی منعم ترے آغاز میں ہے

اک جہاں سنکے جسے کان کھڑے کرتا ہے
اتنی طاقت مری بیٹھی ہوئی آواز میں ہے

دور بینی جسے کہتے ہیں وہ دراصل ظریف
بڑھ کے انساں سے کہیں چشم غلیواز[۱] میں ہے

نوٹ۔ [۱] بمعنی چیل بروزن پٹے باز۔ صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۱۲۱ — ردیف ے — تعداد ابیات ۱۱

بحر ہزج مثمن اخرب سالم — ارکان۔ مفعول مفاعیلن مفعول مفاعیلن

وحشت میں ہر اک نقشہ الٹا نظر آتا ہے
مجنوں نظر آتی ہے لیلیٰ نظر آتا ہے

اے مرغ سحر ککڑ دوں کوں بول کہیں جلدی
تو بھی شب فرقت میں گونگا نظر آتا ہے

مجنوں تو ہے دیوانہ سمجھا ہے اسے لیلےٰ
محمل میں جو کچھ کالا کالا نظر آتا ہے

ڈاڑھی کو تری واعظ سب دیکھ کے کہتے ہیں
وہ قصر تقدس کا چھجا نظر آتا ہے

اعجاز تخیل ہے بے وصل کے عاشق کو
آغوش میں جاناں کی بچا نظر آتا ہے

باز آئے محبت سے اے عشق خدا حافظ
الفت میں جسے دیکھو اندھا نظر آتا ہے

کچھ تجھ کو خبر بھی ہے دیکھ آئینے میں صورت — او ترچھی نظر ڈالے بھنگا نظر آتا ہے

اس مزرعِ دنیا میں اوروں کے ڈرانے کو — واعظ تو ہمیں خالی دھوکا نظر آتا ہے

جے کہتے ہو گاندھی کی جسوقت مسلمانو! — اسلام کے ماتھے پر قشقا نظر آتا ہے

سوراج کے چکر میں رہتے تھے جو سرگرداں — اُن لوگوں کو اب خالی چرخا نظر آتا ہے

"چوں پیر شُدی حافظ از میکدہ بیروں شو"

خاموش ظریف اب تو بوڑھا نظر آتا ہے

غزل نمبر ۱۲۲ — ردیف ے — تعداد ابیات ۱۲

بحر رمل مُثمّن مقصور یا محذوف

ارکان۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

وہ جھجیں باہم دگر دست وگریباں دیکھیے — صورۃً انساں ہیں ور سیرت میں حیواں دیکھیے

شوخیٔ دستِ جنونِ فتنہ ساماں دیکھیے — نافؔ تک پہونچی حدِ چاکِ گریباں دیکھیے

چیتھڑا ہے پیرِ گردوں کی قبائے کہنہ کا — ماہِ نو کو اب نہ کہیئے گا گریباں دیکھیے

عشق میں ملحوظ رکھیئے طرزِ تعلیم قدیم — ابتدائً تا مقیما پھر گلستاں دیکھیے

نازنے لیلیٰ کو جب سے لے لیا ہے گود میں — غم نے مجنوں کو چڑھایا ہے گھڑیاں دیکھیے

چھوٹی چھوٹی لالٹینیں بکنے آئی ہیں جو اب — اس قدر ہے اِنکا مستقبل درخشاں دیکھیے

جان لیجئے روح بنداد سلف دین کی ہے وجد میں — جب تبسم کو لبِ جاناں پہ رقصاں دیکھیے

شاعری کا ہو گیا ہے خبط جب سے یار کو — دیکھتا ہے حضرتِ سوداؔ کا دیواں دیکھیے

جابجا سڑکوں پہ چوپایوں کی راحت کیلئے — موجزن ہے ٹنکیوں میں آبِ حیواں دیکھیے

مغربی تعلیم پاکر پالتا ہے پیٹ اگر — کچھ دنوں صاحب کے بن کر خانساماں دیکھیے

ذرہ ذرہ نجد کا دیتا ہے مجنوں کو صدا — آ گئے بڑھیئے اور اب کوئی بیاباں دیکھیے

ڈو ہی نام آور ہیں دُنیائے تمدن میں ظریفؔ
شاعروں میں ماہرؔ اور شہدوں میں ستّاں ڈبھیّے

نوٹ۔ لہ بندادین کتھک فنِ رقص و سرود میں کابل تھا۔ گھنگرو باندھ کے جب ناچتا تھا تو اس قدر اُسے پیروں کی جنبش پر قدرت حاصل تھی کہ جے گھنگرو کی وہ آواز چاہتا اتنے ہی آواز دیتے بھاؤ بتانے میں بھی فرد تھا۔ جھاؤ لال کے پُل پر لکھنؤ میں رہتا تھا۔ صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۱۲۳ ردیف ے تعداد ابیات ۱۱

بحر ہزج مثمن سالم
ارکان۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

خیالی نجد کے میدان کی ویران منزل ہے
کہیں کوسوں نہ مجنوں ہے نہ لیلیٰ ہے نہ محمل ہے

پڑی ہیں چتّیاں خونِ جگر کا رنگ شامل ہے
اِلہ آباد کا امرود یا عُشّاق کا دل ہے

گراں کیونکر نہ گزرے عاشقِ نادار و مفلس پر
خطِ رخسارِ جاناں حُسن کی دوکان کا بِل ہے

غضب تو یہ ہے برسوں خوں تھوکا جبکے عاشق نے
مسیحا ہو کے وہ الّو نہ یہ سمجھا اِسے سِل ہے

عبث اے عاشقو فریاد بے ہنگام کرتے ہو
پولس پھانسی دلا دے گی اگر معشوق قاتل ہے

دہن غائب کمر معدوم اُس پر حسن کا دعویٰ
حسیں ایسا اگر ہو تو عجائب گھر کے قابل ہے

حسابِ دوستاں در دل یہ ہے احباب میں جھگڑا
کوئی کہتا ہے باقی ہے کوئی کہتا ہے فاضل ہے

تمھارے نیم جاں کا دیکھیے کیا حشر ہوتا ہے
نہ یہ جینے کے لائق ہے نہ یہ مرنے کے قابل ہے

لگی ٹھوکر تو سارا عشق لیلیٰ دب گیا آخر
کہ نیچے قیس اوپر اونٹ ہے اور اُس پہ محمل ہے

بھُنکے جاتے ہیں عاشق شعلۂ رخسارِ جاناں سے
تمھیں انصاف سے کہہ دو یہ مرگھٹ ہے کہ محفل ہے

لگائے ٹائی کالر بزم میں بیٹھا ہے کرسی پر
ظریفؔ اس عہد کا معشوق کتنا فیشن ایبل ہے

غزل نمبر ۱۲۱ — ردیف ے — تعداد ابیات ۱۷

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف

ارکان۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

دل لگی کا کچھ خدا کے گھر میں ساماں کیجیے
آج ہر مسجد تبسم سے گلستاں کیجیے

چڑھ کے گلدستہ کے اوپر قہقہا اک ماریئے
کیوں اذاں سے نیند لوگوں کی پریشاں کیجیے

ہو سکے تو پھیر دیں ہیں صبح کی پڑھیئے نماز
راگنی کافر ہے اسکو یوں مسلماں کیجیے

اک پیانو لے کے منبر کی جگہ رکھ دیجیے
اتفاقاً وعظ کا گر ساز و ساماں کیجیے

پہلے ہی سے جام مے محراب میں رکھا رہے
مفت ہیں کیوں انتظار ابر و باراں کیجیے

طائرانہ اک نظر اس پر بھی ہونا چاہیے
آپ اپنی رائے سے تفسیر قرآں کیجیے

آپ کے نزدیک ابتک شاعری محدود ہے
توڑ دیجیے کل حدوں کو اور میداں کیجیے

دورِ آزادی میں اس کو اتنی وسعت دیجیے
برِّ اعظم یا کم از کم اک بیاباں کیجیے

وہ بیاباں قیس جس میں گھومنے پھرنے نہ پائے
عاشقوں کو اس طرح پابندِ زنداں کیجیے

رنگ بدلے شاعری کا شرع بھی تبدیل ہو
شاعر اور ملا کو یوں دست و گریباں کیجیے

مسکرا دیں کان طرزِ نو کی سنکر شاعری
کوششیں اس طرح کی جی بھر کے جی ہاں کیجیے

بے حجابانہ تبسم پاش ہو جائے کلام
فکر دوشیزہ کو یوں محفل میں عریاں کیجیے

طرح کے مصرع سے ظاہر ہو گیا ذوقِ سلیم
آپ جس پردے میں چاہے اس کو پنہاں کیجیے

امتحاں ذوقِ سماعت کا ہے اس پر منحصر
شاعروں کو انڈیا بھر کے غزل خواں کیجیے

رکھیے مہماں تین دن سب کو بلا کر کانپور
پارٹی اور دعوتیں تا حدِ امکاں کیجیے

نزع کی حالت میں صورت مسخ ہو کر رہ نہ جائے
نیم جاں اردو پہ اتنا آپ احساں کیجیے

تھی یہ فرمائش نئی اس پہ ہنسی آئی ظریف
آج ہر مسجد تبسم سے گلستاں کیجیے
(مصرع طرح)

نوٹ ۔ ۱۹ء کانپور میں ایک آل انڈیا مشاعرہ ہوا تھا اور اُس میں مصرع طرح بانیانِ مشاعرہ کی طرف سے یہی تقسیم ہوا تھا۔ ظریف مرحوم نے اِسی پر طبع آزمائی کی تھی مگر مشاعرے میں نہیں گئے۔ صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۱۲۵ ردیف ے تعداد ابیات ۹

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف ارکان ۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

مجھ سے اُن سے صرف اتنی بات پر تکرار ہے
تیغ وہ کہتے ہیں میں کہتا ہوں یہ تلوار ہے

کال کا مارا ہوا مدقوق ہے بیمار ہے
اس سبب سے آپ کا عاشق نحیف و زار ہے

اِس طرف اصرار ہے اور اُس طرف انکار ہے
وصل میں ہر بات پر تکرار ہی تکرار ہے

وصل ناممکن ہے اب دونوں کو چھٹی ہو گئی
جمعہ ہے میرے یہاں اُنکے یہاں اتوار ہے

فرطِ غم سے ہڈیوں کا صرف ڈھانچہ رہ گیا
اب عجائب گھر کے قابل آپ کا بیمار ہے

مختصر تعریفِ حسن و عشق ہے بس اس قدر
کچھ نہیں ہے شاعروں کے جھوٹ کا طومار ہے

کفش برداری سے اتنا فائدہ حاصل ہوا
اُن کے عاشق کے گلے میں جوتیوں کا ہار ہے

جس کی مٹھی میں رہے دُزدِ حنا ایسا حسین
نام کو معشوق ہے در اصل تھانیدار ہے

فاتحہ پڑھنے ظریف آئے گا وہ کیا قبر پر
یار چل سکتا نہیں اب اس قدر تیار ہے

غزل نمبر ۱۲۶   ردیف ے   تعداد ابیات ۵۵

خوانِ تبسّم

شعرِ تمہید روانیٔ طرحِ ہٰذا

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف   ارکان۔ فاعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

کس قدر کی تاک دَو قافیہ پیمائی نے   آ کے ہر شعر میں چھوتی ہے فقط ڈھائی نے

شہری عوام کی اُردو

بیٹھنے پر نہ بھری ہامی کسی دائی نے   اتنے کھٹمل کیئے پیدا تری چرپائی نے

چمیرلشین اُردو

Talk   I

کیا نہیں ٹاک کیا تم سے تھا کل آئی نے   تم کو اس گت کو ہی پہونچایا فکت لائی نے

Sky   Scoundrel   Pocket   Pie

اتنا چکر دیا اِس کونڈرل اسکائی نے   منہ نہ پاکٹ میں دکھایا مگر اک پائی نے

اخباری اُردو

سنسنی خیز ہیں یہ بمبئی کے برقیات   جان لی باؤلے کی زلف کے سودائی نے

مُولویانہ اُردُو

حُسن والا تو بہ تحقیق نہیں تجھ سا کوئی — بیچ دل کے یہ کہا آپ کے شیدائی نے
بیچ ذہن اپنوں کے اس بات کو رکھو محفوظ — فاعلیت کی نشانی ہے میاں بھائی نے

اُردوئے مُعَرّب

قدِ خمّار بنا شکلِ محاریبِ بیوت — اعوجاج اپنا دکھایا اُسے انگڑائی نے

سُودیشی اُردو

سمّلت[1] اپنی سبھا[2] میں نہ کیا کنتُ[3] اُن نے — لاکھ سمبید[4] نہ کی آپ کے شیدائی نے
مکھ[5] ابھپرائے[6] یہی تھا کہ سماچار[7] بتائیں — کنتُ اُتّر[8] نہ دیا مجھ کو کسو بھائی نے
اِس سمے[9] تو تجھے وشواس[10] نہیں ہے مجھ پر — پرشن[11] کیول[12] یہ کیا اُن کی مسیحائی نے

حلِّ لغاتِ ہندی

۱ شریک ۲ محفل ۳ مگر ۴ اتفاق رائے ۵ خاص ۶ مطلب ۷ خبر ۸ جواب ۹ وقت ۱۰ بھروسا ۱۱ سوال ۱۲ صرف۔ ضفی عفی عنہ

سیمابی اُردو موسوم بہ اُردوئے لطیف

یورشِ غم سے کہا شورشِ سودائی نے — مضطرِ شوخیِ جذبات کیا دائی نے
برق کو گھوم کے دیکھا جو تماشائی نے — بھونک دی جھوم کے برچھی قدِ رعنائی نے

زعمِ فطرت میں وہی شعلہ بنا برق بنا
کی جو ہنگامہ نوازی رخِ رعنائی نے

وہ کسی غنچۂ عریاں کی تبسّم پاشی
برقِ فطرت پہ نظر کی جو تمنّائی نے

نصف قطرے کو لہو کے گُل و گلزار کیا
موج خیز اثرِ سبزۂ مینائی نے

موج کے دوش پہ آسودۂ ساحل کی تلاش
سانس مستانہ جو لی بحر کی گہرائی نے

شبنمِ اشک چکاں صبح پر و بال کشا
دل کو گرمایا مگر آبلہ فرسائی نے

دل ہوا داغِ نظارۂ محفل یعنے
لبِ خاموش بنایا تری گویائی نے

گلِ شبنم زدہ ہے ساغرِ سیمابی رنگ
خونِ پیمانہ کیا ریزشِ صہبائی نے

کہہ بھی سکتے تھے ظریف ایسی غزل سترنگی
بڑھ کے کرتی نہ اگر حوصلہ افزائی نے

فخریہ قطعہ

اب دو رنگی غزل اک سنیئے حضور والا
مجھ کو مجبور کیا ہے مری یکتائی نے

ہے کسی شعر کے اندر تو پرانی تخئیل
نئی تخئیل کسی شعر میں ہے لائی نے

تخئیلِ قدیم

ہونٹ چاٹے نہیں کیا لبِ گویائی نے
شب کو حلوا جو کھلایا کسی حلوائی نے

تخئیلِ جدید

نوش کو نیش کیا یار کی گویائی نے
نَے نَے کرتا رہا لکنت نے جو دُہرائی نے

تخئیلِ قدیم

تن کے جوبن جو نکالا تری انگڑائی نے — کر لی نیچی نظر آخر کو تماشائی نے

تخئیلِ جدید

دانہ ڈالا جو ذرا چشمِ تماشائی نے — پر پرواز نکالے تری انگڑائی نے

تخئیلِ قدیم

پائجاموں میں ہی گلبدنوں کے برسوں — لال نیفے سے ترش کر ہے ابھی آئی نے

تخئیلِ جدید

بیت میں اِک صفِ مژگاں کی بنا کر جھاڑو — مثل بڑھیوں کے دیا کرتی ہے ستھرائی نے

تخئیلِ قدیم

کھوند کھوند اس قدر اس جاڑے کے اندھینی — تنگ اُسے میں نے کیا اور مجھے مرزائی نے

تخئیلِ جدید

ہاتھ کو ہاتھ نہیں اب تو سجھائی دیتا — پردہ آنکھوں پہ یہ ڈالا شبِ تنہائی نے

تخئیل قدیم

سبزۂ چاہِ ذقن دیکھ کے لہلوٹے ہے دل   پانوٴں پھسلا کے تو چوپٹ کیا اس کائی نے

تخئیل جدید

دلِ دار فتہ نہ آنا تھا نہ آیا تجھے ہوش   رات بھر گو کہ جھنجھوڑا غمِ تنہائی نے

تخئیل قدیم

اسقدر بھنگ یہ مرچ و شکر گھونٹ کے پی   گرو مہاراج کو ٹھنڈا کیا ٹھنڈائی نے

اپنے ہی رنگ میں پڑھتے نہیں کیوں شعر ظریف
منع کیا کر دیا ہے طبع کی بکرائی نے ؟

پا بہ گِل آہ کیا چاہ کی گہرائی نے   لی خبر بھائی نے یوسف کی نہ بھوجائی نے
کوئی پیسہ نہ دیا ایک تماشائی نے   سیکڑوں کھائیں قلا بازیاں سودائی نے
تیرے دروازے کی چوکھٹ میں گڑھے ڈالدیے   ہم سے دیوانوں کی ہر وقت جبیں سائی نے
وہ سمجھتے ہیں کہ گھٹوا کے بنے آئینہ رو   میں سمجھتا ہوں اُنھیں مونڈ لیا نائی نے
جانِ عشاق کا تو خطرہ ہے اے نیم حکیم   مار ڈالا ترے اندازِ مسیحائی نے
وہ ترا چہرۂ رنگیں وہ ترا حسن صبیح   چائے کا لطف دو بالا کیا بالائی نے
تیرِ مژگاں سے بچانے کیلئے قلب و جگر   کہہ دو عشاق سے باندھا کریں چار آئینے
مرکزِ کوہِ الم دل کا سیہ نقطہ ہے   بوجھ تربت کا سنبھالا ہے اسی رائی نے
وکلا جانتے ہیں خوب کہ دلالوں کا   دل بڑھایا ہے فقط فیس کی چوتھائی نے

دم نکل جائے گا فیشن کا جو یہ حال رہا
بڑھ کے کالر کا گلا گھونٹ دیا ٹائی نے

کربلا تال کٹوڑے کی دکھا دی آخر
جوشِ وحشت میں مری بادیہ پیمائی نے

ناچ ارمانوں کا ہوتا تو کہاں پر ہوتا
خانۂ دل میں جگہ پائی نہ انگنائی نے

چاکِ دامن کا سبب شرم سے بتلا نہ سکے
پوچھا جب حضرت یوسف کے بڑے بھائی نے

پوربی راگ کا بھی رنگ نہ جمنے پایا
سرد بازار کیا جاڑے میں پُروائی نے

فصلِ سرما میں گویّوں کی ہوئی کانفرنس
ٹانگ پکڑی فنِ موسیقی کی جب بائی[1] نے

یہ بکیرین سے مردے کی خموشی نے کہا
ناطقہ بند کیا قبر کی تنہائی نے

اپنے عشاق سے بیکار بکر جانے کی
کھینچی تصویرِ مکمل تری انگڑائی نے

تجھ کو اے جانِ جہاں رشکِ مسیحا کا خطاب
مرے نزدیک دیا ہے کسی عیسائی نے

ترے عاشق کے زچہ خانے میں آئی تھی وہی
قیس و فرہاد کو جنوایا تھا جس دائی نے

قافیہ تنگ کیے دیتی ہے بے طرح ظریفؔ
بزم سالانہ میں کس طرح سے گھس آئی نے

نوٹ [1] جو طوائف گانے میں اُستاد ہوتی ہے۔ بائی جی کہلاتی ہے۔ صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۱۲۷ ردیف ے تعداد ابیات ۱۲

غزل تبقلید جناب لُطفؔ بصنعتِ معنی بند

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف
ارکان۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

بہارِ قلزمِ ذخار سنگِ آستاں سمجھے
سویدا سے رگِ جاں کو چہِ ریگِ رواں سمجھے

جسے کہتے ہیں گردوں ہم اُسی کو آسماں سمجھے
لقب ہے چاہ جس کا دل میں ہم اُس کو کنواں سمجھے

سمندِ ناقۂ صالح بنا گوشِ زلیخا ئی
دلِ مجنوں برنگِ قیس آوازِ مکاں سمجھے

قبائے منتقل ریشِ خساں مضراب نغمہ ہے
روانی برگِ گل میں صورتِ راحت رساں سمجھے

سدا ہم ناقۂ لیلےٰ کو سمجھے اونٹ کا بچہ
سگِ جاناں کو ہم کُتّے کا پلّا بے گماں سمجھے

زمین قندِ لبِ جاناں اگر شکرّ دہاں ہوتے
سُخنہائے عذوبت ریز کو اہلِ زباں سمجھے

سریرِ بحرِ امکاں ماہیِ ریگِ نیتاں ہو
سمندِ زورقِ سالوس جام کہکشاں سمجھے

زباں کا فرق ہے لیکن ہیں معنی ایک ہی اُس کے
بلے من خوب فہمیدم ہم اچھی طرح ہاں سمجھے

مقاماتِ منازل تکیہ گاہِ رودۂ ہستی
عروجِ عرش کو افلاک تا دیب جہاں سمجھے

رحیل و راحلہ مشکوک و منظوم شماتت ہے
مُلوحت ارتفاعِ عرش کی سب لامکاں سمجھے

فراقِ دیدۂ و دانستہ بیدادِ مسلسل ہے
جوابِ نامۂ وحشت اثر کو پاسباں سمجھے

ظریف الفاظ بامعنی کا مجموعہ ہو بے معنی
تو اُن شعروں کو شاید لُطف ہی ساقدرداں سمجھے

نوٹ۔ جناب لطف جن کی تقلید میں یہ غزل کہی گئی ہے۔ اُنھیں کی شان میں ایک قطعہ اور اُن کے اشعار کی تخمیس دیوانجی کے حصّہ دوم میں درج ہے۔ صفی عفی عنہٗ

دیوانِ ظریف

حصہ دوم

فہرست اشعار متفرقۂ دیوانجی (حصۂ دوم)

نمبر شمار	صنف سخن	صراحت قافیہ و ردیف وغیرہ	صفحات	تعداد اشعار	میزان کل
۱	۲	۳	۴	۵	۶
۱	ناتمام غزلیں				
	ردیف الف	(۱) قافیہ و ردیف امتحاں میرا	۱۵۳	۱	
	ایضاً	(۲) ایضاً جوش تھا	۱۵۳	۳	
	"	(۳) " بلا کیا	۱۵۳	۳	
	"	(۴) " راب کیا کرتا	۱۵۴	۶	
	"	(۵) " یار کا	۱۵۴	۱	
	"	(۶) " ہوا ہوا	۱۵۴	۶	
		میزان			۲۰
	ردیف دال	(۱) " فغاں بنود	۱۵۴	۱	
	"	(۲) " گرفتار شود	۱۵۵	۱	
		میزان			۲
	ردیف رائے مہملہ	(۱) " دوچار منہ کو آئد	۱۵۵	۳	۳
	ردیف میم	(۱) دغائے خود نمی بینم	۱۵۵	۱	۱

فہرست اشعار متفرقہ دیوانجی (حصہ دوم)

فہرست اشعار متفرقہ دیوانجی (حصہ دوم)

نمبر شمار	صنف سخن	صراحت قافیہ و ردیف وغیرہ	صفحہ نمبر	تعداد اشعار	میزان کل
۱	۲	۳	۴	۵	۶
	ناتمام غزلیں	(۶) قافیہ و ردیف الاماں ہے	۱۵۷	۳	
	"	(۷) " اگر ہوئی ہے	۱۵۷	۲	
	"	(۸) " ختن میں ہے	۱۵۷	۲	
	"	(۹) " ستمگر کیلئے	۱۵۸	۲	
	"	(۱۰) " باغباں بھی ہے	۱۵۸	۱	
	"	(۱۱) " گولی ہے	۱۵۸	۱	
				میزان	۲۵
۲	سلام	(۱) " پیماں ہوگیا	۱۵۸	۵	
	"	(۲) " پیر نے	۱۵۹	۵	
				میزان	۱۰
۳	سہرے	(۱) " پکارا سہرا	۱۵۹	۷	
	"	(۲) " اختر سہرا	۱۶۰	۵	۱۲
۴	تاریخیں بترتیب سنوات	(۱) " آغا کہیں جسے	۱۶۰		
		(۲) " استادی	۱۶۰	۳	

فہرست اشعار متفرقۂ دیوانجی (حصّہ دُوم)

نمبر شمار	صنف سخن	صراحت قافیہ وردیف وغیرہ	صفحات	تعداد ابیات	میزان
۱	۲	۳	۴	۵	۶
	تاریخیں بترتیب سنوات	(۳) قافیہ وردیف واہ	۱۶۱	۲	
		(۴) 〃 سحر حیف	۱۶۱	۲	
	〃	(۵) 〃 جان سے	۱۶۱	۲	
	〃	(۶) 〃 نام کیا	۱۶۲	۶	
	〃	(۷) 〃 افسر ہوں سہیل	۱۶۲	۷	
	〃	(۸) 〃 کیمیا ہے	۱۶۳	½ ۲	
		میزان			½۲۵
۵	رباعیات	(۱) 〃 پیلا شعر	۱۶۳	۲	
	〃	(۲) 〃 کیلا شعر	۱۶۳	۲	
	〃	(۳) 〃 ثمر	۱۶۳	۲	
	〃	(۴) 〃 گن کر دیکھیں	۱۶۴	۲	
	〃	(۵) 〃 چھپتی	۱۶۴	۲	
	〃	(۶) 〃 کھپتی ہو گی	۱۶۴	۲	
	〃	(۷) 〃 نشانے ہیں مجھے	۱۶۴	۲	
	〃	(۸) 〃 سوراج ملے	۱۶۴	۲	

فہرست اشعار متفرقۂ دیوانجی (حصۂ دوم)

نمبر شمار	صنف سخن	صراحت قافیہ و ردیف وغیرہ	صفحات	تعداد اشعار	میزان
۱	۲	۳	۴	۵	۶
	رباعیات	(۹) قافیہ و ردیف اظہار کیجئے	۱۶۴	۲	
	″	(۱۰) ″ پاتا ہے	۱۶۴	۲	
	″	(۱۱) ″ غنچا دے	۱۶۵	۲	
				میزان	۲۲
۶	تخمیس سنجیدہ	(۱) ″ تنہا کوئی دن اور	۱۶۵	۱۰ بند	
	″	(۲) ″ بتاؤ تم	۱۶۷	یک بند	
	مزاحیہ مع قطعہ تمہیدی	(۳) ″ زباں سمجھے	۱۶۷	۵ بند ۳ شعر	
	تخمیس مزاحیہ	(۴) ″ دیکھا مجھے	۱۶۸	یک بند	
	تخمیس مزاحیہ مصرع طرح پر	(۵) ″ جگر کرنیوالے	۱۶۸	۱۱ بند	
				میزان	۷۳
۷	تضمین قطعہ بند	(۱) ″ خدا را	۱۷۰	۲۳	
	″	(۲) ″ نشاں کوئی نہو	۱۷۱	۲۲½	
				میزان	۴۵½
۸	تضمین بلا قید	(۱) ″ تقصیرات ما	۱۷۳	۴	
		(۲) ″ موبمو گوید	۱۷۳/۱۷۴	۱۰	

فہرست اشعار متفرقۂ دیوانجی (حصۂ دوم)

نمبر شمار	صنف سخن	صراحت ردیف وقافیہ وغیرہ	صفحات	تعداد اشعار	میزان
۱	۲	۳	۴	۵	۶
۸	تضمین بلاقید	(۳) قافیہ در ردیف استخواں - سوزد	۱۷۴	۷	
	″	(۴) ″ ینا اُسکی ہو	۱۷۴ / ۱۷۵	۷½ ۳ بند	
		میزان			۲۸½
۹	قطعات	(۱) ″ اگر ہوتا	۱۷۵	۲	
	″	(۲) ″ چڑھا آیا	۱۷۵	۳	
	″	(۳) ″ گٹھا ہوگیا	۱۷۶	۶	
	″	(۴) ″ مہرباں غائب	۱۷۶	۲	
	″	(۵) ″ عالیجناب	۱۷۶	۵	
	″	(۶) ″ اے دانش	۱۷۷	۱۳	
	″	(۷) ″ سبق	۱۷۸	۵	
	″	(۸) ″ مستحکم	۱۷۸	۷	
	″	(۹) ″ بہم	۱۷۹	۲	
	″	(۱۰) ″ ہوش نہیں	۱۷۹	۵	
	″	(۱۱) ″ خال	۱۸۰	۲۳	

فہرست اشعار متفرقۂ دیوانجی (حصّہ دوم)

نمبر شمار	صنف سخن	صراحت قافیہ وردیف وغیرہ	صفحات	تعداد اشعار	میزان
۱	۲	۳	۴	۵	۶
۹	قطعات	(۱۲) قافیہ وردیف مہراج کو	۱۸۱	۲	
	"	(۱۳) " منظر مُبارک ہو	۱۸۱	۱۵	
	"	(۱۴) " جواں رہے	۱۸۲	۲	
	"	(۱۵) " ہوّا کہیں جیسے	۱۸۳	۲	
	"	(۱۶) " ضرورت بھی ہوا کرتی ہے	۱۸۳	۱۸	
	"	(۱۷) " تنہائی ہے	۱۸۴	۱۰	
	"	(۱۸) ہر - بدی	۱۸۵	۲	
		میزان			۱۲۴
۱۰	نظم بطور مثنوی	(۱) " رجز مزاحیہ۔ بزبان فارسی	۱۸۵	۱۴	
	"	(۲) " ظرافت کا چورن	۱۸۶	۱۱	
	"	(۳) " فلسفہ رقص بہ صنعت ادب لطیف	۱۸۷	۲۰	
	"	(۴) " رقعہ مجلس منجانب گوہر جان کلکتہ	۱۸۸	۹	
		میزان			۵۴
۱۱	نوحہ	(۱) " مسمّاۃ صافی مادر منگا بمرگ دختر	۱۸۹	۱۷	۱۷
		میزان کل اشعار متفرقہ دیوانجی حصّہ دوم			۲۷۴½

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حصۂ دوم

ناتمام غزلیں

نوٹ:۔ مختلف اصناف سخن کے ایسے ہم طرح اشعار جن کی تعداد نو سے کم ہے اُن کے اوزان عروضی درج نہیں کیے گئے۔
صفی عفی عنہ

تعداد ابیات ۲۰

ردیف الف

ازل میں عشق کے سبجکٹ پر تھا امتحاں میرا — وہی پرچہ چرا کے لے گئے مجنوں میاں میرا

دیگر

مر کے ٹھنڈے ہو چکے تھے کس میں اتنا جوش تھا — کون کرتا حشر میں فریاد کس کو ہوش تھا
باتیں کرتا تھا اشاروں سے مگر خاموش تھا — آپ کے عاشق کو پاگل پن میں اتنا ہوش تھا
ڈھانکے رکھا آپکی اُلفت کو ایسے حسن سے — کاسۂ سر عاشقوں کے قلب کا سرپوش تھا

دیگر

اک اُلجھن ہے مری جانے بلا کیا — تمھاری زلف کیسی اور رسا کیا
تمھارے طاق ابرو پر چڑھا دل — مرا دل بھی ہے کوئی گلگلا کیا

اُسے جب ہجر کا دُکھڑا سنایا ۔ ہنا پہلے تو پھر کہنے لگا کیا؟

دیگر

جب آپ کے لبِ شیریں کا لے لیا بوسہ ۔ تو میں خرید کے کھڑے کی راب کیا کرتا
نہ میں کلرک نہ دیوانجی بتائیے تو ۔ بروزِ حشر حساب و کتاب کیا کرتا
حسین میونسپلٹی کے کینڈیڈیٹ نہ تھے ۔ میں ووٹ دے کے اُنھیں انتخاب کیا کرتا
ستایا مُردے کو منکر نکیر نے ناحق ۔ بنی تھی دم پہ سوال و جواب کیا کرتا
چڑھی ہو بھنگ جسے اُنکے سبزۂ خط کی ۔ وہ فاقہ مستی میں پی کر شراب کیا کرتا
کیا بُڑھوتی میں میٹھے بٹھائے مُنہ کالا ۔ اب اور کہیئے تو رنگِ خضاب کیا کرتا

دیگر

مدفن وہیں ہے کُشتۂ ابروئے یار کا ۔ پتّا لگا ہوا ہے جہاں گھیکوار کا

دیگر

اس طرح میں یاروں کی بولی کا رنگ ہے ۔ سب مِل کے غُل مچاتے ہیں شب کو ہُوا ہوا
بولے گا اُنکے لال لنگوٹی کی جے ضرور ۔ آیا ہے دُور سے جو زمیں ناپتا ہوا
بچّوں کو حام سام کے اور سام حام کے ۔ یافث سے پُوچھ لو کہ حقیقی چچا ہوا
اُس بُت سے کل یہ پوچھ رہا تھا مجسٹریٹ ۔ دِل جانتا ہے تم کہ مجھیں کیوں سزا ہوا
دربان کو دیکھیئے گا کہ بُل ڈاگ کی طرح ۔ در پر کسی کے بیٹھا ہے کیسا ڈٹا ہوا

کثرت سے قافیوں کی یہ حالت ہے اب ظریفؔ
گویا کہ ہے دماغ ٹکٹ گھر بنا ہوا

ردیف دال ۔ تعداد ابیات ۲

گریم زدست ہجر کزاں ملتم کہ ہیچ ۔ کارش بغیر گریۂ و آہ و فغاں نبود

دیگر

ہر کہ از چشم تو انداخت مرا بے تقصیر
چشم بد بیں بہ ہمیں درد گرفتار شود

ردیف رائے مہملہ

تعداد ابیات ۳

سوجی ہوئی ہیں ڈاڑھیں دو چار منہ کے اندر
ہے قدرت خدا سے کہسار منہ کے اندر

تعطیل میں نہ روزہ رکھا او بُتِ فرنگی
تو نے کیا مقرر انوار منہ کے اندر

مجلس میں جب گیا میں تو چوٹّو نکے ڈر سے
رکھی چھپا کے میں نے پیزار منہ کے اندر

ردیف میم

تعداد ابیات ۱

نمی دانم گنا ہم چیست کز من سرگراں داری
سرت گردم قصورے در وفائے خود نمی بینم

ردیف نون

تعداد ابیات ۵

گیا جو حشر میں لرزاں تو یہ ہوئی تشخیص
ملیریا ہے اسے پر گنا ہگار نہیں

دیگر

فراق کو اک زمانہ گزر امگر ابھی تک ستا رہی ہیں
کہ جیسے عاشق تو سو رہا ہو وہ آکے اسکو جگا رہی ہیں

لباس بالکل ہی سادہ سادہ کہ جیسے زاہد کی کوئی ماہ
کئے ہیں تلقین کا ارادہ جو اسکا شانہ ہلا رہی ہیں

دیگر

گہر کی آب بدگوہر نہیں تیرے مقدر میں
لگائے لاکھ گھونگھا بن کے تو غوطے سمندر میں

دیگر

کان میں تیل ڈالنے کی ہے قیف
سب کرن پھول جس کو کہتے ہیں

ردیف یائے معروف — تعداد ابیات ۶

نکل جائے گا دَم کے ساتھ فوراً عشقِ بی لیلے — جو تم پر لات ناقے نے کہیں مجنوں میاں رکھدی

دیگر

مصیبت میں کبھی کوئی کسی کا ساتھ دیتا ہی — مجھے یہ درسِ عبرت دے رہی ہی بیکسی میری

دیگر

ہاتھ میں لیکے کبھی زلفِ گرہ گیر کا گز — کر دے پیمائشِ طولِ شبِ ہجراں کوئی
ایسے معشوق کو انگریزی میں پھانسی دیدیں — کسی عاشق کی جو ہو جان کا خواہاں کوئی
جس میں دل جاکے پلٹتا ہی نہیں عاشق کا — آپکی زلف ہے کیا بھول بھلیاں کوئی
خواب میں اُنکے تصوّر میں یہ بَرّاتا ہوں — آج کی رات مرے گھر میں ہے مہماں کوئی

ردیف یائے مجہول — تعداد ابیات ۲۵

اِس عہدِ ترقی میں عاشق جو پُرانا ہے — فرہاد کا دادا ہے یا قیس کا نانا ہے
یہ طرح ہے وہ چھکڑا اکٹ جائے دُھرا جسکا — ہم ایسے دبیلوں سے دشوار ہکانا ہے

دیگر

لنڈورا کر دیا جبس شوخ کو فیشن پرستی نے
اب اُس سے آجکل زلفوں کے سلجھانے کو کیا کہیئے

مُرغ آزاد اور قیدِ قفس — سب کرشمے ہیں آب و دانے کے
جتنے معشوق تھے ستم ایجاد — انسپکٹر وہ اب ہیں تھانے کے
دل لگی میں جورو دے دیتے ہوں — ہم نہیں اُنسے دل لگانے کے

دل کو تا کا اُڑائے ہوش و حواس　　واہ قربان اِس نشانے کے
بند مُٹھی میں کرکے دُزدِ حنا　　بن گئے تھانیدار تھانے کے
موت کا وقت ہے قریب ظریفؔ
گئے دِن ہنسنے اور ہنسانے کے

دیگر

یہ دیکھنا ہے کہ اس شامِ غم کی صبح بھی ہے　　مُنڈا کے زُلف دکھا دیجئے جناب مجھے
حضور آپ پہ میں جان دے نہیں سکتا　　خطا مُعاف ہو کیجئے نہ انتخاب مجھے
یہ صاف کہتی ہے شیرینیٔ لبِ دلدار　　بنا کے دیکھو تو اِک دن شکر سے راب مجھے

دیگر

نہ کرنا آج سے دعوائے یکتائی جو غیرت ہے　　ارے او آئنہ رکھ کر مقابل دیکھنے والے
بہت ناچا مگر گھنگرو نہ بولا مرنے والے کا　　کمالِ فن تو دیکھ اے رقصِ بسمل دیکھنے والے

دیگر

بے مارکی ہے توبہ اک شورِ الاماں ہے　　لِللہ یہ بتا دو معشوق ہی کہاں ہے
صاحب ہے اور لیڈی موٹر ہے اور شوفر　　لیلیٰ ہے اب نہ مجنوں ناقہ نہ سارباں ہے
سایہ ہے پنڈلیوں تک پتلون تا بہ زانو　　پردہ جو اور اُٹھا ہر چیز پھر عیاں ہے

دیگر

کسی مُلّاں کے دل میں فکرِ تسرانجواری اگر ہوئی ہو　　تو ہجرِ ساقی میں نیند شب بھر حرام جیسے سُو ہوئی ہے
یہ ہم نے دیکھا کہ نرگس چشمِ یار بیمار ہی رہا کی　　یقیں اب ہوگیا کہ بے شبہ شاعروں کی نظر ہوئی ہے

دیگر

یہ جھوٹ ہے کہ بدخشاں میں اور ختن میں رہے　　نہ نکلے گھر سے کبھی اپنے ہی وطن میں رہے

مرنے سے خانۂ غسّال و گور کفن میں رہے — نہ ہم لحد میں رہے اور نہ ہم کفن میں رہے

دیگر

کب مناسب تھا یہ اُس شوخ ستمگر کے لیئے — بلّیاں پالتا ہے میرے کبوتر کے لیئے
ایسے جھپٹے پہ رُخِ یار کا بوسہ جو لیا — اہل ہمّت نے قدم دوڑ کے مچھّر کے لیئے

دیگر

صیّاد بھی وہی ہے وہی باغباں بھی ہو — جس کو چنیں سمجھتے تھے ہم وہ چناں بھی ہو

دیگر

جو بازوؤں میں سخت ہو کسی شکاری کے — کڑی غلیل کا غُلّہ بھی ٹھنڈی گولی ہے

سلام ۲

ردیف الف — تعداد ابیات ۵

تیغ نورِ حق سے جو ناری کہ بیجاں ہو گیا — وادیٔ برہوت میں غولِ بیاباں ہو گیا
دے گیئے جب چار بیٹے باری باری چار داغ — ازرقِ شامی کے سینے میں چراغاں ہو گیا
کسقدر نا اہلِ فنِ جنگ تھی فوج یزید — گوشہ گوشہ اُن کا بازی گاہِ طفلاں ہو گیا
حُر کے ڈر سے چھپ گیا چادر میں ابنِ سعد جب — شمر چلّایا ارے تو تو مری ماں ہو گیا

لے گیا تھا پانچ بیتیں ہم سے جو رضواں ظریف
وہ سلام اپنا درِ جنت پہ چسپاں ہو گیا

نوٹ - یہ مسالمہ خان بہادر نواب حامد علیخاں عرف بابو صاحب کے مکان پر ۲۴ ر صفر ۱۳۴۴ھ
مطابق ۱۴ ر ستمبر ۱۹۲۵ء بروز دوشنبہ ہوا تھا۔ صفی عفی عنہ

ردیفِ ے — دیگر — تعداد ابیات ۵

منہ پھرایا جنگ سے ہر اک جوان و پیر نے | فوجِ کیں کے دانت کھٹے کر دئے شبیر نے
بھاگنے کے بعد پھر آتی تھی فوجِ شام و روم | کیا چکر گھنی کھلائی گردشِ تقدیر نے
ذوالفقارِ شاہِ دیں کی کج ادائی قہر تھی | تھے جو ٹیڑھے اون کو سیدھا کر دیا شمشیر نے
کربلا میں آگیا تجکو چھٹی کا دودھ یاد | یہ کہا بھائی سے ابنِ سعد کی ہمشیر نے

پاکدامن ہو کے نکلے بزمِ ماتم سے ظریف
دامن آلودہ کیا حصے کی ٹیڑھی کھیر نے

نوٹ۔ پہلے سلام کے ساتھ یہ سلام بھی وہیں پڑھا گیا تھا کیونکہ دو طرحیں مقرر ہوئی تھیں
صفی عفی عنہ

ردیفِ الف — سہرے ۹۳ — تعداد ابیات ۷

چڑھ کے شملے کی یہ چوٹی سے پکارا سہرا | لاٹ صاحب سے بھی بڑھ چڑھ کے ہے پیارا سہرا
شعلۂ حسن کا تھا ایک شرارا سہرا | رخِ نوشاہ ترے عرش کا تارا سہرا
بل کے مالی سے منجم نے سنوارا سہرا | سرِ نوشاہ پہ ہے عرش کا تارا سہرا
گرمیِ حسن سے پہونچا جو سرِ نوشہ پر | تھرمامیٹر کا مترّکے ہے پارا سہرا
خطِ نوشاہ کی سبزی کو نہ چر جائے کہیں | ہے اگر حسن کے جنگل کا چکارا سہرا
ایک محفل کو مسرت کا تماشا دکھلائے | واقعی بھان متی کا ہے پٹارا سہرا

دانت کھٹے ہوئے شیریں سخنوں کے دمِ فکر
ہے جو تاثیر میں املی کا کتارا سہرا

ردیف الف   دیگر   تعداد ابیات ۵

ہے ضیائے مہ و خورشید کا ہمسر سہرا
جگمگاتا ہوا باندھے ہیں جو اختر سہرا

صاف کہتا ہے یہ نوشاہ کے منہ پر سہرا
پوچھتے کیا ہوا مرا نام ہے مسٹر سہرا

سب کے پہلے تو سکھاتا ہے یہی شرم وحیا
کیوں نہ ہو عقد کے اسکول کا ٹیچر سہرا

بڑھ کے پہونچا سر نوشاہ کے زانو کے قریب
حدِّ قانون سے ہو جائے نہ باہر سہرا

نظم کرنے میں تناسب کا رہے دھیان ظریف
مختصر ہو قدِ نوشہ کے برابر سہرا

نوٹ ۔ چودھری اختر حسینؑ صاحب ایڈوکیٹ سر سلیمان صاحب مرحوم کے خویش کی شادی میں ظریفؔ صاحب نے الہ آباد میں کہا تھا۔ صفی عفی عنہ

۶ تاریخیں بترتیب سنوات

تاریخ ولادت   تعداد ابیات ۱

تاریخ لکھدو ایک الف ٹھونس کر ظریف
مولود بُوم زادہ ہے آغا کہیں سبھے

۱۳۲۶+۱=
۲۷ ۱۳ھ = ۹۰۹ ۱ء

تاریخ خطاب خان بہادری   تعداد ابیات ۲

ہے قول یہ ساربانِ سالِ نو کا
مشّاقی ہے اسمیں نہ کوئی اُستادی

آک لفظ میں مادّہ پتہ دونوں ہیں تاریخ ہے صاف صاف سیدھی سادی
اس خان بہادری کی محمل کے لئے
اِرسال ہے موزدل. شتر بغدادی
سنہ ۲۱ ۱۹ء ۳۹ ۱۳ھ

تاریخ وفات تعداد ابیات ۲

ماہِ نو دیکھا تھا کس ساعت سے واہ باپ کے مرنے سے ہے عالم سیاہ
اوّلِ ماہِ رجب وقتِ سحر
بن چکا کاظم علی کا دفن آہ
سنہ ۴۸ ۱۳ھ

•

تاریخ وفات تعداد ابیات ۲

شدہ دفن آن بزرگِ خاندانی یکم ماہِ رجب وقت سحر حیف
سن فصلی رقم کردم صد افسوس
پدر مردہ پسر شد بے پدر حیف
سنہ ۳۷ ۱۳ ف

تاریخ وفات تعداد ابیات ۲

نکلا فلک پر چاند اور یاں نزع کا تھا عالم ہونے کو تھی جدائی اس وقت جسم و جاں سے
بہر سن مسیحی گم ہیں حواس پانچوں
اُٹھے ہیں آج مرزا کاظم علی جہاں سے
سنہ ۱۹۳۸ء

تاریخ ناول شوکت آرا بیگم
تعداد ابیات ۶

تعلیم سے عزت ہوتی ہے عورت کی شہرت ہوتی ہے — ان دقیانوسی بڈھوں نے تعلیم کو کیوں بدنام کیا
ہے باہر والوں میں جھگڑا مرد اچھا یا عورت اچھی — اک پردہ نشین عورت نے جلوہ اپنا یاں تک عام کیا
پڑھ لکھ کے اک ناول لکھا احسان کیا کیا اردو پر — پردے میں جو تھے جوہر پنہاں خود انکو طشت از بام کیا
جی ہاں یہ زباں ٹکسالی ہے کیا اچھی لکھنے والی ہے — خود اہلِ زباں بھی ہوئے شیدا وہ چپکے چپکے کام کیا
یوں چار برس تک محنت کی صرف دماغی قوت کی — راتوں کو جاگی محنت کی شب بھر نہ کبھی آرام کیا

چرچا ہے سب اغیاروں میں شہرہ ہے کل اخباروں میں
کیا شوکت آرا بیگم نے پردے میں پیدا نام کیا
۱۳۴۶ھ = ۱۹۲۸ء

تاریخ کامیابی سہیل
تعداد ابیات ۷

والیِ بھوپال سا اک قدرداں مردم شناس — جائے دورے پر اور اسکے کیمپ افسر ہوں سہیل
ہر جگہ منزل پہ پھر سامانِ راحت کیوں نہ ہو — اس سفر میں میر ساماں جب مقرر ہوں سہیل
دیکھتا ہو ہر کس و ناکس کو جو اک آنکھ سے — خدمتِ شاہی میں ثابت اس سے بہتر ہوں سہیل
شادماں ہوں دوست اور دشمن رہیں بے آبرو — بحرِ اقبال و ترقی میں شناور ہوں سہیل
ختم دورہ ہو گیا خوبی سے شکر اللہ کا — یا الٰہی عافیت سے اپنے گھر پر ہوں سہیل
کیوں دعا بیساختہ نکلے نہ دل سے اے ظریف — موردِ الطافِ شاہانہ مکرر ہوں سہیل

امتحاناً دو مہینے کو ہوئے قائم مقام
جلد یا رب مستقل ریونیو کمشنر ہوں سہیل
۱۳۴۷ھ = ۱۹۲۸ء

نوٹ ۔ مولوی شکر اللہ صاحب سہیل ملازم ریاست بھوپال ظریف صاحب مرحوم کے دوست تھے،
صفیؔ عفی عنہ

تاریخ اشاعت رسالہ کیمیا — تعداد ابیات ۲ ۱/۲

پڑھیں ڈھونڈ ے دل سے مسلمان اِسکو ۔۔۔ یہ تصنیف اک نسخۂ کیمیا ہے
وہ اسلام جس نے اخوت سکھائی ۔۔۔ اُسی میں صد افسوس یہ تفرقا ہے
مساواتِ اسلام راحت فزا ہے
۵۲ ۱۳ھ ۔ ۳۳ ۱۹ء

نوٹ ۔ سید جالب اڈیٹر ہمدم کے صاحبزادے نے ایک رسالہ کیمیا شایع کیا تھا اُسی کی یہ تاریخ ہے ۔ صفیؔ عفی عنہ ۔

رُباعیات ۹۵

ہرتال سے بڑھ کے ہو اگر پیلا شعر ۔۔۔ تاثیر سے کر دے گا بدن نیلا شعر
شاعر کا دہن ہے سنکھیا کا معدن ۔۔۔ اکثر نکلے گا اُس سے زہریلا شعر

دیگر

جس وقت سُنا جسمی نہ کیوں کسیلا شعر ۔۔۔ تاثیر سے جسم کر گیا نیلا شعر
شاعر کا دہن سانپ کی بانبی تھا جناب ۔۔۔ قُوں کر کے نکل آیا تھا زہریلا شعر

دیگر

اک ہدیۂ ناچیز عقیدت کا ثمر ۔۔۔ ہے پیش کش خدمتِ اربابِ نظر
اس وجہ سے ہے قبول ہونے کی امید ۔۔۔ تُرمن منگر برکرم خویش نگر

دیگر

کتنی مہریں لگی ہیں گن کر دیکھیں   حُضّار بد اعمالی کا محضر دیکھیں
سرقہ بھی کیا تو چادرِ زہرا کا   اُستاد خدا کرے بڑا گھر دیکھیں

دیگر

ملتی تو کہیں بھلا چھُپائے چھُپتی   ہر دیکھنے والے کی نظر میں کھُپتی
بالفعل وہ زیبِ طاقِ نسیاں ہے ظریفؔ   معطی نے عطا کی تھی جو تم کو گُپستی

دیگر

کیا کیا نظروں میں سب کی کھُپتی ہوگی   اُس روز کہیں چھپائے چھُپتی ہوگی
طاقِ نسیاں سے ہم اُٹھالیں گے ظریفؔ   روزِ محشر بغل میں گُپستی ہوگی

دیگر

احباب مذاق میں بتاتے ہیں مجھے   اسٹیج پہ شاعری کے لاتے ہیں مجھے
گویا شعرا کی ہوں کمیٹی کا فلم   میرٹھ کے تھیٹر میں دکھاتے ہیں مجھے

دیگر

گاندھی کی تمنّا ہے کہ سوراج ملے   کل کا ملتا ہوا ہمیں آج ملے
کچھ قوم کے آختوں کی یہ خواہش ہے   ہم کو خاں صاحبی کی معراج ملے

دیگر

بنتا ہی نہیں بغیر اظہار کیے   آقا بھائی نے خوب ہی وار کیے
پڑھ دی جو قرابینِ ثنا دان سے غزل   ہر شعر نے بزم میں دُھویں پار کیے

دیگر

بے دست سوال کوئی کب پاتا ہے   سائل کو سوال کون سکھلاتا ہے

یہ دستِ عطا کے سب کرشمے ہیں ظریفؔ الزام خود اغنیا کے سر آتا ہے

دیگر

دشمن نہ ترا کبھی تجھے غچّا دے اللہ سخاوت کا صلہ سچّا دے
ہر طرح سے ہم ترے دُعا گو ہیں حکیم انڈے بانٹے خدا تجھے بچّا دے

نوٹ۔ حکیم مُنے آغا صاحب فاضل ظریفؔ مرحوم کے دوست نے اپنے یہاں ایک مجلس میں انڈے تقسیم کئے تھے اُسی کے متعلق یہ رباعی ہے۔ صفیؔ عفی عنہ

۵۶ تخمیس سنجیدہ

۱۰ بند=۲۵ شعر

بحر ہزج مُسدّس اخرب مکفوف مقصور یا محذوف **ارکان**۔ مفعولُ مفاعیلُ مفاعیل یا فعولن

فرقت کا سہو تم ابھی صدما کوئی دن اور ملنے کی رہے دل میں تمنا کوئی دن اور
مجبور ہوں میں آ نہیں سکتا کوئی دن اور لازم ہے کہ دیکھو مرا رستا کوئی دن اور
تنہا گئے کیوں اب رہو تنہا کوئی دن اور

کچھ دن کا ہوں مہمان زیادہ نہیں رہنا اِس غم کو سہے کون کہ جو ہے مرا حصّا
قسمت کا لکھا میرے مٹانے سے مٹے کیا مِٹ جائے گا سر گر ترا پتھر نہ گھسے گا
ہوں در پہ ترے ناصیہ فرسا کوئی دن اور

حالت جو مرے دل کی ہے کسطرح دکھاؤں کچھ دیر جو ٹھہرو تو غم ہجر سناؤں
روٹھے ہوئے کو اپنے یہی کہہ کے مناؤں آئے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤں
مانا کہ ہمیشہ نہیں اچھا کوئی دن اور

سب جانتے ہیں تم ہوئے وعدے کے سچّے ہم کو بھی بہت یاد ہیں اسطرح کے فقرے
یہ بھی کوئی وعدہ ہے کہ تسکین ہو جس سے جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے

کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

آرام دلِ غمزدگاں تھا ابھی عارف | اور میرے لئے تاب و تواں تھا ابھی عارف
مرجانے کے قابل ہی کہاں تھا ابھی عارف | ہاں اے فلکِ پیر جواں تھا ابھی عارف
کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

ہم ٹاپتے پھرتے ہیں اِدھر کے نہ اُدھر کے | تم نے تو اک اندھیر بپا کر دیا مَر کے
اے روشنیِ چشم، مرے نورِ نظر کے | تم ماہ شبِ چاردہم تھے مرے گھر کے
پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشا کوئی دن اور

ہاں یہ کہو مشتاق تھے خود کنجِ لحد کے | طالب نہ ہوئے اس سے اطبّا کی مدد کے
برداشت وہ کر لیتے ہیں جھگڑے جو ہوں حد کے | تم کون سے تھے ایسے کھرے داد و ستد کے
کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور

خوش خلق تھے تم زیب نہ تھی یہ کج ادائی | جب چاہتے کر لیتے اعزّہ سے صفائی
اے میرے جوانمرد یہ کیا دل میں سمائی | مجھ سے تمھیں نفرت سہی نیرّ سے لڑائی
بچّوں کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور

خوش رو جو تھے ہر وضع تھی خوش اور ادا خوش | خوش رہنے کی کیا شکل تھی جب دل ہی نہ تھا خوش
بحث اس سے نہیں مجھ کو کہ ناخوش رہے یا خوش | گذری نہ بہر حال یہ مدّت خوش و ناخوش
کرنا تھا جواں مرگ گذارا کوئی دن اور

جب روح نکل جائے تو بیکار ہے قالب | ہیں اور ہی جینے کے معانیّ و مطالب
ملتی ہے کہیں موت جو ہو مرگ کا طالب | ناداں ہو جو یہ کہتے ہو کیوں جیتے ہو غالب
قسمت میں ہے مرنے کی تمنّا کوئی دن اور

۵۶ تخمیس سنجیدہ

ایک بند

کبھی قدر اہلِ کمال کی ہوئی زندگی میں بتاؤ تم
مری قوم مردہ پسند کو یہ پیامِ شاد سناؤ تم
پئے فاتحہ کبھی بھول کر جو ادھر کہیں نکل آؤ تم
مری قبر پہ اگر آؤ تم مری غفلتوں پہ نہ جاؤ تم
کہ وطن میں رہ کے ہوں بےوطن مرے ملک کا یہ رواج ہے

تخمیس مزاحیہ مع قطعہ تمہیدی

۵ بند ۳ شعر

کلام ایسا تو ہو جس کو ہر اک اہلِ زباں سمجھے
وہ کیا گر آپ ہی اپنے ہی منہ میاں مٹھو سمجھے
جنابِ لطف کے اشعار اس موقع پہ یاد آئے
بلاغت اسقدر ہے کیا کوئی اسکا بیاں سمجھے
میں اُن اشعار چیدہ کو مخمس کر کے پڑھتا ہوں
اگر سمجھیں تو کہتے جائیں سب احباب ہاں سمجھے

مخمس

نہ دنیا میں نہ عقبیٰ میں نہ یاں سمجھے نہ واں سمجھے
نہ سر سمجھے نہ پا سمجھے نہ منہ سمجھے نہ کاں سمجھے
زمیں سمجھے قیامت تک نہ اُن کو آسماں سمجھے
جو عاشق ہو کسی بت پر نہ تن سمجھے نہ جاں سمجھے
بس عشقِ مہ جبیناں کو قضا کی نردباں سمجھے

ہوا کرتی تھی یہ حرکت صنم تمسے لڑکپن میں
مگر کامل ہوئے ہوا بتو تم تہذیب کے فن میں
گلوری کھا کے تم نے پیک تو تھوکی تھی برتن میں
کسی ناشاد کا خوں بھر گیا ہے انکے دامن میں
بھلا کیونکر دلِ نادان اسکو رنگِ پاں سمجھے

تمنا یہ ہماری یا الٰہی جلد بر آئے
ہمیں گھائل کیا ہے اُسنے وہ بھی چوٹ کھائے
گرے اوندھے ہی منھ اسطرح ظالم تو تلملا جائے
کبھی تو آ کے وہ بُت سنگِ مدفن میرا ٹھکرائے

وہ اپنے دل میں اس کو قبر کا میری نشاں سمجھے

لنگوٹی بندھ گئی انکی لیا کرتے تھے جو دون کی — نہ رادھا کی چلی کچھ اسمیں طاقت اور نہ چوچوں کی
نئے چکر نرالی گردشیں ہیں چرخ گردوں کی — گئیں جانیں بچارے قیس اور فرہاد و مجنوں کی

بُرا اے دل وہ بھی عشق مہ جبیناں کو کہاں سمجھے

جُنوں کچھ انکا ابکی سال اسدرجے پہ پہونچا ہے — ہوا ہے خبط شوقِ مال اسدرجے پہ پہونچا ہے
نہیں کچھ پوچھنا احوال اسدرجے پہ پہونچا ہے — تمھارے غمزدوں کا حال اسدرجے پہ پہونچا ہے

کہ دُودِ آہِ عاشق کو بھی وہ اک آسماں سمجھے

نوٹ ۔ جناب لطف کی تقلید میں ظریف مرحوم نے خود بھی ایک غزل کہی ہے جو غزلیات کے سلسلے میں درج ہے۔ صفی عفی عنہ

تخمیس مزاحیہ

جب ذرا پارے کی صورت مضطرب دیکھا مجھے — سمجھے قوم لوط کا بگڑا ہوا لونڈا مجھے
لیکن ایسا ڈھیٹ ہوں مطلق نہیں پروا مجھے — راہِ تاریکِ طلب میں دیکھ کر تنہا مجھے

دُور سے موسیٰ دکھاتے ہیں یدِ بیضا مجھے

تخمیس مزاحیہ بر مصرع طرح

۱۱ بند ۲ ۱/۲ شعر

بحر متقارب مثمن سالم — ارکان فعولن فعولن فعولن فعولن

نہ حالت پہ دل کی نظر کرنے والے — خبردار او بے خبر کرنے والے
فقط قیس کا جمع زر کرنے والے — ارے سرجری ڈاکٹر کرنے والے

مرادا تشگافِ جگر کرنے والے

اِرے بے خبر نیشتر کرنے والے   قناعت نہ اک حال پر کرنے والے
اِدھر کرنے والے اُدھر کرنے والے   کدھر کر رہا ہے کدھر کرنے والے
مرا دا شگافِ جگر کرنے والے

رقم فیس کی لے کے تو اپنے گھر جائے   یہ بیمارِ غم خواہ صدمے سے مر جائے
بلا سے تری تو، تو کام اپنا کر جائے   کہیں کا کہیں چاہے نشتر اُتر جائے
مرا دا شگافِ جگر کرنے والے

ارے تو نے جو چیز نوچی کھسوٹی   نہیں ہے یہ بد گوشت بوٹی ہے بوٹی
ہے گہرا ان سے اسکی لمبان چھوٹی   جگہ تنگ ہے اور سلائی ہے موٹی
مرا دا شگافِ جگر کرنے والے

نہ کر اتنی تیزی اگر تو ہے مٹھا   عِلاج جراحت ہنسی ہے کہ ٹھٹھا
ارے تو بھی ہے کتنا اُلو کا پٹھا   نہ جائے جہاں سینک کرتا ہے لٹھا
مرا دا شگافِ جگر کرنے والے

نہ سوچا نہ سمجھا نہ دیکھا نہ بھالا   بڑا تو تدارک کا ہے کرنے والا
نہ جائے سوئی جس میں کھونسا ہے بھالا   کیئے دیتا ہے ایک نلیا کو نالا
مرا دا شگافِ جگر کرنے والے

ٹا کر عبث تو کھڑا کر رہا ہے   طبیعت کو کیوں بدمزا کر رہا ہے
بُرا کر رہا ہے بُرا کر رہا ہے   ذرا آنکھ تو کھول کیا کر رہا ہے
مرا دا شگافِ جگر کرنے والے

ترے اس تدارک سے کیا ہوگی سیری   نہ کر ایسے کاموں میں اتنی دلیری
یہ تہذیب کہتا ہوں سُن بات میری   ربھری نہ ہو جائے اُنگلی میں تیری

مرادا شگافِ جگر کرنے والے

سُنوں میں بصد یاس کیا گفتگو ہے — رہوں ایسا بیخود نہ سمجھوں کہ تو ہے
تجھی سے میں پوچھوں یہی آرزو ہے — مواد اِسکے اندر بھرا یا لہو ہے

مرادا شگافِ جگر کرنے والے

دواخانے میں ایڈ وفارم نہیں ہے — بھرے زخم جس سے وہ مرہم نہیں ہے
مرے درد کا کچھ تجھے غم نہیں ہے — بتا تو ہے پھر کیا جو بوڑم نہیں ہے

مرادا شگافِ جگر کرنے والے

بتا مجھکو کیا چیز سمجھا ہے آخر — ترا تیز نشتر اگر ہے تو ہو پھر
مرے زخم کی کھال تک جائے گر چِر — نہ چیخوں گا صابر رہوں صابر ہوں صابر

مرادا شگافِ جگر کرنے والے

۵۷ تضمین قطعہ بند — تعداد ابیات ۲۲

بحر مضارع مثمن اخرب سالم — ارکان۔ مفعولُ فاع لاتن مفعولُ فاع لاتن

اک لُعبتِ کلیسا تیرِ نگاہ جس کا — ہلکی سی کاوشوں میں بربادِ سنگِ خارا
رشکِ مسیح بنکر وہ قاتلِ زمانہ — آیا پئے مداوا لینے کو دل ہمارا
اس دلمیں کیا سکت ہے آخر مقاومت کی — بس جل بجھا وہیں پر جیسے کہ اک شرارا
گفتم کہ از رُخِ تو گل یافت رنگ و خوبی — بر تو نثار کردم نقدِ دلم خدارا
پس از کرم نگاہے از تو امید دارم — شاہا عجب نباشد بخشی اگر گدا را
کہنے لگا یہ ہنسکر تم ہو وہی مسلمان — دنیا میں جن کا خنجر مشہور ہے دودھارا
میں تم سے دل لگاؤں بالکل ہے غیر ممکن — جبتک کہ تم نہ کرلو اسلام سے کنارا

ملنے کی ایک صورت آسان سی یہی ہے — دل سے قبول کر لو آئینِ دیں ہمارا
سمجھو یہ فلسفہ ہے وجہِ بقائے عالم — تینوں ہوں مل کے واحد واحد ہو پھر سہ پارا
درحلِ ایں معمّا تا منہمک نباشی — خواہی نیافت ہر گز آں دُرِّ بے بہارا
تھی چونکہ ایسی منطق میری سمجھ سے باہر — میں تھینکس کہہ کے پلٹا وہ اپنے گھر سدھارا
آگے بڑھا تو دیکھا مجمع ہے ایک جانب — اور شیخ و برہمن میں رب اُس ہیں جلوہ آرا
یہ وعظ کہہ رہے تھے وہ تھے کتھا سناتے — جنت پہ اُن کو دعویٰ بیکنٹھ انکا سارا
تھا وعظ مولوی کا احکامِ حج بجا لا — کہتے تھے مالوی جی تیرتھ ہے دھرم ہمارا
اور اک بزرگِ ملّت لکچر یہ دے رہے تھے — دنیا کی اینٹ ہو جب اور دین کا ہو گارا
قصرِ کہن گرا کر ایوانِ نو بناؤ — گر چاہتے ہو دنیا کلمہ پڑھے تمہارا
صوفیِ صاف باطن ساغر بکف تھے گویا — کُن ترکِ ماسواؤ در جام بیں خدارا
قانونِ ملک و ملّت کافی ہے جان لینا — کہتے تھے نیچری یہ فطرت کا ہے اشارا
مجمع میں اپنی اپنی ہر ایک کہہ رہا تھا — اک نکتہ دانِ حکمت اس طرح سے پکارا
"آسائشِ دو گیتی تفسیرِ ایں دو حرف ست" — "با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا"
گفتم بدل کہ دردا در کارگاہِ ہستی — ایں کشمکش نہ زیبد عقلِ گریز پارا
مشہور مطلعے را خوانم ز قولِ حافظ — چوں باز یاد کردم آں شوخِ دلربارا

"دل میرود ز دستم صاحبدلاں خدارا"
"دردا کہ رازِ پنہاں خواہد شد آشکارا"

ایضاً

۳ بند = ½ ۲۲

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف — ارکان۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلان یا فاعلن

ایسا رہرو جس کی منزل کا نشاں کوئی نہ ہو — جس کے پہلو میں بجز قلبِ تپاں کوئی نہ ہو

کہہ نہ سکتا ہو کسی سے حال اپنے درد کا
دل میں ہوک اُٹھتی ہو لیکن رازداں کوئی نہو

کھینچ کر اک آہ بے تاثیر ہو جائے خموش
باعثِ تسکینِ قلبِ ناتواں کوئی نہو

ہر طرف دیکھا کرے پھر پھر نگاہِ یاس سے
اور نظروں میں بجز حسرت سماں کوئی نہو

بحرِ طوفاں خیزِ غم میں دفعتہً دل ڈوب جائے
مثل اُس کشتی کے جس پر بادباں کوئی نہو

ہے وہ طائرِ قوّتِ پرواز جس کی دے جواب
تاک میں صیاد ہو اور آشیاں کوئی نہو

سر بہ زانو ہو کے لازم ہے یہی سوچا کرے
رہیئے بس ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہو

ہم سُخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو

حضرتِ دل آپ ہی انصاف سے فرمایئے
اس سرائے دہر میں ایسے مسافر کے لیئے

سازوسامانِ معیشت کی ضرورت ہی نہیں
موت جبتک آئے غم کھایا کرے آنسو پیئے

قافلے کو جس کے نامعلوم میعادِ قیام
موت کا پیغام اِدھر آیا اُدھر سب چلدیئے

جب کسی سے بات کرنے کی تمنا ہی نہ ہو
کیوں نہ چپ بیٹھا رہے سب سے الگ منہ کو سیئے

چاہیئے قیدِ علائق سے رہے آزادہ وہ
جسکا کوئی پوچھنے والا نہ ہو جبتک جیئے

خشت کا اک عارضی تکیہ ہو بسترِ خاک کا
سر کے اوپر آسماں موجود ہی سایہ کیئے

پھر ضرورت کیا کسی تعمیر کی کیوں فکر ہو
بے در و دیوار سا اک گھر بنانا چاہیئے

کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہو

یہ بہارِ لالہ و گل یہ نشاطِ روزگار
ہے فریبِ زالِ دُنیا اس سے غافل ہوشیار

جب سرائے دہر میں ممکن نہیں تیرا قیام
اور دُنیا کو سمجھتا ہے کہ ہے اک رہگذار

دیکھنے میں اُس کے منظر ہیں نہایت خوشنما
اصل میں لیکن یہ خود فانی ہے اور ناپائدار

جتنے دن آشوب گاہِ دہر میں رہنا پڑے
امن اُسی میں ہو کہ تو سب سے رہے بیگانہ وار

غور کر اس چند روزہ زندگی کیواسطے
کیوں کسی پر بار ہو کیوں لے کسی کا سر پہ بار

چار دن کے واسطے بیکار ہے شور و شغب کاٹیئے خاموش رہکر زندگیٔ مستعار
موت کے آنے سے پہلے کیجئے یہ انتظام پڑیئے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیماردار
اور اگر مرجایئے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

۷۵ تضمین بلا قید تعداد ابیات ۴

بعد اک عرصے کے آیا آپ کو اتنا خیال سمدھیانے کے ملازم کو نہ پہونچے کچھ للال
اصل میں لیلیٰ کا کُتّا بھی تو ہوتا ہے عزیز اور نہیں اُسکی غذا ہڈی سے بہتر کوئی چیز
واقعی میری غذا جو تھی وہی بھیجی گئی لوگ بھولے سے ابھی تک جانتے تھے آدمی
"شکر نعمت ہائے تو چندانکہ نعمت ہائے تو"
عُذر تقصیراتِ ما چندانکہ تقصیراتِ ما

ایضاً

ابیات قطعہ بند تعداد ابیات ۱

عشقِ مجازی کا جوش دیکھ کے خاموش ہو
نام و تخلص بتاؤ کا ہے کو روپوش ہو

بحر خفیف مُسدس مخبون مقصور یا محذوف ارکان۔ فاعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

اَیّہا الشیخ مصلح الاقوام تھا ضمیمے میں نام کا کیا کام
کیا کہا صرف اس کو دیکھیں سب کون قائل ہے اِس سے کیا مطلب
مثنوی میں نے جو لکھی تھی فضول لکھنؤ میں وہ ہوگی کیا مقبول

اور اگر پوچھے کوئی ذاتِ شریف
آپ کہدیجیے ایک شخصِ ظریف
دلگی باز قوم کا غم خوار
پنچ کا مخلص اور نامہ نگار
جو ظرافت کا پہنے ہے جامہ
واعظِ بے عبا و عمامہ
فکر نام و نمود سے غافل
فقط اس قول پر جو ہے عامل
"دوست آنست کو معائب دوست
ہمچو آئینہ روبرو گوید"
"نہ کہ چوں شانہ با ہزار زباں
پسِ سر رفتہ مو بمو گوید"

ایضاً

تعداد ابیات ۷

بہارِ گلشنِ کشمیر بہرِ نذر لایا ہوں
کہ ایسی جنس کا ہے صرف آقا قدرداں میرا
کتب خانے میں اُسکے داخلے کا حکم ہو جائے
یہ خواہش ہے رہے محفوظ یہ تحفہ یہاں میرا
بھرو سا زندگی کا کیا چراغ صبحگاہی ہیں
مٹادے گا زمانہ ایک دن نام و نشاں میرا
ضعیفی اور آلام و مصائب روزمرہ کے
زمانہ لے رہا ہے سختیوں سے امتحاں میرا
ریاضِ دہر میں کُملا چکا تھا کب کا مٹ جاتا
نہ کرتا آبیاری وقت پر گر باغباں میرا
وطن ناقدرداں میں بے حقیقت فردِ کم مایہ
زمانے میں بھلا پھر کون ہوتا قدرداں میرا

"مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد"
"دگر دم درکشم ترسم کہ مغزِ استخواں سوزد"

نوٹ ۔ بہار گلشن کشمیر تذکرہ شعرائے کشامرہ کا نام ہے جسے پنڈت برج کشن صاحب کول اور پنڈت جگموہن ناتھ صاحب رینہ نے تالیف کرکے شایع کیا تھا۔ صفی عفی عنہ

ایضاً

۳ بند ۷/۱ ۲

تری بزمِ طرب میں شورِ نوشانوش ہے ساقی
جہاں ہر رند کو حد سے زیادہ جوش ہے ساقی

جسے آدابِ محفل کا ذرا بھی ہوش ہو ساقی   قرینہ میکدے کا دیکھ کر خاموش ہو ساقی
یہاں جو بڑھ کے لے لے ہاتھ میں مینا اُسی کا ہے

مرے ساقی کبھی مجھ میں یہ ہمّت ہو نہیں سکتی   ترے محکوم کو اتنی جسارت ہو نہیں سکتی
عطا کر تو پیوں گا یوں تو جرأت ہو نہیں سکتی   مرے کمزور ہاتھوں میں یہ قوت ہو نہیں سکتی
یہاں جو بڑھ کے لے لے ہاتھ میں مینا اُسی کا ہے

جسارت بڑھ گئی رندوں میں اتنی کیا بتاؤں میں   ترے اخلاق سے کیوں فائدہ بیجا اٹھاؤں میں
نہ اتنا مست ہوں حدِّ اطاعت بھول جاؤں میں   بلا تیری اجازت کیوں قدم آگے بڑھاؤں میں
یہاں جو بڑھ کے لے لے ہاتھ میں مینا اُسی کا ہے

قطعات

تعدادِ ابیات ۲

ادائے خدمتِ مخلوق ہی پہلا فریضہ ہے   مُقدم جانتا انساں اسے انساں اگر ہوتا
نہ خدمت خلق کی گر ذاتِ ختم المرسلیں کرتی   لقب کیوں رحمۃٌ للعالمیں خیر البشر ہوتا

ایضاً

تعدادِ ابیات ۳

بپاسِ خاطرِ ذی مرتبت علی ضامن   مشاعرے میں گیا اور پڑھ پڑھا آیا
مزارِ وارثِ دیوا شریف تک نہ گیا   ٹھہر کے کیمپ میں منت یونہی بڑھا آیا
سُنا تھا لوگ چڑھاتے ہیں چادریں تو ظریفؔ
بُرا نہانے کا اک تولیہ چڑھا آیا

نوٹ۔ ڈپٹی سید علی ضامن صاحب کے اصرار سے دیوا کے مشاعرے میں ظریفؔ مرحوم شریک ہوئے تھے وہاں اُنکا تولیہ جاتا رہا یہ قطعہ اُسی کے متعلق ہے۔   صفیؔ عفی عنہ

ایضاً
تعدادابیات ۶

کی سفارش آپنے گھوسی سے مٹھے کیلئے آپکے احساں کا میرے سر پہ گٹھا ہوگیا
آپکے تاکید فرمانے کو وہ سمجھا ہنسی آپکے ارشاد اُس کے حق میں ٹھٹھا ہوگیا
حکم کی پروانہ کی اُس نے کہ گھوسی تھا رذیل آدمیت چھوڑ کر اُلّو کا پٹھا ہوگیا
واقعہ یہ ہے اُٹھائے سے نہ اُسکے اُٹھ سکا بوجھ راتب کا اُسے سانکھو کا لٹھا ہوگیا
تین دن راتب دیا اور تین دن ناغہ کیئے گو اُدھورا ہی سہی ہفتہ اکٹھا ہوگیا
شکریے کے ساتھ عرضِ حال کرتا ہے ظریفؔ
آپکا ماتحت گھوسی اتنا مٹھا ہوگیا

نوٹ ۔ یہ قطعہ مزاحیہ ظریفؔ مرحوم نے داروغۂ باورچی خانۂ ریاستِ محمود آباد کو گھوسی کی شکایت میں لکھ کر بھیجا تھا۔ صفی عفی عنہ

ایضاً
تعدادابیات ۲

مرا مجلس کا حصّہ کر گئے یوں مہرباں غائب کہ جیسے مہتمم مجلس کے کردیں جوتیاں غائب
مٹھائی غضب کی حصہ بٹے گا اُنکے تیجے کا لحد میں دفعتًہ ہوجائیں گے جس دن میاں غائب

ایضاً
تعدادابیات ۵

اے ولی نعمت محمد مہدیِ عالی جناب حق تعالیٰ آپ کو رکھّے ہمیشہ کامیاب
اپنے ہمجنسوں میں روز افزوں ہو عزّت آپ کی سائے کی صورت رہیں اقبال و دولت ہمرکاب
ہم نمک خوارِ ریاست دونوں خادم آپ کے جو دعائیں کرتے تھے آخر ہوئیں وہ کامیاب

جنوری اُنیس سو تیئس کے آغاز میں
نامِ نامی کا ہوا روشن جہاں میں آفتاب

سالِ نو کی تہنیت دینے کو حکم شاہ سے
ہند تک لندن سے آیا راجہ صاحب کا خطاب

نوٹ ۔ یہ قطعہ ظریف صاحب نے راجہ صاحب پیر پور کے دو ملازموں کو اُن کی فرمائش پر لکھ دیا تھا جو تہنیت پیش کرنا چاہتے تھے معلوم نہیں وہ دونوں صاحب کون تھے۔ صفی عفی عنہ

ایضاً

تعداد ابیات ۱۳

بحر ہزج مثمن سالم
ارکان۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

سنائیں دردِ دل کس کو سُنے گا کون اے دانش
سمجھ میں آئیگا کس کے کوئی کس سے کہے دانش

جسے کہتے ہیں پاسِ وضع و خودداری حقیقت میں
وہ اک بیکار شئے ہے اس زمانے کے لئے دانش

زباں ناآشنا شکوے سے عسرت میں بسر کرنا
تمہارے بعد کوئی ہے جو ایسا کر سکے دانش

ہزاروں سختیاں جھیلیں نہ ماتھے پر شکن دیکھی
حقیقت میں مجسّم صبر و استقلال تھے دانش

رہے جس حال میں محفوظ رکھی آن بان اپنی
مُقر اِسکے رہیں گے مدّتوں چھوٹے بڑے دانش

رہے چہرے پہ آثارِ مسرّت تا دمِ آخر
ہمیشہ خندہ پیشانی ہی دیکھا جب ملے دانش

خیالِ خاطرِ احباب مرتے وقت تک رکھنا
جسے کہتے ہیں اِسکو بالعمل دکھلا گئے دانش

ہمارے لکھنؤ کو ناز ہے جس وضع داری پر
نباہا تمنے اسکو عمر بھر جبتک جیئے دانش

ضعیفی میں لبِ بامِ آفتابِ عمر جب آیا
قضا کا اک بہانہ تھا جو کوٹھے سے گرے دانش

اُٹھا اک ماہرِ فن مستند اہلِ زباں تم سا
عجب کیا مدّتوں اُردو ادب ماتم کرے دانش

ستائے گی تمھاری یاد جب بزمِ ادب ہوگی
نکل ہی جائے گا بیساختہ منھ سے ارے دانش

اِسی پر منحصر ہے قدر دانی مرنے والے کی
فقط اک سورۂ الحمد پڑھ دیجئے پئے دانش

ظریفؔ اظہارِ غم کی بزم ہے مختصر کہہ دو
قضا دانشؔ کی آئی ہو گئے ہم لوگ بے دانش

نوٹ - یہ قطعہ حکیم فدا احمد صاحب دانشؔ کے جلسۂ تعزیت میں ظریفؔ مرحوم نے کہہ کر پڑھا تھا۔
صفی عفی عنہ

ایضاً

تعداد ابیات ۵

آپ سرکار کے استاد اتالیق سہی
پھر بھی اسلام سکھاتا ہے اخوتؔ کا سبق

میں نے مانا کہ ہوں اک بندۂ ناچیز و ذلیل
تو بھی اسلام کے شیرازہ ملیؔ کا ورق

میں تو حاضر ہی ہوا کرتا ہوں بہر تسلیم
ہے مگر آپ کے تشریف نہ لانے کا قلق

سرفراز آکے کبھی آپ جو فرمائیں مجھے
کسرِ شان اس میں نہیں آپکی حاشا مطلق

دوستانہ ہے شکایت زرہ رسم قدیم
ورنہ شکوے کا ظریفؔ اور سے کیا مجھ کو حق

ایضاً

تعداد ابیات ۷

منصفی سے ہوئی وابستہ جو انجینیری
اب بنا قصر عدالت کی ہوئی مستحکم

عرف میں نام اسی کا ہے قران السعدین
اختر برج شرف اور رہے کابل ہیں بہم

شور ہے سمت ہے دیوانی کے دیوانوں میں
چھیڑدے ساز کو مطرب نہ سنا اب سرگم

سازِ قانون کی آواز ہو ایسی ہموار
کہ سمجھ ہی میں نہ آئے کہیں مدھم پنچم

مرشد آباد کے گلشن میں ید قدرت نے
کیا لگائی ہے کلا نپور کی شاداب قلم

ساقیا! مفت کی مے ہوتی ہے قاضی کو حلال
یہ مثل سب میں ہے مشہور ترے سر کی قسم

بار اور بنچ کے متوالے چلے آتے ہیں
درِ میخانہ پہ لکھ کر تو لگا دے دِل کم

نوٹ۔ یہ قطعہ کتخدائی سید اختر احسن صاحب خلف جناب سید اصغر حسن صاحب جج کے متعلق ہے۔ شادی ۱۹۳۴ء میں ہوئی تھی۔ صفی عفی عنہ

تعداد ابیات ۲

ایضاً

للّا صاحب کے بہر طور ہیں ہم شکر گزار
جن کے باعث سے ہوئے آج یہ اسباب بہم
ہے ظریف اک اثر عزّت محمود آباد
کہ ملے ہم سے کنور صاحبِ وزیا نگرم

تعداد ابیات ۵

ایضاً

چھین لی ہاتھ سے پنجاب نے دیکر نعمت
لکھنؤ کچھ بھی سر دپا کا تجھے ہوش نہیں
شیعہ اسکول کے بچّوں کو جو دیں لطف سے لے
مہرباں سچ ہے کہ ایسا کوئی آغوش نہیں
رات دن خدمت قومی میں لگانے کے لئے
دل تو مِل جائینگے ممکن ہے یہ یہ جوش نہیں
اپنے محسن کی اگر دل سے نہ کی سچی قدر
قوم پھر کیا ہے جو احسان فراموش نہیں
تیز دوڑے ادھر اور سوئے یہ خصلت ہے ظریف
اُسپہ دعوی ہے کہ انسان ہیں خرگوش نہیں

نوٹ۔ شیعہ اسکول میں محسن میرزا صاحب پنجاب سے رخصت لے کر ابتدائی انتظام درست کرنے ۱۹۲۰ء میں آئے تھے۔ اُن کے جاتے وقت یہ قطعہ ظریف نے کہا تھا۔ صفی عفی عنہ

ایضاً

تعداد ابیات ۲۳

بحر خفیف مسدس مخبون مقصور یا محذوف
ارکان۔ فاعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

مسند آرا ہوئے بہ شوکت و شاں
راجہ صاحب امیر احمد خاں

شرفا پرور و کرم گستر
منبع بذل و معدنِ احساں

جن کا اخلاق میں جواب نہیں
جو ہیں تہذیب میں وحیدِ زماں

جب کبھی دامنِ سماعت پر
لعل لب سے وہ ہوں گہر افشاں

ہوں گے الفاظ سب دُرِ شہوار
باتیں سب ہوں گی موتی کی لڑیاں

جُز کتب بینی اور شوق نہیں
ہے کتب خانہ بحرِ بے پایاں

نثر میں نظم میں بڑے مشّاق
ایک دریا ہے جوشِ طبع رواں

مختلف السنہ پہ جب ہے عبور
کیا غلط ہے اگر کہوں ہمہ داں

حد کی مردم شناس ہیں نظریں
چشم بددور ہیں اگرچہ جواں

بات کہتے نہیں کوئی ایسی
گزرے جو طبع پر کسی کے گراں

کیا ذکاوت ہے کیا فراست ہے
دونوں چیزیں ہیں عطیۂ یزداں

نکتہ رس نکتہ سنج نکتہ نواز
نہیں حصرِ صفات کچھ آساں

للہ الحمد راج گدّی پر
متمکّن ہوا وہ فیض رساں

جشن ہے قلعۂ معلّٰی میں
آئے ہیں راجگان عالی شاں

خود گورنر بھی لائے ہیں تشریف
اور حکّام بھی ہیں سب مہماں

نصب ہیں خیمہ ہائے رنگا رنگ
قلعہ ہے رشکِ بوستانِ جناں

مشرقی طرز کی جو ہے دعوت
لکھنؤ میں ہے اُسکا بھی ساماں

رشکِ فردوس قصرِ قیصر باغ | پھر وہاں یہ نظر فریب سماں
خاص نمبر نکل رہا ہے ایک | ہو گا تفصیل سے سب اس میں بیاں
حکمراں وہ رہیں صد وسی سال | یہ دعا ہے ظریفؔ وردِ زباں
معدلت مہد عہد میں اُن کے | کُل رعایا رہے بہ امن و اماں
ہو ترقی پذیر دولت و جاہ | رہیں احباب خرّم و شاداں
جو ہو دنیا میں دشمنِ ممدوح | رہے اُس سے زمانہ روگرداں

نوٹ۔ظریفؔ مرحوم نے یہ نظم راجہ صاحب بہادر محمود آباد کی مسند نشینی کے موقع پر بطور تہنیت پیش کی تھی۔ صفیؔ عفی عنہ

ایضاً

تعداد ابیات ۲

تقویت دے گا مہاراجہ کے تخت و تاج کو
چاند سا بیٹا مُبارک ہو کنور مہراج کو
پالنا نادار لایا ہے پئے نذرِ امیر
زرِ تصدّق کے لیئے ممکن نہ تھا محتاج کو

نوٹ۔ مہاراج کمار صاحب محمود آباد کے صاحبزادے کی ولادت کے موقع پر ظریفؔ مرحوم نے یہ قطعہ کہہ کر پیش کیا تھا۔ صفیؔ عفی عنہ

ایضاً

تعداد ابیات ۱۵

بحر۔ ہزج مثمن سالم | **ارکان**۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن
مُبارک ہو یہ دلکش دلکشا منظر مبارک ہو | یہ بزمِ شادیِ فرزندِ نیک اختر مبارک ہو

جدھر دیکھو اُدھر بس محفلِ عشرت ہی عشرت ہے
مُبارک یہ سماں ہو اور یہ منظر مبارک ہو

جو آتا بھی نہ تھا مدّت سے وہ بھی شوق سے آیا
یہ مہمانوں کا مجمع آپ کے گھر پر مبارک ہو

نکلنا حوصلے بیٹے کی شادی کے مسرّت میں
لٹانا مال و زر نوشاہ کے سر پر مبارک ہو

مچی شہزاد کی شادی کی ایسی دھوم عالم میں
ہر اک فردِ بشر نے کہہ دیا آکر مبارک ہو

دلہن کو بیاہ لانا زندگی بھر کی مسرّت ہے
تمھیں شہزاد سچا مونس و ہمسر مبارک ہو

تجلّی پھیلی جاتی ہے دلہن کے گھر میں آنے سے
صدائیں گونج اُٹھی ہیں رُخِ انور مبارک ہو

مُراد آباد ہے دامن مُرادوں سے بھرو اپنا
کہ بابو کرشن چندر کی تمھیں دختر مبارک ہو

الٰہی عیش کی گھڑیاں سدا آتی رہیں یونہی
سجانا محفلِ عیش و طرب اکثر مبارک ہو

مُبارک دن کو لے نوشاہ شانِ مسند آرائی
تجھے راتوں کو لطفِ بالش و بستر مبارک ہو

فضائل کسقدر شہزاد کے مشہورِ عالم ہیں
تمھیں راجہ تمھارا بے بہا گوہر مبارک ہو

کھنچ آئے منزلوں سے جذبِ اُلفت اسکو کہتے ہیں
گلے سمدھی کے سمدھی مل گئے آکر مبارک ہو

ضیا کیونکر نہ پھیلے ہر طرف نورِ محبّت کی
کہ یکجا ہو گئے مہر و مہِ انور مبارک ہو

جو نوشہ نورِ محفل ہے دُلہن ہے روشنی گھر کی
چمک چہروں کی یکساں باہر اندر مبارک ہو

یوہیں چھائی رہیں سر پر گھٹائیں عیشِ راحت کی
پلانا جامِ اُلفت شوق سے بھر کر مُبارک ہو

نوٹ ۔ یہ قطعہ ظریف مرحوم نے اپنے ایک دوست راجہ صاحب کے لڑکے کی شادی کے موقع پر بطور تہنیت کہا تھا۔ صفی عفی عنہ

ایضاً

تعداد ابیات ۲

ذکرِ سخن کا ذوق تھا جبتک جواں رہے
ماحول تو وہی ہے مگر ہم کہاں رہے

دل مُردہ ہو گیا تو ظرافت سے واسطہ　　اک تذکرہ رہے گا اگر قدرداں رہے

ایضاً　　تعدادِ ابیات ۲

بُز دلِ وفورِ خوف سے ہُتّوا کہیں جسے　　تھارو زباں ہیں لوگ بھگوّا کہیں جسے
دستِ سعید سے ہوئی وہ شیرنی شکار　　تیار ایسی ڈھوّیکا ڈھوّا کہیں جسے

ایضاً　　تعدادِ ابیات ۱۸

بحرِ رمل مثمّن مخبون مقصور یا محذوف　　ارکان۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

ہم سُنا کرتے تھے انسان متمدّن ہے، جسے　　ملنے جُلنے کی ضرورت بھی ہوا کرتی ہے
دم نہ تنہائی میں گھبرائے اکیلے رہ کر　　کبھی ہم جنسوں کی صحبت بھی ہوا کرتی ہے
آکے دُکھ درد میں ہو ایک کا گر ایک شریک　　اس سے افزائشِ اُلفت بھی ہوا کرتی ہے
دل بہل جاتا ہے جب ایک جگہ مِل بیٹھے　　میل مِلت سے مسرّت بھی ہوا کرتی ہے
تندرست آتے ہیں بیمار کی پرسش کے لیئے　　یوں ادا رسمِ عیادت بھی ہوا کرتی ہے
کیا سب اقران و اماثِل ہی سے ملتے ہیں فقط　　ایسی اسلامی اُخوّت بھی ہوا کرتی ہے
کلیّہ کیا یہ غلط تھا جو سنا کرتے تھے　　یکدلی باعثِ قُوّت بھی ہوا کرتی ہے
منتشر گر کہیں شیرازۂ ملّت ہو جائے　　پھر ہر اک فرد کو ذلّت بھی ہوا کرتی ہے
پر نہ معلوم تھا ایسے بھی ہیں خطّے کہ جہاں　　ایک سے ایک کو نفرت بھی ہوا کرتی ہے
اتفاقاً جو ملاقات کسی سے ہو جائے　　ظاہراً لُطف و عنایت بھی ہوا کرتی ہے
ایک کا دوسرا شاکی ہے پسِ پشت مگر　　یوں بلا وجہ عداوت بھی ہوا کرتی ہے
چوٹیں چلتی ہیں بہم خوب زبانی ہر وقت　　اِس اکھاڑے میں تو کسرت بھی ہوا کرتی ہے

گر چلے جاؤ کسی پاس کبھی بھولے سے — تو اُسے دیکھ کے وحشت بھی ہوا کرتی ہے
جانتا ہے کہ فقط آئے ہیں سُن گُن لینے — کہ یہاں اُس کی ضرورت بھی ہوا کرتی ہے
جیتے جی یہ نہ سمجھتے تھے کہ رہنے کی جگہ — کہیں ہم صورتِ تربت بھی ہوا کرتی ہے
میلِ ثلث کا تصوّر ہو جہاں پر مفقود — اُن میں اِس طرح کی خلقت بھی ہوا کرتی ہے
ہے عبث شکوۂ بے مہری اغیار ظریفؔ — جبکہ اپنوں سے شکایت بھی ہوا کرتی ہے

درحقیقت ہے غریب الوطنی ایک بلا
یوں تو راحت بھی مصیبت بھی ہوا کرتی ہے

ایضاً

تعداد ابیات ۱۱

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف — ارکان ۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

خیمۂ پھلواری میں رہنے کو جو ہمیں پایا — لِلّٰہ الحمد انمیں شبِ تنہائی ہے
دہنِ تنگ سے معشوق کے تھوڑا چھوٹا — عمر میں گنبدِ گرداں کا بڑا بھائی ہے
کہیئے ٹھنڈک میں اُسے قطبِ شمالی کا چچا — سرزمیں خطۂ کشمیر کی ماں جائی ہے
اس صفت میں تو یہ ہے حجلۂ جنت بالکل — گرد و پیش اُس کے کہیں صحن نہ انگنائی ہے
اِس طرف میں ہوں اُدھر مور کے بچوں کا قفس — کششِ ہموطنی ایک جگہ لائی ہے
بعد مدت کے ہوا ساتھ ہمارا اُن کا — کیوں نہ ہو دونوں میں ہمدردیِ آبائی ہے
کبھی اِک ساتھ نکالے گئے تھے جنت سے — اتفاقات سے اب موقعِ یکجائی ہے
پر کجا مجھ سا گنہگار کجا خلدِ بریں — کوئی سُن لے تو یہ کہدے گا کہ سودائی ہے
فیض سے صحبتِ علّامۂ زنجانی کے — اسطرح جنت دنیا مرے ہاتھ آئی ہے
خدمتِ عالمِ دیں کا یہ نتیجہ ہے ظریفؔ — ابن طاؤس کے پہلو میں جگہ پائی ہے

نوٹ۔ یہ قطعہ محمود آباد میں راجہ صاحب کی مسند نشینی کے زمانے میں جب مہمانوں کے خیمے پھولواڑی میں قلعۂ معلّی کے اندر نصب ہوئے تھے۔ ظریف مرحوم نے اپنی جائے قیام کے متعلق نظم کرکے سُنایا تھا اور سب کو بے حد پسند آیا تھا۔ صفی عفی عنہ

تعداد ابیات ۲

ایضاً

ایک غوطے میں گنہگاروں کی غائب ہر بدی
کم نہیں گنگا سے وہ ہو نربدا یا نربدی

لڑ نہیں سکتی بالآخر چوندھیا جائے گی آنکھ
شرط گر خورشید عالمتاب سے مسٹر بدی

تعداد ابیات ۱۴

نظم بطورِ مثنوی

رجز مزاحیہ بزبانِ فارسی ۵

بحر متقارب مثمّن مقصور یا محذوف
ارکان۔ فعولن فعولن فعولن فعول یا فعل

منم آں یلے نامور در جہاں
کہ از گُرزِ خود بشکنم خشکناں

من آں مردِ میداں کہ در کارزار
نہم زخم خنجر بہ قلبِ خیار

بہ میدانِ ہیجا چو نعرہ کنم
تنِ پنبہ را پارہ پارہ کنم

سناں گر بہ پہلوے حلوا زنم
بقوت ز مشقاب برافگنم

ہدف چوں زنم تاب دادہ بروت
مشبک شود تانۂ عنکبوت

نمش گشتہ غربال از تیرِ من
سرِ شیر زخمی ز شمشیرِ من

کنم قطع از قوّتِ بے نظیر
ز دندانِ سر تیز قاشِ پنیر

بہ نیروے بازو چو شش پر زنم
بصد ضرب خشخاس را بشکنم

به نیروئے سرپنجۂ زور مند — پریشاں کنم دانہ ہائے سپند
کنم روزن از تیر خود اندر آب — دَرم کاغذِ کہنہ وقت عتاب
تبر را کنم گر بہ سرعت رہا — سرِ پشہ گردد ز گردن جدا
اگر مشت بر روئے موشک زنم — بزدرِ خودش بر قفا افگنم
من آں پہلوانم کہ بر وقتِ خشم — بصد زور از جا کنم موئے ......
بہ بیند اگر ششش پرّم مورِ پیر — ز میدانِ ہیجا شود قلعہ گیر

۵۲ ایضاً تعداد ابیات ۱۱

ظرافت کا چورن

بحر مجتث مخبون مقصور یا محذوف — ارکان۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

ظریف آئے ہو تم اس لئے الہ آباد — کہ بنچ و بار کو دو مژدۂ مبارک باد
یہاں شریکِ ڈنر بنچ و بار کل ہوگا — بلند چار طرف تہنیت کا غل ہوگا
ہمیں بھی شرکتِ دعوت کی دی گئی تھی خبر — ہے چیف جسٹس ذیجاہ کی طرف سے ڈنر
سجی ہوئی ہے تکلّف سے میز کھانے کی — اسی طریق سے جو رسم ہے زمانے کی
کباب قورمہ قلیہ پلاؤ بورانی — فزوں شمار سے فہرست جنکی طولانی
ہزاروں نعمتیں ہر ایک مہماں کے لیے — صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کیلئے
جسے بھی کھانے پہ جس چیز کی ہوئی خواہش — نظر کے سامنے فی الفور آگئی وہی ڈش
کھڑے ہوئے ڈنر اسپیچ کو اُدہر احباب — نکالا جیب سے ہم نے بھی نسخۂ نایاب

غذا کے بعد ظرافت کا چاہئے چورن
کریں پسند اگر صاحبانِ ذوق سخن

بحر متدارک مخبون شانزدہ رکنی۔ ارکان فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن

اِس پہلو بھی اُس پہلو بھی بس کروٹ پر کروٹ ہی تھی
سب رِل کے خرّاٹے لیتے وہ سوتے ہم جاگا کرتے

بیمارِ محبت کو ایذا دینے جو مریضانِ الفت
ہم عیش محل کے جرنل وارڈ میں بھرتی ہو کر کیا کرتے

نوٹ ۵ اس وزن میں مخبون اور مخبون مسکّن کا اجتماع ہر جگہ جائز ہے۔

نوٹ۔ یہ نظم چودھری اختر حسین صاحب ایڈوکیٹ کی شادی میں بمقام الہ آباد دعوت کے موقع پر ظریف مرحوم نے پڑھی تھی۔ صفی عفی عنہ

ایضاً

۵۳ تعداد ابیات ۲۰

فلسفۂ رقص بہ صنعتِ ادبِ لطیف

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف ارکان۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

برلبط زرپاش دے اے ساقی بادہ بدوش
رقص کی تعریف کرنے کا اُٹھا ساغر میں جوش

رقص کیا ہے روح کے نغمے کے کولوں کی لچک
پیکرِ تصویرِ خاکی کی اُچٹتی سی جھپک

حُسن کے اندامِ نازک کی رگوں کا ارتعاش
میکدے کے جامِ بلوریں کا جلوہ کیف پاش

دُھوپ کے دریا کی موجوں میں ترنّم خیز ناؤ
نغمۂ جامد کے نازک جسم کا باریک گھاؤ

اک ادائے دلربا تصویرِ بے آواز کی
دلنشیں ٹھوکر ستاروں کے خرامِ ناز کی

مرمریں حوروں کی زلفِ عنبریں کے داؤں پیچ
اور چکیلی کلائی کی ترنم زا کھڑ پینچ

رقص دونوں پر حکومت کی چڑھا کر تیوریاں
روح کو کولا ہلا کر حکم دیتا ہے کہ ہاں

بے بتا بھی دوں تجھے پلوادے ہوئے کی شراب
رقص میں کس وقت آجاتا ہے دورِ انقلاب

کھنکھناہٹ جام کی لیتی ہے کب انگڑائیاں
قامتِ موزونِ رقصیت میں ہو ہو کر نہاں

اور صبا کی سنسناہٹ اُس پہ کرتی ہے اثر
رقص ہوتا ہے کہیں اُس وقت جاکر جلوہ گر

درحقیقت رقص ہے دورِ جوانی کا گھماؤ
حسن کی باگوں کا دستِ عشق سے ہلکا کھنچاؤ

خواہشِ بیجا کی اک تصویرِ عریاں کی ادا
جامۂ انسانیت کے چاک ہونے کی صدا

مختصر شرح ہم آغوشی و تکمیلِ وصال
شہوت آگیں حسنِ عریاں کی فریب آمیز چال

جب رگوں میں دوڑتا ہے خونِ موسیقی کا رنگ
ہوتی ہے اعصاب باہم محبت خیز جنگ

دورِ برنائی اُنھیں لہروں کو دیکر پیچ و تاب
رقص کی صورت میں دیتا ہے سکونِ اضطراب

موقلم پلکوں کا لیکر آنکھ بھردیتی ہے رنگ
قامتِ موزونِ رقاصہ میں اُٹھتی ہو اُمنگ

رقص کرنے دے سکونِ قلبِ عشرت ساز کو
برلبِ موسیقیت پردے میں رکھ آواز کو

ابروؤں کی گفتگو ذوقِ تمنا میں شدید
آنکھ کی انگڑائیوں کے کچھ خیالاتِ جدید

نطق کے پردے میں مُنہ ڈھانکے ہوئے گونگے کا خواب
لرزش آگیں یا شعاعوں کا مچلتا آفتاب

دل کی دھڑکن مچھلیوں کا اضطرابِ رقص زا
شبنمستانِ چمن کی کیف زا ٹھنڈی ہوا

نوٹ :۔ صنعتِ ادبِ لطیف میں یہ نظم کہی گئی تھی۔ صفی عفی عنہٗ۔

۵۴ ایضاً تعداد ابیات ۹

رقعۂ مجلس منجانب گوہر جان کلکتہ

بحر خفیف مسدس مخبون مقصور یا محذوف — ارکان ۔ فاعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

خامۂ غم طراز کر تحریر
حالِ عباسؑ عاشقِ شبیر

آجکل ہے جہاں میں موسمِ غم
سرباسرمی سے کیوں نہ روئیں ہم

سب ہیں فرطِ الم سے سینہ فگار
جیسے باجی کو کردیا مختار
ہے زبس موسم عزاداری
کالی باڈی ہے اور یہ ساری
ہیں بصد عجز سب سے عرض کناں
وہی کلکتے والی گوہرجان
تیرہ تاریخ کو محرم کی
پہلے جو آئے اُسکی ہے باری
چوک میں بیچ کی سرا ہے جہاں
ورنہ جس جا پہ آپ آئیں وہاں
شام کیوقت لائیں سب تشریف
سب کو کافی ہے یہ نخیف وضعیف

آئیں مجلس میں صاحبِ اعزاز
چھانٹ لوں گی جو ہونگے سب میں گداز

نوٹ۔ گوہرجان کلکتے والی نے بذریعہ چودھرائن طوائف لکھنؤ میں ایک مجلس کی تھی اُسکی طرف سے یہ فرضی رقعہ ظریف مرحوم نے لکھا ہے۔ صفی عفی عنہ

۱۱ نوحہ

مسماۃ صافی مادرِ منگا بمرگِ دختر تعدادابیات ۱۷

بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف مقصور یا محذوف و مستزاد ارکان۔ مفعولُ مفاعیلُ مفاعیلُ فعولن۔ مفعولُ فعولن

رو رو کے بیاں کرتی تھی یہ مادرِ منگا، ہے ہے مری منگا
غسّالہ نے بٹیا ترا مُردہ کیا منگا، ہے ہے مری منگا
اِس رنج والم نے مجھے فرصت نہ ذرا دی، مجبور ہوں بیٹی
لے جاتی جنازے کو ترے میں شُبِ گنگا، ہے ہے مری منگا
صد تہ بھی علالت میں کوئی دینے نہ پائی، نئے خال دکھائی

بیماری میں تجھ پر سے اُتارا نہ جھنگا ، ہے ہے مری منگا
اِس پیری میں روٹی کا سہارا تھا تجھی سے، اب فاقہ کشی ہے
قسمت نے مری تجھ کو نہ ہونے دیا چنگا ، ہے ہے مری منگا
نے تخت نہ کھٹیا نہ دری ہے نہ بچھونا ، نے چادرِ کہنہ
سونے کو فقط میرے رہا ایک جھلنگا ، ہے ہے مری منگا
چالیسویں کی جلدی میں جوڑا دیا ایسا ، میں کیا کروں بٹیا
پاجامے کی تھا گوٹ پہ جیسے نہ شلنگا ، ہے ہے مری منگا
اِس سِن میں بن ڈاری گئی بیباک تھی ایسی ، تو ڈرتی ہی کب تھی
خطرے میں ترے آتا تھا کب کوئی کرٹنگا ، ہے ہے مری منگا
کیا تیرا تحمل تھا سمجھتی تھی تو یکساں ، اُن دونوں کو اے جاں
دُبلا ہو کوئی یار ترا یا کہ دَبنگا ، ہے ہے مری منگا
رنگریز بھی روتے ہیں ترے واسطے واری، کیا جلد سدھاری
اب کس کو اَڑ ہائینگے دوپٹہ وہ دورنگا ، ہے ہے مری منگا
وہ بھی تو بھلا تجھ پہ نظر آتا تھا بیٹی ، کچھ ایسی پھبن تھی
پاجامہ اگر پہن لیا تو نے اُٹنگا ، ہے ہے مری منگا
دُبلے تو ہیں کیا موٹوں کو چت کردیا تو نے ، روکا نہ کسو نے
سنبھلا نہ جسے تو نے دیا ایک اَڑنگا ، ہے ہے مری منگا
جب جیتی تھی یاروں کو جلاتی تھی ہمیشہ ، اب مرنے پہ بٹیا
جلتا ہے تری قبر پہ خود آکے پتنگا ، ہے ہے مری منگا
یاروں نے یہاں تک تجھے ایجان ستایا ، وہ ناچ نچایا

آخر کو چھپی قبر میں تو اُن سے بہ تنگ آ ، ہے ہے مری منگا
سمجھاتی ہوں اُن سب کو کہ کیوں لڑتے ہو واری ، ٹپیا تو سدہاری
جب کرتے ہیں یار آ کے ترے کوٹھے پہ دنگا ، ہے ہے مری منگا
گھوڑدوڑ میں ٹپیا تری جیتس رہے باجی ، تو کی سنتی ہے باجی
کہتا ہے یہ ٹپیالے کے راجہ کا ملنگا ، ہے ہے مری منگا
کرڈالوں ترے دیسے کی مجلس بھی کسی دن ، یہ شرط ہے لیکن
پڑھ دیویں حدیث آ کے جو سیّد علی چھنگا ، ہے ہے مری منگا
ہو نوچا کھسوٹی نہ فرشتوں سے وہاں پر ، حافی کو یہ ہے ڈر
پھٹ پھٹ کے کفن تیرا نہ ہوتار تیلنگا ، ہے ہے مری منگا

نوٹ ۔ ۵ ماہ فروری ۱۸۹۲ء سول سروس کپ کے سلسلے میں بمقام لکھنؤ گھوڑدوڑ تھی مہاراجہ صاحب ٹپیالہ اپنے گھوڑدوڑی گھوڑے لے کر گھوڑدوڑ میں شرکت کی غرض سے خدم وحشم کے ساتھ بادشاہ باغ میں اُترے ہوئے تھے ۔ اسی فروری کی اٹھارویں کو اپنی فرودگاہ پر مہاراجہ صاحب موصوف نے شب کے وقت رقص وسُرود کا ایک جلسہ قرار دیکر لکھنؤ کی نامی اور مشہور طوائفوں کو محض مجرے کے لئے بلا بھیجا ۔ چنانچہ شام سے آدھی رات تک ناچ گانا ہوتا رہا ، اس کے بعد خلاف معاہدہ ان سے ہم آغوشی کا مطالبہ کیا گیا ۔ اُنھوں نے یہ عذر کیا کہ ہم ایسا نہیں کرسکتے ۔ پھر کیا تھا ؎ گرسنہ ستانی : ستم میرسد
تورًا بزن بول دیا گیا ؎

صلائے عام ہے یارانِ "قدرداں" کے لئے ۔ رات بھر خوب دھاچوکڑی رہی گلشن حُسن کی ایک ایک کیاری پر گلچینی کے لئے بیسیوں سر پہ گھاس کا گھٹا لادے گھسیارے ٹوٹ پڑے صبح ہوتے ہوتے ان بیچاریوں کی بُھور ہوگئی ۔ عدالت فوجداری میں شاید ان کی طرف سے

استغاثہ بھی دائر ہوا مگر ایک والیِ ملک کے مقابلے میں اُن کی کون سنتا۔ اسی جنگ مغلوبہ کے زک اُٹھائے ہوؤں میں مسماۃ منگا بھی تھی۔ اس شعر میں اُسی واقعے کی طرف اشارہ ہے۔

صفیؔ عفی عنہ

دیوانِ ظریف

حصۂ سوم

فہرست منظومات ظریف (دیوانجی حصۂ سوم)

نمبر سلسلہ	سنہ تصنیف	نام نظم	صراحت مضمون	صفحہ	تعداد اشعار	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
۱	سنہ ۱۹۰۰ء	طاعونی آلہا	واقعات ہنگامہ آرائی باشندگان شہر لکھنؤ۔	۲۰۰	۲	
۲	سنہ ۱۹۰۵ء	سیاحت ظریف	سفر عراق	۲۰۳	۴۱۷	
۳	فروری سنہ ۱۹۰۵ء	خط منظوم ۱	از بندۂ عباس بنام محمد صاحب	۲۳۷	۶۹	
۴	مارچ سنہ ۱۹۰۵ء	تضمین رباعیات	ضمیمۂ خط ۱ بنام محمد صاحب	۲۴۲	۲۵	
۵	ستمبر سنہ ۱۹۰۵ء	خطِ منظوم ۲ مع استغاثہ بحضرت امیرالمومنینؑ	بنام نواب بڈھن صاحب	۲۴۵	۳۴	
۶	۲۴ اپریل سنہ ۱۹۰۶ء	خط منظوم ۳	بنام محمد صاحب از کاظمین	۲۴۸	۷۵	
۷	ایضاً	ایضاً ۴	بنام نواب بنے صاحب بجواب خط موصوف	۲۵۳	۲۳½	
۸	۷ مئی سنہ ۱۹۰۶ء	خط منظوم نمبری ۵	بنام نواب بڈھن صاحب	۲۵۵	۷	
۹	جون سنہ ۱۹۰۶ء	خط منظوم نمبری ۶	ایضاً	۲۵۶	۳۱	
۱۰	ستمبر سنہ ۱۹۰۶ء	خط منظوم نمبری ۷	بنام محمد صاحب	۲۵۸	۱۴۲	
۱۱	۲۷ اکتوبر سنہ ۱۹۰۶ء	نظم فارسی	تاریخ قتل اعجام	۲۶۶	۱۴	
۱۲	دسمبر سنہ ۱۹۰۶ء	خط منظوم نمبری ۸	بنام مرزا مقبول حسین پٹیالہ	۲۶۸	۱۸	

فہرست منظومات ظریف

نمبر سلسلہ	تاریخ تصنیف	نام نظم	صراحت مضمون	صفحہ کتاب	تعداد اشعار	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
۱۳	جنوری سنہ ۱۹۰۷ء	خط منظوم نمبری ۹	بنام حکیم میر جعفر حسین مع قطعہ شادی نواب حامد علیخاں	۲۷۰	۶۳	
۱۴	سنہ ۱۵ ۱۹ء	افیونیوں کا رجز	متعلق جنگ جرمن	۲۷۵	۳۲	
۱۵	نومبر سنہ ۱۹۱۵ء	سیلاب	شدت بارش و انہدام مکانات شہر لکھنؤ	۲۷۸	۱۴	
۱۶	سنہ ۱۶ ۱۹ء	لکھنؤ میونسپلٹی میں پانی کی قلت	حال اذیت باشندگان شہر لکھنؤ	۲۷۹	۱۹	
۱۷	سنہ ۱۷ ۱۹ء	ارکان شیعہ کالج	شیعہ کالج کا سیاسی جلسہ	۲۸۱	۳۰	
۱۸	سنہ ۱۷ ۱۹ء	تقویم پارینہ	تذکرہ عقد ثانی مریض نفسانی	۲۸۳	۹۹	
۱۹	سنہ ۱۷ ۱۹ء	ہوم رول مع قطعہ	حالت ابنائے وطن	۲۹۰	۷۱	
۲۰	سنہ ۱۸ ۱۹ء	ہوم رولرس	نتائج تعلیم مغربی	۲۹۶	۱۲۵	
۲۱	سنہ ۲۰ ۱۹	سیاسی بیگن	ایک مسلم لیڈر کی حالت	۳۰۳	۵	
۲۲	سنہ ۲۲ ۱۹ء	اپیل منجانب یتامیٰ	بخدمت مستورات شیعہ	۳۰۴	۲۲	
۲۳	سنہ ۲۴ ۱۹ء	نظم یتیم خانہ مع قطعہ	تحریک ملاحظۂ یتیم خانہ	۳۰۹	۴۲	
۲۴	سنہ ۲۵ ۱۹ء	جواب قطعہ	تقلید کورانہ	۳۱۲	۲۷	
۲۵	سنہ ۲۵ ۱۹ء	دوستانہ شکایت	تحفۂ مہاراجہ کو جزیہ سمجھنا	۳۱۶	۷	

فہرست منظومات ظریف

نمبر سلسلہ	سنہ تصنیف	نام نظم	صراحت مضمون	صفحہ	تعداد اشعار	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
۲۶	سنہ ۱۹۲۵ء	آنریری	بیقدری قومی خدام	۳۱۷	۱۹	
۲۷	سنہ ۱۹۲۵ء	توصیف قطعہ	متعلق تاریخ جناب احسن	۳۱۹	۱۲	
۲۸	سنہ ۱۹۲۵ء	آشوب اسلام	متعلق انہدام قبور جنت البقیع	۳۲۱	۱۰۹	
۲۹	سنہ ۱۹۲۵ء	سعود پرستی	سعودی ایجنٹوں کا پروپیگنڈا	۳۲۹	۲۲	
۳۰	سنہ ۱۹۲۵ء	خلعتِ سرفرازی	اجرائے اخبار سرفراز	۳۳۱	۳۷	
۳۱	سنہ ۱۹۲۵ء	قطعۂ تاریخ اخبار سرفراز	بے ثباتی اخبارات شیعہ	۳۳۴	۱۲	
۳۲	سنہ ۱۹۲۵ء	نظم متعلق سیارہ	ضرورت اخبار	۳۳۶	۱۵	
۳۳	سنہ ۱۹۲۵ء	طلوع سیارہ	"	۳۳۷	۵	
۳۴	سنہ ۱۹۲۵ء	افسانۂ حجاز	حالت غداران اسلام مع رباعی	۳۳۸	۷۹	
۳۵	سنہ ۱۹۲۶ء	چمنستانِ ظرافت	اخبار کی پالیسی پر تبصرہ	۳۴۴	۲۱	
۳۶	سنہ ۱۹۲۶ء	حق اخبار	دوستانہ نصائح و شکایت غلط نویسی کاتب	۳۴۶	۱۸	
۳۷	سنہ ۱۹۲۶ء	رضاکاران جنت البقیع	قومی انحطاط کی حالت	۳۴۸	۳۳	
۳۸	سنہ ۱۹۲۷ء	مثنوی باد ہوائی	سودمند نصائح	۳۵۱	۱۲۰	
۳۹	سنہ ۱۹۲۷ء	بڑھوا منگل	ایک دوست کا عقد ثانی	۳۶۴	۱۳	

فہرست منظومات ظریف

نمبر سلسلہ	سن تصنیف	نام نظم	صراحت مضمون	صفحہ	تعداد اشعار	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
۴۰	سنہ ۱۹۲۷ء	البعیم	ایک بلند بالا شخصیت	۳۶۸	۲۲	
۴۱	سنہ ۱۹۲۸ء	چوپائی ہوا	ہندوستانیوں کے مختلف واقعات	۳۷۰	۲۴	
۴۲	سنہ ۱۹۲۸ء	دعوت بھوپال	چیف جسٹس کے یہاں شرکت دعوت	۳۷۲	۲۸	
۴۳	سنہ ۱۹۲۸ء	شتر غمزہ	ایک شتر سیرت شخصیت کے کارنامے	۳۷۴	۳۰	
۴۴	سنہ ۱۹۲۸ء	کچا چٹھا	ایک اصلاحی نظم تائید مغلیت	۳۷۷	۶۴	
۴۵	سنہ ۱۹۲۹ء	شکوۂ فقیرانہ	مولوی سید علی گوہر صاحب خط منظوم بنام راجہ صاحب سلیم پور	۳۸۱	۲۳	
۴۶	سنہ ۱۹۲۹ء	بخل آب رسانی	شکایت میونسپلٹی	۳۸۳	۲۱	
۴۷	سنہ ۱۹۲۹ء	سکوت بے محل	ایک مسلم ممبر میونسپلٹی کی صحافت	۳۸۶	۳۳	
۴۸	سنہ ۱۹۲۹ء	ہٹ دھرمی	شکایت عدم اعتراف جرم	۳۸۸	۳۰	
۴۹	سنہ ۱۹۲۹ء	تین ترلوک	تبدیل چیرمینا میونسپلٹی	۳۹۰	۹	
۵۰	سنہ ۱۹۲۹ء	ممتا کا جوش	جنم اشٹمی میں پانی کی افراط	۳۹۲	۵	
۵۱	سنہ ۱۹۲۹ء	مراجعت بھوپال	صحبت احباب کے حالات	۳۹۳	۸۶	
۵۲	سنہ ۱۹۲۹ء	معذرت	متعلق دعوت سکریٹری بار ایسوسی ایشن	۳۹۹	۱۱	

فہرست منظومات ظریف

نمبر سلسلہ	سنہ تصنیف	نام نظم	صراحت مضمون	نمبر صفحہ	تعداد اشعار	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
۵۳	سنہ ۱۹۳۰ء	کونسل الکشن رسیں	کونسل الکشن کی جوڑوں کا ذکر	۴۰۰	۹	
۵۴	سنہ ۱۹۳۰ء	انوی ٹیشن کارڈ	دعوت افطار صوم کا رقعہ	۴۰۲	۱۵	
۵۵	سنہ ۱۹۳۰ء	ہوسِ شہرت	امیدواران خطاباتِ سرکاری	۴۰۴	۱۲	
۵۶	سنہ ۱۹۳۰ء	مغرب پرستی	مغرب زدگی کا طوفان	۴۰۶	۵۵	
۵۷	سنہ ۱۹۳۱ء	ہمارے لیڈر	لیڈروں کے اقسام اور انکے کردار	۴۱۰	۱۲۰	
۵۸	سنہ ۱۹۳۱ء	الکشن چوک وارڈ	تضمین شعر میر و دیگر قطعات	۴۲۰	۴۴	
۵۹	سنہ ۱۹۳۱ء	ستمگر پارہ	حیات محمد حلوائی امیدوار ممبری میونسپلٹی	۴۲۴	۲۱	
۶۰	سنہ ۱۹۳۱ء	بندۂ زر	ایک مسلم لیڈر کے صفات	۴۲۶	۹	
۶۱	سنہ ۱۹۳۲ء	شامت الکشن	مختلف ووٹروں کے کردار	۴۲۷	۱۰۸	
۶۲	سنہ ۱۹۳۲ء	پیام اردو	بنام سرکار نظام دکن	۴۳۵	۲۱	
۶۳	سنہ ۱۹۳۲ء	نوید مراجعت	متعلمین لندن کے حالات	۴۳۷	۱۵	
۶۴	سنہ ۱۹۳۲ء	شاعر کی سوسو	مرچوں کی شکایت	۴۳۹	۲۵	
۶۵	سنہ ۱۹۳۳ء	عرض مقبول	عرضداشت بحضور سید الشہداء	۴۴۱	۲۴	
۶۶	سنہ ۱۹۳۳ء	اسمبلی کی سپیچ	سرحد کی بمباری کے متعلق سوال وجواب	۴۴۳	۹	

فہرست منظومات ظریف

نمبر سلسلہ	سنہ تصنیف	نام نظم	صراحت مضمون	صفحہ	تعداد اشعار	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
۶۷	سنہ ۱۹۳۴ء	زلزلۂ بہار	ہندوستانیوں کی بےحسی	۴۴۴	۸	
۶۸	سنہ ۱۹۳۴ء	شعر آشوب	شاعروں کی بھتنات	۴۴۵	۳۲۷	
۶۹	سنہ ۱۹۳۴ء	اونٹیالوجی	خواص اشخاص اشتر قد	۴۶۰	۱۳	
۷۰	سنہ ۱۹۳۴ء	فغان لکھنؤ	ساکنان لکھنؤ کی کمزوریاں	۴۶۲	۸۰	
۷۱	سنہ ۱۹۳۴ء	برق تکلم	رقعہ بنام بہادر مرزا صاحب انجینئر	۴۶۷	۱۳	
۷۲	سنہ ۱۹۳۴ء	الکشن سرکس	تضمین شعر آتش مرحوم	۴۶۹	۱۱	
۷۳	سنہ ۱۹۳۵ء	آزمائش ممبران کونسل	ہوس تقرب گورنر	۴۷۰	۲	
۷۴	سنہ ۱۹۳۵ء	گرانباری مصارف تعلیم	کثرت طلبہ و قلت مصارف	۴۷۰	۵	
۷۵	سنہ ۱۹۳۵ء	لکھنؤ یونیورسٹی کا جانور خانہ	طلاب کی بدتمیزیاں	۴۷۱	۱۱	
۷۶	سنہ ۱۹۳۶ء	مہاجن نوازی	شکایت سود خواراں	۴۷۲	۴۸	
۷۷	سنہ ۱۹۳۶ء	ساکنان محمود آباد سے خطاب	اصلاحات ریاست کا ذکر	۴۷۶	۳۶	
۷۸	سنہ ۱۹۳۶ء	آلھا	محمود آباد کی رعایا کو نصائح	۴۸۰	۴۱	
۷۹	سنہ ۱۹۳۶ء	بیفکری شیعیان ہند	مطالبۂ اصلاح عزاداری	۴۸۵	۱۷	
۸۰	سنہ ۱۹۳۷ء	تنقید شیعہ ادارات	ملت شیعہ کی کمزوریاں	۴۸۸	۱۵۸	
۸۱	سنہ ۱۹۳۷ء	دہلی امامیہ ہال	نصب سنگ بنیاد امامیہ ہال	۵۰۰	۳۶	

میزان کل (۳۵۵۰½)

دیوانِ بخی حصۂ (سوم)

نوٹ ۔ وبائے طاعونی کا ۱۸۹۶ء سے بمبئی میں آغاز ہوا اور رفتہ رفتہ یہ مرض کل اقطاع ہند میں پھیلتا رہا چنانچہ شہر لکھنؤ میں انیسویں صدی کے آخر آخر یہ بلا آئی اور اس کے متعلق یہ آلھا ہے۔ تفصیلی نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو۔ عفی عنہ

نظم نمبر — سنہ ۱۹۰۰ء — تعداد اشعار ۱۲

طاعونی آلھا

سمبت انیس سو چھپن ماں بھئی ماندگی بمبئی بھائے
شہرن شہرن پھیلن لاگی گورنمنٹ تب کینھہ اُپائے
وہے سمیا دسہے اوسہ مان ڈاکٹر بھیجے مکرر آئے
تنتانٹ ماندگی جانے پاویں ترتے تاکا دینھہ پھنکائے
بہیہ دُکھ بیا پا سہتر بھرے ماں پرجا کہنے کری کون اُپائے
لکھنؤ سہر کے رجگاری سب دینھہ دکانیں بند کرائے
اپن دکانیں رہے سب کھوالو کانسٹیل کہے سمجھائے
بہئی کمیٹی سہ بینا مال چھوٹ بڑے سب پہونچے جائے
کہ مولبی تب سنور سے بھائی ارجی ایک لیو لکھوائے
ستر انتھو نی بکرٹا انل سے اپنی بتیا کھو سب جائے

دیا جو آئی ہج آ نر کا سری رام سے کہن بلائے
تُر تے جاؤ سبہ مینا میں ہمری بات کہو سمجھائے
دِھیرج راکھیں سب مَن ماں ہی تنکو کوؤ نا گھبرائے
سری رام تب یہہ سب باتیں تُرتے کہن سبھا ماں آئے
جو آنند سندیس سُنی ہے سُو اَب من ماں ناہ سمائے
جو من بھاوا سُو ہی پاوا گھر گھر کھوسی بھئے سب جائے
یہہ دُکھ تے جب چُھٹی پائن اَوُر و ایک سُنو رے بھائے
ہو واسب کے بند کراوَ ے جہہ ماں کیچڑ سب بہہ جائے
گھر گھر سب کے سبھا کراوے سَنڈاسن کا دیہہ کھدائے
کہے کَد مچے رِ ے بنواؤ دُدُ ئی دُدُ ئی ناندھ دیو دھرائے
بیچ کَد مچہ ناندھ دھر کے تار کول کا دیو پُتائے
یا ہی لکھ لکھ اک کا گجّ ماں سب کے گھر ماں دِ رہن بجائے
یہہ مالک جو نا بنوائی اُد ہیکا ہوئی بڑھی سَجائے
اَرے گُسَیّاں اب کا ہوئی یہہ دُکھ ہمسے سہا نہ جائے

نوٹ۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں جب وبائے طاعون لکھنؤ میں آئی سر انٹیھونی مکڈانل لفٹنٹ گورنر کا عہد حکومت تھا کونسل کے ممبروں میں بابو سری رام صاحب بھی ایک ممبر تھے۔ اس زمانے میں ایک شخص مولوی ہدایت رسول اہلسنت کے خاندان سے تھے وہ شہر لکھنؤ میں گول دروازے کے قریب اکثر شیعوں اور گورنمنٹ کے مخالف وعظ کہتے رہتے تھے سُنی عوام الناس پر ان کا اچھا خاصہ اثر تھا وبائے طاعون کے دفعیّے کی غرض سے جب حکام سرکاری کیطرف سے اور منجانب میونسپلٹی یہاں انتظام شروع

ہوا تو چند ڈاکٹر بنابر نگرانی مرضائے طاعون مقرر کئے گئے اور آبادی سے علیحدہ میدان میں چھپروں کے مکان بنوا دیئے گئے تاکہ طاعونی مریض وہیں رکھے جائیں مکانات کے سنڈاسوں کے بند کیے جانے اور تارکول سے پُتے ہوئے گملے قدمچوں میں رکھے جانے کے احکام صادر ہوئے اِن جدید باتوں کیوجہ سے پبلک میں ایک عام بے چینی رونما ہوئی۔ مولوی ہدایت رسول نے اسکے متعلق تقریریں کرکے ایک روز مکمّل ہڑتال کرادی شہر بھر کی دکانیں بند ہوگئیں اور جوق جوق لوگ جاکر شاہ مینا کے میدان میں جمع ہوئے۔ چنانچہ حکومت کو اسکی خبر ہوئی اور اُس نے بابو سری رام کو بھیجکر عوام کے جذبات کو ٹھنڈا کرایا۔ اُنھیں واقعات کے متعلق ظریف مرحوم نے زبانِ ہندی میں یہ نظم بطور "آلھا" کہی تھی۔

(صفی عفی عنہ)

اس مبسوط نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے

سنہ ۱۹۰۵ء

تعداد اشعار ۳۱

سیاحت ظریف

نظم نمبر ۲

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور یا محذوف — ارکان مفعولُ فاع لاتُ مفاعیلُ فاع لات یا فاعلن

۱ مقبول جب وطن سے سوئے کربلا چلے — ہمراہ سب عزیز چلے آشنا چلے
کچھ لوگ ساتھ کان میں پڑھ کر دعا چلے — خواہش کسی کی یہ تھی کہ ساتھی چلا چلے
پہونچے جو ریل گھر پہ بڑا اژدحام تھا
مائل معانقے پہ ہر اک خاص و عام تھا

۲ آثار غم ہر ایک کے چہرے سے تھے عیاں — باچشم تر کھڑا تھا الگ کوئی نوجواں
بولے بزرگ بھیجنا جلدی سے خط میاں — کوئی لپٹ کے بولا کہ جاتے ہو بھائی جاں
گھنٹے روانگی کے جو کم ہوتے جاتے تھے
کچھ ٹھنڈی سانسیں بھرتے تھے کچھ روتے جاتے تھے

۳ بولا کوئی خدا کہیں جلدی وہ دن دکھائے — لینے کو آپ کے یوہیں ہر شخص یاں پھر آئے
ہر ایک چاہتا تھا دوبارہ گلے لگائے — کوئی بسورتا تھا تو منہ تھا کوئی بنائے
جب لے چکے ٹکٹ تو سبھوں کا یہ حال تھا
ظاہر ہر ایک چہرے سے رنج و ملال تھا

۴ کچھ ریل گھر کا حال کروں مختصر بیاں — وہ چھوٹنے کا وقت وہ ہنگامے کا سماں
قلیوں کا لاد لاد کے لانا وہ پیٹیاں — بجنا وہ گھنٹیوں کا وہ انجن کی سیٹیاں
گڑبڑ مسافروں کی بھی اک یادگار تھی
عورت پہ مرد مرد پہ عورت سوار تھی

۵ القصہ ریل جب سُوئے جھانسی رواں ہوئی — اور شکل لکھنؤ کی نظر سے نہاں ہوئی
جو تھرڈ میں تھے انکے لیئے بھی اماں ہوئی — بنچوں پہ دھکے کھا کے جگہ کچھ عیاں ہوئی
پہونچی جو کانپور تو پھر گڑبڑی ہوئی
ٹھہری جو تھوڑی دیر تو پھر چل کھڑی ہوئی

۶ ٹھہری اوری میں جھانسی میں پھر جاکے دم لیا — بینا میں پانی پینے کو چلّا کے دم لیا
بھوپال تال پہونچی تو گھبرا کے دم لیا — واں سے اٹارسی میں جگہ پا کے دم لیا
کھنڈوے میں تھوڑی دیر ٹھہر کر رواں ہوئی
منماڑ میں جو صبح کو پہونچی اذاں ہوئی

۷ واں سے اگت پوری پہ ذرا سا کیا قیام — کلیان جاکے تھوڑے ہی عرصے ہوا مقام
تھا تیسرا پہر نہ بخوبی ہوئی تھی شام — چھوٹا جو ساتھ ریل کا ہم سب سے والسّلام
یعنی سوادِ بمبئی اُس دم نظر پڑا
ٹھہری ٹرین اک ایک مسافر اُتر پڑا

۸ ساقی کر ایک چائے کا سنگل عطا مجھے — اور روس بھی گزک کی جگہ تو کھلا مجھے
دینا نہ پتی پونے کی دے مانڈوا مجھے — لیمو کی باٹلی کا چکھا دے مزا مجھے
بیڑی وہ دے کہ دودِ جگر کا مزا ملے
کچھ تو یہاں کے سیرِ سفر کا مزا ملے

۹ لے چل اپالو کی طرف اب مجھکو بہر سیر — گھبرا رہا ہے دل مرا چوپاٹی کے بغیر
دکھلا دے پون چکی مجھے تیرے دم کی خیر — لے چل ٹرمیوے پہ نہ جاؤں گا پیرپیر
وکٹوریا پہ مجھ کو چڑھا کر پھرا کہیں
جلدی گرانٹ روڈ کی صورت دکھا کہیں

۱۰ کچھ بمبئی کا حال کروں مختصر بیاں — چوڑی سڑک دو رویہ کئی منزلے مکاں
ہر سُو ملوں کا شہر میں پھیلا ہوا دھواں — ہر ایک مالے کے لیئے دس بیس سیڑھیاں
کمرہ ہر ایک کاٹھ کا پنجرا سِلا ہوا
ہر ایک مکیں پھندیت ہو جیسے پلا ہوا

۱۱ مٹھے اُٹھے وہیں پہ وہیں کھانا بھی پکائیے — مُنہ ہاتھ دھوئیے چاہے وہیں بیٹھکر نہائیے
سونے کے واسطے نہ مسہری اگر بچھائیے — پھیلیں نہ پیر گنڈلی جو مارے تو واں سمائیے
ایسی جگہ پہ گر کہیں رہنے کو جا ملے
انساں کو زندگی میں لحد کا مزا ملے

۱۲ یوں دیکھنے کو شکل میں انساں ہزارہا — دس بیس آدمی ہیں تو حیواں ہزارہا
ایماں فروش صاحبِ ایماں ہزارہا — پیرِ مُغاں کے چیلے مسلماں ہزارہا
جن کو نہیں تمیز عذاب و ثواب کی
کرتے ہیں پیروی دلِ خانہ خراب کی

۱۳ کچھ روز بمبئی میں ہمارا ہوا قیام — خط بھیجے واں سے لکھنؤ سب دوستوں کے نام
جس کے لیئے قیام تھا جب ہو چکا وہ کام — اُمراؤ مرزا بھی گئے گھر آ کے والسّلام
قونسل سے پاسپورٹ کا سرٹیفکٹ لیا
مختار نامہ ہو کے مکمّل ٹکٹ لیا

۱۴ اشیا سفر کیواسطے کچھ مختصر سے لائے — کمرہ بھی خود جہاز پہ ہم جا کے دیکھ آئے
جانے کو پنجشنبہ کی ٹھہری جو سب کی رائے — بدلا لباس خط بنا حمّام میں نہائے
شب بھر یہی خیال رہا نیند اُچٹ گئی
کچھ سوئے کچھ نہ سوئے یوہیں رات کٹ گئی

۱۵ بائیس فروری کی سحر جب عیاں ہوئی ۔ اُٹھے سویرے جیسے ہی ظلمت نہاں ہوئی
گو سب ضرورتوں سے فراغت کہاں ہوئی ۔ مُنہ ہاتھ دھونے پائے تھے ہم جب اذاں ہوئی
اسباب باندھ بوندھ کے ہشیار ہو گئے
گاڑی بُلائی چلنے کو تیار ہو گئے

۱۶ گودی پہ جب کہ ہم پہنچے تو دیکھا یہ ماجرا ۔ انبار چار سمت ہے اسباب کا لگا
بیٹھا ہے اور کوئی مسافر کھڑا ہوا ۔ کوئی یہ کہہ رہا ہے قلی سے کہ جلد لا
دس بج چکے تھے دن کے ہر اک بیقرار تھا
بس ڈاکٹر کے آنے ہی کا انتظار تھا

۱۷ اک سائبان جست کا ہی گھاٹ پر پڑا ۔ گویا مسافروں کے ٹھہرنے کی ہے وہ جا
ہے اک طرف کو اسمیں کٹہرا لگا ہوا ۔ اک سمت کو ہے ٹاٹ کا پردہ علیحدہ
مردوں کو ٹھہرنے کی جگہ اک جدا ملی
پردے میں عورتوں کو اقامت کی جا ملی

۱۸ شوہر سے زوجہ زوجہ سے شوہر الگ الگ ۔ بھائی بہن سے بھائی سے خواہر الگ الگ
مادر سے بیٹا بیٹے سے مادر الگ الگ ۔ بیٹی سے باپ باپ سے دختر الگ الگ
ہے اصل یہ بجا نہ کسی کے بھی ہوش تھے
یہ حال دیکھتے تھے مگر سب خموش تھے

۱۹ لو ڈاکٹر بھی آ گیا قصہ ہوا تمام ۔ اک میم ساتھ ساتھ لیے باصد احترام
باہر بچھا کے میز اُنھوں نے کیا قیام ۔ پردے میں لیڈی آئی تعجب کا ہے مقام
بیکار اتنے وقت کو برباد کر دیا
ہر اک کی نبض دیکھ کے آزاد کر دیا

۲۰ پہلے انھیں دیا گیا اک سارٹیفکٹ — اوّل دوم جہاز ہیں جن کا کہ تھا ٹکٹ
پھر تھرڈ والے جتنے تھے اُنسے ہوئی جھپٹ — چڑھتے ٹٹولے سینے کو دیکھا اُلٹ پلٹ
بیچارے تھرڈ والوں کو پرچے کہاں دیے
بھیڑوں کی طرح آدمیوں پر نشاں دیے

۲۱ ہنگامہ وہ جہاز پہ چڑھنے کا الحذر — تھے پاس پر کسی کو کسی کی نہ تھی خبر
پُل تختہ لاکے رکھدیا پانی میں تر بتر — کانسٹبل کھڑا تھا جہاں سے تھی رہگذر
جو بے نشاں تھے اُن کو نہ بڑھنے کا حکم تھا
جن کے نشان تھے اُنھیں چڑھنے کا حکم تھا

۲۲ پہونچا ہر اک جہاز پہ جس طرح ہوسکا — لیکن کہیں پہ ملتی نہ تھی بیٹھنے کی جا
اسباب چار سمت تھا پھیلا پڑا ہوا — سُنتا نہ تھا کوئی جو کوئی تھا پکارتا
بُرقع میں عورتیں تھیں مگر غیر حال تھا
ریلا وہ تھا قدم کا ٹھہرنا محال تھا

۲۳ کچھ کھنڈ میں بھرے گئے اسباب کی طرح — کچھ بیقرار ہو گئے سیماب کی طرح
اِک جا پہ کچھ سما جو گئے آب کی طرح — کچھ گھومتے ہی رہ گئے گرداب کی طرح
جب تک چلا جہاز نہ ممکن اماں ہوئی
لنگر اُٹھا تو شکل فراغت عیاں ہوئی

۲۴ گودی میں جتنی دیر کہ ٹھہرا رہا جہاز — سب بھر گیا مسافروں سے ڈاک کا جہاز
ہر اک کی جان کے لیے تھا اک بلا جہاز — سیٹی ہوئی نشان چڑھا، لو چلا جہاز
گڑبڑ مٹی تو شکل فراغت نظر پڑی
لنگر اُٹھا تو جائے سکونت نظر پڑی

۲۵
اسباب بھی قرینے سے ہونے لگا تمام   رو کے ہوئے تھا بیٹھنے کی جو کہ جا تمام
جن کا کہ پھرتے پھرتے بس اب کام تھا تمام   گھس پل کے بیٹھ ہی گئے قصّہ ہوا تمام
صندوق بھی قرینے سے سب نے لگا لیئے
اور لیٹنے کے واسطے بستر بچھا لیئے

۲۶
بیٹھے ہوئے سبھوں کو نہ گزرے تھے دوپہر   پہونچا جہاز قبّے کے اندر ہوا گذر
موجوں کا اُٹھنا اور وہ تلاطم کہ الحذر   بیخود ہوئے یہ سب کہ نہ اپنی رہی خبر
قے سے مسافروں کا بہت غیر حال تھا
چکّر وہ تھا کہ سر کا اُٹھانا محال تھا

۲۷
اُود اُود کی آرہی تھی ہر اک سمت سے صدا   سر پکڑے کوئی بیٹھا تھا کوئی پڑا ہوا
کپڑے لتھڑ پتھڑ تھے کسی کا یہ حال تھا   کوئی یہ کہہ رہا تھا خبر لو کہ میں چلا
مُنہ تو کھُلا ہوا تھا، مگر آنکھیں بند تھیں
چاروں طرف سے قے کی صدائیں بلند تھیں

۲۸
بیٹھے سے اُٹھ کھڑا ہو کسی میں نہ حال تھا   مُنہ دھونا کیسا کُلّی کا کرنا وبال تھا
کیسا ہی تندرست ہو لیکن نڈھال تھا   حد ہو گئی تھی بات کا کرنا محال تھا
قے کے سوا دہن سے نکلتی صدا نہ تھی
بھوکے تھے سب کسی کو میسّر غذا نہ تھی

۲۹
انگریز کرتے رہتے ہیں دریا کا گو سفر   دیکھو اگر تو انکو تلاطم سے کیا ضرر
لیکن یہاں یہ حال تھا قبّے میں آن کر   صاحب سے میم میم سے صاحب تھے بے خبر
کمرے میں وہ پڑی تھی یہ کرسی پہ لیٹے تھے
رومال اپنی جیب کا مُنہ سے لپیٹے تھے

٣٠ القصہ ایک حال میں تھے خورد اور کلاں — کوئی پڑا تھا اوندھا یہاں پر کوئی وہاں
چلا رہا تھا کوئی کہ فریاد و الاماں — کوئی تڑپ رہا تھا تو تھا کوئی نیمجاں
عشاق جاں بلب تھے وہ سرگرم ناز تھا
معشوق کے لباس میں ڈِمرا جہاز تھا

٣١ شکرِ خدا کہ مجھ پہ نہ مطلق اثر ہوا — اسواسطے کہ میں کہیں بیٹھا نہ ایک جا
گھوما جو سر ٹھہرنے سے اُٹھا چلا پھرا — ٹہلا کبھی اِدھر تو کبھی اسطرف گیا
ہوش و حواس ٹھیک تھے قائم مزاج تھا
چلتا ہوا تھا نسخہ مناسب علاج تھا

٣٢ کچھ مانڈوے میں دوسرے دن دوپہر ڈھلے — ٹھہرا جہاز جن کو اُترنا تھا وہ چلے
ڈر تھا یہی کہ اور مسافر کہیں نہ لے — اُٹھ بیٹھے وہ بھی جو کہ پڑے تھے ملے دَلے
ہوش و حواس سب کے ٹھکانے یہاں ہوے
دو گھنٹے یاں قیام کیا پھر رواں ہوئے

٣٣ کچھ مانڈوے سے چلکے کراچی میں ایکبار — اِک دن کے بعد سب کو میسّر ہوا قرار
لندن کی ڈاک کا جو یہاں پر تھا انتظار — دو روز تک ٹھہرا رہا ڈمرا بصد وقار
اُس جا پہونچ کے تازہ مصیبت میں سب پڑے
یعنی قرانطینے کی آفت میں سب پڑے

٣٤ اُترے مسافر اور قرنطینے میں چلے — دکھلایا ڈاکٹر کو سبھوں نے کھڑے کھڑے
چھاپے گئے دوبارہ مسافر جہاز کے — انجن میں بعض لوگوں کے کپڑے دیئے گئے
القصہ دیکھ بھال کے داں سے رہا ہوے
پھر آکے سب جہاز پہ یاں ایک جا ہوئے

۳۵
تھیں جن کے ساتھ عورتیں اُنکا نہ پوچھو حال　　لے جانا اور لانا تھا اک جان کا وبال
سیڑھی سے اُن کو لے کے اُترنا تھا اک کمال　　بے پردگی کا دھیان نہ پردے کا تھا خیال
یہ پردہ داری جان کے اوپر عذاب تھی
ان عورتوں سے مردوں کی مٹی خراب تھی

۳۶
کہتی تھی کوئی لو مرا برقع اٹک گیا　　ہے ہے نیا تھا تین جگہ سے مسک گیا
صاحب سنبھالو سر سے ڈوپٹہ کھسک گیا　　لو پائنچہ اُلجھ گیا مقنع سرک گیا
کیا گت بنی ہے سب کی نگوڑے جہاز پر
پھسلن ہے کس غضب کی نگوڑے جہاز پر

۳۷
لو بیوی پاندان کا ڈھکنا بھی گر گیا　　آفت پڑے جہاز پہ کتھا بھی گر گیا
توبہ ہے میرے بچے کا بٹوا بھی گر گیا　　اے لو نگوڑے طوطے کا پنجرا بھی گر گیا
کشتی پہ بقچی رہ گئی ہے ہے غضب ہوا
بٹیا کی ٹوپی بہ گئی ہے ہے غضب ہوا

۳۸
لوگو مرے مقابہ کی ڈبیا کدھر گئی　　کجلوٹی میرے بچے کی خالا کدھر گئی
باجی بتاؤ لڑکے کی آنا کدھر گئی　　کھیلے گی بچی کا ہے سے گڑیا کدھر گئی
جہیزوں پہ پانی پھر گیا کیا ستم ہوا
لو میرا بٹوا گر گیا کیا ستم ہوا

۳۹
چاندی کی لو سلائی مری کھو گئی موئی　　ہلڑ نگوڑ مارا یہ کاہیکا ہے دوئی
ہے ہے نکالی کس نے تیلے دانی سے سوئی　　ناخون کاٹنے کی مری قینچی کیا ہوئی
لڈن کے گھونگرو بنو کی چھاگل بھی گر گئی
لو میرے سر کے تیل کی بوتل بھی گر گئی

۴۰
کیا جھوٹی سیڑھیاں ہیں نگوڑی خدا کی مار ایسا جہاز نوج ہو در گور دُور پار
ہلتی بھی ہیں نگوڑیاں جن کو نہیں قرار رسّی میں ڈنڈے باندھ دیے ہیں گے پانچ چار

زینہ نگوڑ ماروں نے کیسا بنایا ہے
یہ تو مُوؤں نے نٹ کا تماشا بنایا ہے

۴۱
کپتان سے کوئی نہیں کہتا کہ کیوں موئے بھر مٹھّی دام تو نے تو ہم سب سے لے لیے
روکا دہاں جہاز کنارے کو چھوڑ کے آ آ کے جس جگہ یہ بتاتے ہیں رُکہ چڑھے

بیوی کی جھاڑو ایسے موئے بدمعاش پر
اُترے یہاں یہ کوئی کہاں اُس کی لاش پر

۴۲
ننھی سی یہ کولکیا اور اتنی بڑی چڑھائی پیروں سے نکلی جاتی ہے پھسلن ہے زیر پائی
ہے ہے نگوڑی بھیگ گئی سب نئی رضائی بیوی وہ بندی ایسی زیارت سے باز آئی

قربان جاؤں اے مرے مولا بچائیے
لونڈی کو اپنی آن کے آقا بچائیے

۴۳
پہونچوں گی ابھی گرچہ اَصَل خیر سے میں گھر بیوی اُٹھے کان کرونگی نہ پھر سفر
قسمت میں کھانا ٹھوکریں لکھا تھا در بدر ہچکولے مجھکو یاد رہیں گے یہ عمر بھر

وہ کون لوگ ہیں کہ جو آتے ہیں بار بار
سچ ہے بوا کہ گھر ہے غنیمت ہزار بار

۴۴
ہو جان بھار جس کو وہ ایسا سفر کرے دیدے کا پانی جس کے ڈھلا ہو نہ وہ ڈرے
اور پردے والی تو موئی بے موت ہی مرے یا تو اُٹھا کے پردے ہی کو طاق پر دھرے

مردوں کا حوصلہ نہ جہاں پر وفا کرے
نکلی نہ ہو جو گھر سے بچاری وہ کیا کرے

۴۵ اک اور قافلہ تھا اسی پر خدا کی شان — چھوٹے بڑے منجھولے برابر خدا کی شان
مامائیں جن کی شانیاں نر خدا کی شان — ہیں جن کے گھر کے چوہے چھچھوندر خدا کی شان
گر ہم سے پوچھتے ہو تو انسان کون تھا
دو بی بی دالا یادر ہا شان کون تھا

۴۶ دس بارہ چھوٹے چھوٹے شنبو چے بھی ہمرکاب — دو چار شانیوں کے منہ پر پڑی نقاب
کچھ نیلی بھوری بڑھیاں لگائے ہوئے خضاب — حلقے میں ان سبھوں کے تھے وہ آسمان جناب
غلّہ سی آنکھیں اُنہیں بھی کاجل گھلا ہوا
کلّے میں تھی گلوری مگر منہ کھلا ہوا

۴۷ چپیں پیں وہ بال بچّوں کی وہ اُن کا انتشار — لے لیکے گود میں اُنہیں چڑھنا وہ بار بار
سیڑھی پہ بیٹھ بیٹھ کے گئے چیخ گئے پکار — میلا لبادہ چھینٹ کی کہنہ سی اک ازار
ٹوپی دو پلّی خاک میں بالکل اَٹی ہوئی
اس سے بھی بے خبر کہ میانی پھٹی ہوئی

۴۸ غل بل وہ گفتگو میں وہ سچ جس میں لاکھ جھوٹ — وہ پیک کا نگلنا کہ شربت کے جیسے گھونٹ
رُک رُک کے بات کرنا کہ جملہ نہ جائے چھوٹ — دو بی بیاں تو ساتھ مگر اُن میں ایسی پھوٹ
اک اپنا راگ گاتی تھی اک اپنا گاتی تھی
روتی تھی ایک دوسری طبلہ بجاتی تھی

۴۹ دو چار بکس چیڑ کے ہمراہ بے کڑے — گھٹے لحاف تو شکیں دھنی بنیں پوتڑے
دریاں چٹائی ٹاٹ مگر سب سڑے سڑے — برتن تمام گھر کے وہ چھوٹے ہوں یا بڑے
چولھا بھی تھا انگیٹھی بھی ہمراہ آئی تھی
پُھکنی توا تھا دست پناہ اور کڑھائی تھی

۵۰ لڑتی تھیں بی بیاں میاں کھانا پکاتے تھے　　بچوں کا جا کے آپ ہی گو بھی دُھلاتے تھے
اور بی بیوں کو گاہ سمندر دکھاتے تھے　　خود اپنے مُنہ سے آپ ہی فرماتے جاتے تھے
کھانے کا سب پکانا یہ میرے ہی ہاتھ ہے
جی ماشاء اللہ میرا بڑا اچھا ساتھ ہے

۵۱ ہر اک کو یہ سُناتے بھی جاتے تھے بارہا　　ممکن ہوئی نہ جنس بہت ڈھونڈھتا رہا
چھٹ پن سے مجھکو شوق اسی بات کا رہا　　کھانے پکانے آتے ہیں مجھکو ہزار ہا
زردہ پلاؤ کھیر پہ اٹھے پکاتا ہوں
اور میں کباب بیس طرح کے پکاتا ہوں

۵۲ چٹنی اچار کا تو بنانا ہے میرا کھیل　　حلوائیوں میں بیٹھوں تو کھا جائیں مجھسے میل
بڑھ جائے گھی سے کھانے میں ڈالوں اگرچہ تیل　　پا جاؤں جنس گر تو ہو کھانے کی ریل پیل
سو نعمتیں میں روز کھلاتا چلا چلوں
اب دیکھیے گا آپ ذرا کربلا چلوں

۵۳ راویِ معتبر نے ہمیں دی ہے یہ خبر　　رہنے تو سال بھر یہ یہاں آئے تھے مگر
تعجیل سے پلٹ گئے اسواسطے یہ گھر　　شانِ خدا اسے دل میں سمایا ہوا تھا ڈر
نوروز کے زمانے میں ٹکنا محال ہے
بُرجِ حمل میں زوجہ کے اک نونہال ہے

۵۴ راہیں بلند و پست ہیں بیگم ہیں ناتواں　　ڈولی فنس کا منزلوں ملتا نہیں نشاں
چھکڑے سے ہیں خراب جو چلتی ہیں گاڑیاں　　ہے چڑھ اُتر میں اُنکو اسی بات کا گماں
گاڑی کے جھٹکے کھا کے نہ بچہ پھسل پڑے
ایسا نہ ہو کہیں یہ شنوچہ نکل پڑے

۵۵

پھر کیا کروں گا گھُٹّی کہاں سے میں لاؤں گا　　دائی کہاں سے وقت پہ جا کر بلاؤں گا
کس کونے میں زچہ کو یہاں میں بٹھاؤں گا　　کس جا سے نال کاٹنے کا چاقو پاؤں گا
خنجر سے کاٹوں نال تو دوسواس آتا ہے
دیکھوں خدا سفر میں مجھے کیا دکھاتا ہے

۵۶

گو گھر سے باندھ لائی تھیں بیگم یہ پوٹلی　　کھا کر ہوا جہاز کی کچھ اور بڑھ گئی
مشکل اُٹھانا ہو گیا جب وہ بڑی ہوئی　　بیگم پہ بوجھ ہے مرا گھبرا رہا ہے جی
برقع میں گو چھپائے ہیں لیکن وبال ہے
اس سے زیادہ اُن کو تحمل محال ہے

۵۷

بچّے کو اشتیاقِ زیارت سمایا ہے　　قفے میں ماں کے پیٹ کے بہہ کر یہ آیا ہے
اس نے قرانطینہ زیادہ اُٹھایا ہے　　اب آٹھواں مہینہ ہے یہ کھلایا ہے
گھبرا رہا ہے اس سے مچلنے کو کہتا ہے
وہ رو کہتی ہیں اور یہ نکلنے کو کہتا ہے

۵۸

اوّل تو اس سبب سے پلٹنا اِنھیں پڑا　　اور دوسرے وہ کام بھی انجام پا گیا
جس کا اُٹھا کے آئے تھے بیڑا یہ باحیا　　یعنی نکاح ارضِ مُقدّس پہ ہو مرا
صیغہ مکاں پہ جو ہوا اسکی سند نہیں
ہندوستاں کی بات کوئی مستند نہیں

۵۹

میں کربلا جو قصدِ زیارت سے جاؤں گا　　پچھلے گناہ جو تڑے کے سب بخشواؤں گا
دولہن نئے سرے سے دوبارہ بناؤں گا　　سب کی نکاح نامے پہ مہریں کراؤں گا
خادم وہ جس کو مشق ہو عقد و نکاح میں
میری مدد کریگا اِس امرِ مُباح میں

۶۰
منّت بھی عقد زوجۂ ثانی سے گر ہوا   میں کربلا تو خیر نجف کو نہ جاؤں گا
پلٹوں گا کاظمین جو بر آیا مُدّعا   ٹھہروں گا پھر کہیں نہ اگر عقد ہو گیا
سیدھا یہاں سے اپنے وطن ہی کو جاؤں گا
سب کو نکاح نامہ کا کاغذ دکھاؤں گا

۶۱
حَمَّالَۃَ الحَطَب کی دو ورقی میں ہے لکھا   قبل از نکاح بیوی کا اِنکی یہ حال تھا
یعنی کبھی کبھی اُنھیں شک تھا اس امر کا   پہلے سے شکل پیٹ کی کچھ ہے علیحدا
یارب کہیں نکاح کا جلد انتظام ہو
ڈر ہے متاعی والا نہ بچّے کا نام ہو

۶۲
اللہ رکھے نسل میں دھبّا نہ آنے پائے   یہ کربلائی ہولیں تو جنّے کی بار آئے
جھیلیں مصیبتیں نخیں یاں تک اسی سے لائے   عزّت کب انکی ہوئے گی بے عقد کے پڑھائے
کہتا ہے عدل یہ بھی نہ محروم یوں رہے
پہلی سے بیوی دوسری کیوں سرنگوں رہے

۶۳
رکھے حسین آباد کو آباد کبریا   جس کے سبب سے آگیا میں تا بہ کربلا
رہبر بھی عقد کے لیئے دلخواہ مِلگیا   اب کیوں نہ عقد ہو مجھے کرنا ہے صرف کیا
جب ہو ٹکا گرہ میں نہ فیاضی ہے فضول
دو دِل اگر ہیں راضی تو پھر قاضی ہے فضول

۶۴
بیوی ہے ساتھ مفت کی اور مولوی ہو مفت   ہر سو ضیائے دیں کی یہاں روشنی ہے مُفت
سارے گواہ مُفت کے تحریر بھی ہے مفت   ایّام اربعین ہیں یہ دلّگی سے ہے مُفت
اب بھی نہ عقد ہو تو بڑا بد نصیب ہے
بچّہ ملے گا مُفت ولادت قریب ہے

٦٥
ساقی پلادے چائے کا فنجان اب مجھے
بجام دے جگارہ پلا یا شطب مجھے
صیغہ پڑھوں نکاح کا ہے منتخب مجھے
مجبور کر رہے ہیں احبا بھی سب مجھے
گو خوف ہے کہ واقعے میں طول ہو نہ جائے
بارِ گراں یہ قصہ مقبول ہو نہ جائے

٦٦
انگشت کربلائی علی مہر ڈیڑھ لاکھ
پڑھ کر قبلت شاں نے کہا مہر ڈیڑھ لاکھ
صیغہ پڑھا یو ہیں جو بندھا مہر ڈیڑھ لاکھ
ہم نے بھی راویوں سے سنا مہر ڈیڑھ لاکھ
آیا ہے یہ حدیث میں سنت قلیل ہے
ہو جب کثیر مہر تو عورت ذلیل ہے

٦٧
اب کچھ نکاح نامے کے جملے کروں ادا
من بعد حمد حضرتِ خلاقِ دوسرا
نعتِ جنابِ احمدِ سردارِ انبیا
مدحِ علیؑ وصیِ نبیؐ دستِ کبریا
اک شان والا چھوٹا سا مردِ سخی ہوں میں
اقرار ہے صحیح کہ بیشک وہی ہوں میں

٦٨
میں شان ابنِ شان ہوں میرے چچا بھی شان
ننھیال کا بھی شان ہوں ددھیال کا بھی شان
ہے شان سارے کنبے میں خالو پھوپھا بھی شان
اس گھر کا چھوٹا شان تو بوڑھا بڑا بھی شان
ہے شن شناہٹ ایسی کہ واقف جہان ہے
سارے جہاں کی میرے ہی حصے میں شان ہے

٦٩
بندہ اسی سبب سے پریشان حال ہے
یا شان چار سمت سب اسباب و مال ہے
کاشان کے قریب مری نانہال ہے
ہے اک نشانِ جہل یہ مجھ میں کمال ہے
افشان ماتھے پر مری بیگم لگاتی ہیں
گویا یہ میری شان کی صورت دکھاتی ہیں

اللہ رکھے عقد کیا کربلائی سے اور مہر ڈیڑھ لاکھ یہ باندھا صفائی سے
موقع پہ بخشواؤں گا سب آنے پائی سے مجھ سے نہ کچھ ہوا تو مدد لوں گا بھائی سے
پہلے تھا جبر اب مجھے منظور ہے ضرور
اِس دن سے بندہ بیوی کا مزدور ہی ضرور

چاہے لگائیں جوتے میں بے عذر کھاؤں گا مجھکو نکالیں گھر سے بھی تو میں نہ جاؤں گا
گر یہ سوار ہوں تو میں ڈولی اٹھاؤں گا تا عمر اِنکے واسطے کھانا پکاؤں گا
حمّام یہ کریں تو میں نہلاؤں گا اِنھیں
گھبرائے انکا جی تو میں بہلاؤں گا اِنھیں

دیویں طلاق یہ مجھے پر میں نہ چھوڑوں گا اِن کے پڑوں گا پیروں پہ اور ہاتھ جوڑوں گا
میں ان سے اتحاد کا رشتہ نہ توڑوں گا یہ کاٹیں میری ناک میں لیموں نچوڑوں گا
جو چاہیں یہ کریں مجھے منظور ہے تمام
دُکھڑا نکاح نامہ میں مسطور ہے تمام

لکھا نکاح نامہ ہوا عقد بھی تمام ہندوستان ہوتا تو تھا ڈومنی کا کام
ٹونے وہ گاتی بنتے یہ بیوی کے خود غلام مصری بھی کھاتے جوتی پہ رکھ کر یہ تلخکام
سہرا بندھا نہ کنگنا میسّر یہاں ہوا
جلدی میں ہائے آرسی مُصحف کہاں ہوا

گر پوچھتے ہیں آپ تو کہتا ہوں صاف صاف دو بار ایک ہی سی ملی لذّتِ زفاف
دولھا بھی بے حجاب ہے دولہن بھی خوش غلاف ایسا نکاح ہوگا بہت کم خطا مُعاف
پہلے جو مستحب تھی وہی اب مُباح ہے
انگریز جس پہ رشک کریں وہ نکاح ہے

۷۵ اس قافلے کا حال تو سب ہو چکا رقم — سچ تو یہ ہے بجائے خوشی کے ہوا الم
دنیا میں ایسے لوگ بہت ہی ملیں گے کم — حرمت کا جن کو پاس نہ بے عزّتی کا غم
ہم ایسے ہی شریفوں کی حالت پہ روتے ہیں
جو اپنے اہلِ شہر کی عزّت ڈبوتے ہیں

۷۶ تھے اور بھی جہاز پہ اک مردِ نوجواں — کچھ عورتیں بھی ساتھ تھیں لیں آئے تھے میاں
دیہاتی پن تھا آپ کے چہرے ہی سے عیاں — بوکھل پنا بڑھا ہوا اتنا کہ الاماں
ہم دل میں سوچتے تھے بھلا کیا کہیں انھیں
اللہ میاں کی گائے کا بچھڑا کہیں انھیں؟

۷۷ سر پر تھے تھوڑے تھوڑے کیسر کی طرح بال — وہ میٹھی میٹھی باتیں حماقت کے وہ سوال
کولے ہلا ہلا کے وہ چلنا مٹک کے چال — تھے بیوقوف یہ کہ سراپا تھے گول مال
میلا سا کرتا اس کا گریباں کھلا ہوا
کوڑی سے دانت آنکھوں میں کجلا گھلا ہوا

۷۸ رہتے الہ آباد کے نزدیک ہیں حضور — یہ بھی خبر نہیں کہ کہاں پر ہے کانپور
نکلے مکان سے نہ کبھی تا سنِ شعور — وحشت میں سوجھی یہ کہ چلے آئے اتنی دور
اس طرح پر کہ عورتیں بھی ساتھ لائے تھے
اسباب اتنا جس سے کہ خود بوکھلائے تھے

۷۹ دو چار اور ساتھ تھے حضرت کے بانگڑو — ہوتا تھا لطف کانوں کو سن سن کے گفتگو
دیہاتی پن ٹپکتا تھا ہر شئے سے مو بمو — الّو کی طرح سب نگراں تھے چہار سو
مالک کے ساتھ ان کے ملازم تھے اس طرح
گھگھو کے گرد الّو کے پٹھے ہوں جس طرح

۴۰ کہتا تھا کوئی اِن سے اَرے کاکہی مِیاں ایسا سُسُر جہاج نہ دیکھا نہ ہم سُنا ں
ہُمَرے رہے کا ٹھور یہاں اور ہم ہُواں لیٹی کہاں پہ جائے کے بیٹھی کہو کہاں
عَربن کے بیچ ٹھوس دِہن ہم کا جائیکے
ہم کا بہت کلیس بھوا ساتھ آئیکے

۴۱ تہرا رون کا کرے کے بھیتر نہیں گجار گرمی ماں پکسی جات ہیں آوت نہیں بیار
تھوڑا سا ٹھور اُہ ماں گھسیٹرن ہیں پانچ چار چھ سو پہ پانی پھر گوااہ پر کھُداکی مار
کھلّا سین تاں کون سُنَت ہمری بات ہے
کپتان سے کہی تو سُسُر بھاڑ کھات ہے

۴۲ اِن سب میں اُن کے ایک مُلازم تھے ہوشیار تھا تجربہ کہ پہلے بھی آئے تھے ایک بار
اس طرح ایک حبشی سے جاکر ہوئے دوچار سنتا ہے بھائی کام کرے گا جو تم ہمار
تم کو طلب مِلے گا اگر تم رہے گا ساتھ
تم نوکری کرے گا ہمارے چلے گا ساتھ

۴۳ بولا یہ سُنکے حبشی کہ شَت گُلی اے ہنود مَا تَعرِفُ لِسَانَکَ رُح اَیُّھَا الجَھُوْدُ
ہوش اِن کے ایسے اُڑ گئے بھاگے وہاں سے کُود کہنے لگے مِیاں سے کہ پڑھتا ہے وہ دُرود
چپکے الگ کھڑا ہوا میں بھی سُنا کیا
یہ اپنی ہانکتے تھے وہ اپنی کہا کیا

۴۴ اَلقِصّہ جب جہاز کراچی سے بھی چلا میں نے دیا جو تار جواب اُس کا بھی مِلا
مسقط میں پہونچا دو کے دن واں ٹھہر گیا دو تین گھنٹے بعد ہی لنگر اُٹھا دیا
پچھلا پہر تھا اس کی کسی کو خبر نہ تھی
بو شہر پہونچا جس کی کسی کو خبر نہ تھی

٨٥ واں سے چلا تو بصرے میں آکر کیا مقام — یہ پٹنے کی جا ہے مصیبت کا ہے مقام
چھوٹا بڑا جہاز سفر ہو گیا تمام — داخل قرانطینے میں اب ہوں گے خاص عام
یہ وہ جگہ ہے جس سے کسی کو مفر نہ تھا
بے پانچ دن گزارے کسی کا گزر نہ تھا

٨٦ مارچ کی دوسری کی سحر جب ہوئی عیاں — ٹھہرا جہاز آنے لگیں چھوٹی کشتیاں
آیا قرانطینے سے لینے کو پاسباں — کشتی پہ سب سوار ہوئے خورد اور کلاں
لے جا کے سب کو ایک ہی جا بند کر دیا
آزاد جو کہ تھے اُنھیں پابند کر دیا

٨٧ دریا کنارے چند مکانوں کی ہے قطار — ڈربے میں جس طرح سے سکونت گزیں چمار
سیلن غضب کی اور کثافت کا کیا شمار — پاخانہ جس کے سامنے شفّاف و آبدار
چوہوں کی طرح پا بہ گِل اہلِ زمیں تھے سب
تھے بلبلس مکان تو مہتر مکیں تھے سب

٨٨ لمبا سا سائبان چٹائی سے اک پٹا — سوراخ جا بجا تو کہیں سے بہت پھٹا
اونچی کہیں زمیں کسی جا پہ اک گڑھا — اہلِ قرانطینہ کے ہے دیکھنے کی جا
پہلے ہر ایک جا کے وہاں پر کھڑا ہوا
صندوق سب کے کھولے گئے جائزہ ہوا

٨٩ کچھ دیکھا کچھ نہ دیکھا کسی پہ نشان دیا — جو جی میں آیا بھاپ میں دینے کو لے لیا
پھر سب کو ایک لین میں سیدھا کھڑا کیا — کھڑکی کے پاس آؤ سبھوں سے کہا گیا
جو چاہے لیا نہ حساب و کتاب تھا
سرٹیفکٹ کا ملنا نہ تھا اک عذاب تھا

۹۰ کونے پہ ایک چھوٹا سا دڑبا بنا ہوا — کچھ ٹوٹی پھوٹی کرسیاں میز اک سڑا سا تھا
چادر کے بدلے تولیہ اس پر تھا اک پھٹا — جس پر پرانا زرد ہی رجسٹر مریضوں کا
پوچھا اگر مکان یہ کس جانور کا ہے
سب نے کہا یہی تو مطب ڈاکٹر کا ہے

۹۱ کھوسٹ اک آرمنی تھا نہایت دماغ دار — ترکی لباس پہ جھکڑ سے نخوت تھی آشکار
دو اک جوان چیلے بھی تھے بہر کار و بار — افسر قرنطینے کا تھا یہ ہی نابکار
سُسرا ہوں بُو علی کا اُسے یہ خیال تھا
نخوت پکارتی تھی بڑا بے کمال تھا

۹۲ کاغذ کے ٹکڑے بانٹ کے جب لے چکا وہ زر — ہر اک کو تب یہ حکم سُنایا بہ کرّ و فر
کپڑے ہیں جن کے صاف وہ ٹھہرے رہیں ادھر — جن کے لباس میلے ہیں وہ سب چلیں اُدھر
جس جا ہے اک پرانا سا انجن کھڑا ہوا
اک گھونسلے میں ٹاٹ کا پردہ پڑا ہوا

۹۳ اس جا پہ سب کے کپڑے اُتروا لیے گئے — لنگی کی جا پہ باندھنے کو چیتھڑے دیے
سب کے لباس بھاپ میں انجن کے تر کیے — اور مہتمم بھی دیکھ رہے تھے کھڑے کھڑے
کوشش سے ان کی سب کے مرض دُور ہو گئے
ننگا کھڑا جو دیکھا تو مسرور ہو گئے

۹۴ جب ہو چکے تمام یہ جھگڑے صفائی کے — اک مہتمم نے سب کو ٹھکانے بتا دیے
سب اپنا اپنا آپ ہی سامان لے چلے — جس طرح مال جیل کے قیدی لیے ہوئے
زندانیوں کو قید میں رہنے کی جا ہوئی
میعاد پانچ روز کی سب کو عطا ہوئی

۹۵
ہم نے قرنطینے میں پایا تھا جو مکاں   دروازہ ایک ایک طرف دو تھیں کھڑکیاں
تھی بورئیے کی چھانپ تو خرمے کی دھنیاں   چونا کبھی پھرا تھا بتاتے تھے یہ نشاں
رنگین شیشے بستوں کے کیا پُر بہار تھے
دیوار و در پہ جالے کے نقش و نگار تھے

۹۶
اک خانہ باغ چھوٹا سا تھا کھڑکیوں کے پاس   جس میں کبھی بہار نہ آتی تھی بارہ ماس
خرما ببول اور اسی طرح آم گھاس   کچھ چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں بھی اس میں سو پچاس
تھی بھٹکٹیا نرگس بیمار کی جگہ
کانٹوں کے ڈھیر پھولوں کے انبار کی جگہ

۹۷
تھوہر کے کچھ درخت تھے سرو سہی کی جا   طائر سوائے مکھیوں کے کوئی بھی نہ تھا
اور جائے آبشار تھا کیچڑ کا اک گڑھا   بدبو کے بھبکے اُٹھتے یہ فوارہ تھا نیا
انساں کا جس کو دیکھ کے دل خود اُداس ہو
وحشت نہ کیوں بڑھے جو چمن ایسا پاس ہو

۹۸
خالی نہ تھی وہاں کی تو حکمت سے کوئی بات   سردی یہ کھائیں اسلئے بجے گھر تھے پانچ سات
کُنڈی نہ گھر میں تھی کہ ہوا آئے ساری رات   اسباب و مال کی بھی حفاظت تھی واہیات
سُوجائے ساری رات کوئی کیا مجال تھی
پہرا تھا پسوؤں کا بڑی دیکھ بھال تھی

۹۹
پسو ہر ایک ترکِ ستمگار کی طرح   چڑھ چڑھ کے خون پیتا تھا خونخوار کی طرح
پامال جسم کرتا تھا رہوار کی طرح   اکثر گلے پہ پھرتا تھا تلوار کی طرح
ڈنک اس کا تیز تھا کہیں مژگانِ یار سے
بسمل بنائے دیتا تھا ہر ایک وار سے

۱۰۰ کاٹا کمر میں دوڑ کے پہلو پہ آگیا — پسلی پہ ڈنک مار کے بازو پہ آگیا
پنڈلی پہ پر سرایا تو زانو پہ آگیا — چٹخا وہاں سے کاٹ کے گیسو پہ آگیا
گدّی پہ ایک ٹیپ جما کر نکل گیا
مثلِ خیال سر میں سما کر نکل گیا

۱۰۱ پہرا جو تھا پولس کا تو اُس کی یہ شکل تھی — رومال سر پہ اُس پہ اک انڈوی سی تھی چڑھی
وردی پُرانی چیتھڑا بالکل سٹری گلی — رئفل میں جائے تسمے کے رسّی بندھی ہوئی
اوڑھے عبا تھا اور کوئی ننگے پیر تھا
کپڑا درست ایک بھی ہو یہ بخیر تھا

۱۰۲ شکلِ شریف ایسی کہ کنجر نثار ہو — صاف اسقدر صفائی کا مہتر نثار ہو
وہ حرکتیں کہ دیکھکے بندر نثار ہو — کپڑوں میں اتنی بو کہ چھچھوندر نثار ہو
دیکھا جو غور سے تو یہ وجہ تباہی ہیں
جینے کو نام رکھد یا ایسے سپاہی ہیں

۱۰۳ ڈیوٹی کو اس طرح سے وہ کرتے تھے سب ادا — گہ بیٹھکر زمین پہ سگرٹ پیا گیا
بندوق دیکے اور کو گہ کوئی سو رہا — دیکھا کسی کو گر ہے گلی ڈنڈا کھیلتا
بندوق رکھ کے ہاتھ سے یہ بھی جھپٹ پڑے
کُشتی لڑی کسی نے تو یہ بھی لپٹ پڑے

۱۰۴ وہ ساتویں کی صبح رہائی کا وہ خیال — تکلیف جھیلنے پہ بھی چہرہ ہر اک بحال
اسباب کا سمیٹنا چیزوں کی دیکھ بھال — ہر اک کا قول شکر ہے اے ربِّ ذوالجلال
صدقہ دیا تو ہوگئی ردِّ بلا چلے
سب پُسّوؤں کو دیدیا جب خوں بہا چلے

۱۰۵ جبدم قرانطینے سے قیدی ہوئے رہا — جس کا جہاں ٹھکانا تھا وہ اُس جگہ گیا
ہمراہ ہم حبیب کے آئے سوسرا — لیکن سرا میں رفع ضرورت کی تھی نہ جا
وہ لوگ اِس سرا میں رہے تھے جو آن کر
لینڈی ہر ایک شخص کی تھی آسمان پر

۱۰۶ ہوتا ہے اس سرا میں مسافر کا گر قیام — کوٹھے کی چھت سے لیتا ہے بیت الخلا کا کام
پیشاب کے لیئے بھی نہیں ہے کوئی مقام — گھٹیں سرا کہیں تو مناسب ہے اُسکا نام
پیشاب جائے آب تو مٹّی برا نہ ہے
اِس آب و گِل سے ساری سرا سرفراز ہے

۱۰۷ کاٹے وہاں بھی سات پہر جس طرح ہوا — جب یہ سُنا کہ رومی جہاز آج آئیگا
تاخیر کے لحاظ سے فوراً ٹکٹ لیا — اسباب بھی جہاز پہ لیجا کے رکھ دیا
موصل برائے نام تھا صورت حرام تھا
تُرکوں کا اُس جہاز پہ سب انتظام تھا

۱۰۸ جب تُرک منتظم ہوں صفائی رہے کہاں — پاسنجروں کی پھنس گئی آفت میں آ کے جاں
کثرت مسافروں کی تھی اتنی کہ الاماں — اور پھر کثافتوں کا وہاں کی ہو کیا بیاں
جو تھا سوار اسپہ وہ از حد تنگ تھا
صاف اسقدر جہاز تھا کیچڑ کا رنگ تھا

۱۰۹ پہلے پہل جہاز دُخانی جو تھا بنا — انجن اُسی زمانے کا اسمیں ہو شک ہی کیا
پُرزوں میں زنگ رسّی سے کوئی بندھا ہوا — ٹیمی جلائی جاتی ہے واں روشنی کی جا
کوئلہ برائے نام ہی اس میں جلاتے تھے
چلتے نہ تھے تو ہاتھ سے پُرزے چلاتے تھے

بند ۱۱۰ انجینیر وہ ہند کا جیسے گدھا لُہار — اوزار ٹوٹے پھوٹے وہ جن پر خُدا کی مار
روغن کی جا یہ پانی کی ہر پُرزے پر پھُوہار — کپتان وہ کثیف کہ جیسے کوئی چمار
کپتانوں کا وہ نام ڈبوتا تھا رات دِن
بہتا تھا خود جہاز وہ سوتا تھا رات دِن

۱۱۱ ہنگام شب جہاز چلائے یہ کیا مجال — آندھی ہو اور ٹھہر وہ جائے یہ کیا مجال
سیٹی وہ رات دِن نہ بجائے یہ کیا مجال — پہونچے گا کب بھلا وہ بتائے یہ کیا مجال
پھنس جائے گر تو واں سے نکلتا تھا خود جہاز
اُسکو چلاتا کون تھا چلتا تھا خود جہاز

۱۱۲ کپتان سے زیادہ معلّم تھا ہوشیار — دِن بھر میں دیکھتا تھا گھٹ پانچ چار بار
کمرے میں اپنے بیٹھ کے پیتا تھا پھر سِگار — گہ راستہ ہی چلنے میں وہ کھیلتا شکار
بندوق لے کے داغنے لگتا تھا دائیں دائیں
گولی لگائی گر تو گئی آئیں بائیں شائیں

۱۱۳ کرمچ کی پال چھت، یہ پڑی تھی اسی لئے — شبنم سے اور دھوپ سے انسان تا بچے
کیا کہیئے اُسکا حال زرا سُنیئے غور سے — سائے میں کھولی جائے وہ جب دھوپ میں بندھے
برعکس اُسکو روز وہ مصرف میں لاتے تھے
دن بھر تو دھوپ رات کو شبنم کھلاتے تھے

۱۱۴ تھا دھوپ اور اُوس سے سب کا عجیب حال — بارش اگر ہوئی تو ہوا قہرِ ذوالجلال
سڑ جاتا تمام کپڑے ہوئے بھیگا سارا مال — گل جائے، جائے امن کسی کو یہ کیا مجال
تکلیف دھوپ کی تھی کبھی خوفِ آب تھا
سارا جہاز جان پہ سب کی عذاب تھا

۱۱۵
تنگی سے پائخانے کی کیوں قبض ہو نہ جائے ✻ دُبلا بھی ہو تو پھنس کے بمشکل وہاں سمائے
پیشاب آپ ہی کرے اور آپ ہی نہائے ✻ وہ تیز بو دماغ پھٹے جس سے ہائے ہائے
چڑھ جائے دن تو بند اجابت کا باب ہو
جاؤ نہ رات ہی سے تو مٹی خراب ہو

۱۱۶
بیٹھا ہے ایک چین سے اک پٹتا ہے در ✻ لوٹا لیے ٹہلتے ہیں دو اِک اِدھر اُدھر
دو اک ہگاسے بیٹھنے سے دو ٹپے بھد بھد ✻ بولایا ایک آدھ تو ایسا کہ الحذر
القصہ روز شکل یہ پچھلے پہر سے تھی
کھٹ کھٹ اِدھر سے ہوتی تھی ہوں ہوں اُدھر سے تھی

۱۱۷
مشکل پڑی کسی کو تو یوں جا کے ہگ دیا ✻ دروازے تک پہونچتے ہی گھبرا کے ہگ دیا
آخر کو انتظار سے تنگ آکے ہگ دیا ✻ دیکھا نہ پائخانے کو بولا کے ہگ دیا
پاخانے سے جو نکلا تو اُس کا یہ حال تھا
جوتا بھرے نہ گُو میں یہ امر محال تھا

۱۱۸
اکثر ہوا سے خشک جو ہوتا تھا خود جہاز ✻ خلاصی پھر دوبارہ بھگوتا تھا خود جہاز
قسمت پہ اپنی آپ ہی روتا تھا خود جہاز ✻ ترکوں کی آبرو کو ڈبوتا تھا خود جہاز
اس طرح بھیگ بھیگ کے گلتا تھا آپ ہی
کیچڑ سے خود جہاز پھسلتا تھا آپ ہی

۱۱۹
مارچ کی آٹھویں کو غرض چل کھڑا ہوا ✻ پہونچا عمارے نو کو تعجب بڑا ہوا
دس کو علیؔ غربی میں دیکھا پڑا ہوا ✻ گیارہ کو تھا بغیلے میں جیسے اڑا ہوا
بارہ کو راستے میں نہ ٹھہرا چلا کیا
بغداد پہونچا تیرہ کو شکر خدا کیا

۱۲۰ وہ راستے کا پھیر وہ چکر کہ الحذر   گھومو تمام روز مگر طے نہ ہو سفر
یعنی نشان سحر کو جو آئے کوئی نظر   تا شام صدقے ہوتے رہو تم اِدھر اُدھر
اور پھر سحر کو دیکھو اسی جا پہ پاؤ گے
گھومو گے چار سمت کہیں بھی نہ جاؤ گے

۱۲۱ وہ صبح تیرھویں[۱۳] کی وہ سردی کا زور شور   ہر اک کا مُنہ چھپانا ہوا سے کہ جیسے چور
ٹکتے نہ تھے کہیں پہ قدم یہ ہوا میں زور   پالا پڑا ٹھٹھر سے ہوئی ہم سبھوں کی بھور
اُٹھنا سبھوں پہ سخت تھا بیمار کی طرح
ہر ایک کانپتا تھا گنہگار کی طرح

۱۲۲ جو کچھ تھا جس کے پاس وہ اوڑھے ہوئے تھا اب   گٹھڑی کی طرح لپٹا ہوا تھا بصد تعب
لیکن ہوا کا قول تھا رد کو نہ مجھکو اب   ہونے دو پار جسم کے معلوم ہوگا تب
سردی کی فوج ساتھ ہے کچھ مجھکو ڈر نہیں
آخر کہاں چھپو گے جو میرا گذر نہیں

۱۲۳ کی بات بھی تو تا بہ دہن آ کے جم گئی   سینے میں آہِ سرد جگہ پا کے جم گئی
پہونچی ہوا جو جسم پہ گھبرا کے جم گئی   کی جس طرف نگاہ نظر جا کے جم گئی
اتنا ہوا میں اور برودت میں ساز تھا
قفلی تھے لوگ برف کی مٹکی جہاز تھا

۱۲۴ بغداد میں پہونچتے ہی موصل پہ جم گیا   لنگر کیا کنارے پہ آتے ہی تھم گیا
لو خاتمہ سفر کا ہوا اب الم گیا   تُحفے کا سامنا ہوا جو دو قدم گیا
دیکھا تماشا خوب عجائب نظارہ تھا
تُحفہ نہیں تھا بھان متی کا پٹارہ تھا

۱۲۵ قفہ نہیں تھا اصل میں دجلے کی تھی وہ کانچ — اکدم سے اسمیں کود پڑے لوگ چار پانچ
ہلڑ تھا چڑھنے والوں کی کرتا تھا کون جانچ — یوں ناچتے بدن میں تھے گویا ملے کوانچ
لٹو کی طرح لوگ چلے گھومتے ہوئے
سر پھر گیا تھا اترے تو سب جھومتے ہوئے

۱۲۶ پل سے ہوا عبور جو ہے راہِ مستقیم — تھی جس کے اک سرے پہ امید اک سرے پہ بیم
تھا ہر قدم پہ دل تہ و بالا خدا علیم — پل ہے یہ تنگ و پست کہ جیسے دلِ لئیم
مضبوط اسقدر ہے کہ سب راہ چلتے ہیں
کیچڑ بس اتنی ہوتی ہے اکثر پھسلتے ہیں

۱۲۷ اس پر ہجوم وہ کہ نہ ملتا تھا راستا — خچر ادھر سے آیا ادھر سے گدھا چلا
انسان سو پچاس تو حیوان ہزارہا — دھکا لگا کسی کے کوئی لات کھا گیا
سچ تو یہ ہے کہ جان ہر اک کو عزیز تھی
انسان اور گدھوں میں نہ مطلق تمیز تھی

۱۲۸ پل سے ہوا عبور جو باحالتِ تباہ — بازار اتنا صاف نظر آیا واہ واہ
دوکانیں دیکھنے میں کرے خیرگی نگاہ — اتنا اندھیرا دن کو کہ اندھا ہو جیسے چاہ
ممکن نہ تھی تمیز کہ دن ہے کہ رات ہے
اندھیر ہے عراق میں بس اتنی بات ہے

۱۲۹ واں سے گذر کے آئے جہاں ہے ٹریموے — پھسلے کئی مقام سے اکثر گرے پڑے
اس طرح راہ کاٹی کہ کچھ ٹھیرے کچھ چلے — کچھ دھکے کھائے راہ میں کچھ اوروں کو دیے
دیکھا ابھی جو دیر ہے گاڑی کے جانے میں
آخر کو جا کے بیٹھ گئے قہوہ خانے میں

۱۳۰ سُنیے ٹریوے کو جو ہے تابہ کاظمین — اس واسطے کہ پائیں مسافر کچھ اُس سے چین
چلتی ہیں چار گاڑیاں گو ایک ہی ہے لین — تیز اتنی، گاڑی اور ہی چھکڑے کے بین بین
اس پر بھی جھٹکا وہ کہ ٹھہرنا محال تھا
کرتا تھا اُٹھا بیٹھی ہر اک کا یہ حال تھا

۱۳۱ گاڑی وہ منزلی وہ پُرانی سڑی ہوئی — ناپا جو قد سے اونٹ کے تھوڑی بڑی ہوئی
کہتی تھی خود چلاؤ نہیں ہوں جڑی ہوئی — چون و چرا جو کی تو کبھی چل کھڑی ہوئی
چلنے پہ لوگ چڑھ گئے ٹھہرے اُتر پڑے
اس چڑھ اُتر میں ہم کو تو اکثر نظر پڑے

۱۳۲ وسعت تھی اتنی گرچہ مسافر ہوں دس سوار — تب تو یقین ہے نہ کسی کو ہو ناگوار
لیکن جب اس قدر ہوں کہ ممکن نہ ہو شمار — آخر ہر ایک شخص کا نکلے نہ کیوں اچار
اسباب اور جان کے اوپر وبال تھا
ہر اک کا کشمکش سے غرض غیر حال تھا

۱۳۳ گاڑی چلی تو لونڈوں کی پیچھے تھی اک برات — چڑھ آئے دس تو کود پڑے ان میں پانچ سات
کوئی کسی کو جڑتا تھا ٹیپ اور کوئی لات — ڈھیلا جمایا پھٹ سے کہی گر کسی نے بات
اکثر چھلی چھلیّا تھی اکثر کلبُل تھی
گاڑی نہیں تھی اصل میں لڑکوں کا کھیل تھی

۱۳۴ یہ دیکھ کر ہمارے تو جاتے رہے حواس — نیچے اگر ہیں بیس تو چھت پر چڑھے پچاس
اٹکل نہ بوجھ کی تھی نہ کثرت کا کچھ قیاس — لوگوں پہ مثل سقف کے چھایا ہوا ہراس
چھت پھٹ پڑے اگر تو سنبھلنا محال ہو
ایسے دبیں کہ دم کا نکلنا محال ہو

۱۳۵ اور منتظم وہ جن سے فقیروں کو شرم آئے — نازل ہوئے بلا کی طرح چیتھڑے لگائے
کاغذ کے ٹکڑے ہاتھ میں اک تھیلی بھی دبائے — اُنکے ٹکٹ کا بانٹنا پوچھو نہ ہائے ہائے
بوڑھوں سے آدھا بچوں سے سارا وہ لیتے تھے
جو دے چکا ہو اُس سے دوبارہ وہ لیتے تھے

۱۳۶ روٹی کسی نے دی تو کہا اس سے بیٹھ جاؤ — بسکٹ کسی نے دور سے دکھلائے بولے آؤ
چڑھ آیا راستہ سے تو اس سے کہا کہ لاؤ — اُس نے جگارہ دیدیا یہ بولے ہاں چلاؤ
یہ سب ٹکٹ کلکٹروں کے بھائی بند تھے
جتنے ٹکٹ تھے اس سے مسافر دو چند تھے

۱۳۷ پٹری کہیں یہ ٹوٹی اگر ہے ہوا کرے — گاڑی جو ٹوٹ جائے مرمّت بلا کرے
پہیوں میں تیل کس کو غرض ہے دیا کرے — چوں چوں کرے کہ آگ لگے بس چلا کرے
دو دمڑیوں کے لینے سے اُن کو تو کام تھا
وہ جانیں جن کے سب یہ سپرد انتظام تھا

۱۳۸ بس اے ظریف چپ ہو قصّہ ہوا تمام — اب پہونچے کاظمین ادب کا ہے یہ مقام
مانگو دُعا خدا سے کہ اے ربِ ذوالکرام — ترکوں پہ رحم کر ہیں مسلماں برائے نام
کچھ ان کو انتظام کی جانب خیال ہو
رشوت ستانی چھوڑیں رعیّت بحال ہو

۱۳۹ ہمدردی اُن کے دل میں ہو اے ربِ دوجہاں — یہ غیر قوموں کی نہ بس اب کھائیں جوتیاں
تہذیبِ نفس و علم و عمل سے ہوں کامراں — محتاج غیر کے نہ رہیں خُرد و کلاں
جائے نفاق ملک میں امن و اماں رہے
اسلام کا جہاں میں الٰہی نشاں رہے

نوٹ - یہ سفرنامہ ظریف مرحوم نے اس موقع پر نظم کیا ہے جب وہ دوسری بار کربلائے مُعلّے گئے تھے مولوی سید اصغر حسین صاحب مرحوم نواب نرہی (لکھنؤ) اور شاہزادہ مرزا سلیمان قدر بہادر مرحوم سے نہایت ربط و ضبط تھا۔ موصوف کو ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جو اُن کی ریاست کے انتظامات کو اپنے حُسنِ تدبیر سے درست کرے لہذا اُنھوں نے شاہزادے صاحب سے باصرار یہ خواہش کی کہ ظریف کو وہ اُنھیں دیدیں۔

شاہزادے صاحب نے بادلِ ناخواستہ اسے منظور کرلیا۔ اور انگریزی بیسویں صدی کے آغاز سے ظریف نرہی کی سرکار میں مدار المہام ہوگئے۔ نواب صاحب موصوف کی کچھ جائداد غیر منقولہ عراق میں تھی جس پر اور لوگوں نے قبضہ کرلیا تھا اسی جائداد کے حصول کی غرض سے انھیں عراق کا سفر کرنا پڑا یہ عراق کا دوسرا سفر تھا، چنانچہ جہاز پر دو قافلے جو اُن کے ہم سفر تھے ان میں سے ایک لکھنؤ کے ذی شان نواب صاحب تھے دوسرے نواح الہ آباد کے رہنے والے ایک زمیندار۔ دونوں کے ساتھ عورتیں بھی تھیں۔ نظم میں نہایت خوبی سے ہر قافلے کے افراد کی صورت کشی کی گئی ہے نیز کارپردازانِ جہاز اور عمالِ حکومت ترکی کے پورٹ کنندہ حالات دکھائے گئے ہیں۔

مختلف اشخاص کے کردار بول چال انکا لب ولہجہ باوجود قیود نظم کی سختیوں کے حسن روانی کیساتھ ظریف نے نظم کیا ہے اسکی تعریف میں زبان قاصر ہے مکمّل واقعات بیان کیے گئے ہیں اور نظم میں کہیں جھول نہیں آنے پایا۔ یہ نظم ظریف مرحوم کی ذہانت کا پہلا شاہکار ہے۔ اس نظم میں اکثر شرح طلب الفاظ آگئے ہیں لہذا حاشیہ انکے متعلق لکھدیا گیا ہے۔ (صفی عفی عنہ)

حواشی

بند نمبر ۶ و ۷ میں اُرئی۔ جھانسی۔ بینا۔ بھوپال تال، اٹارسی۔ کھنڈوا۔ منماڑ۔ اگتپری۔ کلیان۔ یہ ریلوے اسٹیشنوں کے نام ہیں، جو لکھنؤ سے بمبئی جاتے ہوئے راہ میں پڑتے ہیں۔

بند نمبر ۸ میں سنگل کے لفظ سے مراد آدھی چائے کی پیالی ہے یہ بمبئی کا روزمرّہ ہے ورنہ انگریزی میں سنگل کے معنی ہیں تنہا۔ رُوس = اصطلاح بمبئی میں تورمے یا بھُنے ہوئے گوشت کو کہتے ہیں۔ غالبًا یہ انگریزی لفظ روسٹ سے تراشا گیا ہے۔ پونے کی پتّی = اہل بمبئی اُس پان کی گلوری کو کہتے ہیں جو سفید رنگ کا پونا سے آتا ہے اور اس میں ایک سبز پتی جو لُعاب دار ہوتی ہے مسالے کے ساتھ ڈال دی جاتی ہے۔ آنڈوا = ایک قسم کا دیسی پان سبز رنگ کا دبیز اور خستہ بہت چوڑا پھیلا ہوتا ہے جیسے مہوبے کا پان۔ یہ پان اوّل الذکر پان کے مقابل زیادہ لذیذ ہوتا ہے۔ لیموں کی باٹلی = لمنڈ کی بوتل کو کہتے ہیں بمبئی میں بوتل کو باٹلی ہی کہتے ہیں۔ بیڑی سگریٹ کی طرح پی جاتی ہے۔ اب تو اس کا رواج اس صوبے میں بھی عام ہوگیا ہے۔

بند نمبر ۹ میں اپالو۔ چوپاٹی سمندر کے کنارے مشہور تفریح گاہوں کے نام ہیں۔ پون چکّی بھی اسوقت (۱۹۰۵ء) میں غالبًا کوئی سیرگاہ ہوگی نام سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چکّی ہوا کے زور سے چلتی ہوگی کیونکہ پَون ہندی میں ہوا کو کہتے ہیں۔
ٹریموے وہ گاڑی جو لوہے کی پٹریوں پر چلتی ہے۔ وکٹوریا = وہ بگھّی جس میں ایک گھوڑا جوتا جاتا ہے۔
گرانڈ روڈ = بمبئی کی ایک لمبی چوڑی سڑک کا نام ہے غالبًا صحیح نام گرینڈ روڈ ہوگا کیونکہ انگریزی میں گرینڈ کے معنی ہیں عظیم الشان۔

بند نمبر ۱۰ میں ناآلا بمعنی منزل ہے۔ سلا ہوا۔ جڑا ہوا۔ پھندیت۔ ان کُریز بٹیروں کو کہتے ہیں جو پنجروں میں بند کر دئے جاتے ہیں۔ اور اُن پنجروں پر غلاف چڑھا دیا جاتا ہے یہ پنجرے ایک جھڑ میں اس مقام پر لٹکا دئیے جاتے ہیں جہاں، بٹیروں کا شکار کھیلا جاتا ہے یہ بٹیر رات بھر بولا کرتے ہیں اور اُن کی آواز پر جنگلی بٹیر آکر جال میں پھنس

جاتے ہیں اور یہ جال اکثر ارہر کے کھیتوں میں لگایا جاتا ہے۔

بند نمبر ۱۶ - میں گودی اس مقام کو کہتے ہیں جہاں سمندر کے کنارے ایک پلیٹ فارم بنا ہوتا ہے اور جہاز وہیں آکر ٹھہرتے ہیں۔ اسباب اسی پلیٹ فارم سے جہاز پر لادا جاتا ہے۔ اور مسافر بھی یہیں سے جہاز پر سوار ہوتے ہیں۔

بند نمبر ۲۳ - میں کھنڈل جہاز کا وہ حصہ جس میں اسباب بھرا جاتا ہے۔ جہاز کا یہ حصہ زیریں ہوتا ہے۔

بند نمبر ۲۶ - میں قبہ سمندر کا وہ حصہ جو بہت گہرا ہوتا ہے اور وہاں تموّج زیادہ رہتا ہے۔ اس کے بعد بند نمبر ۲۷ تک اس حالت کی صورت کشی کی گئی ہے جو طوفان کی حالت میں جہاز پر ان لوگوں کی ہوا کرتی ہے جن کو بحری سفر کا اتفاق کم پڑا ہو۔ اور یہ منظر بہت خوب نظم میں دکھایا گیا ہے۔

بند نمبر ۳۳ - میں مانڈوا کراچی مقامات کے نام ہیں جہاں بمبئی سے چلکر جہاز کچھ دیر قیام کرتا ہے ڈمرا جہاز کا نام ہے جس پر ظریف مرحوم سوار تھے قرنطینہ وہ مقام جہاں مسافروں کا ڈاکٹری معائنہ ہوتا ہے اور مطابق تجویز ڈاکٹر جتنی مدت تک ٹھہرنے کی ضرورت ہو مسافر وہاں ٹھہرائے جاتے ہیں۔

بند نمبر ۳۴ تا ۴۰ - میں معائنہ ڈاکٹری اور جہاز پر پردہ دار عورتوں کے سوار ہونے کی حالت، انھیں کی زبان میں ان کی گفتگو نہایت خوش اسلوبی سے نظم کی گئی ہے۔ لکھنؤ کی شرفا عورتوں کی بول چال کا اور اُن کے طرز معاشرت کا فوٹو کھینچا گیا ہے۔

بند نمبر ۴۲ لغایتہ ۵ - میں لکھنؤ کے ایک نواب صاحب کا حال ہے جو ظریف مرحوم کے ہمسفر تھے۔ اور اہل لکھنؤ میں خاندان عظیم الشان و رفیع الشان کی ایک فرد تھے۔ اس لئے اُن کے نام نامی میں بھی لفظ "شان" بطور جزو لاینفک شامل تھا۔ اسی لحاظ سے بطور براعتہ الاستہلال ظریف مرحوم نے لفظ شان کو مختلف عنوان سے استعمال کیا ہے اور اپنی طبّاعی اور ذہانت

سے شان کے چند مشتقات بھی اختراع کئے ہیں مثلاً ان کی عورتوں کے لیے شانیاں۔ بچّوں کے لئے شُنچ۔ (شان کی تصغیر) نواب صاحب موصوف کی گفتگو، وضع قطع کا چربہ بھی اُتارا گیا ہے نظم سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کے ساتھ اُن کی دو بیویاں بھی آئی تھیں جن میں باہمدگر کمال رنجش تھی۔ نواب صاحب کے ساز و سامانِ سفر کا حال اور اُنکی قابلیت بخت دیز اِن سب باتوں کو نہایت خوبی سے نظم میں ظاہر کیا ہے۔ ان بندوں سے اِس کا بھی پتا چلتا ہے کہ نواب صاحب کی دونوں بیویوں میں ایک بیاہتا اور دوسری متاعی تھیں یعنی ممتوعہ۔ اور یہ حاملہ بھی تھیں نواب صاحب انھیں صرف اسلئے ہمراہ لائے تھے کہ ارضِ مقدس پر اُن کے ساتھ دوبارہ صیغۂ نکاح جاری کرا لیا جائے اور پھر فوراً گھر پلٹ جائیں تاکہ مولود متاعی والا نہ کہا جائے اور دونوں بیویوں کی عزت میں مساوات قائم رہے۔

۶۱ ویں بند میں حمالۃ الحطب کی دو ورقی بہت بلیغ فقرہ ہے۔ فقرہ حمالۃ الحطب سے مراد ابولہب کی زوجہ ہے جسکا ذکر سورۂ "اللھب" میں آیا ہے۔ ترسٹھویں بند میں وقف حسین آباد کا تذکرہ ہے جہاں سے حج وزیارت کے لیئے مومنین کو رقم ملتی ہے۔ اس بند اور اسکے بعد والے بند سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نواب صاحب کے ساتھ کوئی مولوی صاحب بھی بغرض رہبری موجود تھے اور کربلا میں غالباً ضیاء الدین خادم کے یہاں نواب صاحب ٹھہرے تھے اور وہیں اربعین کے زمانے میں ممتوعہ سے عقد النکاح عمل میں آیا۔ ۶۶ ویں بند میں کربلائی سے اشارہ انھیں ممتوعہ کیطرف ہے، مہر کی مقدار ظاہر کردی گئی ہے اور ڈیڑھ لاکھ کی رقم قلیل سمجھکر قرار دی گئی ۶۷ ویں بند سے نکاح نامہ شروع ہوا ہے۔ ۶۸ ویں بند میں نسب نامہ پر روشنی ڈالی گئی ہے اور شنشاہٹ کے لفظ سے چار چاند لگائے گئے ہیں اور شان کی پوری گرداں گردانی گئی ہے یہ گردان ۶۹ ویں بند پر ختم ہوئی ہے اور سترویں بند سے ایجاب وقبول میں شرائط نکاح کا ذکر ہے۔ یہ شرائط ۷۲ ویں بند پر تمام ہوئے ہیں۔ ۷۳ ویں بند میں زیت و رسم کا کچھ ذکر ہے ۷۴ ویں بند میں جدّت نکاح کی تعریف ہے، اور ۷۵ ویں بند میں شاعر نے اِن حرکات پر اظہار تاسف کیا ہے نظم میں جس صراحت اور خوش اسلوبی سے تمام واقعات بیان ہوئے ہیں اس سے

بہتر غالباً نثر میں بھی نہیں لکھے جاسکتے۔ ذلك فضل الله يوتيه من يشاء۔

بند نمبر ۶۷ سے دوسرا سین شروع ہوا ہے اور بند نمبر ۸۳ پر جا کے ختم ہوا ہے۔ چنانچہ ۶۷ ویں اور ۷۷ ویں میں تو ان زمیندار صاحب کا حلیہ شریف ہی جو ہم سفر تھے ۸۰ ویں ۷۹ ویں میں ان کی حماقت مآبی کے حالات بیان ہوئے ہیں۔ پھر بند نمبر ۸۰ سے ۸۳ تک چار بندوں میں ان کے ملازمین کی دیہاتی زبان میں گفتگو عجیب پرلطف طریقے پر نظم کی گئی ہے ۸۳ ویں بند میں حبشی کا عربی میں زمیندار صاحب کے ملازم سے کچھ کہنا اور اس کا اُسے دُردو سمجھنا عجب دلچسپ نکتۂ ظرافت ہے۔

بند نمبر ۸۴ تا ۹۲ میں کراچی سے جہاز کی روانگی مسقط، بوشہر، ہوتے ہوئے بصرے پہونچنا وہاں بڑے جہاز کے سفر کا اختتام اور قرنطینے میں پانچ دن تک قیام ان باتوں کا تذکرہ ہے۔

بند نمبر ۸۷ تا ۹۴ میں معائنہ ڈاکٹری، مطب ڈاکٹر اور خود ڈاکٹر صاحب کی ہئیت کذائی، انجن کی بھاپ میں میلے کپڑوں کا تر کیا جانا اور پانچ روز کی میعاد قرنطینہ ان واقعات کو شاعرانہ خوبیوں سے ادا کیا ہے

بند نمبر ۹۵ تا ۱۰۳ میں مکان قرنطینہ کا منظر وہاں کے ساز و سامان، پولیس کے سپاہیوں کا حال ظریفانہ انداز سے دکھایا گیا ہے۔

بند نمبر ۱۰۴ میں قرنطینے سے رہائی کا ذکر ہے۔

بند نمبر ۱۰۵ و ۱۰۶ میں اس سرا کی تعریف ہے جہاں قرنطینے سے نجات پاکر عارضی قیام کرنا پڑا۔

بند نمبر ۱۰۷ تا ۱۲۳ میں موصل نامی رومی جہاز اس کے کپتان اور معلّم کا حال۔ اس دخانی جہاز کی سست رفتاری اسکے بیت الخلا کی کثافتوں کا ذکر، جہاز کا عمارے علی غربی، لغیلیے اسٹیشنوں کو طے کرکے بغداد تک پہونچنا شرح و بسط سے درج ہے۔

بند نمبر ۱۲۴ و ۱۲۵ میں جہاز سے اُتر کے قفّے میں سوار ہوکر براہ دجلہ دریائے بغداد کے پل تک سفر کرنے کا حال

شاعرانہ خوبیوں سے لبریز ہے قفّہ ایک گھرے ٹوکرے کی شکل کا ہوتا ہے۔ کھجور کے درخت کی شاخوں
یا بید وغیرہ سے بنا کر اس پر رال چڑھا دیتے ہیں تاکہ اُسکے اندر پانی نہ آسکے۔
بند نمبر ۱۲۶ و ۱۲۷ میں پل کا خاکہ کھینچا گیا ہے۔ بند نمبر ۱۲۸ و ۱۲۹ میں بازار مسقف کا۔
بند نمبر ۱۳۰ الغایۃ ۱۳۷ میں اس ٹریموے کا ذکر ہے جو بغداد سے کاظمین۔ مسافروں کو لیجاتی ہے اس ٹریموے کی شکل
اُس کی رفتار اُس کی انتظامیوں کو جس خوبی سے ظریف مرحوم نے نظم کیا ہے اُس کی تعریف
ہو نہیں سکتی قلم توڑ دیا ہے۔
بند نمبر ۱۳۸ و ۱۳۹ میں ترکوں کے حق میں کاظمین پہونچکر دعا کی ہے اور مسدس کو ختم کر دیا ہے۔
صفی عفی عنہ

نظم نمبر (۳) فروری ۱۹۰۵ء تعداد اشعار ۶۹

خط منظوم نمبری ۱

ازمقام بندر عبّاس

بنام محمد صاحب

نوٹ۔ بمقام بندر عباس جہاز جب پہونچا وہاں سے یہ نامہ منظوم ظریف مرحوم نے اپنے دوست شیخ اطہر حسین عرف محمد صاحب کے نام روانہ کیا۔ محمد صاحب داروغہ شیخ جعفر حسین مرحوم کے چھوٹے بیٹے تھے ظریف مرحوم کے ہم عمر۔ بڑے بیٹے کا نام شیخ اصغر حسین تھا داروغہ صاحب کی دو بیٹیاں تھیں ایک بیٹی کے صاحبزادے دلارے مرزا صاحب تھے۔ چھوٹی بیٹی نواب ننّھے صاحب کو بیاہی تھیں۔ محمد صاحب کے سالے کا نام امداد مرزا صاحب تھا۔ جنکا تذکرہ نظم موسوم بہ سیاحت ظریف میں ہے۔ ان سب لوگوں میں بے حد ربط و ضبط تھا داروغہ صاحب موصوف کا قیام بمقام پاٹانالہ چھوٹی شہزادی کی ڈیوڑھی پر تھا۔ کیونکہ وہ اسی سرکار میں مدار المہام تھے چھوٹی شہزادی صاحبہ حضرت واجد علیشاہ کی حقیقی بھانجی اور بہو تھیں بیوہ ہونے کے بعد لکھنؤ میں آکر سکونت پذیر ہو گئیں۔ بلحاظ قرابت شاہزادہ میرزا سلیمان قدر بہادر مرحوم کی بھی یہ بھانجی اور بھتیج بہو ہوتی تھیں۔ اسلئے شاہزادے صاحب وہاں اکثر جایا کرتے تھے اور اُن کے ہمراہ اُن کے معتمد خاص مولانا سیّد فضل حسین مرحوم ظریف مرحوم کے پدر بزرگوار بھی ہوتے تھے۔ آمد و رفت نشست و برخاست رہتی تھی لہذا دونوں سرکاروں کے معتمدین میں باہم گرد و ستانہ تھا اور اُن کی اولاد میں بھی وہی رشتہ اُخوت مُدّت العمر قائم رہا اسی بنا پر یہ خط منظوم اثنائے سفر میں ظریف مرحوم نے محمد صاحب کے نام روانہ کیا اور اس میں اپنے رفیق سفر احمد حسین کی بے اعتنائیوں کا حال درج کیا ہے۔ اُن کا مختصر حال اس نوٹ میں

تحریر ہے جو متعلق منظومات مؤرخہ ۱۶ر مارچ ۱۹۰۵ء دیا گیا ہے۔

(صفی عفی عنہ)

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف
ارکان۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

خوش رہے دورِ فلک میں یہ کسی کی کیا مجال
ایک ساعت چین سے گزرے یہ ہے امرِ محال

اصل میں دیکھو تو پھر ہے یہ شکایت ہی فضول
مانتے ہو کجروی جب آسماں کی اصل چال

جس پہ جو گزری وہ اپنے طور پر سب کہہ چکا
حال دورِ چرخ کا ہر شاعرِ نازک خیال

یہ وہ قصّہ ہے کہ جس کی انتہا کوئی نہیں
تم لکھو اُس کو ظریف اِتنی تمھاری ہے مجال؟

جانتے ہو خود حقیقت اپنے علم و فضل کی
کیوں کرو وہ حوصلہ حاصل ہو جس سے انفعال

اِک زمانے کے قضیّوں کو بھلا لکھوّ گے کیا
اِس سے بہتر ہے جو گزرے تم پہ کچھ لکھو وہ حال

موجزن پاتے ہو گر طبعِ رواں کے بحر کو
ہاتھ مُنہ دھو لو کہ کم ہو جائے کچھ گردِ ملال

فی الحقیقت قابلِ افسوس ہے وہ بدنصیب
ہجر میں جس کو ستاتا ہو احبّا کا خیال

اُس پہ طُرّہ یہ کہ خوگر بھی نہ تنہائی کا ہو
ایک دن کی بھی جُدائی کو وہ سمجھے ایک سال

رات دن احباب کے حلقہ میں ہو جس کی جگہ
دفعتہً ہو جائیں ساری صحبتیں خواب و خیال

فرقتِ احباب سے ہو جس کا سینہ چاک چاک
اور نمک بھی اُس پہ چھڑکے دوریِ اہل و عیال

گھر کے جلنے کا قلق حب الوطن کا غم جدا
اتنے صدموں سے طبیعت رہ سکے کیونکر بحال

ایسے نازک وقت میں خط بھی اگر مِل جائے تو
تو بھی تسکینِ دلِ مغموم ہوتی ہے کمال

یا کہ غربت میں کوئی ہمراہ ہو ایسا رفیق
جو کہ تکلیفوں میں رکھے کچھ تو راحت کا خیال

شومیِ قسمت سے یہ دونوں نہیں ہمکو نصیب
اب کہو انصاف سے کیا ہوگا دل کا اپنے حال

خط بھی پہونچے گا اگر ہمکو تو دو ہفتے کے بعد
وہ بھی کھا جائے گا جب ڈاک کا بالکل خیال

اور ساتھی وہ خدا دشمن کو دے ایسا نہ ساتھ
باعثِ تکلیف و ایذا موجبِ رنج و ملال

سست و کاہل بے وقوف و بد دماغ و بدتمیز
دوستِ ناداں کی زیبا جس پہ سر تا پا مثال

سست ایسا ہو کہ پانی بھی نہ خود جو پی سکے
ایسا کاہل جس کو اُٹھنا بیٹھنا بھی ہو محال

بے وقوف ایسا کہ کھانا بھی نہ آتا ہو جسے
بد دماغ ایسا کہ عُسرت میں ہوں شاہانہ خیال

بدتمیز ایسا کہ چاروں سمت اگر پائے غلیظ
اُس کو سرکا کر ذرا بیٹھے بھلا یہ کیا مجال

دوستِ ناداں بھلا کیونکر نہ پھر اُس کو کہیں
جو چھپا سکتا نہ ہو اغیار سے بھی دل کا حال

گر دیانت کی صفت ہو بھی تو وہ کس کام کی
جان پہ بن جائے جب بیکار ہے پھر حفظِ مال

سنیئے ہمدردی کا اِن کی مختصر سا واقعہ
یہ کراچی کے قرنطینے کا ہے تھوڑا سا حال

گھاٹ پر سے ہے قرنطینہ اقلاً آدھ میل
پھیر کھا کر جانے میں ہوتی ہیں تکلیفیں کمال

گو کہ تھا ہمراہ اپنے بھی بچھونا مختصر
ہو گیا لیکن ہماری جان کو وہ بھی وبال

جاتے وقت اک گھاٹ پر مزدور مجھ کو مل گیا
لاد کر اس پہ وہ گٹھری لے گیا میں خستہ حال

مختصر یہ ہے قرنطینے سے جب فرصت ہوئی
حکمِ رخصت ڈاکٹر سے مل گیا بے قیل و قال

جبکہ پلٹا اتفاقاً تھا نہ کوئی آدمی
جس پہ بستر لاد کر ہوتا سہولت کا خیال

میں نے دیکھا چار جانب جب نگاہِ یاس سے
میرے ہی پہلو میں حضرت بھی کھڑے تھے گول مال

میں اگر کہتا اُٹھانے کو تو پاتا جواب
اس سے بہتر تھا خموشی سے اُٹھا لینا ملال

الغرض کندھے پہ اپنے لاد کر بارِ گناہ
طے کیا وہ راستہ با حسرت و رنج و ملال

آپ بھی ہمراہ تھے میرے مگر سائے کی طرح
مجھ سے تھوڑے فاصلے ہی پر بصد جاہ و جلال

گو کہ خالی ہاتھ تھے اک اِن کا کمبل تھا فقط
پر نہ فرمایا گیا چھوڑوں کہ اُو برگشتہ حال

ٹھہر جا دیدیں سہارا ہم تجھے او بدنصیب
لاد کر سر پر چلا ہے بوجھ کیوں اے بدخصال

جسقدر ذلت اُٹھانی تھی اُٹھائی خوب سی
اور بھی اہلِ وطن دیکھا کیئے میرا یہ حال

جتنی جنٹلمینیت تھی خاک میں سب مل گئی
بن گئے پورے قلی تھا دید کے قابل وہ حال

پہونچے کشتی تک غرض جس طور سے پہونچا گیا بیٹھ کر کشتی کے اندر دل میں یہ آیا خیال
ان سے کہدیں اب خدا حافظ ہی لیجے اپنی راہ دل میں ہمراہی کا میری اب نہ رکھیئے گا خیال
پر میاں شیطان نے فوراً پڑھایا یہ سبق بیوقوفی پر تمھاری ہوگی یہ تجویز دال
تم کو یہ نادان بن کر اس طرح عاجز کریں اور وطن بھیجو انھیں تم ٹھنڈے ٹھنڈے بکمال
ایسے موقع پر تو دو کاندھی کہ یہ بھی رکھیں یاد سختیاں یہ بھی تو کچھ جھیلیں اُٹھائیں کچھ ملال
یعنی بصرے کے قرنطینے میں جا کر چھوڑ دو دو نہ رسم اُن کی طرف سے تذکرہ بھی جاؤ ٹال
اُن سے کہدو فکر کیجئے اپنی اب بندہ نواز مجھ میں اب طاقت اُٹھانے کی نہیں بار ملال
ٹھنڈے ٹھنڈے جایئے اب کربلا یا لکھنؤ یا جہاں کا آپ کے دل میں ہو لے حضرت خیال
ساتھ ہیں میرے اُٹھائی آپنے ایذا بہت اب مجھے آزاد کیجے از برائے ذوالجلال
جو دوا سوچی ہے میں نے کر گئی تاثیر اگر فی الحقیقت کم بہت ہو جائے گا دردِ ملال
اب رہا وہ دردِ بے درماں ہوں جس میں مبتلا یعنی ہجر دوستان و فرقتِ اہل و عیال
طولِ مدت سے میں اُس کی آپ ہی ہوں بیخبر ٹھیک میں خود ہی بتا سکتا نہیں وقتِ زوال
دھیان آتا ہے پلٹنے کا تو یہ کہتا ہے دل خبط ہے گر ابتدا میں انتہا کا ہو خیال
تو گرفتارِ مصیبت ٹھہر جا کچھ دم تو لے باندھ ہمت ہو گیا ہے تو ابھی سے کیوں نڈھال
تجکو طے کرنا ابھی باقی ہیں وہ وہ منزلیں خواب میں بھی تو نہ آتا ہو گا جن کا کچھ خیال
تیرے اس صبر و تحمل کی ذرا دیکھیں تو سیر تو تھا دعویدار ہمدردیِ انساں کا کمال
گر کیا دعویٰ تو لازم ہے تجھے دینا ثبوت امتحاں گاہِ مصیبت میں نہ ہو افسردہ حال
حسبتہً للّٰہ جو باندھی ہے کمر ہمت کی چست خود مدد فرمائے گا تیری خدائے ذوالجلال
نقدِ ہمت کا خزانہ کم نہ ہو گا یاد رکھ صرف کر بہرِ خدا پھر دیکھنا اُس کا مآل
شاہدِ عزت کی خاطر جھیلتا ہے دُکھ اگر فضلِ خالق سے میسر ہو ہی جائیگا وصال

ہاتھ اُٹھا بہرِ دعا کیوں ہے ہراساں اسقدر
آیۂ لاتقنطوا اسکا بھی نہیں تجھ کو خیال

بار آلہا اُس مسافر ہی کا تجھ کو واسطہ
اُمّتِ عاصی کے خاطر جس نے جھیلے ہیں ملال

ننھّے ننھّے بچے جسکے تین دن پیاسے رہے
جس کے ہاتھوں پر ہوا بے شیر تک کا انتقال

ایک ہی رسّی میں جسکے قید تھے سب اہلبیتؑ
عابدِ بیمار کا جس کے بہت تھا غیر حال

اقربا انصار جس کے ہو چکے تھے سب شہید
تھا وہ تنہا اور عدو آمادہ تھے بہرِ قتال

لاش بے گور و کفن جسکی رہی چالیس روز
جس کے ماتم میں نہ بیٹھے ایک جا اہل و عیال

لاڈلی بیٹی نے جس کی رنج و غم اتنے سہے
قید خانے میں ہوا آخر کو اُسکا انتقال

جس کے سر کو رکھ کے نیزے پر پھرایا تا بہ شام
جسمِ اطہر کو کیا گھوڑوں سے جس کے پائمال

کر خزانے سے الٰہی تو مجھے اپنے عطا
دین و دولت تندرستی معرفت اکلِ حلال

صحّتِ خویش و احبّا نعمتِ علم و عمل
کر عطا فضل و کرم سے اپنے مجکو ذوالجلال

یا الٰہی جس لیئے میں نے کیا ہے یہ سفر
حسبِ خواہش کام سب بن جائیں ہوجاؤں نہال

عافیت کے ساتھ پھر پلٹوں وطن کی سمت کو
خیریت کے ساتھ پاؤں دوست اور اہل و عیال

نظم نمبر ۴ — ۱۹۰۵ء — تعداد اشعار ۲۵

ضمیمۂ خط منظوم نمبری ۱۰ — ۱۶ مارچ کو محمد صاحب کے پاس بھیجا گیا

تضمینیں اور رباعیاں متعلق روانگی احمد حسین سمت لکھنؤ

نوٹ ۔ ۱۹۰۵ء میں بقصد سفر عراق ظریف مرحوم جب لکھنؤ سے روانہ ہوئے تو ایک صاحب احمد حسین جن کا پیشہ پہلوانی اور معماری تھا ساتھ ہولیے ان کے تمام مصارف ظریف ہی کے ذمے تھے لیکن یہ رفیق سفر بجائے یار شاطر ہونے کے بارِ خاطر ثابت ہوئے اور بے حد احسان فراموش کاروبار میں ان سے کوئی مدد نہ ملی لہذا تنگ آکر ظریف مرحوم نے ان سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور ۱۶ مارچ ۱۹۰۵ء کو وہ لکھنؤ روانہ ہو گئے یہ تضمینیں اور رباعیاں انھیں کی شان میں ہیں جو عراق میں کہی گئی تھیں ۔ صفی عفی عنہ

تضمین نمبر (۱)

تھے ساتھ سفر میں جو ندیم جانباز — معلوم ہوا مجھے جب اُن کا انداز
پوشیدہ نہ رکھ سکیں گے یہ میرا راز — "ایں نکتہ شنیدم ز بزرگانِ حجاز"
"صحبت کہ موافق نبود دوری بہ"

تضمین نمبر (۲)

کیوں سعادت ملے جب اصل ہو بد — راہِ حق سے نہ کیوں پھرے مرتد
نانگھہ بھی جائے گر چہ ہند کی حد — "خرِ عیسیٰ اگر بہ مکہ رود"
"چوں بیاید ہنوز خر باشد"

(رُباعی)

کُشتی لڑتا تھا اور نہ تعمیر کا کام / کس چیز کو بیچارے یہ دیتے انجام
بیکار اِنھیں پھنسا کے میں کیا کرتا / اب اِن کی مصاحبت کو کرتا ہوں سلام

خدمت بھی یہ کر دیتے تھے حتّی المقدور / وہ ہو نہ مفید یہ حماقت کا قصور
یہ مجمع اضداد ہیں ماشاء اللہ / اچھّوں میں بُرے بُروں میں اچھے ہیں ضرور

تھا اِن کی حماقتوں کا مجھ پر یہ اثر / آئینے کی شکل ہو گیا تھا ششدر
خِدمت مری کی اِنھوں نے اس صورت سے / جس طرح کوئی زخم کریدے بندر

قُدرت نے حماقت کا جو حِصّہ بانٹا / افضل سمجھا انھیں بہت کچھ بخشا
دس لاکھ گنا مِلا سبھوں سے اِنکو / اُلّو گھگھّو گدھوں کو تھوڑا تھوڑا

تیزی ہے زباں میں درست دیا مٹھّے ہیں / بیری ہے قریب گو مگر چھٹّے ہیں
گاڑ دو اِنھیں یا ابھی پڑا رہنے دو / بے ترشے ہوئے سانکھو کے یہ لٹھّے ہیں

پہونچے گا گہر کہ تہ کا یہ سچّا ہے / کلیاں ہیں سفید گو مگر بچّا ہے
گو ہند سے اُڑتا ہوا پہونچا ہی عراق / گردان بنا مگر ابھی کچّا ہے

کرسی کے لوگ اِن کے آگے ہشیار / گر اِن کو گدھا کہوں گدھوں کو بھی ہو عار

اُلّو دانا ہیں اِن سے گھُگھو عاقل نادان محل کے ہیں یہ افضل معمار

خدمات سے ہر طرح میں مشکور ہوا کام اِن سے ہر ایک تا بہ مقدور ہوا
وحشت کو مری ہوئی ترقّی اتنی خود ساتھ کے چھوڑنے پہ مجبور ہوا

مل جائے کوئی ایسا کہ ہَتّا لادے پیاسا ہو تو مُلّا بھی کوئی پلوا دے
بغداد سے بے دودھ چلا ہے بچہ اللہ اِسے خیر سے گھر پہونچا دے

جھٹکے وہ دیئے شیشۂ دِل توڑ دیا بغداد سے آکے ہم نے منھ موڑ دیا
طاقت نہ رہی بارِ گنہ لادنے کی بھاری پتھر کو چوم کر چھوڑ دیا

تعداد اشعار ۳۴

نظم نمبر ۵

خط منظوم نمبر ۲ مورخہ ستمبر سنہ ۱۹۰۵ء مع ضمیمۂ استغاثہ بحضرت امیر المومنینؑ

نوٹ ۔ نواب بڈھن صاحب مرحوم جن کا اسم گرامی نواب محمد شفیع علیخاں اور تخلص شیدا تھا خاندان نیشاپور کے ایک رئیس تھے بیحد خوش اخلاق، دوست نواز اور وضعدار سنہ ۱۹۰۵ء میں ظریف مرحوم جب کربلا گئے ہیں تو نواب صاحب وہیں تھے اور کئی مہینے تک صحبت شعر و سخن گرم رہی۔ نواب صاحب وسط سنہ ۱۹۰۵ء میں لکھنؤ چلے آئے ظریف شروع سنہ ۱۹۰۷ء تک وہیں رہے اور اس اثنا میں خط و کتابت کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ یہ خط منظوم غالبًا نواب صاحب موصوف کے خط کا جواب ہے۔ گو نواب صاحب کا نام اس میں کہیں نہیں ہے مگر قرائن اور سیاق عبارت سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مکتوب الیہ غالبًا نواب صاحب مرحوم ہی ہیں نواب صاحب کے نام ایک اور بھی خط منظوم مورخہ ۶ رمئی سنہ ۱۹۰۶ء ظریف مرحوم کے مسودات میں ملا جس میں تقریبًا ۹۷ شعر ہیں مگر ابتدائی چند شعروں کے سوا کل اشعار پر نمی نے پھونچکر پانی پھیر دیا ہے شعر پورے پڑھے نہیں جاتے لہذا وہ ناتمام خط بہ نمبر ۵ ناظرین کو درج ملے گا۔ ابتدائی چند شعر جو پڑھے جا سکے لکھ دیئے گئے۔

صفی عفی عنہ

بحر خفیف مسدس مخبون مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

عزت افزائے بندۂ ناچیز — مجلس آرائے صاحبانِ تمیز
آفتابِ سپہرِ جود و کرم — باعثِ قوتِ دلِ پُر غم
صدر آرائے محفلِ احباب — اے تسلی دہِ دلِ بیتاب
تازگی بخشِ تشنگانِ فراق — بحرِ مواجِ اتحاد و وفاق
اے گلِ بوستانِ صدق و صفا — بلبلِ شاخسارِ مجد و علا
بعدِ اہدائے ہدیۂ تسلیم — حسبِ دستورِ خاندانِ قدیم

ملتمس ہوں کہ تا دمِ تحریر　　ہوں بصحت بفضلِ ربِ قدیر
از عنایاتِ مالکِ دو جہاں　　آپ کی خیریت کا ہوں خواہاں
دردِ دوری کا کیا کروں اظہار　　ہے یہ مطلع زبان پر ہر بار
* "تاجرائے بلاکشاں نہ سنو"　　"نہ سنو میری داستاں نہ سنو"
عرضِ حالِ من احتیاجے نیست　　دردِ خود کردہ را علاجے نیست
خود ہی بسمل صفت پھڑکتا ہوں　　زخم پر خود نمک چھڑکتا ہوں
جس قدر اب گذر رہا ہے شاق　　پہلے سمجھا نہ تھا یہ حالِ فراق
بڑھتا جاتا ہے دل کا پیچ و تاب　　اب تو طاقت بھی دے رہی ہے جواب
میرے مالک مری مدد کر اب　　شرم رکھ لے مری تو ہی یا رب
گلِ مقصد کی بو سنگھا دے مجھے　　میرے احباب سے ملا دے مجھے
کیا عجب گر ہو تیرا فضل و کرم　　کہیں احباب میرے حق میں ہم
* "آنچہ من خواستم فراز آمد"　　"آب از جوئے رفتہ باز آمد"
غمِ فرقت سے جب بجا نہیں ہوش　　نظم بیکار ہے خموش خموش
بعدِ مدت کے نامۂ نامی　　قوتِ قلب کا مری حامی
مجکو در عینِ انتظار ملا　　راہِ غربت میں غمگسار ملا
حالِ فرقت پہ دل جو بھر آیا　　سینے سے تا بہ دیر لپٹایا
جب ہوئی کچھ سکون کی صورت　　وا کیا نامے کو بصد دقت
دیکھی خط میں جو خیرِ عافیت　　دلِ مضطر کو پہونچی تقویت

---

* **نوٹ** - اشعار نمبری ۱۰ و ۱۸ ۔ مولانا صفی مدظلہ کے بطور تضمین اس خط منظوم میں ظریف مرحوم درج کیے ہیں۔

استغاثہ بحضرت امیر المومنین ؑ

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف
ارکان۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

رحم ہر عاجز و مجبور پہ کھانے والے
المدد شیر سے سلماں کو چھڑانے والے

لے خبر بحرِ مصیبت میں سفینہ ڈوبا
کشتیِ نوح کو طوفاں سے بچانے والے

سر بالیں جو مرے مجمع ناجنساں ہے
سب کے سب وہ ہیں مرا دل ہی دکھانے والے

خندۂ صبح کو بھی دیکھ کے رو دیتے ہیں
شامِ غربت کی اذیت کے اُٹھانے والے

شعلۂ آتشِ غم گرمیِ صحرائے عراق
اک دلِ زار کے دو دو ہیں جلانے والے

دل میں ہے آتشِ غم آنکھوں سے آنسو جاری
رہ گئے ہیں یہی دو آگ بجھانے والے

ہم کہاں اور وہ احباب کا اب جلسہ کہاں
ہیں خیالات یہ راتوں کو جگانے والے

منزلیں دور ہیں پردے میں ہے محبوبِ مراد
چھٹ گئے ہیں مرے سب ہاتھ بٹانے والے

رات دن سب کی طرف سے ہے نظرِ مایوسی
قافلے سوئے وطن جاتے ہیں جانے والے

کیوں اُنھیں چشمِ تصور میں نہ دیکھیں مقبول
بزم میں آتے تھے روزانہ جو آنے والے

۲۴ر اپریل سنہ ۰۶ ۱۹ء

نظم نمبر ۶ خط منظوم نمبری ۳ تعداد اشعار

بنام محمد صاحب از کاظمین

نوٹ۔ یہ خط انھیں محمد صاحب کے نام ہے جن کے مفصل حالات اس نوٹ میں درج ہیں جو خط منظوم نمبری ۱ کے متعلق تحریر کیا گیا ہے اس خط کے ترسٹھویں[۶۳] شعر میں جناب محترم کا اشارہ دارو غہ شیخ جعفر حسین صاحب پدر بزرگوار محمد صاحب کی طرف ہے پینسٹھویں[۶۵] شعر میں اصغر سے مراد محمد صاحب کے بڑے بھائی ہیں اور بنے صاحب سے مراد محمد صاحب کے بہنوئی ان سب حضرات کا ذکر مذکورالصدر نوٹ میں آچکا ہے۔ انہترویں[۶۹] شعر میں آغا صاحب سے مراد نواب مولوی سید انور حسین مرحوم خلف نواب نریئی مولوی سید اصغر حسین صاحب متخلص بہ فاخر ہیں۔ جن کی جائداد غیر منقولہ پر عراقیوں نے قبضہ کرلیا تھا اور اسی پر دخل یابی کے لیئے بحیثیت مختار عام ظریف لکھنؤ سے عراق گئے تھے۔

صفی عفی عنہ

بحر ہزج مسدس اخرب مقبوض مقصور یا محذوف[ع] ارکان۔ مفعولُ مفاعلن مفاعیل یا فعولن

اُس زار کے دل کے چین بھائی | میرے اطہر حسین بھائی
ہے[۱] طبع میں آج کچھ روانی | سُنیئے مری مختصر کہانی
خط[۲] آپ کا میرے دل کا درماں | درماں نہیں بلکہ خاص ارماں
لکھا[۳] ہوا دوسری کا آیا | مدّت کے بعد میں نے پایا
تھی[۴] آتشِ غم جو دل میں سوزاں | پہنچا بر وقت اُس کا درماں

نوٹ۔ [ع] اس بحر میں یہ وزن اور وزن مفعولن فاعلن مفاعیل یا فعولن دونوں جمع ہو سکتے ہیں۔

۶ عرصے سے منتظر جو تھا میں — تا دیر اُسے پڑھا کیا میں
۷ صحت کی خبر مسرت افزا — پڑھ کر کیا شکرِ حق کا سجدا
۸ توام جو تھا عیش و غم کا ساماں — آئینے کی شکل تھا میں حیراں
۹ خط کے ملنے کی تھی مسرت — اور رنجِ فراق و دردِ فرقت
۱۰ دل کی حالت بیاں ہو کیونکر — خامے میں مری زباں ہو کیونکر
۱۱ پڑھ پڑھ کر خط تھا مسکراتا — تھا اپنی ہنسی پہ رونا آتا
۱۲ بنگلے کی طرح جلا دلِ زار — آنسو سے بجھاؤں تھا یہ دشوار
۱۳ میدانِ عراق کی ہوائیں — اور دل کی لگی کو وہ بجھائیں
۱۴ عقل سے دور ہے سراسر — قسمت کا قصور ہے سراسر
۱۵ جب پیشِ نظر یہ حال آیا — دل میں فوراً خیال آیا
۱۶ غربت بھی عجیب ہی بلا ہے — مرنے سے بُری یہی بلا ہے
۱۷ ہم تو بیٹھے ہیں یاں سفر میں — معلوم نہیں کہ کیا ہے گھر میں
۱۸ ہم پر جو یہاں گذر رہا ہے — گھر والوں کو کیا خبر کہ کیا ہے
۱۹ بچوں کی خبر نہ گھر سے واقف — سب سے غافل سفر سے واقف
۲۰ آنکھیں ہیں مگر کہاں نظر ہے — پردہ ہر اک کی آنکھ پر ہے
۲۱ یارب اس پردے کو اُٹھا دے — بچھڑے ہوؤں سے ہمیں ملا دے
۲۲ یارب مری آہ میں اثر دے — دامنِ گلِ مدعا سے بھر دے
۲۳ ہے خواب و خیال جو کہ صحبت — آنکھوں سے دیکھوں پھر وہ صورت
۲۴ فرقت سے تنگ ہو رہا ہوں — تنہائی پہ اپنی رو رہا ہوں
۲۵ میعاد ہے اس طرح کی پائی — معلوم نہیں ہو کب رہائی

۲۶ نے ہاتھ کوئی بٹانے والا — رستہ نہ کوئی بتانے والا
۲۷ راہیں پر خوف منزلیں دور — رہبر مفقود پیر معذور
۲۸ یہ بھی قسمت کا ہے الٹ پھیر — یاں ساری عدالتوں میں اندھیر
۲۹ راشی حکّام کوئی کیا دے — عملے والے حرام زادے
۳۰ جھوٹے مکّار بے مروّت — لے لے کے ستائیں اِن کی عادت
۳۱ قانون نیا پُرانے حکّام — ابلیس کے خاص سالے حکام
۳۲ اس پر طرّہ زبان بھی اور — مضمون بھی خط کی شان بھی اور
۳۳ اور سارے وکیل ابنِ شیطان — دھوکا دینا ہے جن کا ایمان
۳۴ اُن سے کوئی مشورہ اگر ہو — غیروں میں سب وہ مشتہر ہو
۳۵ نکلے راہِ فلاح کیونکر — ایسوں سے لیں صلاح کیونکر
۳۶ بے سوچے ہوئے اگر کریں کام — دھوکا کھا جائیں ہوئیں بدنام
۳۷ یاں سب کو ہے اپنے کام سے کام — مطلب کے لیئے امام سے کام
۳۸ گو لفظِ خدا زبان پر ہے — شیطاں سے زیادہ ہر بشر ہے
۳۹ خود کامی کے بیج بونے والے — اسلام کا نام کھونے والے
۴۰ ہمدردی سے بے خبر یہاں لوگ — بالکل ہیں جانور یہاں لوگ
۴۱ لیکن وہ جانور بھی کیسے — انسانوں میں بھیڑیا ہو جیسے
۴۲ وہ جن کو خدا نے کچھ حمیّت — ہے آنکھ میں جن کی کچھ مُروّت
۴۳ اُن کو اِتنی نہیں ہے فرصت — جو بات کریں کہاں یہ مُہلت
۴۴ ایسی حالت میں کیا کریں ہم — اب کس سے التجا کریں ہم
۴۵ ہے ایک فقط یہی سہارا — جس پر سب زور ہے ہمارا

۴۶ نے لوگوں سے یاں یہ ساز ہے کچھ — نے عقل پہ اپنی ناز ہے کچھ
۴۷ اب تو ہم ہیں اُسی کے مہماں — ہے درد کے واسطے جو درماں
۴۸ سب کہتے ہیں مظہر العجائب — مشہور ہے مظہر الغرائب
۴۹ سلماں کو شیر سے چھڑایا — طوفاں سے نوح کو بچایا
۵۰ بیٹھے ہیں اُسی پہ لو لگائے — اپنے ہاتھوں سے رنج اُٹھائے
۵۱ بس دیر اُسی کے حکم کی ہے — اپنا بعد از خدا وُہی ہے
۵۲ تکیہ اب اُسی کی ذات پر ہے — جو علم نبی کا خاص در ہے
۵۳ اُس کے پیاروں کے آسرے پر — لڑتے ہیں ہر ایک سے برابر
۵۴ ورنہ ہم سا غریب بیکس — کمزور شکستہ حال، بے بس
۵۵ دشمن کے مقابلے کو آئے — بگڑے ہوئے کام کو بنائے
۵۶ گر خبط کہیں اسے بجا ہے — یہ بھی اِک طرفہ ماجرا ہے
۵۷ یارب مجھے فتح مند کر دے — ہمّت میری بلند کر دے
۵۸ میں زار و نزار و ناتواں ہوں — تیرے ہی سہارے پر یہاں ہوں
۵۹ حافظ ہر حال میں تو ہی ہے — دشمن سے زیادہ تو قوی ہے
۶۰ گرچہ زمانہ بھر عدو ہے — کیا غم ہے جو میرے ساتھ تو ہے
۶۱ لکھنے کا بہت تھا کچھ ارادہ — اس کم کو سمجھئے گا زیادہ
۶۲ پر ہے یہ وہ قصّہ پریشاں — لکھنا جس کا نہیں ہے آساں
۶۳ خدمت میں جنابِ محترم کی — تسلیم ہماری کہنا بھائی
۶۴ بچّوں کو مری طرف سے بھیّا — لپٹا کے گلے سے پیار کرنا
۶۵ اصغر کو مرا سلام کہنا — اور چھوٹا سا یہ پیام کہنا

ہیں معترف آپ کی صفت کے — قائل ہوئے قلب ماہیت کے
بنے صاحب سے بعدِ تسلیم — کہیے گا بصد ہزار تعظیم
پہونچا مجھے سرفرازنامہ — شکریے میں سرنگوں ہے خامہ
آغا صاحب کے پاس جاکر — خط کا مضمون سب سُناکر
بعد از تسلیم باصد اکرام — پہونچائیے گا مرا یہ پیغام
کہیے گا حضور کی دعا سے — غافل نہیں شکرِ مُدعا سے
طولِ مدت سے ہوں میں مجبور — پلٹوں گا خدا نے چاہا مسرور
محنت کرتا ہوں اور دُعا بھی — گھبرائیں نہ آپ اک ذرا بھی
بہتر ہی خدا دکھائے گا کچھ — نقصان نہ ہونے پائے گا کچھ

احباب کی صحبتوں سے قاصر
مقبول عراق کا مسافر

نظم نمبر ۷ ۲۴ / اپریل ۱۹۰۶ء تعداد اشعار ۲۳½

خط منظوم نمبری ۴

جوابِ خط ننّے صاحب

نوٹ۔ یہ خط منظوم نواب ننّے صاحب کے نام ہے جو محمد صاحب کے بہنوئی ہیں خط منظوم نمبری ۱ میں اُن حضرات کے تعلقات پر روشنی ڈال دی گئی ہے۔ ناظرین ملاحظہ فرمائیں آٹھویں شعر میں اُس انجمن کی طرف اشارہ ہے جو نوابین لکھنؤ نے قائم کی تھی۔ منّے مرزا کا نام بارھویں شعر میں آیا ہے یہ محمد صاحب کے چھوٹے سالے کا نام ہے یعنی امراؤ مرزا صاحب کے چھوٹے بھائی جن کا ذکر اس نوٹ میں آچکا ہے جو خط منظوم نمبری ۱ کے متعلق درج ہے۔ سولھویں شعر میں اصغر حسین سے مراد شیخ اصغر حسین جو شیخ اطہر حسین عرف محمد صاحب کے بڑے بھائی تھے۔

صفی عفی عنہ

(تخمیس)

بحر مجتث مخبون مقصور یا محذوف۔ ارکان۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلات یا فعلن

جو حال دل کا کوئی پوچھتا ہے ہم سے کبھی
بخارِ دل کا نہ نکلے گا چشمِ نم سے کبھی
کریں گے حالِ دل اظہار کچھ قلم سے کبھی
تو کہتے ہیں ہوئی مہلت اگر الم سے کبھی
ہوئی جو فکر کو فرصت ہجومِ غم سے کبھی

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف۔ قطعہ ارکان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

آپ کو حالتِ دل اپنی سنائیں کیونکر
اپنی فریاد کی پہونچیں گی صدائیں کیونکر
جو مسرت ہوئی خط دیکھ کے ہم کو واللہ
وہ خوشی حیطۂ تحریر میں لائیں کیونکر
آگ بنگلے کی تو سب لوگوں کی کوشش سے بجھی
جو لگی دل کی ہے ہم اُس کو بجھائیں کیونکر

کب پلٹتے ہیں وطن کی طرف اب دیکھیں ہم — خود ہی معلوم نہیں ہے تو بتائیں کیونکر
کام بڑھتا ہی چلا جاتا ہے زلفوں کی طرح — سر سے ہم دفع کریں اپنے بلائیں کیونکر
آپ کا بندۂ احسان ہے گھر بھر اپنا — آپ تابوت اُٹھائیں وہ نہ آئیں کیونکر
گر مکاں سر جو کا بکتا ہے تو مجبور ہیں ہم — مُول کس طرح سے لیں اور چُکائیں کیونکر
انجمن والوں نے بیشک یہ بڑا کام کیا — اپنے اس کام کی وہ داد نہ پائیں کیونکر
اُن کے جلسے میں اگر ڈپٹی کمشنر آئے — جو خلاف اُس کے ہیں وہ خار نہ کھائیں کیونکر
کوئی حکمت نہ چلی فکر بہت کی ہو گی — داغ تو پڑ گیا اب اس کو چھُڑائیں کیونکر
تنگ وقت اتنا ہے پہونچے گا یہ خط جلسے کے بعد — اہلِ جلسہ کو غزل اپنی سُنائیں کیونکر
مُنّے مرزا کو جو خط بھیجیں پہونچنا ہے مُحال — اُن کی سُسرال تلک ڈاک کے جائیں کیونکر
آپ کہہ دیجیئے گا اُن سے ہماری تسلیم — ہم پتہ اُن کا بھلا کہیئے تو پائیں کیونکر
ایک ہی پنتھ میں دو کاج نکلتے ہوں اگر — مُفت بچتا ہے ٹکٹ پھر نہ بچائیں کیونکر
آنکھ سے جب ہوئے اوجھل تو ہوئے دل سے بھی دور — اکثر احباب ہمیں بھول نہ جائیں کیونکر
بھائی اصغر تو گرستی میں پھنسے ہیں ایسے — ڈھائی آنے کا ٹکٹ خط پہ لگائیں کیونکر
جن سے اُمیّد بھی ہر ہفتے میں خط بھیجنے کی — اُن کو فرصت نہیں خط آئیں تو آئیں کیونکر
ہم تو بالفعل ہیں اک تختۂ جنّت میں مقیم — راہ دوزخ کی ہے کس رُخ کو بتائیں کیونکر
آپ حضرات کو مسعود ہو یہ عیدِ شجاع — دُور اُفتادہ کو سب یاد نہ آئیں کیونکر
مختصر یہ ہے کہ کہیئے گا سبھوں کو تسلیم — نام اشعار میں ہر ایک کے آئیں کیونکر

آپ کی صحت و اقبال کے خاطر شب و روز
مانگیں خالق سے نہ مقبول دُعائیں کیونکر

نظم نمبر ۸ — ۷ر مئی ۱۹۰۶ء — تعداد اشعار ۷
باقی ۲، شعر پڑھے نہ جاسکے

خطِ منظوم نمبری ۵ بنام نواب بڈھن صاحب

نوٹ خط منظوم نمبری ۲ میں اس خط کا ذکر آچکا ہے اس میں ۹، شعر تھے مگر صرف سات شعر ابتدا کے پڑھے جاسکے باقی کل شعر بالکل مٹ گئے ہیں نمی پہونچنے سے روشنائی پھیل گئی ہے کہیں کہیں سے جو مصرعے پڑھے جاسکے ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غالباً واپسی لکھنؤ کے سفر کی حالت ظریف مرحوم کو لکھی تھی کہ رفقائے سفر نہایت درجہ کثیف اور نامُہذّب لوگ تھے اسی کے متعلق ظریف نے شاعرانہ رنگ میں اظہار ہمدردی کیا ہے خط دلچسپ ضرور تھا مگر افسوس ہے کہ پڑھا نہیں جاتا۔

عراق میں ظریف مرحوم زیادہ تر حنیف کے نام سے مشہور تھے۔ اور ہندوستان میں مقبول کے نام سے۔ محمد حنیف اور مقبول حسین ظریف ہی کے دونوں نام ہیں۔ (صفی عفی عنہ)

بحر ہزج مُسدس اخرب مقبوض مقصور یا محذوف — ارکان مفعولُ مفاعلن مفاعیل یا فعولن

اے بندہ نواز ذی مُروّت
سرخیلِ گروہِ! صداقت

تسلیمِ حنیف اب ہو مقبول
قِصّہ ہے مختصر نہیں طول

پہونچا مجھے سرفراز نامہ
شکریّے میں سرنگوں ہے خامہ

خط صبح کو آج ہی ملا ہے
اور دن بھی آج ڈاک کا ہے

تعجیل اِسی سے ہے زیادہ
لکھنے کا بہت تھا کچھ ارادہ

میں نظم کروں کہاں لیاقت
یہ بھی حضرت کا فیضِ صحبت

غَپ شَپ جو کچھ لکھ دیا ہے
کیجئے گا مُعاف اگر خطا ہے

نظم نمبر ۹ — جون ۱۹۰۶ء — تعداد اشعار ۳۱

خطِ منظوم نمبری ۷ بنام نواب بُڈھن صاحب

نوٹ یہ خط منظوم نمبری ۶ بھی نواب بُڈھن صاحب کے نام معلوم ہوتا ہے۔ گو کہ متن میں کہیں مکتوب الیہ کا نام نہیں ہے نواب صاحب موصوف کے متعلق خط منظوم نمبری ۲ کے نوٹ میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے اس خط میں کسی معہود ذہنی کا حال قلم بند ہے اور گرمی کی شکایت۔ پندرھویں شعر میں "عرب کا دُنبہ"، غالبًا بالکنایہ ضیاء الدین خدام کے لیئے استعمال کیا گیا ہے۔ صفی عفی عنہ

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف۔ ارکان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

منبعِ صدق و صفا مرکزِ لطف و شفقت — صاحبِ لطف و کرم معدنِ علم و حکمت
بعدِ شوقِ شرفِ خدمت و تسلیمِ نیاز — مختصر عرض رسا ہوں کہ جو کچھ ہے حالت
پہونچے دو حضرتِ والا کے عنایت نامے — جس سے معلوم ہوئی سب خبرِ خیریت
ملتجی عفو کا ہوں گر ہوئی تاخیرِ جواب — کثرتِ کار سے ملتی ہے بہت کم فرصت
اور گرمی کا یہ عالم ہے عیاذاً باللہ — چھالے پڑ جائیں قلم میں جو لکھوں کچھ حالت
کچھ سوا نیزے سے اونچا ہے ابھی تک خورشید — اُتنا ہی فرق قیامت سے ابھی ہے حضرت
روز حمّام کا گھر بیٹھے مزا ملتا ہے — غسل ہوتا ہے پسینے سے یہ پہونچی نوبت
آج کچھ صبح کو تھوڑی سی ہوا ٹھنڈی تھی — نظم لکھنے کی اِسی سے ہوئی مجھ کو جرأت
نابلد محض ہوں ہر چند کہ اس رستے میں — جس قدر ہے وہ ہے سب آپ کا فیضِ صحبت
دردِ فرقت کا ابھی تک نہ ہوا کوئی علاج — دلِ بیمار کو حاصل نہ ہوئی کچھ صحت
میرے حق میں ہوئی سم آب و ہوا کی تبدیل — طولِ مدت سے بدل جائے نہ کیوں خاصیت

ہجر احباب کے صدمے کا تحمل کب تک
غمِ تنہائی اُٹھانے کی کہاں تک طاقت

اُس پہ طُرّہ کہ ابھی تک ہے یوہیں نامعلوم
واپسی اور شبِ ہجر کا طولِ مُدّت

کام میں کام نکلتا ہی چلا آتا ہے
دس ابھی اور اگر ایک سے پائی فرصت

چر گیا سبزۂ جاداد، عرب کا دُنبہ
بکری منڈی میں بندھے رہنے سے بدلی عادت

خیر اُس کو تو کسی طرح سے ہانکا ہم نے
تا بہ مقدور بصد لطف بہ انسانیت

اُن مکانوں میں کرائے پہ اُٹھائے کچھ لوگ
جن کو گانٹھے ہوئے بیٹھے تھے ضیاء الملت

کچھ عدالت کے بکھیڑوں سے بھی چھٹی پائی
بعض ایسے ہیں کہ جن سے نہیں اب تک مُہلت

جب ہوا بدلی تو اعیانِ بلد بھی بھاگے
لے کے مادہ کو کہیں اور جو پائی خلوت

اِک مکاں لے کے کرائے پہ قریبِ حمّام
گرم ہے دن کو مطب رات کو شغلِ حکمت

غور کرنے سے یہی ہوتا ہے معلوم ہمیں
بڑھ گئی شغل سے کچھ ضیفے کی شاید مُدّت

اُسی معجون کا ہوتا ہے ابھی استعمال
جس کی تاثیر سے گھٹتی ہے دماغی قوّت

جانتے تھے جسے فصلی یہ غلط ہے تشخیص
لازمی تپ ہے خدا ہی اُنھیں بخشے صحت

کیوں کہ عرصہ ہوا پیچھا نہیں چھوڑا اُس نے
زرد آلو کی طرح ہو گئی اُن کی رنگت

غسلِ صحت یہ کیا کرتے ہیں ہر روز مگر
رات کو سو نہیں سکتے یہ مرض کی شدّت

بار ور ہو نہیں سکتا ہے یہ نخلِ امید
لاکھ کی جائے شب و روز گر اُس پر محنت

یہ تو ظاہر ہے کہ یہ مزرعۂ ایرانی ہے
اس میں ہندی کوئی بوئے یہ نہیں ہے قدرت

پھر اُلجھتی ہے طبیعت کہ وطن یاد آیا
پھر رُکی جاتی ہے جو کچھ ہے قلم میں جودت

مختصر یہ کہ دُعا گو ہوں شب و روز یہاں
آپ کی صحّت و اقبال کے خاطر حضرت

اُن کی خدمت میں بھی تسلیم مری ہو مقبول
آپ سے جو کہ مری پوچھتے ہوں کچھ حالت

گر وطن پہونچا تو خدمت میں کروں گا اظہار
اتنے عرصے میں جو کچھ گذری ہے مجھ پر حالت

نظم نمبر ۱۰۱   تتمہ ستمبر ۱۹۰۶ء   تعداد اشعار ۱۴۲

خط منظوم نمبری ۷

بنام شیخ اطہر حسین عرف محمد صاحب

نوٹ۔ یہ خط ظریف نے محمد صاحب کو حصولِ کامیابی کے بعد لکھا ہے جب کہ عنقریب لکھنؤ واپس آنے کا ارادہ تھا اس میں حکومت کی بدنظمیوں کا مفصّل حال درج کیا ہے اور وہاں کے خدّام وغیرہ کا چال چلن۔ عورتوں کی حالت، قبائل کی سرشوری ان سب چیزوں کو بہت شرح و بسط سے ظاہر کیا ہے۔ (صفی عفی عنہ)

بحر رمل مثمّن مقصور یا محذوف۔   ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

اے دلِ غم دیدۂ مہجور کے راحت رساں
بھائی اطہر قوّتِ بازوئے قلبِ ناتواں

تا دمِ تحریر اچھا ہوں بحمد اللہ میں
آپ کی صحّت کا خواہاں ہوں خدا سے ہر زماں

چند ہفتوں سے برابر کربلا میں ہوں مقیم
بعد دقّت کے ضیاء الدین سے پائے مکاں

کیا کہوں خدّام صاحب نے کیے جو جو فریب
شرم آتی ہے مجھے کرتے ہوئے اُن کا بیاں

للہ الحمد اُن کی چوٹیں جتنی تھیں خالی گئیں
حق تعالیٰ نے مجھے محفوظ رکھا بے گماں

بکری منڈی کی طرح قابض تھے جس جاداد پر
اُن کے پنجے سے چھٹی شکرِ خدائے دو جہاں

کچھ کرایہ دار بھی آباد ہم نے کر دیے
جس سے ظاہر ہو ہر اک پر اپنے قبضے کا نشاں

ذمّہ سرکار فاضل تھا ہزاروں کا حساب
تین سو دے کر غرض میں نے چھڑائی اپنی جاں

گو ہمیں یہ جز رقم بھی اُن کو دیتے کھل گئی
مصلحت سے وقت کے لیکن تھی مجبوری یہاں

کیوں کہ لے جاتے عدالت تک اگر اُن کا حساب
اِس سے بڑھ کر صرف ہو جاتا وہاں پر بے گماں

اور طوالت مُفت کی ہوتی نتیجہ کچھ نہ تھا
دے کے صدقہ یہ بلا ٹالی کہ حاصل ہو اماں

جتنی فطرت کی گئی ہے یاں اس امرِ خاص میں
بسط سے مشکل ہے اس تحریر میں اُس کا بیاں

آپ لوگوں کی دعا کی تھی غرض تاثیر یہ
ورنہ اپنی کامیابی کا نہ ہوتا تھا گماں

اِک تو اُن کا شہر اُس پر مُفت کا مالِ حرام
دوسرے خُدّام اور خُدّام بھی کیسے کلاں

تیسرے سیّد مگر سادات کی خصلت سے دُور
مالِ مُردہ کیا کہ مردہ تک مسلّم نوشِ جاں

بھائی بند اُن کے بہت بانکے فسادی بس کی گانٹھ
قوّتِ بازو وحب ایسے ہوں تو اُن کا کیا بیاں

خیر یہ تو تھا ہی طُرّہ اس پہ یہ ملکِ عراق
قاعدے قانون کا سایہ نہیں کوسوں جہاں

دن دہاڑے لوٹ لینا ایک ادنیٰ کام ہے
آدمی کے مارنے میں ہو نہ دقّت کچھ جہاں

یہ تماشا رات دن ہے کوچہ و بازار میں
مار ڈالا ایک کو دو کو کیا گر نیم جاں

مختصر سا واقعہ سنئے نجف کا آج کل
جس کو مرکز علم کا کہتے ہیں سب پیر و جواں

جس جگہ طلاب اور عالم بھی ہیں اکثر مقیم
علم کا چرچا زیادہ ہر جگہ سے ہے جہاں

دو عشیروں میں عداوت ہے کئی سو سال سے
اِک شمرت اور اِک زگرت اُن کے ہیں نام و نشاں

کچھ محلّے اِن کے ہیں اور کچھ محلّے اُن کے ہیں
ہیں مُقیمانِ نجف سب اُن کے اہلِ خانداں

عین مخصوصی کے دن فوراً لڑائی چھڑ گئی
صحن کے اندر لگیں چلنے دنادن گولیاں

چڑھ گئے بعضے تو گلدستوں پہ بندوقیں لیے
بعض نے قبضہ کیا پایا جہاں جس کا مکاں

گولیاں ہر کوچہ و بازار میں پڑنے لگیں
بجلی گارد کی طرح تھا شہر کے اندر سماں

یہ تو اُن کا حال ہے بندوقیں جن کے پاس تھیں
اور نہتّے گھُس گئے تھانے کے اندر ناگہاں

عسکروں کو مار کر بندوقیں اُن کی چھین لیں
اب تو یہ بھی بن گئے پورے سپاہی بے گماں

پھر تو گویا شہر بھر میں مچ گیا اِک قتلِ عام
جو کہ دولت مند تھے اُن کی یہ پھنسی آفت میں جاں

لے لیا سب اُن سے فوراً یا تو گولی مار دی
کون پوچھے بے گنہ مارے گئے کتنے یہاں

کر چکے جب شہر والوں پر یہ اپنا ہاتھ صاف   جھک پڑے زوّار پر پھر الحفیظ والاماں
عورتوں بچّوں کے سارے کپڑے لتّے لے لیئے   مرد یا ننگے ہوئے یا دی انھوں نے اپنی جاں
بند دوکانیں ہوئیں اکثر مرے دوکان دار   بھاگ کر کچھ کربلا تک آ گئے پیر و جواں
لٹ گئے مارے گئے بھاگے تبہ جب ہو چکے   تب حکومت کو خبر پہونچی شلغ ہے کچھ وہاں
فوج بھیجی جائے اب ہونے لگا یہ انتظام   فوج جائے تو کہاں سے فوج آخر ہے کہاں
چیتھڑے پہنے ہوئے ہر شہر میں ہیں لوگ کچھ   قید ہیں جو عسکروں کے نام سے پیر و جواں
کربلا کے ایک میداں میں ہوئے آ آ کے جمع   بھاگ گئے پر پہلے ہی سے جو کہ آمادہ تھے یاں
کوچ کی خاطر لگا بجنے جو ہیں ترکی بگل   چل دیئے اکثر سنا ہے مول لینے روٹیاں
بعض جوتے اپنے ٹکوانے گئے موچی کے پاس   سی رہے تھے بعض اپنی چیتھڑا سی وردیاں
بعض پتھر سے رگڑتے تھے سلاحِ جنگ کو   جس میں چھوٹے زنگ اور چلنے کے قابل ہوں وہاں
بعض قہوہ خانے میں پیتے رہے لے لے کے چائے   بعض لے آئے پنیر اور پیاز کی کچھ گٹھیاں
افسرانِ فوج بھیڑوں کی طرح تھے ہانکتے   اور سپاہی پیٹ کے دھندے میں تھے مصروف یاں
اب خیال آیا کہ جائے فوج آخر کس طرح   کوچ کا تو حکم ہے لیکن سواری ہے کہاں
دنگی سنیے گدھے پکڑے گئے سب شہر کے   تاکہ اُن پر بیٹھ کر جائے سپاہ بے کراں
کربلا میں ہیں گدھے سب سے سوا سقّوں کے پاس   یاں کے انسانوں کی چلتی ہیں گدھوں سے روٹیاں
بھشتیوں سے چھین لائی ان گدھوں کو فوجِ شاہ   جب گدھے چھن جائیں پھر ممکن کہاں آبِ رواں
فوج جائے صبح کو یہ حکمِ تاکیدی تھا گو   اس قدر گڑبڑ مچی شب کو ہوئی یاں سے رواں
فوج کے جب جی میں آیا وہ جب ہی یاں سے ٹلی   کوچ کے خاطر بگل دن بھر بجا پوں پوں ہاں
کربلا سے جب گدھے سب چل دیئے سوئے نجف   آب کی قلّت سے انساں ہو گئے سب نیم جاں
حاکمِ اعلیٰ گئے سوئے نجف سن کر خبر   ایسے آئیں ہیں اِن کی کون سنتا تھا وہاں

خود بخود آخر کو اُن کا شور کچھ کم ہو گیا
فوج کی بیکار آفت میں پھنسی واں جا بجا

سچ ہو یا ہو جھوٹ کیا معلوم اِتنی دُور پر
سُنتے ہیں کچھ امن کی صورت ہوئی ہے اب وہاں

ڈاک کا باقاعدہ یاں پر نہیں ہے سلسلہ
جس سے کچھ حالت کہیں پر کچھ کہیں پر ہو عیاں

ایک دِن کے راستے پر ہیں مگر سب بے خبر
یہ یہاں کا حال ہے جس سے کہ ہو آفت میں جاں

پہلے قاطِر کے سِوا کوئی سواری یاں نہ تھی
اب زمانے نے ترقی اس قدر کی ہے یہاں

کربلا سے تا نجف از کربلا تا کاظمین
نام عرابانہ ہے جن کا چلتی ہیں وہ گاڑیاں

منزلِ مقصود تک پہونچیں اگر اعجاز ہے
گر نہ پہونچیں تو شکایت کا محل کیا ہے یہاں

راستہ بیہڑ گڑھے خندق ہزاروں لوٹ مار
کوچواں اُلّو کے پٹھّے اور چھکڑا گاڑیاں

جب سے گرمی نے جمایا ہے یہاں پر اپنا رنگ
یہ قیامت ہے کہ اب چلتا ہے شب کو کارواں

دن میں جن راہوں سے آتے ہیں ہو زہرہ آب آب
رات کو وہ منزلیں طے ہوں خدا ہی کی ہو شاں

بچ گئے تو بچ گئے مارے گئے مارے گئے
نے شکایت موت کی نے زندگی ہی کا گماں

کہئے اب انصاف سے جب ہو حکومت کا یہ حال
وائے بر حال اُس کے غربت میں پھنسا ہو جو یہاں

خیر یہ بھی زندگی میں واقعہ ہے یادگار
اس سے بڑھ کر امتحاں گاہِ مصیبت ہے کہاں

سچ تو یہ ہے "یک حسینے نیست کو گردد شہید"
"ورنہ بسیار اند در دُنیا یزیدؔ" اور پھر یہاں

سچ ہے دُنیا میں عرب کی قوم ہی وہ قوم ہے
آدمیّت کا نہیں جس قوم میں نام و نشاں

ذاتِ پاکِ مصطفےٰ کا گر نہ یاں ہوتا ظہور
بد ترین قوم تھی بیشک یہ قومِ ناکساں

سُنتے ہیں جو جو قساوت کے وہاں پر واقعے
باعثِ گریہ ہوا کرتا ہے اکثر جو وہاں

یاں پہونچ کر سب وہ ہو جاتا ہے خود پیشِ نظر
ہند میں جن کا حدیثوں میں سُنا ہو گا بیاں

ساتھ ہوتے آپ جب اُس شہر کا کچھ لطف تھا
خاک ایسی زندگی پر سب وہاں اور ہم یہاں

فرقتِ احباب میں اکثر بتنگ آ کے ہیں
وقتِ تنہائی نظر کر کر کے سوئے آسماں

حالتِ غربت میں پڑھتا ہوں یہ اشعارِ صفی
"دُرپئے ایذا ہے گردوں الحفیظ والاماں"

"ہوں وہ قطرہ قعرِ دریا میں جسے سیلاب نے
"تہ نشیں ایسا کیا ملتا نہیں جس کا نشاں"

"ہوں وہ دانہ جس کا خرمن ہو گیا گو نذرِ برق"
"تو بھی پیسے ڈالتی ہے آسیائے آسماں"

"ہے دعا یہ خالقِ ارض و سما سے اب مری"
"اے مرے مالک مرے پروردگارِ آسماں"

"آبرو بخشے جو تو اس قطرۂ گم گشتہ کو"
"دُرّۃ التّاج سعادت ہو یہ پائے عزّ و شاں"

اے جہازِ اُمتِ عاصی کے لنگر المدد
المدد اے قبلۂ عالم امیرِ مومناں

المدد مشکل کشا معجز نما شاہِ نجف
المدد اے چارہ سازِ دردِ قلبِ ناتواں

فرقتِ احباب سے مولا بہت دل تنگ ہوں
لیجیے جلدی خبر اے دست گیرِ بے کساں

"عاقلی نبود ز درماں درد پنہاں داشتن"
آپ سے دردِ دلی کا اپنے کرتا ہوں بیاں

ایسے نازک وقت میں جب کوئی چارہ ہی نہیں
"دوں نہ تکلیف آپ کو آخر تو پھر جاؤں کہاں"

ہند سے آیا ہوں اپنے چھوڑ کر اہل و عیال
آپ ہی کے لطف پر اے بادشاہِ دو جہاں

کامیابی سے مجھے پہونچائیے سوئے وطن
شادماں ہو جائے تا میرا دلِ ناشادماں

یاد رکھیں گے اس افسانے کو اپنے عمر بھر
گر وطن پہونچے تو پھر تفصیل سے ہوگا بیاں

یہ جگہ وہ ہے کہ بس رنج و مصیبت کے سوا
آدمی کے واسطے راحت نہیں ممکن جہاں

دس اگر اچھے تو سو ہیں بانیٔ فسق و فجور
جس کی خاطر مفت میں بدنام ہیں ہندوستاں

مکتبوں میں لونڈے بازی کا سبق پڑھتے ہیں لوگ
مفت کے لونڈے تو ہیں ممکن نہیں گر رنڈیاں

بعض ایسے جن کے عمامے سروں پر ہیں بزرگ
مکتبوں میں فاعل و مفعول ہے وردِ زباں

گر برے ہیں دس تو اچھے بھی ہیں ان میں ایک دو
ہے مثل ہوتی برابر کب ہیں پانچوں انگلیاں

ذاتِ پاکِ شیخ کاظم ایک نعمت ہے عجیب
خاص بہرِ ساکنانِ کشورِ ہندوستاں

کربلا میں بھی اسی صورت سے ہیں سیّد عبود
نیک نفس و پاک باطن مخلص و راحت رساں

ورنہ خدّاموں کی حالت تو ہے بس ناگفتہ بہ — کچھ نہ پوچھو حال ان حضرات کا اے بھائی جاں
عورتیں چالاک اور بیباک ایسی الحذر — واقعے سُن سُن کے جن کے جھیپ جائیں رنڈیاں
اک عفیفہ کا ذرا سا واقعہ ہے پیش کش — عقد میں حضرت نے پھانسا ایک کو پاکر جواں
دوسرے کی سمت جب مائل توجہ کچھ ہوئی — متعہ اُن سے کر کیا دل بستگی کو بے گماں
ثالثٌ بالخیر کا آیا جو ہیں دل میں خیال — تیسرے سے بھی پڑھایا آپ نے صیغہ نہاں
یہ ثلاثہ اتفاقاً قہوہ خانے میں گئے — دوسرے پر حال اپنا اک لگا کرنے عیاں
جب کتھا پوری سُنی حیرت ہوئی ہر ایک کو — برہمی ہو کر لگیں آپس میں چلنے جوتیاں
یہ خبر عورت کو جب پہونچی رفوچکّر ہوئی — رہ گئے منہ دیکھ کر سب عارضی اُس کے میاں
اس طرح کی عورتیں نکلیں گی صدہا اس جگہ — چادر و پیچہ نہیں دھوکے کی ہیں سب ٹٹّیاں
رات دن مردوں کے مجمع میں پھریں آزاد جب — شرم کیسی پھر بھلا عفّت کجا عصمت کہاں
کی ذرا شوہر نے سختی جب تو آفت آگئی — خدمتِ مُلّا میں پہونچیں اور کیا جا کر بیاں
میں نہیں راضی ہوں شوہر سے مجھے دیجئے طلاق — خلع دینے پر میں آمادہ ہوں لے لیجئے یہاں
بس اسی دم کیجیے اَلقَط خدا کے واسطے — کام کا میرے نہیں شوہر نہ جاؤں گی وہاں
لوگ سمجھانے لگے جانے بھی دو جانے بھی دو — کیوں لڑو آپس میں چھوڑو اس بلا ہی کو میاں
پیش دعوے پر کیے دو ایک ایسے ہی گواہ — مولوی صاحب کریں تحقیق یہ ممکن کہاں
ایک کو چھوڑا اگر بس دوسرا فوراً شکار — عورتوں سے الغرض مردوں کی ہے آفت میں جاں
سب سے بہتر ہے کہ جو تنہا کرے اپنی گذر — قیدیوں کی طرح بس دل پر اُٹھائے سختیاں
کنجِ تنہائی سے جو نکلا ہوا فوراً شکار — کچھ نہیں موقوف اس پر پیر ہو وہ یا جواں
گر مجاور ہے تو اور آفت ہے اس کی جان پر — کیا کرے کیونکر بچے آخر چلا جائے کہاں
ہوشیاری کی اگر مردوں کے پھندے سے بچا — عورتوں کی فکر سے ممکن نہیں بچ جائے جاں

دونوں فرقے آبرو کے طالب اور خواہانِ زر
مال کس کس سے بچے محفوظ ہو کس کس سے جاں

اصل تو یہ ہے کہ وہ باتیں ہیں سب ناگفتہ بہ
آکے زوّاروں نے جو جو گُل کھلائے ہیں یہاں

بالخصوص اُن عورتوں نے جو کہ تھیں کچھ مال دار
پاکے آزادی زیارت کے لیئے آئیں یہاں

ہند میں موقع نہیں اِتنا کبھی ان کے لیئے
جس قدر آزاد ہو جاتی ہیں یہ آکر یہاں

جب تشکر ایسا ہو کیوں خُدّام خادم ہو نہ جائے
مُفت کی ہر چیز کی حِلّت میں شک باقی کہاں

دونوں جانب کی رضامندی فقط درکار ہے
یوں بسر ہوتی ہے آخر جس طرح بی بی میاں

گر ہوا بچّہ تو پایا مُفت کا خادم حسین
ہند کو پلٹیں حُصولِ مدّعا سے شادماں

چند خادم ہیں مگر ایسے کہ جو محفوظ ہیں
جن کو پاسِ آبرو اور ہے خیالِ عزّ و شاں

جو کہ ماں بہنیں سمجھتے ہیں پرائی عورتیں
باقی کا حال لکھنے کے نہیں قابل یہاں

قافلہ آیا اِدھر دِل میں ہوئی لوگوں کے فکر
اِس میں کتنی عورتیں بڑھیا ہیں اور کتنی جواں

کون سی عورت ہے ایسی جس سے ہو دل بستگی
دو گھڑی کی دل لگی کچھ روز ہو جائے یہاں

کوئی فیض آبادی صندقچی کا دل سے خواستگار
حیدرآبادی کی خاطر کوئی مثلِ نیم جاں

لکھنؤ کی جنس کا خواہاں بنارس کا کوئی
پٹّنے کھاتا ہے پٹنے کے لئے کوئی جواں

مثلِ آئنہ مرشد آبادی کی خاطر کوئی زرد
اور کسی کو یاد کلکتّے کی نازک ساریاں

ہے کسی کی ناک میں بوئے جونپوری بسی
کوئی سچّے مال کا دہلی کے دل سے قدرداں

کوئی دیہاتوں کی بھولی صورتوں کا خواستگار
کوئی اہلِ شہر کے انداز میں رطب اللّساں

شوق اِدھر کا یہ اُدھر کا بھی یوہیں ہے اشتیاق
کالی کالی صورتوں سے سابقہ جن کو وہاں

مُرزقی لاغر افیمی سے ہوں جن کے ہم نشیں
خواب میں یہ صورتیں اُن کو میسّر ہوں کہاں

موٹے تازے طاقت آور اور پھر سرخ و سفید
جنس ایسی ہند میں آخر میسّر ہو کہاں

ہے یہی نعمت کہ ہم خرما میسّر ہم ثواب
چھوڑ کر ایسی جگہ دنیا میں یہ جائیں کہاں

یہ عموماً درس خوانِ مکتبِ شیطان ہیں — چھو کری ہیں اُن کے آگے ہند کی سب رنڈیاں
عورتوں کو جب نظر مردوں کا آیا واقعہ — یہ حکایت سُن کے اُن کو ضبط کی طاقت کہاں
جب قلم مردوں کا دیکھا ہوگیا وقفِ دوات — مستعد یہ بھی لڑانے پر ہوئیں خود تختیاں
کیا کریں بیکار آخر وقت کاٹیں کس طرح — مشغلہ کوئی تو ہو جس سے کہ دل بہلے یہاں
اک تو خود چالاک اور بے باک ایسی الحذر — واقعے سُن سُن کے جن کے جھینپ جائیں رنڈیاں
گر نہ ہوتا ذفن سبطِ رحمتہ للعالمیں — بارِ عصیاں سے اُلٹ جاتی زمیں بے گماں
امن اسی سے ہے کہ زیرِ سایۂ مظلوم ہیں — ورنہ اچھوں کی تباہی مفت ہو جاتی یہاں
ان گنہ گاروں پہ اپنے بارِ الٰہا رحم کر — کر عطا توفیقِ نیک اِن کو خدائے دو جہاں
واسطہ حق کا اُسی مظلوم کے اے کبریا — عاجزوں پر رحم کر اے چارہ سازِ بندگاں
اِن بلاؤں سے الٰہی تو انھیں محفوظ رکھ — اشتیاقِ خدمتِ مولا میں جو آئیں یہاں
یا الٰہی یہ دُعا مقبول کی مقبول ہو — پاک پلٹیں ہر گنہ سے ساکنِ ہندوستاں

جو مجاور ہیں مصائب سے اُنھیں محفوظ رکھ
اور جو زوار ہیں وہ گھر کو جائیں شادماں

نظم نمبر ۱۱   **سنہ ۱۹۰۶ء**   **تعداد اشعار ۱۷**

۲۷ اکتوبر مطابق ۸ رمضان سنہ ۱۳۲۴ھ

نوٹ۔ اس نظم سے پتہ چلتا ہے کہ عراق میں جب ترکوں کی حکومت تھی تو اُس وقت کیسی بدنظمی کا سامنا تھا۔ بالخصوص ایرانی افراد کا سب کے ساتھ عمال حکومت کا کس قدر متعصبانہ اور بے دردانہ برتاؤ تھا۔ روزمرہ عراقی فارسی میں واقعات نہایت خوبی سے نظم ہوئے ہیں مادۂ تاریخ بھی خونیں واقعات کا اظہار کر رہا ہے۔ تین عدد کا تخرجہ بھی بہت حسن سے ہوا ہے گیارھویں شعر میں ہُدہُد کا ذکر ہے مگر یہ نہ معلوم ہو سکا کہ وہ کون شخص تھا کہ باوجود ایرانی نہ ہونے کے شکار کر ڈالا گیا۔ (صفی عفی عنہ)

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور یا محذوف   ارکان مفعولُ فاعلاتُ مفاعیلُ فاعلات یا فاعلن

در سالِ یک ہزار و سہ صد بست و چار حیف   از بہرِ پول شہر بہ ایں دستگاہ شد
تعطیل شد ز پنجم شعبان بہ کاسبی   در شہرِ نو قیام ہمہ تین راہ شد
چادر زدند بر درِ نواب کاسباں   از کثرتِ خیام دگر خیمہ گاہ شد
نقصان و ہم شماتتِ ہمسایۂ حریف   روئے سفید از غمِ ذلت سیاہ شد
آمد چو ایلچیٔ اجل بہرِ مقدمش   چوں گوسفند فدیۂ ہر بے گناہ شد
کشتی آبروئے رعایا شکست و حیف   تا ناخدا نہ ذرّہ خبر آہ آہ شد
از کم توجہیِ دبیرانِ خود پسند   بے عار شد رعیّت و بدنام شاہ شد
در گوشِ غفلت آہ فرو شد نہ ایں خبر   ہنگامۂ ز گاوِ زمیں تا بہ ماہ شد
زیں شاں کہ با کسے نہ اذیّت رسیدہ بود   پس کشت و خوں خلاف بحکم الٰہ شد
آناں کہ زیں جہاں سوِ ملکِ عدم شدند   از دستِ بردِ رزمِ اینہا پناہ شد
ہُدہُد کہ او تعلق از ایرانیاں نداشت   صد حیف بے گناہ شکارِ سپاہ شد

از دست رفت حرمتِ ماہِ صیام حیف — بعد از نماز قتل چو ہر بے گناہ شد
اسلام با یہود نکرد ایں چنیں سلوک — عُریان دُخت لاشۂ ہر دادخواہ شد
قالین و رختِ خواب و سماوار و دستگاہ — چیزے بجا نماند نصیبِ سپاہ شد
بودند زیرِ بیرقِ انگلش ہمہ مقیم — ایں سالِ عیسوی پئے آنہا گواہ شد
ہنگامِ صبح بعدِ اذاں ہشتم صیام — از گُلۂ تفنگ جماعت تباہ شد

شد پائمال چوں سرِ جرأت نفاق گفت
بے جرم خیمہ گاہِ عجم قتل گاہ شد
(۱۹۰۹ - ۳ =)
سنہ ۱۹۰۶ء

نظم نمبر ۱۲ — دسمبر ۱۹۰۶ء — تعداد اشعار ۱۸

خط منظوم نمبری ۲ بطور تضمین

بنام مرزا مقبول حسین پٹیالہ

نوٹ۔ کربلا میں مرزا صاحب سے ملاقات ہوئی چونکہ ظریف کے ہم نام بھی تھے اور ہم مذاق بھی اس لئے دوستی بڑھ گئی معلوم ہوتا ہے کہ بعد زیارت مرزا صاحب اپنے وطن واپس گئے اور وہاں سے خط وکتابت ہوتی رہی اسی کے سلسلے میں یہ اشعار بطور تضمین کہہ کر ظریف نے انھیں بھیجے۔

(صفی عفی عنہ)

بحر۔ رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

ہے یہ قسمت کی رسائی کہ جو حضرت سے ملا — پر تأسف ہے کہ خدمت نہ ہوئی کوئی ادا
دفعتہً آپ وطن کو گئے اور میں تنہا — اکثر اوقات یہی شعر بس اب ہوں پڑھتا

"حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد"
"روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد"

آپ کی لطف و عنایت کا کروں کیا اظہار — آپ کی مدح و ثنا مجھ سے ہو یہ ہے دشوار
دھیان آتا ہے جب اُن باتوں کا مجھ کو ہر بار — آپ سے چھٹنے پہ کہتا ہوں یہی آخر کار

"حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد"
"روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد"

ایک ناچیز پہ یہ لطف تھا اللہ اللہ — اِک مسافر پہ یہ اُلفت یہ محبت کی نگاہ
عمر بھر یاد رہے گی یہ عنایت واللہ — شومیِ بخت سے پر ساتھ رہا کچھ بھی نہ آہ

"حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد"
"روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد"

آپ کے خُلق کی توصیف میں قاصر ہو زباں — آپ کی بندہ نوازی کا ہو کس مُنہ سے بیاں
آپ سے ملنے کا ہر وقت ہے دل میں ارماں — ہم کہاں آپ کہاں کہتے ہیں اب یہ ہر آں

"حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد"
"روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد"

دیکھیے آپ سے اب ہوتا ہے ملنا کیونکر — آب و دانہ نہیں معلوم کہ لے جائے کدھر
نوکری پیشہ کب آزاد ہے مابینِ سفر — غم غلط ہو گیا تھا آپ سے مل کر دم بھر

"حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد"
"روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد"

آپ کے دامِ محبت کا گرفتار حنیف — آپ کا بندۂ بے دام و گنہگار حنیف
آپ کی لطف و عنایت کا طلبگار حنیف — شوقِ دیدار میں کہتا ہے یہ ہر بار حنیف

"حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد"
"روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد"

نظم نمبر ۱۳ — جنوری سنہ ۱۹۰۷ء — تعداد اشعار ۶۲

خط منظوم نمبری ۹ مع قطعۂ تاریخ شادی نواب حامد علی خاں
بنام حکیم میر جعفر حسین مرحوم ملازم دار الشفا چوک لکھنؤ

نوٹ۔ حکیم میر حیدر حسین مرحوم کے منجھلے بیٹے حکیم میر جعفر حسین مرحوم شاہی دار الشفا چوک لکھنؤ میں طبیب تھے ظریف مرحوم جب کربلا میں مقیم تھے اُسی زمانے میں حکیم صاحب موصوف بھی بقصدِ زیارت عراق گئے تھے۔ روشناس تو پہلے ہی سے تھی عراق میں چند روز ساتھ رہنے سے ارتباط بہت بڑھ گیا۔

حکیم صاحب زیارت کے بعد لکھنؤ واپس چلے آئے تو ظریف سے خط وکتابت کا سلسلہ برابر جاری رہا یہ خط منظوم حکیم صاحب کے خط کا جواب ہے جو اُنھوں نے ظریف کو در بارۂ تاخیر ارسال خط شکایتہً لکھا تھا ظریف نے کل خط اور اُس کے لفافے کا پتہ سب نظم میں لکھا ہے، خط میں عراق کے سردی کا حال شاعرانہ انداز میں خوب نظم کیا ہے۔ اسی کے ساتھ ایک قطعۂ تاریخ شادی نواب حامد علی خاں بھی ہے جو ظریف کے دوست ہیں اور جن کا عقد ثانی بنت آصف مرزا مرحوم خلف شاہزادہ میرزا سلیمان قدر کے ساتھ اسی سال ہوا تھا۔ (صفی عفی عنہ)

سرنامۂ منظوم

بحر متقارب مُثمّن مقصور یا محذوف۔ ارکان فعولن فعولن فعولن فعول یا فعَل

بعونِ خداوندِ کون ومکاں — عریضہ بہ اقلیم ہندوستاں
بہ آنِ سعید و بوقتِ نکو — مع الخیر در بلدۂ لکھنؤ
رسیدہ از آنجا بفضلِ خدا — رسد چوک در عینِ دار الشفا
بعالی جنابِ فضائل مآب — مسیحِ زماں مرجعِ شیخ وشاب
محبِّ شہنشاہِ بدر و حنین — مُحیطِ کرم میر جعفر حسین
حکیمِ خلیق و طبیبِ نکو — رفیع الہمم زاد الطافہٗ

(مرسلہ)

مقیمِ حرم مردِ بے عار و رند — حنیف عراقی و مقبول ہند
لگا ڈھائی آنے کا ہے یہ ٹکٹ — کہ بیرنگ ہو کر نہ آئے پلٹ

نامۂ منظوم

جنابِ مُعظّم رفیع المکاں
مسیحائے عہد و وحیدِ زماں

ہمارے لیۓ واجب الاحترام
مسمّی امام علیہ السلام

پس از عرضِ تسلیم باصد نیاز
گذارش ہے خدمت میں بندہ نواز

کہ تعلیقۂ نظمِ ذی شاں ملا
مجھے نسخۂ دردِ ہجراں ملا

مسرت ہوئی قلبِ مہجور کو
ملی روشنی چشمِ بے نور کو

کچھ ایسے بکھیڑوں میں تھا مبتلا
عریضہ نہ میں واقعی لکھ سکا

بجا ہے جو کچھ آپ کو ہے گلا
معافی ہوں تقصیر کی چاہتا

معاف آپ فرمائیں بہرِ خدا
زخرداں خطا و بزرگاں عطا

میں الطاف بے حد کا مشکور ہوں
مگر کیا کروں سخت مجبور ہوں

بکھیڑوں کا یاں کے الم اک طرف
فراقِ احبّا کا غم اک طرف

کبھی اپنی تنہائی کا ہے ملال
کبھی صدمۂ ہجرِ اہل و عیال

مگر خیر بہتر ہے ایسا ملال
مسرت ہو جس رنج و غم کا مآل

بفضلِ خداوند و ربِّ قدیر
رہا جلد ہو کیا عجب یہ اسیر

فقط اب ہے عاشور کا انتظار
سوم کر کے ہوں گا یہاں سے سوار

ہے بالفعل موسم کی حالت عجیب
وہ سردی نہ دشمن کو جو ہو نصیب

یہ سردی نہیں بلکہ جنجال ہے
بقولِ صفی اب تو یہ حال ہے

"کدھر ہے تو اے ساقی شوخ و شنگ"
کہ "سردی نے اپنا جمایا ہے رنگ"

"ذرا چاہیئے پشت گرمی تجھے"
کہ جاڑے سے پالا پڑا ہے مجھے"

"دل افسردگی سے بہت خستہ ہے — لہو ہر رگ و پے میں یخ بستہ ہے"
نہیں اس میں کچھ واقعی شاعری — یہاں پر ہے جاڑے کی حالت یہی
لکھوں واقعہ بہرِ دل بستگی — ہے کیا برف باری میں برجستگی
اُٹھا میں جو اک دن بوقتِ صباح — میاں جاڑے صاحب کو سوجھی مزاح
پئے رفعِ حاجت جو ہیں میں گیا — ٹھٹھرتا ہوا سوئے بیتُ الخلا
اُٹھایا جو لوٹا فراغت کے بعد — طہارت کو رفعِ ضرورت کے بعد
جُھکاتا ہوں جب اس کو میں اے جناب — ٹپکتا نہیں ایک قطرہ بھی آب
اِدھر مارے سردی کے ہے حال غیر — اُدھر برف موجود پانی بخیر
نہ تنہا فقط منجمد آب تھا — جما پائے خانے میں پیشاب تھا
بڑی خیریت کہیئے یہ ہو گئی — جو قفلی میں جمتا ٹھہرتی بُری
پکاروں کسے اور کسے دوں صدا — سُنے کون یہ راگ بے وقت کا
سُنی آدمی نے بدقّت صدا — جب آیا تو پانی دوبارا ملا
اذیّت اسی طرح گر پاؤں گا — سماوار اب لے کے میں جاؤں گا
سمجھتے ہیں سب پائے خانہ جسے — بناؤں گا میں چائے خانہ اُسے
یہی حال ہے صبح سے شام تک — کہ اُٹھنے کا لیتا نہیں نام تک
بڑے ہی بڑے وقت ہوتا ہے صرف — جو نکلوں تو موچھوں پہ جمتی ہے برف
شب و روز پہلو میں منقل ہے گرم — مگر آگ کرتی ہے سردی سے شرم
حرارت جو منقل سے آگے بڑھے — تو سردی لپک کر گھوڑیّاں چڑھے
مصیبت میں ہیں اب تو برنا و پیر — ہیں سب ساکنِ خطّۂ زمہریر
وہ گرمی کا نقشہ یہ سردی کا رنگ — نہ کچھ پوچھیے جان سے ہیں بتنگ

نیابت زیارت میں کرتا ہوں میں　　دعا جا کے حضرت میں کرتا ہوں میں
الٰہی بحقِ امامِ زماں　　رہیں آپ مسرور اور شادماں
مجھے نظم لکھنے کی قدرت کہاں　　بھلا مجھ میں اِتنی لیاقت کہاں
تھی تعمیلِ احکام واجب فقط　　اِسی سے لکھا نظم میں، میں نے خط
جو کچھ اس میں واقع ہوں عیب و خطا　　اُنھیں دیکھئے گا بچشمِ عطا
دیا میں نے ہر ایک کو یہ پیام　　کہ حضرت نے لکھا ہے سب کو سلام
یہ کہتے ہیں احبابِ ذو الاحترام　　سلامٌ علیکم علیک السّلام

غریب الوطن ناخوشِ بے طبیب
مُسمّیٰ بہ مقبولِ ہجراں نصیب

قطعۂ تاریخ کتخدائی نواب حامد علی خاں صاحب

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

بڑی حیرت ہے آخر یہ خبر پہونچی یہاں کیونکر
بنے حامد علی خاں دفعتہً دولھا میاں کیونکر

قلم ہم قد ہے اُس کو اس لیئے جوشِ مسرت ہے
خبر شادی کی سُن کر پھر رُکے اُس کی زباں کیونکر

نہ صحبت ناچ کی ہو اور نہ ہو دعوتِ ولیمہ کی
بھلا مقبول ہوں گی اس طرح کی شادیاں کیونکر

بغیر احباب کا حصّہ لگائے یہ تعجّب ہے
اکیلے ہضم کیں دولھا نے شاہی پنیڑیاں کیونکر

بڑا جلسہ ہوا ہوگا دُلھن کے گھر پہ کیوں دُولھا؟
جہاں پر ناچ تھا پھیر در کل ناچیں رنڈیاں کیونکر

دُلھن کو لے کے جاؤ اپنے گھر تک چپکے ہی چپکے
بتاؤ تو نہ دیں شہدے تمھیں پھر گالیاں کیونکر

تمھیں انصاف سے کہدو جو کوئی گھر کا بھیدی ہو
چھپا سکتے ہو تم اُس شخص سے رازِ نہاں کیونکر

بڑی سسرال اس پر اور طرہ دوسری شادی
غریبوں سے تم اب ملتے ہو دیکھیں مہرباں کیونکر

جو کم ہو مادّہ نوشاہ، تین اُس میں ملادینا
کتخدّ حباجی کی شادی ہے نہ ہوں ہم شادماں کیونکر

= ۳ + ۱۳۲۱

سنہ ۱۳۲۴ھ

سنہ ۱۵ ۱۹ء

نظم نمبر ۱۴ — تعداد اشعار ۳۲

افیونیوں کا رجز

۱۱ سنہ ۱۹ء میں جب مسلم لیگ اور ایجوکیشنل کانفرنس کا جلسہ قیصر باغ کی سفید بارہ دری میں ہوا تو احباب کے اصرار پر مؤخر الذکر جلسے میں ایک نظم موسوم بہ "جذبۂ اسلام" میں نے پڑھی اور وہ اسلامی حلقوں میں اس قدر پسند کی گئی کہ صوبۂ متحدہ کے ہر مقام پر قومی ترانے کی حیثیت سے اس کے اشعار لوگوں کی زبان پر تھے۔

علی گڑھ میں ایک عیسائی لیگ نے اسی ردیف و قافیہ میں ایک ناموزوں نظم کہہ کر بہت کچھ مسلمانوں کو بُرا بھلا کہا اور پھر گورنمنٹ سے جذبۂ اسلام کے متعلق خود ہی شکایت کی چنانچہ صاحب جوڈیشل کمشنر نے بلا کر مجھ سے دریافت کیا اور میں نے جواب دہی کی قصہ رفت و گذشت ہوگیا۔ اس کے بعد ہمارے معاصرین میں سے ایک صاحب نے وفاداری دولت برطانیہ کے اظہار میں ایک نظم اسی ردیف و قافیہ میں کہی چونکہ جنگ عظیم کا زمانہ تھا۔ اس لئے ردیف و قافیہ میں افیونیوں کی طرف سے یہ رجز خوانی ظریف نے لکھ کر شایع کردی۔

۱۴ سنہ ۱۹ء میں جو طویل جنگ جرمن برٹش فرانس بلجیم اور گرد و پیش کی حکومتوں میں ہوئی اس میں ہندستانی سپاہیوں نے بھی بہت کچھ داد شجاعت دی اور اس زمانے کے اخباروں میں اور یوں گھر گھر جنگ کا بہت چرچا تھا۔ لکھنؤ میں افیونیوں کا طبقہ ایک خاص ذہنیت اور خاص طرز معاشرت کا حامل ہے اور آثار قدیمہ کے طور پر ایک یادگار جماعت ہے چنانچہ اس نظم میں اُن کی ذہنیت و جذبات کی بہت دلچسپ عنوان سے ترجمانی کی گئی ہے۔

(صفی عفی عنہ)

بحر ہزج مثمن اخرب سالم — ارکان مفعولُ مفاعیلن مفعولُ مفاعیلن

ہم لوگ ہیں افیونی جب رنگ جما دیں گے
جرمن ترے نشۂ کو مٹی میں ملا دیں گے

برلن ہی میں دم لیں گے واللہ جو چڑھ دوڑے
افیون کے مُشکی کی جب باگ اُٹھا دیں گے

تو ہم سے بہادر یا ہم تجھ سے بہادر ہیں
میکسم اُسے سمجھے گا لشکر ترا اے جرمن
بچھوے کو بھرا ہم نے جس وقت مدریہ میں
ہے گولیاں کھانے کی دن رات ہمیں عادت
سرکار کے دشمن کو ہم کوس کے کھالیں گے
رُستم سے سوا طاقت ہو جائے گی ہم سب میں
لے لے کے چھری گدکا جب پیترے بدلیں گے
ہم لے کے بنیٹھی کو بن جائیں گے گھن چکر
لٹھ لے کے جہاں پہونچے سر توڑ دیا فوراً
جرمن ہو کہ اسٹریا پالی ہیں اگر آئیں
زپلین جو اُڑاتا ہے جرمن ہمیں کیا پروا
اتنے تجھے ہم ڈھیلے ماریں گے ابے جرمن
گو مثل بئے کے ہم اک جھونجھ میں بیٹھے ہیں
برٹش کی رعایا ہیں لڑ بھڑ تو نہیں سکتے
لیسنس سے مستثنیٰ چاقو تو ہے قبضے میں
زلفیل کی تو صورت بھی ہم نے نہیں دیکھی ہے
ہم شیر کا پس خوردہ کھائے ہوئے گیدڑ ہیں
اُنیس ۱۹ برس گذرے طاعون سے لڑتے ہیں
ہم قحط کے مارے ہیں مرنے سے نہیں ڈرتے
تو مار بھی ڈالے گا تو یاد رکھ اے جرمن

پینک سے ذرا چونکیں پھر تجھ کو بتا دیں گے
ہم ڈیڑھ خمے حقے" کی گڑ گڑ جو سنا دیں گے
تو کھانستا بھاگے گا دہ گیں اُڑا دیں گے
افیون کی تو ڈبیہ دیکھے تو دکھا دیں گے
اور اپنے تصوّر سے نام اُس کا مٹا دیں گے
جب جائے میں بالائی تھوڑی سی ملا دیں گے
برلن کے اکھاڑے میں اک دھوم مچا دیں گے
بھنّاٹا دہ باندھیں گے سر تیرا پھرا دیں گے
جرمن تری توپوں میں ہم بانس چلا دیں گے
ہم اپنے کریزوں سے دونوں کو بھگا دیں گے
کنکوے میں چمٹا کے میداں میں گرا دیں گے
خاکی تری وردی کو مٹی میں ملا دیں گے
دیکھے گا تماشا تو، لا توپ چھڑا دیں گے
دعوے کی شہادت میں قانون دکھا دیں گے
اوچھے ہی سہی لیکن دو ہاتھ جما دیں گے
گا جر کے پڑاقوں سے ہم تجھ کو بھگا دیں گے
تو بھاگ کھڑا ہو گا بھبکی جو بتا دیں گے
موت آئے تو اک ٹیکا اُس کے بھی لگا دیں گے
اک دانہ یہ جب آئے دش بیس بھگا دیں گے
بن جائیں گے ہم بھتنے راتوں کو ڈرا دیں گے

لا اپنے کر دزر کو دیکھیں تو وہ کیسا ہے
ہم گومتی میں ڈنگیا پر چڑھ کے بھگا دیں گے

لے لے کے ڈگن پہونچے جب وقت سمندر میں
آفت میں تری تحت البحروں کو پھنسا دیں گے

جرمن تجھے دعویٰ ہے تو چوک میں تو آجا
گت تیری بنا دیں گے پھر تجھ کو نچا دیں گے

بلجم سے کہو تیرا جب ملک ملے تجھ کو
ہم از رہِ ہمدردی کچھ اور بڑھا دیں گے

دعدوں کو ہمارے تو سچ جان کے چپکا رہ
اے تو سہی ہم برلن بھی تجھ کو دلا دیں گے

ہم روس سے ناخوش تھے اب اُس سے بہت خوش ہیں
ٹھیکے پہ جو آئے گا افیون پلا دیں گے

شاباش ہے اے اٹلی لینا تو مرے شیرا
دشمن سے لڑے جانا ہم لوگ دعا دیں گے

ترکوں سے کوئی کہدے کیوں لڑتے ہوئے آغا
تم جان اگر دو گے دشمن تمھیں کیا دیں گے

جن لوگوں کے کہنے سے تم جان گنواتے ہو
بنّا یہی سب مل کے اک روز دغا دیں گے

شاباش ظریف ایسا لکھّا یہ رجز تم نے
ہم سب کا ارادہ ہے چندے سے صلا دیں گے

سَیلاب

نوٹ اس نظم میں ظریف مرحوم نے ۱۹۱۵ء کی بارش اور سیلاب کی وجہ سے جو باشندگان شہر کی حالت ہوئی تھی اُس کا فوٹو کھینچا ہے۔ (صفی عفی عنہ)

بحر رمل مثمن مشکول — ارکان فعلاتُ فاعلاتن فعلاتُ فاعلاتن

کہیں ہے صدائے ماتم کہیں نوحے کی صدا ہے — کہیں کوئی رو رہا ہے کہیں کوئی رو رہا ہے
جو ہو سامنے یہ منظر تو قرار آئے کیونکر — وہ اُٹھا ہے درد دل میں کہ جو دردِ لادوا ہے
کھڑے دیکھتے ہیں میدان میں برس رہا ہے پانی — یہ مکان گر رہا ہے وہ مکان گر رہا ہے
وہ نکل پڑے گھروں سے جو تھے پردہ دارِ عصمت — کسی سر پہ ہے دوپٹا کوئی فرق بے ردا ہے
وہ پڑی ہے اپنی اپنی کہ خبر نہیں کسی کو — کوئی دَب کے مر رہا ہے کوئی دب کے مر گیا ہے
وہ تباہی آگئی ہے کہ نکل پڑے گھروں سے — کہیں کوئی جا رہا ہے کہیں کوئی جا رہا ہے
کوئی کہہ رہا ہے نکلو ارے اس مکاں سے نکلو — کوئی دِل سنبھالے گرتے ہوئے گھر کو دیکھتا ہے
کوئی کہہ رہی ہے بھائی کو مرے خدا بچائے — کوئی کہہ رہی ہے لوگو مرا بچّہ دَب گیا ہے
کوئی کہتی ہے کسی سے کہ بچا اِن آفتوں سے — کہ خدائی بھر میں مجھ کو ترے دَم کا آسرا ہے
نہ بچاؤ، اپنے گھر میں نہ کہیں امان کی جا — جدھر آج آنکھ اُٹھی ہے تو قضا کا سامنا ہے
جو کہیں یہ گھر سے جائیں تو کدھر سے ہو کے جائیں — کہ مکان گر رہے ہیں ابھی بند راستا ہے
اِدھر آ رہی ہے بہیّا وہ اُبل رہا ہے پانی — کوئی غرق ہو رہا ہے کوئی غرق ہو چکا ہے
مرے ادبرن بہادر بھی ہیں مستعد برابر — اُسے دیکھتے ہیں جا کر جو مقام خوف کا ہے
یہی کوششیں ہیں ان کی کہ ملے ہر اک کو راحت — کہیں پڑ رہے ہیں چھپر کہیں خیمہ کھنچ رہا ہے

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۱۶ ۱۶ ۱۹ء تعداد اشعار ۱۹

لکھنؤ میونسپلٹی میں پانی کی قلّت

بحر ہزج مثمن سالم ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

کمی پانی کی واٹر ٹیکس کے دریا میں طغیانی
کہاں تک چپ رہیں جب سر سے اونچا ہو گیا پانی

مسلماں اور ہندو دونوں آنکھیں تھیں حقیقت میں
کہ جن سے دیکھنے میں بورڈ کو ہوتی تھی آسانی

اِدھر اک آنکھ بیٹھی دوسری کمزور ہے دیکھو
ہمارے شہر کی میونسپلٹی ہو گئی کانی

مسلمانوں کی کثرت بورڈ میں پانی کی یہ قلّت
"چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی"

خدایا ممبروں کی بے بسی پر رحم کر اپنا
کمشنر بن گئے تھے یہ بہ ہمدردیِ انسانی

یہ کیا معلوم تھا اولے پڑیں گے سر منڈاتے ہی
کنویں جھنکوائے گی طمعِ خطابِ رائی دخانی

یہ وہ انّائیں ہیں رکھتی ہیں جو بے دودھ بچّوں کو
رپوٹیں بورڈ میں خالی پڑھی جاتی ہیں طولانی

یہ مانا تم کو بھی پانی نہ ملنے سے اذیّت ہے
مگر اتنی کہ اب کھانے لگے ہو کچّی بریانی

تمھیں تو پیاس میں سوڈے کی بوتل مل ہی جاتی ہے
دو وقتہ ٹب میں بھر دیتا ہے سقّا غسل کو پانی

ذرا بیبے یہ جا کر حال دیکھو ان غریبوں کا
ہے قحطِ آب کے باعث جنھیں تکلیفِ روحانی

سول کی گھانس تک ہم ایسے ذی روحوں سے بہتر ہے
کہ بے مانگے جسے افراط سے ملتا تو ہے پانی

خوشامد کر چکے کچھ کام آؤ اب غریبوں کے
کہاں تک محض اپنے واسطے فکرِ تن آسانی

خدائی فوجدار انجینیر صاحب بہادر ہیں
ڈر ان کو فوجداری کا نہ مطلق خوفِ دیوانی

مریضانِ عطش چاہے جئیں چاہے مریں لیکن
دوا کی طرح دونوں وقت پائیں گے فقط پانی

ہمارا لکھنؤ لندن سے بھی ہے دو قدم آگے
وہاں خوراک کی قلّت یہاں نایاب ہے پانی

وہی پھر ڈول رسّی اور گراری ڈھونڈھی جاتی ہے — اُنھیں باتوں پہ اہلِ شہر کی ہنستے ہیں دہقانی
کہاں ہیں ہیلتھ افسر جو کنوؤں کو بند کرتے تھے — مُضر حفظانِ صحّت کے لیے تھا بے چھنا پانی
ضرورت پر وہی اب سب کو پینے کی اجازت ہے — "چُرا کارے کُند عاقل کہ باز آید پشیمانی"
شکایت کون سُنتا ہے کھری کہنے سے کیا حاصل
ظریفؔ اب چُپ رہو تم بھی کہ یہ قصّہ ہے طولانی

نوٹ لکھنؤ میونسپلٹی کے ہندو اصحاب سیٹوں کی تعداد کے مسئلے میں بیٹھ رہے تھے اُس وقت بورڈ کل مسلمان تھا اور ایک صاحب یک چشم چیرمین تھے کہ دفعتہً شہر میں واٹر ورکس کے پانی کی قلت اور اضافۂ ٹیکس سے سخت تکلیف ہونے لگی بڑے بڑے جلسے اظہارِ تکلیف کے لیئے منعقد ہوئے لہٰذا بذریعۂ نظم ظریف نے اظہارِ خیال کیا۔

(صفی عفی عنہٗ)

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۱۷ — سنہ ۱۹۱۷ء — تعداد اشعار ۳۰

ارکانِ شیعہ کالج

شیعہ کالج فونڈیشن کمیٹی کا جلسہ

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

کھچڑیاں کالج کی پکیں حسبِ استعدادِ قوم
دیگ میں پنڈال کے گھل مل گئے اضدادِ قوم

کچھ نئی تعلیم والے کچھ پرانی وضع کے
قوم اک اک فرد جن میں جمع وہ افرادِ قوم

مشورہ یہ ہے کہ کالج کے لئے چندہ ہو جمع
بن گیا گر یہ تو، قائم ہو گئی بنیادِ قوم

جتنے اہل الرائے ہیں اُن میں ہیں اکثر مستطیع
ان کو کیا احساس ہے کس حال میں افرادِ قوم

فی صدی نوّے تو مفلس فی امان اللہ ہیں
پھر یہ بے چارے کریں گے کس طرح امدادِ قوم

فیس دینے کو نہ ہو گی جب پڑھیں گے کس طرح
سیرِ کالج سے نہ بڑھ جائے گی استعدادِ قوم

تین دن تک قوم کی دعوت ہوئی چھکّا پلاؤ
پیٹ بھر جائے تو کوئی کیا سنے فریادِ قوم

نقد چندہ کم ہوا، وعدے ہزاروں کے ہوئے
اس نمائش میں زبانی ہو گئی امدادِ قوم

جس قدر چندہ دیا اتنی ہی صلواتیں سنیں
غل غپاڑے میں سنائی دی نہ کچھ فریادِ قوم

دفترِ قومی پریشاں ہو تو اُس کی قدر کیا
ہے جو فاضل آلپین نتھّی افرادِ قوم

اس جگہ بہرِ مدارا جمع ہیں قومی طبیب
جو فقط لیموں لگاتے ہیں کھجا کر دادِ قوم

دیکھتے تھے سب کو قومی منتظم اک آنکھ سے
اس میں بینا ہو کوئی یا کورِ مادر زادِ قوم

جلسۂ قومی کو ان سب نے تھیٹر کر دیا
لیں ٹکٹ پہلے جو کرنے جائیں کچھ امدادِ قوم

الفرڈ ناٹک میں ہو تخصیصِ حیثیت مگر
یاں ٹکٹ سب کا برابر واہ ری ایجادِ قوم

قوم کا بہروپیہ بھی ہے نمائش گاہ میں
پارٹ اُس کا بہرِ تفریحِ دلِ ناشادِ قوم

سر پہ دستارِ فضیلت پاؤں میں ڈاسن کا بوٹ
نیچے جنٹلمین اُوپر صورتِ زہّادِ قوم

دین کا دلّال آدھا اہلِ دُنیا کا اجنٹ
مولوی بھی ماسٹر بھی واہ رے اُستادِ قوم

کعبۂ کالج کی جانب توڑ کر اپنی نکیل
بلبلاتا آرہا ہے اُشترِ بغدادِ قوم

ایک قومی تیندوا بھی اس کٹہرے میں ہے بند
جس کا رمنہ ہے ترائی مزرع، آبادِ قوم

قومی اک بھالو علی بابا جسے کہتے ہیں لوگ
وہ گرو چالیس قزّاقوں کا اور اُستادِ قوم

وہ جو خبنہ سا نظر آتا ہے بن مانس نہیں
بھیڑیے کے بھٹ سے نکلی ہے یہی اولادِ قوم

قومی اِک بندر بھی اِس زندہ عجائب گھر میں ہے
جو کہ ناداں دوست سے کرتا ہے گو امدادِ قوم

ہے اِسی جلسے میں قومی ایک خرگوشِ سفید
گھونس بن کر کھودتا رہتا ہے جو بنیادِ قوم

ایک جیرفٹ بھی ہے اس قومی نمائش گاہ میں
عالمانِ قوم کہتے ہیں جسے ہمزادِ قوم

خدمتِ عالی میں سب کی ہے یہی بس التماس
جمع ہیں یہ جس قدر ابدالِ قوم اوتادِ قوم

صنعت و حرفت کی پہلے درسگاہیں کھولیے
حضرتِ والا اگر منظور ہے امدادِ قوم

جتنے مفلس ہوں اُنھیں دے کر وظیفہ، دیجیے
اِس قدر تعلیم جو لکھ پڑھ سکے اولادِ قوم

یہ نہیں جب تک تو پھر کالج سے آخر فائدہ
چھت نہایت پختہ لیکن خام کُل بُنیادِ قوم

روک لے تیغِ زباں کو اپنی خاموش اے ظریف
ہم نے یہ مانا کہ تو ہے بندۂ آزادِ قوم

داورِ محشر کے آگے استغاثہ ہوگا پیش
چیتھڑے کس نے اُڑایا دامنِ افرادِ قوم

نوٹ: ۷ لغایتہ ۹ / اپریل ۱۹۱۷ء شیعہ کانفرنس کا اجلاس بمقام موتی محل شہر لکھنؤ منعقد ہوا تھا نواب فتح علی خاں مرحوم سکریٹری تھے شیعہ کالج کا ایک اساسی جلسہ بھی اس کے ساتھ منعقد ہوا پنڈال کے قریب اعلیٰ پیمانہ پر ڈپوٹی شاپ سید یعقوب محسن کے زیرِ اہتمام کھولی گئی اور وہیں زندہ دلوں کی تفریح کے لئے محشر صاحب لکھنوی کی ایک نظم ہم طرح یہ ظریفانہ نظم تیار کی گئی۔ (صفی عفی عنہ)

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۱۸ — سنہ ۱۹۱۷ء — تعداد اشعار ۹۹

تقویم پارین

بحر مجتث مخبون مقصور یا محذوف
ارکان مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

عجیب قسم کا ہے انقلابِ لیل و نہار
عجیب طرز پہ ہے دورِ چرخ کج رفتار

یہ لکھنؤ کے ستارہ شناس کہتے ہیں
عجیب بات ہے نوروز بھی ہوا دو بار

قدیم مارچ کی اکیسویں کو تھا لیکن
اب اس جدید کا اپریل فول میں ہے شمار

سناؤں تم کو نئے سال کی نئی تقویم
کہ جس سے ہوں گے عیاں سال بھر کے سب آثار

ہوا ہے دفعتہً اس کا جو دورۂ ثانی
تو نام ہی سے حماقت کے اس میں ہیں آثار

زبانِ فرس میں کہتے ہیں اس کو خبطائیل
اور اہل ہند اسے نوروز یا کہ فصلِ بہار

سواری اس کی کرائے کی پالکی گاڑی
اور اس میں بیٹھے ہوئے اور لوگ بھی دو چار

رخ اس کا جانبِ درگاہِ حضرتِ عباس
گلے میں ایک کرائے کا خلعتِ زرتار

ہیں اپنے منہ کو چھپائے ہوئے وہ سہرے سے
اسی لیے کہ برسنے لگی ہے اب پھٹکار

عجیب قسم کی شکلِ شریف پائی ہے
کہ ایک ہاتھ میں طبلہ تو دوسرے میں ستار

تمام سال یہ خوراک آپ کی ہے اس کی
پرانی جوتیاں کھائے کبھی نئی پیزار

منجّمین یہ بالاتفاق کہتے ہیں
ہے رنگ زرد کہ اکثر رہا کیا بیمار

مزاج گرم وہ منہ سے نکل رہی ہے بھاپ
وہ اس کی سانس میں حدّت کہ جس طرح سے بخار

اثر سے اس کے کہیں آتشک نہ ہو جائے
پڑھو پڑھو وقنا ربّنا عذاب النّار

جو کھینچا زائچۂ سال اس طرح پہ کھینچا
کہ جس میں سات ستارے ہیں اور گھر ہیں چار

بگڑ کے گھر میں زحل کے جو ہیں گھسا مریخ — کیا جو منع عطارد نے ہو گئی تکرار
اسی دلیل سے ہوں خانہ جنگیاں امسال — پڑھے لکھوں کو ہو سودا کہ چھوڑ دیں گھر بار
اثر سے اُس کے یہ تیزی بڑھے مزاجوں میں — کہ بی بیوں سے میاں عمر بھر کو ہوں بیزار
علم کو تھام کے درگاہ میں قسم کھائیں — بیاہتا سے ملیں گے نہ عمر بھر زنہار
کریں گے دوسری شادی کا عہدِ مستحکم — وفائے عہد کا اس طرح پر کریں اقرار
نئی دولھن کی اُٹھائیں گے جوتیاں تا عمر — یہ عہد کرتے ہیں یا حضرتِ علمبردار
محیط ابر ہوا اپریل کے مہینے میں — اور اُس سے قوّتِ شہوانیہ بڑھے اکبار
ہوس نکاح کی ہو بال بچّے والوں کو — ہزاروں کوششیں کی جائیں اس میں سو سو بار
کھلائیں پینڈیاں لڑکوں کو اپنے مانجھے کی — محبّت پدری میں ہو فعلِ دل آزار
کوئی نکاح کا خواہاں ہو گر حماقت سے — تو دوسرا ہوا اعانت کے واسطے تیّار
بنا بنانے میں احباب کو ہو سرگرمی — خجل جو ہوں بھی تو بعد از خرابیِ بسیار
کسی کے گھر کی تباہی ہو کوئی سیر کرے — اسی پہ رسمِ ملاقات کا ہو دار و مدار
پھنسائیں سُنّتِ پیغمبری کے پھندے میں — جہان میں ہو یہ اخوانِ باصفا کا شعار
عجیب قسم کا ہڑبونگ ہو زمانے میں — کہ آج ہوں وہی بدمست کل جو تھے ہشیار
اُٹھیں ہوا و ہوس کی وہ آندھیاں پُرزور — کہ جس سے خانۂ عقل و تمیز ہو مسمار
بڑھے گی جنسِ حماقت کی اَب کی ارزانی — رہے گا سرد بہت عقل و ہوش کا بازار
وہ لوگ جو متحمّل مزاج ہوں مشہور — اُنھیں کے ہاتھ سے چھوٹے عنانِ صبر و قرار
بنیں اُدھر وہ برائے نکاح مثلِ جوان — سفید بالوں پہ مَل مَل کے مارننگ اسٹار
دوبارہ پھول بھی بے فصل کے کھلیں اَب کی — پُرانے پودے میں گھس جائے اتنا جوشِ بہار
پھل آئیں نخلِ تمنّا میں پلپلے لیکن — جو باغباں چھوٹے ہو جائیں گھائیوں کے پار

ہے اَب کی سال کی مالک جو مشتری بائی
کسی شریف پہ آئے گا لازمی ادبار

کوئی نگاہِ احبّا میں خوار یوں ہوگا
مثل سُنی ہے کہ جس طرح ڈومنی کا یار

گھن لگے گا شرافت کے چاند میں امسال
کچھ اس طرح پہ کہ ہو جائے چھوٹنا دشوار

ہے بُرجِ دلو جو لٹکا ہوا میانِ فلک
بظاہر اُس سے سمجھ میں یہ آئے ہیں آثار

شناوری کے لیئے غوطہ خور فکر کریں
نظر پڑے جو اُنھیں کوئی قلزمِ ذخّار

بغل میں داب کے دو تونبیوں کو کود پڑیں
جو بیچ میں ہو بھنور اور دونوں سمت سوار

دکھائیں حضرتِ مریخ پر اثر اپنا
وہ سولجر کہ جو گھر میں تھے اپنے پنشندار

اُٹھیں گے قلعہ بکارت کا فتح کرنے کو
بجائے وردی کے پہنیں گے خلعتِ زرتار

سِلاح جنگ دکھانے کے واسطے خالی
نئے نیام میں اِک زنگ خوردہ سی تلوار

نہ جس میں بارڑھ نہ قبضہ نہ جس پہ آب و تاب
فقط ہے خم ہی خم اور دیکھنے کی لنگردار

لگا کے چشمہ وہ میدانِ جنگ کو دیکھیں
کہ کس مقام پہ اُونچا ہے اور کہاں پر غار

اُٹھا کے رکھ دیں درِ قلعہ پر فقط دو بم
دَغیں دَغیں نہ دَغیں اِس سے اُن کو کیا سروکار

ہیں دورِ زہرہ سے احکامِ ذیل مستخرج
ہے اس تارے کا رقاصۂ فلک میں شمار

ہے بعض عورتوں پہ اب کی سال یہ بھاری
اَثر سے اِس کے اُٹھانا پڑے گا اُن کو بار

عجب نہیں ہے اگر دل ہی دل میں پچھتائیں
اُٹھا کے گود بھرائی کے ناریل بیکار

شروع سال میں جن لڑکیوں کی شادی ہو
میاں ملیں اُنھیں لیکن کسی قدر سن دار

مگر مطیع ہوں ایسے کہ الحفیظ والاماں
بغیر دیکھے منٹ بھر اُنھیں نہ آئے قرار

کچھ ایسے تھان کے سچے ہوں وقت کے پابند
کہ دس بجے تک اُنھیں شب کو رکنا دشوار

یقیں ہے پھاند کے دیوار جیل خانے کی
وہ شب کو نو بجے کے بعد کر ہی جائیں فرار

ملیں تلاش میں بی بی کے پاس سوتے ہوئے
خدانخواستہ پکڑے اگر اُنھیں سرکار

کریں گے بالے میاں دو مہینے قبل نکاح
ڈفالیوں میں ہے یہ اَب کی سال چیخ پکار

الاپتے ہیں یہ بے وقت کی ملنیا دہ
بجا بجا کے یہ ٹوٹے زبانے کو ہر بار

طبیب پیشہ کو یہ سال ہے بہت اچھّا
مطب میں آئیں گے کثرت سے مختلف بیمار

کوئی کہے گا کہ سوزاک کی شکایت ہے
کوئی کہے مرضِ فتق کا ہے مجھ پر بار

کوئی کہے گا رگیں ہو گئیں ہیں کچھ کمزور
کوئی کہے گا کہ امساک ہے مجھے درکار

کوئی کہے گا کہ جریان سے میں عاجز ہوں
کہ شکل دیکھ کے بیوی کی ہو گیا دو بار

کوئی کہے گا ضرورت پہ ہِل نہیں سکتا
کمر کے درد نے اِتنا مجھے کیا ناچار

کوئی کہے گا کہ سیلان کی شکایت ہے
کوئی کہے گا کہ خشکی ذرا سی ہے درکار

دوائیں سب کی کریں گے حکیم جی تجویز
کریں گے نفع میں اپنے شریک اُنھیں عطّار

کہیں گے ایک سے لوکی میں کیجئے پیشاب
سفوف بار دو معجونِ نافعُ الاِ درار

چھ ماشے پھانک کے دو تولے آپ کھا لیجئے
یقیں ہے نسل میں سوزاک پھر نہ ہو زنہار

جو فتق ہے کسی جرّاح کو بُلا لیجئے
مگر خیال رہے اِک ذرا وہ ہو ہشیار

خود اپنے ہاتھ سے یا بھونک لیجئے نشتر
اِسی عمل پہ ہے صحت کا اَب تو دارومدار

کسی کو بیر بہُوٹی کا تیل لِکھ دیں گے
کہ بنگلے پان پہ ٹپکا کے اُس کے قطرے چار

لپیٹ لیجئے اُس عضو پر جو ہے ماؤف
مگر جماع سے چالیس روز تک ہشیار

حبوبِ ممسک و معجونِ خصیۃ الثعلب
کسی مریض کے دینے کے واسطے تیار

چھ ماشے تخمِ اُٹنگن چھ ماشے شکّرِ خام
سَحَر کو پھانک کے پیجئے شیر نیم آثار

کمر کے درد کی خاطر ہوں پینڈیاں تجویز
مُقوّیات کی جس میں تمام ہو بھرمار

بِلا کے پھٹکری پانی میں آبدست کراؤ
کہ ہے یہ مانع سیلان و دافعِ ادرار

سفوفِ سنگجراحت کو چھان کر باریک
چھڑک دیا کرو شب بھر میں ایک یا دو بار

اسی طرح سے غرض آم گھاس املی کی ۔ ہے اب کی سال مریضوں کے واسطے بوچھار
نکاح پڑھنے میں کچھ فائدہ نہیں امسال ۔ نہ پڑھنے والوں کو کشتی ملے نہ عطر نہ ہار
بجائے تنکوں کے بیڑے جنیں گے دیوانے ۔ یہ رنگ اب کی دکھائے گی اپنا فصلِ بہار
ہوں اب کی سال میں چوری چھپے سے اُن کے نکاح ۔ کہیں بھی ذکرِ ولیمہ نہ جن میں ہو زنہار
نئی طرح سے ہوں مانجھے کی پینڈیاں تقسیم ۔ کہ ایک پینڈی کے چاقو سے کرکے ٹکڑے چار
تبرّکاً ہوں عزیزانِ خاص کو امسال ۔ کہ جس سے کر نہ سکیں پھر وہ عقد سے انکار
جو خاص خاص ہیں خاصے کی پینڈیاں کھائیں ۔ مگر عوام احبّا کو اس سے کیا سروکار
اُنھیں کو زور لگانا پڑے گا شادی میں ۔ جو کھا کے بیٹھ رہے پینڈیاں خدا کی مار
تمھیں بتاؤ کہ کیونکر سے ہو سکیں تقسیم ۔ کہ پینڈیاں تو ہیں دس گیارہ کھانے والے ہزار
اُٹھی ہے جانبِ مغرب سے کالی کالی گھٹا ۔ کہ جس کو دیکھ کے ہیں مست بے پیے ہشیار
نظارہ باغِ تمنّا کا دید کے قابل ۔ بئے کے جھونجھ میں کوّے نے کھول دی منقار
یہی زمانہ ہے بادہ کشی کا اے ساقی ۔ اُٹھا لے جام و صُراحی مگر ذرا ہشیار
کسی کا شیشۂ دل ٹوٹنے نہ پائے کہیں ۔ ادائے لغزشِ مستانہ ہو نہ دل آزار
ارے اُنڈیل دے لیکن چھلک نہ جائے کہیں ۔ رہے نگاہ مرے ظرف پر بھی تیرے نثار
چمن سے آتی ہے یہ دل جلوں کی صاف صدا ۔ کیا کباب گزک کے لیے ہمیں بیکار
جو اپنے بس میں ہے اس کو جلا رہے ہو فضول ۔ خدا کے سامنے کیا مُنہ دکھاؤ گے اے یار
ڈرو خدا سے یہ بدمستیاں نہیں اچھی ۔ ہے تم کو بادہ کشو کچھ خیالِ روزِ شمار
ارے کہاں سے کہاں میں بہک گیا توبہ ۔ لگا دے مُنہ سے کہ اب آگیا ہے وقتِ خمار
وہ بلبلوں کے ترانوں میں اک خوش الحانی ۔ کہیں یہ اُتری رکھب اور کہیں چڑھی گندھار
تمھیں ہے قطعۂ تاریخ کی جو اصغر فکر ۔ یہی تو وقت ہے لکھنا ہے تو لکھو اشعار

مناسبات کا لیکن بہت خیال رہے — کہ جس کو یاد کریں سُن کے سب صغار و کبار
تمھارا مصرعِ تاریخ بھی دو ہا جوٗ ہو — حساب کرنے سے بڑھ جائے ایک وقتِ شمار
چمن میں فصلِ گل آئی خدا خدا کر کے — اُسی کی دید کی جویا تھی چشمِ عاشقِ زار

نمُو نے حد سے سوا کوشش بلیغ جو کی
بہرِ آبر بنی دوسری عروس بہار

سـ ۱۳۳۵ھ

۱۳۳۵ = ۱ - ۱۳۳۶

مطابق

سـ ۱۹۱۷ء

نوٹ۔ یہ نظم ایک عجیب ظریفانہ انداز سے نتیجہ خیز اور درس آموز ہے۔ ظریف مرحوم کے ایک بے تکلف دوست تھے جو تفریح الاحباب کلب کے بھی ممبر تھے اور ایک دوسری انجمن اخوان الصفا کے بھی جس میں۔ جویا۔ بلیغ۔ آبر وغیرہ ممبر تھے ان کی بہارِ عمر مُبدّل بہ خزاں ہو چکی تھی۔ شباب ڈھل چکا تھا۔ اور چہل سال عمرِ عزیز گذشت کے حدود سے قدم باہر نکل گئے تھے۔ پانچ اولادیں دو لڑکے تین لڑکیاں بھی حدِ بلوغ کو پہونچ گئی تھیں بلکہ ان میں سے بعض کی شادیاں بھی ہو چکی تھیں اور بعض ان میں سے صاحبِ اولاد بھی تھے۔ دوست صاحب کی بیوی بھی زندہ سلامت گھر میں موجود تھیں بظاہر کوئی ضرورت اور مجبوری دوسری شادی کی نہ تھی اس لیئے کہ وہ دوست عربی خوان مولوی بھی نہ تھے لہٰذا شادی کی ہوس ہوش و خرد کی ذمہ داری سے بعید تھی مگر اُن کی شادی کی آرزوؤں کو ابر کا ایک ٹکڑا کانپور جیسی تجارتی منڈی کی طرف بڑی حکمتِ عملی سے اُڑا لے گیا۔ وہاں ایک دست پروردۂ نغمہ و سرود کو شریکِ زندگی بنانے کی داغ بیل ڈالی۔ اور بعض خود غرض جویائے مقصد احباب دنیا نے بہ سعی بلیغ یہ شادی طے کرا کے دم لیا۔ شادی اپریل سنہ ۱۹۱۷ء میں ہوئی اس سے پہلے مارچ میں نوروز پڑ چکا تھا۔ لیکن اس شادی کے لئے نظم کی ضرورت سے اپریل میں ایک فرضی نوروز کا سماں دکھانا پڑا۔ نظم واقعات

کے لحاظ سے خود اس قدر مکمل ہے کہ اس کے لئے سوا چند اشارات کے نوٹ کی ضرورت نہیں۔ سن رسیدہ نوشاہ کے خسر ایک حکیم تھے جنھوں نے شرعی حدود کے اندر تعلق ایک مغنیّہ سے باقاعدہ کرلیا تھا جس کے کھیت کی پیداوار کو کھپت کی ضرورت تھی۔ شادی کی ہوا و ہوس نے کامیابی کا سہرا ظریف کے اِس غریب دوست کے سر باندھا۔

چونکہ یہ بے ضرورت کی شادی اہل زمانہ اور قوم کے ادبار کی نظیر تھی۔ اسلئے ظریف مرحوم کی مصلحانہ زندگی نے ان کو یہ نظم لکھنے کے لئے مجبور کیا اور انھوں نے اس کے آخر میں ایک مصرعِ تاریخ بھی جو تلمیحات سے لبریز ہے کہہ کر اپنے ایک دوست اصغر کی طرف منسوب کردیا ہے۔ نظم کا تعلق گو کہ ایک پرائیوٹ کلب (تفریح الاحباب) سے ہے۔ لیکن ظرافت کے علاوہ چونکہ اس میں ایک افادی پہلو بھی ہے۔ اس لئے منظر عام پر لائی گئی۔ تاکہ نفس پرستوں کے لئے سبق آموز ہو۔

(صفی عفی عنہٗ)

اِس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۱۹ — سنہ ۱۹۱۷ء — تعداد اشعار ۱۷

ہوم رُول

قطعہ

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

ناصحانہ ہے نہ یہ قول حکیمانہ ہے
رب یہ ظاہر ہے فقط نعرۂ مستانہ ہے
قول مقبول کا مجذوب کی اک بڑ ہے فقط
اُس کے کہنے کو بُرا مانے تو دیوانہ ہے

مُسدّس

بحر ہزج مثمن مقبوض — ارکان مفاعلن مفاعلن مفاعلن مفاعلن

خوشی سے منتظر رہو اگرچہ ہو ملول ہی
زمانہ اِس میں جتنا چاہے کھینچ جائے طول ہی
ملے گا کچھ تمھیں ضرور گو کہ ہو فضول ہی
مگر یہ کیا ضرور ہے کہ ہو وہ ہوم رول ہی
ہزار آسمان اپنے سر پہ تم اوٹھاؤ گے
جو آج تک ملا کیا اُسی طرح تو پاؤ گے

جو ڈپٹی بھی بل گئی کلکٹری بھی پا گئے
وہ کیسی ہی ہو کونسلوں کی ممبری بھی پا گئے
سوار سے رسالدار میجری بھی پا گئے
لڑے بھڑے بغیر خاں بہادری بھی پا گئے
تمھیں بتاؤ اور اس سے بڑھ کے تم کو کیا ملے
یہی کسر ہے مانگنے پہ اب تمھیں سزا ملے

بہادرانِ یورپ اور تمھاری ہمسری نہیں
یگانگی و غیریت میں کچھ برابری نہیں
تم اتنے باوفا نہیں تم اس قدر جری نہیں
کوئی بھی تم میں واقفِ فنِ سپہ گری نہیں

کمیشن افسری میں پھر نہ کس طرح کلام ہو
ہزار ہو لکھے پڑھے مگر وہی غلام ہو

یہ فخر کم نہیں کہ گورے کالے ایک ساتھ تھے
ولایتی و دیسی لڑنے والے ایک ساتھ تھے
غلام اور اختیار والے ایک ساتھ تھے
جفاکش اور منتوں کے پالے ایک ساتھ تھے

عروج یہ لکھا تھا انڈیا کی سرنوشت میں
گناہ گار تم سے اور فرانس کے بہشت میں

اسی عطا پہ جان دو اگرچہ حق شناس ہو
ادائے شکر یوں کرو جو خارج از قیاس ہو
نثار کر دو مال و زر جو کچھ تمھارے پاس ہو
خوشی سے کٹ مرو تمام نسل چاہے ناس ہو

نہ فکر دل میں کچھ کرو نمود و نام کے لیئے
یہ حق ہے اُن کا جو بنے ہیں انتظام کے لیئے

پڑھے لکھے کہ جن کی عقل ہو کسی قدر رسا
جو چست کھیل کود میں ہوں جسم ہو ذرا کسا
نہ یہ خیال بھی کریں کہ کیسی ہے گرہ دسا
نہ سوچیں اور بچا رہیں کچھ وہ چھوڑیں جلد مدرسا

ذرا بھی ویک ہوں اگر ایم اے بی اے کے کورس میں
لکھا دیں نام جھٹ سے انڈین ڈِفنس فورس میں

وفا کا امتحاں تھا بطورِ قرض جو لیا
وگرنہ بادشاہ کی مدد کرے گا کیا گدا
عطا کا جوش تھا جو ساڑھے پانچ فی صدی دیا
غرض جو کچھ کیا تمھارے نفع کے لیئے کیا

خود اپنے نفع کے لیئے سمجھ کے اپنا فرض دیں
یہ مفلسوں کو چاہیئے کہ قرض لے کے قرض دیں

اگر تمھیں خیال ہو کہ آخر اس کی وجہ کیا　　کبھی شروع جنگ میں بھی ہم سے کچھ کہا سنا
لڑا تو یورپ اور اُس کا بار ہند پر پڑا　　یہ شکوہ اب فضول ہے کہ جب شریک کر لیا
اسی لئے کہ اس طرح تو مل کے بوجھ اٹھاؤ گے
نہیں تو بعد جنگ کے ضرور فیل لاؤ گے

وہ جنگ امن و عیش کے لئے جو اک عذاب ہو　　وہ جنگ جس سے جلب منفعت کا سدِّباب ہو
وہ جنگ جس سے اپنے دوستوں کا گھر خراب ہو　　یہ فکر ہے کسی طرح سے جلد کامیاب ہو
تمھیں بتاؤ کام کیا چلے گا عذرِ لنگ سے
قُلی بنو اگر تمھیں نہیں ہے بہرہ جنگ سے

تمھارے جو وکیل تھے اُنھیں کا ہے یہ تجربا　　کہ جتنا تم کو چاہیئے تھا وہ ابھی نہیں کیا
اسی پہ دعوئے وفا اسی پہ شکوہ اور گلا　　مدد کے نام صفر اور طلب میں اتنا حوصلا
خوشی سے جا کے جان دی نہ معرکہ میں سر دیا
نہ گھر کو بیچ باچ کے کسی نے مال و زر دیا

خلاف کیوں نہ ہو تمھارا بار بار مانگنا　　اور اُس پہ دل لگی کہ شیر سے کچھار مانگنا
تمھیں بتاؤ کس طرح سے ہو نہ بار مانگنا　　یہ کس نے تم سے کہدیا کہ اختیار مانگنا
کبھی جو کوئی سر چڑھائے اُس کے بال کاٹ لو
دکھانے کو جو چومے مُنہ تو بڑھ کے گال کاٹ لو

جو چیز ہضم ہو گئی پھر احتیاجِ قے نہیں　　اُتر کے نشہ جس کا ہو خمار یہ وہ مے نہیں
جو بھیک مانگ کر ملے حکومت ایسی شے نہیں　　یہ تان بے سُری ہے ایسی جس میں کوئی لے نہیں
وہ شے زمانے بھر کی دقتوں سے جس کو لے کوئی
تمھیں بتاؤ ٹھنڈے دل سے کیونکر اس کو دے کوئی

سروں پہ بھوت ہوم رول کا جو یہ سوار ہے　　ہلا ہلا کے سر ہر ایک جس سے بے قرار ہے
اتارنے کا عاقلوں کو گو کہ اختیار ہے　　مگر کچھ ایسا تجربے پہ اُن کو اختیار ہے

اِدھر تو شور و غل تمام اُدھر فقط سکوت ہے
کہ جانتے ہیں خود سے بھاگ جائے گا وہ بھوت ہے

دماغ پر زیادہ جن کے ہو گیا تھا کچھ اثر　　یہ جن پہ اشتباہ تھا کہ چھوڑ لیں نہ اپنا سر
الگ تھلگ بٹھا دیا اُنھیں حصار کھینچ کر　　سُنی نہ ایک کی بہت کیا کئے اگر مگر

سوال پر یہ کہدیا یہی علاج ٹھیک ہے
اسی عمل سے اَب مریض کا مزاج ٹھیک ہے

جو دیکھتے ہو جاگتے میں آج کل وہ خواب ہے　　نتیجہ اِس کا خود تمھارے واسطے خراب ہے
تمھارے حوصلوں کی کوئی حد ہے کچھ حساب ہے　　تمھارا بر محل سوال کتنا لاجواب ہے

خلافِ وقت بھیڑ ہیں یہ کشمکش فضول کی
کسی کو دُھن ہے جنگ کی کسی کو ہوم رُول کی

تمھارا جوش جس قدر ہے دودھ کا اُبال ہے　　ارادہ مستقل رہے بھلا یہ کیا مجال ہے
جو پڑ چکیں ہیں عادتیں وہ چھٹ سکیں مُحال ہے　　جو کل تھا یہ بتاؤ آج بھی وہی خیال ہے

تمھیں تو جانتے ہیں ہم اسی سے ہَول اور ہے
تمھارا فعل اور ہے تمھارا قول اور ہے

زباں سے قابلیت اپنی خوب ہی جتاؤ گے　　کمیٹیاں کرو گے روز اور غلُ مچاؤ گے
تمھیں بتاؤ گر کوئی نہ دے تو کیا بناؤ گے　　جو دینے والا ہاتھ اُٹھا کے دے وہی تو پاؤ گے

بقدرِ شوقِ یونیورسٹی بہم نہ لے سکے
وہ ہاتھ تیغ لیں گے کیا، جو اک قلم نہ لے سکے

لہو لگا کے کیوں شہید اپنا نام کیجئے   برابری کا کونسلوں میں انتظام کیجئے
سکت بڑھے کچھ آپ میں وہ اہتمام کیجئے   خود اپنے گھر کے تفرقوں کی روک تھام کیجئے
پریس ایکٹ ٹوٹے جب مطالبات کیجئے
زبان کھول لیجئے تو کوئی بات کیجئے

بہن نے مادرِ وطن کی کیا ہمیں پڑھا دیا   ذہین بھانجا سمجھ کے اک سبق نیا دیا
غضب تو یہ کیا کہ مانگنے کا ڈھب سکھا دیا   مطالبہ کیا تو یوں کہ سب نے غل مچا دیا
وہ چیز مانگنے لگے جو عقل سے بعید ہو
کہے سنے میں آ گئے عجیب زن مرید ہو

جو مانگے ایک مانگے مل کے تم کبھی نہ مانگنا   حصولِ مدعا کا وقت ہو جب ہی نہ مانگنا
بفرض ہو امید بھی مگر ابھی نہ مانگنا   رضا جو چاہتے ہو تم تو پھر کبھی نہ مانگنا
کوئی اگر کہے بھی یہ ملے گا سب سوال دیں
پڑھے لکھوں کا فرض ہے کہ تھینکس کہہ کے ٹال دیں

وہ مادر وطن کہ جس کا راگ گا رہے ہو تم   وہی کہ جس کی خاک آنکھ میں لگا رہے ہو تم
وہ مادر وطن کہ جس کو یوں رجھا رہے ہو تم   یقین خدمتوں کا اپنی اب دلا رہے ہو تم
سمجھ کے بیٹھی ایسے گھر بگڑ کے پھر سنبھل گئی
تمھاری غفلتوں سے مادرِ وطن نکل گئی

مرض کسی کے واسطے کسی کے واسطے دوا   بھنور کسی کے واسطے کسی کے حق میں ناخدا
کسی کی ناامیدی اور کسی کا عینِ مدعا   کسی کے واسطے سزا کسی کے واسطے جزا
کسی کے بارِ خاطر اور کسی جگہ عزیز ہیں
جنابِ ہوم رول بھی غرض عجیب چیز ہیں

ظریف اپنا قصد ہے جو کچھ وہ تم سے کیا کہیں ۔ نہ مانگیں خود سے اب خودی کی یہ سما گئی ہے ہٹیں
گرا پڑا اگر ملے تو ہوم رول ہم نہ لیں ۔ ہمیں اُبالی بھاتی ہے یہ کہہ کے جھٹ سے پھینک دیں

یہ مادرِ وطن کے پوت قسمتوں کو روئیں گے
جو مِل بھی جائے ہوم رُول لڑ جھگڑ کے کھوئیں گے

نوٹ ۔ سنہ ۱۹۱۷ء اور اس کے قریب کے سنین میں ہوم رُول حاصل کرنے کی دھن میں بہت سے ہندوستانی مبتلا تھے اخباروں میں بھی بے شمار مضامین اس پر نکل رہے تھے چنانچہ ظریفؔ مرحوم نے بھی اس نظم کے ذریعے سے اظہار خیال کیا بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ نظم ہوم رول کی موافقت میں ہے اور بعض ہوم کے خلاف اس کو سمجھتے ہیں ۔ (صفی عفی عنہ)

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۲۰ — سنہ ۱۹۱۸ء — تعداد اشعار ۱۵

ہوم رولرس

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

تم اپنے ہوم رولی خواب کی تعبیر تو سن لو
ظرافت میں فقط یہ دوستانہ اک شکایت ہے

اسی منہ پر حکومت ہند کی مل کر سنبھالو گے
نہ ایکا اور نہ تم میں انتظامی قابلیت ہے

ذرا دیکھو تو آنکھیں کھول کر اے اونگھنے والو
جہاں خود منتظم تم ہو وہاں کی کیا بری گت ہے

تمھارا ہی چپیرین اور تمھیں سب لوگ ہو ممبر
مگر پھر بھی یہ بدنظمی کہ اپنوں کو شکایت ہے

بنے ہو کاٹھ کی پتلی کہ چلتے ہو اشاروں پر
نچائیں غیر پردے سے تمھیں کب اس کی غیرت ہے

وہ جو تجویز کر دیتے ہیں تم تائید کرتے ہو
غرض کیا اس سے باشندوں کو ایذا ہے کہ راحت ہے

یہ مانا گو غلامی میں بسر کی زندگی ساری
مگر اسلاف کا بھی کچھ کہیں پر پاسِ عزت ہے

کوئی حد بھی مقرر کی ہے ناجائز خوشامد کی
بتاؤ تو کہ خودداری سے کیوں اتنی عداوت ہے

پتا نیشن کا بھی چلتا نہیں بہروپیے پن میں
فقط ہیں نام کے ہندو مسلماں ایک صورت ہے

سپوتو لالا مادرِ ہندوستاں کے واہ کیا کہنا
نہ وضع خاندانی ہے نہ مذہب ہے نہ ملت ہے

سیہ چہرے پہ ہیٹ یا کہ گوبر پر ککرمتا
فقط اغیار کی تقلید میں اب تو یہ صورت ہے

تمازت سے سیاہی اور چہرے کی نہ بڑھ جائے
کہیں کالے نہ کہلائیں فقط اس کی حفاظت ہے

یہاں تک رفتہ رفتہ بڑھ گیا ہے خبط فیشن کا
نہ ڈاڑھی کی بزرگی ہے نہ کچھ مونچھوں کی عظمت ہے

جو اک ٹیکا لگائے مونچھ کا ہیں ناک کے نیچے
مریدِ حضرتِ ہیوٹ ہیں فیشن سے عقیدت ہے

وہ جن کی شکل پہ لوگوں کو اکثر بدگمانی ہے
زنانے تو نہیں ہیں صرف کرزن سے محبت ہے

وللّہ ہیں مسز اپنی لنٹ ان کی یہ میز ہیں
ہمیں لوگوں میں جن کی ہیرِ نابالغ کی صورت ہے،

سمجھئے ہند اک بازیچۂ اطفال ہے جس میں
کوئی مٹّی کا بنوا ہے کوئی پتھّر کی مورت ہے،

یہ سب ہیں یادرِ ہندوستاں کے سوگواروں میں
وہ گویا مر گئی کریا کرم کی ان کو حاجت ہے،

ابھی کیا ہے یہ انگلش سنّیاسی بھیک مانگیں گے
بنانا شکل ہی کا گرچہ معیارِ لیاقت ہے،

بھلا اہلِ وطن کے دل میں اس کی کیا بزرگی ہو
وہ لیڈر ملک و ملّت کا جو اک لونڈے کی صورت ہے،

کسی کا مُنہ چڑھاؤ گے تو وہ خوش یا خفا ہوگا
چلے گر چال کوّا ہنس کی اس میں قباحت ہے،

کبھی ایثار و ہمدردیٔ قومی کا بھی دھیان آیا
لباسِ غیر کی تقلید ہی یا بے ضرورت ہے،

بزرگوں کی کمائی نذرِ فیشن کر کے کیا حاصل
کبھی سوچو تو اس میں فائدہ ہے یا مضرّت ہے،

جئے تو پیٹ پالا غیر کے لُطفِ ترحّم پر
نہ اپنے بس میں غلّہ ہے نہ قابو میں تجارت ہے،

کفن بھی غیر ہی دیں جب ملے ہندوستانی کو
کم از کم بعد مرنے کے بھی ڈیوں کی ضرورت ہے،

کمائی عمر بھر کی کھو کے بی. اے کی سند لے لی
ال ال، بی پاس ہونے پر تو اب فاقوں کی نوبت ہے،

نظارہ ہوں اکٹھا کچھ کتابیں مول لی جائیں
کرائے کی ہو کوٹھی میز کی کرسی کی حاجت ہے،

دکھانے کے لئے الماریوں میں کچھ تو رکھّا ہو
وہ ناول ہی سہی لیکن کتابوں کی ضرورت ہے،

پھریں پیدل تو پھر کوئی موکّل پاس کیوں پھٹکے
کچہری جائیں سڑکیں ناپتے تو اس میں ذلّت ہے،

سواری گر نہ ہو تو کام کا ٹٹّو نہیں چلتا
سواری رکھ نہیں سکتے گرانی کی یہ حالت ہے،

ہوا اک چلتا ہوا دلّال بھی منشی بنانے کو
موکّل گانٹھ کا پورا اگا لائے یہ خدمت ہے،

وکالت نامہ داخل کر دیا جا کر کچہری میں
اِدھر فیس آگئی چھٹّی ہوئی ختم اب وکالت ہے،

پلیڈر فی جہاں مل جائے پھر پروا نہیں اس کی
کہ کس کا کیس ہے کب ہے کہاں ہے کیا ضرورت ہے،

موکّل گر کچہری سے بُلانے آئے یہ کہہ دیں
چلو تم ہم بھی آتے ہیں تمھیں کیوں اتنی عجلت ہے،

ہمیں اک دوسرے اجلاس پر بھی بحث کرنا ہے
تمھارے کیس میں ہم آج پہونچیں اس میں دقّت ہے،

ہمیں تو آج فرصت ہی نہیں ہے جرح کرنے کی
کسی کو اور کر لینا اگر دیکھو شہادت ہے

بنے تو آج خرچہ دے کے پیشی اپنی بڑھوا لو
جو یہ دیکھو کہ چلنے کی ہمارے ہی ضرورت ہے

کبھی گر اتفاقاً بحث ہی کرنا پڑی اُن کو
تو پھر کیا پوچھنا سننے کے قابل در حقیقت ہے

مؤکل سے ادھر پوچھا اُدھر دُہرا دیا جج سے
سمجھنے کی نہ اُن کو سوچنے کی کوئی حاجت ہے

صدا گونجی ہوئی ہے اِن کی کمرے میں عدالت کے
خدا رکھے یہ شہنائی ہیں ان کا دم غنیمت ہے

مؤکل ان کو پہچانے نہ یہ اپنے مؤکل کو
اکھاڑہ ان وکیلوں کا خفیفہ کی عدالت ہے

جنھوں نے کچھ دنوں تک کام پر پہلے توجہ کی
اور اس میں نام پیدا ہو گیا ان کی یہ حالت ہے

مؤکل نام سن کے پھنس گیا گر ان کے پنجے میں
تو اُس کی جان پر ہر روز اک تازہ مصیبت ہے

جہاں پیشی کا دن آیا اِنھوں نے کہہ دیا فوراً
بشدّت کل سے نزلہ ہو گیا ہے اور حرارت ہے

طبیعت ہی نہ ہو اچھی تو مجبوری ہے پھر اس میں
تمھارا کیس پیچیدہ ہے محنت کی ضرورت ہے

دیا تھا تم نے جو کچھ کام ہم نے کر دیا اُتنا
ہمارا رائے دینا صرف یہ بھی بیش قیمت ہے

اگر کچھ اور لائے ہو تو ہم اس بات کو سوچیں
تمھارا کام آئندہ کریں ہم اِتنی فرصت ہے

مروّت، خُلق جن میں ہو بہت کم ایسے نکلیں گے
زیادہ تر وہی ہیں جن پہ غالب صاحبیّت ہے

مؤکل دردِ دل کی داستاں کیونکر کہے اُن سے
کہ جن کو بات کرنا شاق ہے سُننا مصیبت ہے

ہوا اندوختہ بھی اتفاقاً پاس اگر اُن کے
تو پھر بڑھ کر لیاقت سے غرورِ مال و دولت ہے

کبھی کوٹھی کبھی کوٹھی کے فرنیچر پہ نازاں ہیں
ذلیل اُن کو سمجھتے ہیں یہ سب جن کی بدولت ہے

ال۔ ایم۔ ایس کی سند لے کر جو ابنائے وطن نکلے
تو پھر اہلِ وطن کی جان پر اک تازہ آفت ہے

یہ پہلے تجربوں میں سیکڑوں کی جان لیتے ہیں
کسی کو گرچہ معمولی سی تپ ہے یا حرارت ہے

اُنھوں نے تھرمامیٹر منہ میں رکھ کے کہہ دیا دِق ہے
بڑا سا پھیپھڑے میں زخم اور اس میں عفونت ہے

سمندر کی ہوا بیمار کو از حد ضروری ہے
رہے یہ جا کے الموڑے پہ تو اُمید صحت ہے

لکھا نسخے میں تھیس لمپز نمبر چار ای پوڈر
بجز اِن کے دوا خانے کے ملنا جس کا دقت ہے

بہ مجبوری لیا اُن کے دوا خانہ سے گر نسخہ
تو بے چارے کی آدھی جان اُس نسخے کی قیمت ہے

بچا جو فیس سے نذرِ دوا خانہ ہوا آخر
عجب چلتا ہوا نسخہ ہے کیا معقول حکمت ہے

ارا روٹ اور مکھن دودھ انڈا مُرغ کی یخنی
غذا تجویز کر دی یہ نہ سمجھے استطاعت ہے

مطب چلنے لگا گر خوبیِ قسمت سے پھر کیا ہے
نہ رسم و راہ کی پروا نہ آنکھوں میں مروت ہے

مریضِ جاں بلب سے ڈاکٹر صاحب یہ کہتے ہیں
ہمیں چوبیس گھنٹے پیشتر لکھو کہ حاجت ہے

بلاتے ہو اگر فوراً وزٹ ہم کر نہیں سکتے
ہمارے پاس وقت اتنا کہاں کب اتنی فرصت ہے

جنھیں یہ بھی نہیں معلوم کب بیمار پڑتا ہو
تو ایسے غافلوں کو ڈاکٹر کی کیا ضرورت ہے

مرض کی طرح ان کی فیس گھٹتی بڑھتی رہتی ہے
کہ ان کے رات کے دام اور دن کی اور قیمت ہے

وکالت اور طبابت میں سبھی ایسے نہیں لیکن
خدا ترسوں کی قلت اور خود کاموں کی کثرت ہے

ہزاروں میں کہیں اک اس طرح کا نفس پاؤ گے
جہاں میں جس کا نصب العین ہمجنسوں کی خدمت ہے

وہی محسوس کر سکتے ہیں اپنی ذمّہ داری کو
جنھیں خوفِ خدا ہے اور دل میں صدقِ نیّت ہے

معزز ورنہ یہ پیشے جو ایسے کارآمد ہیں
کہ جن سے جان و مال و آبرو سب کی حفاظت ہے

ہوئے ہیں اِس قدر بدنام جس کی حد نہیں کوئی
پڑے ہیں ایسے ہاتھوں میں کہ جن سے اُن کی ذلّت ہے

لگا دیں پار بیڑا قوم کا اُمید تھی جن سے
جہاں لکھ پڑھ کے لائق ہو گئے اُن کی یہ حالت ہے

جو خود کامی کا پہلو لے کے دل میں کچھ خیال آیا
کمشنر بن گئے میونسپلٹی پر عنایت ہے

بڑے لائق سہی فرصت نہیں جب کام کرنے کی
تو کیوں دیں دخل در معقول یہ کیسی حماقت ہے

ذرا سی چیز اک میونسپلٹی نام ہے جس کا
جلو سی آختوں کا وہ طویلہ در حقیقت ہے

نمائندے جو پبلک کے بندھے ہیں اس طویلے میں
ہمیشہ تھان ہی پر ہنہنانا اُن کی خصلت ہے

گھسیٹے میں پڑے محنت تو فوراً بول جاتے ہیں
بظاہر موٹے تازے دیکھنے ہی کی جسامت ہے

مگر اُن سے زیادہ قابلِ الزام ہے پبلک — کہ جس کی انتخابی آنکھ اتنی بے بصیرت ہے
جو بے سمجھے ہوئے بھر دیتی ہے خوگیر کی بھرتی — کہو جس سے وہ کہتا ہے ہمیں چشمِ مروت ہے
ہمارے گھر پہ سو سو مرتبہ جب دوڑ کر آئیں — سوال ووٹ پر انکار کر دیں کیا قیامت ہے
کیے تھے ہم سے وعدے خَلق کی راحت رسانی کے — ہوئے ممبر تو سارے ووٹروں سے اُن کو نفرت ہے
شکایت لے کے کس کے پاس جائیں کون سُنتا ہے — اِدھر ضُعفِ بصارت ہے اُدھر ثقلِ سماعت ہے
ہوئے ممبر تو پھر پبلک سے جا کر کیوں ملیں آخر — لگی ہے کس کے دل کو جو یہ دیکھے کیا ضرورت ہے
بھرا ہے کونسلوں کی ممبری کا سر میں اک سودا — نہ یہ ہمدردِ پبلک ہیں نہ اِن کو شوقِ خدمت ہے
نہ حق الناس سے مطلب نہ حق اللہ کی پروا — نمود و نام کی خاطر فقط کونسل کی شرکت ہے
سوال اس قسم کے کرتے جو ہوں اجلاس کونسل میں — بھلا ایسے نمائندوں کی پبلک کو ضرورت ہے؟
سبب کیا ہے جواب کی مرغیوں نے کم دیئے انڈے — گورنمنٹ اس سے واقف ہو تو بتلائے عنایت ہے
رعایا میں ادھر شامل ادھر حکّام میں داخل — مگر یہ ترجمانی کر سکیں کب اتنی جرأت ہے
یہی وہ لکڑیاں ہیں جن کے دستے ہیں بسولوں میں — اِنھیں کی وجہ سے قطع و بُریدِ نخلِ ملّت ہے
حکومت کے بسولے سے جہاں قربت ہوئی اِن کو — تو اپنوں ہی کی جڑ کاٹیں یہ اِن کی خاص عادت ہے
غلط ہے یہ اگر اچھّا بتا دو کیا سبب اِس کا — سِوِل والوں کو راحت شہر والوں کو اذیّت ہے
سِوِل میں روشنی اور شہر میں اندھیر برپا ہے — وہاں کی اور حالت ہے یہاں کی اور حالت ہے
وہاں کچھ ٹیکس نہ ادا ہم سبھوں سے اِن کو ملتا ہے — وہاں سڑکوں کی ادنیٰ سی خرابی پر مرمّت ہے
یہاں وہ انتظامی مادہ سڑکوں پہ بہتا ہے — یہی انصاف و ہمدردی یہ دعوائے حکومت ہے
دسمبر میں سڑک پر ہر طرف کیچڑ نظر آئے — بھلا چھڑکاؤ کی اس فصل میں کس کو ضرورت ہے
مئی میں خاک سڑکوں پر اُڑے چھڑکاؤ کے بدلے — حماقت ہے یہاں جو بات ہے برعکسِ فطرت ہے
سڑک کنکر کی کہلاتی ہے مٹّی کوٹی جاتی ہے — کوئی دیکھے تو بنتے وقت اتنی کس کو فرصت ہے

انھیں کے حال پر سڑکیں بڑی آنسو بہاتی ہیں
کہ جن کے ہاتھ سے بارانِ رحمت وجہِ زحمت ہے،

بنے ہیں جب سے ٹینل ہر سڑک دریا کا بچہ ہو
اگر بارش ہوئی تو ناؤ پر چلنے کی حاجت ہے،

گڑھے اتنے پڑے ہیں سیتلا منہ داغ ہیں سڑکیں
یہ سب اُبھرے ہوئے کنکر ہیں یا چیچک کی شدت ہے،

یہ کس کی آبروریزی ہوئی ہندو مسلمانو!
تمھارا بھائی اک پیدل اگر کیچڑ میں لت پت ہے،

سول میں ممبروں کا منہ نظر آتا ہے سڑکوں پہ
وہ آخر آئینہ رہتی ہیں کیونکر سخت حیرت ہے،

وہاں تو دن میں دو دو مرتبہ دی جاتی ہے جھاڑو
یہاں پر جس طرف دیکھو غلاظت ہی غلاظت ہے،

یہی نا موٹروں پر واں ولی نعمت نکلتے ہیں
یہاں ہندوستانی کوچہ گردی جن کی عادت ہے،

سڑک پر ٹھوکریں کھانے سے چاہے ہاتھ منہ ٹوٹے
وبا بدبو سے پھیلے کیوں نہیں حفظانِ صحت ہے؛

گڑھے میں ناتواں گر کر کوئی مر جائے کیا پروا
انھیں لاوارثوں کی اسپتالوں میں ضرورت ہے،

نمائش کے لیے کنکر سڑک پر ڈھیر رہتے ہیں
جو رحم آیا کبھی اس میں بھی پہلوئے عداوت ہے،

بھلا انجینر صاحب بہادر کیوں ادھر آئیں
گلی کوچوں میں موٹر جا نہیں سکتا یہ دقت ہے،

چلیں پیدل وہ کیچڑ میں غرض کیا اُن کی جوتی کو
وہ گو نقلی سہی صاحب تو ہیں زعمِ حکومت ہے،

لگا کر ہیٹ اک سر پر بڑے یہ آدمی ٹھہرے
ملیں پبلک کے چھُٹ بھیّوں سے کیونکر اس میں ذلت ہے،

الکشن کا زمانہ ہو تو ممبر گھومنے نکلیں
وہ ضمناً دیکھ لیں یہ بھی کہ کیا سڑکوں کی حالت ہے،

بنایا ہے خدا نے شہریوں کو ٹیکس دینے کو
گدھوں پر بوجھ ہے بھاری گدھے والوں کو راحت ہے،

نکالے جا رہے ہیں بیچ کر خون کے قطرے
سول کے واسطے فٹ پاتھ پر سُرخی کی حاجت ہے،

ہر اک نادار سے ٹون امپرومنٹ اب یہ کہتا ہے
تمھاری خانہ بربادی ہماری وجہ زینت ہے،

زمینیں تم سے لے کے اب بڑی قیمت پہ بیچیں گے
ملیں یوں گانٹھ کے پورے تو کیا اچھی تجارت ہے،

خداوندِ مجازی صاف لفظوں میں یہ کہتے ہیں
غریبوں کے لیے دیہات اب جائے سکونت ہے،

فضائے لکھنؤ اب تنگ ہو گی تنگ دستوں پر
یہاں تک پاؤں پھیلائیں گے جن کے پاس دولت ہے،

وہ مفلس قحط کے باعث سے جو مُردوں سے بدتر ہیں
نکالے جائیں گے قبروں سے بھی کیا یہ قیامت ہے

بنیں گے واں طویلے رائے صاحب خان بہادر کے
جہاں ٹوٹا شوالہ یا کہ مسجد بے مرمت ہے

حمیت ہی نہ ہو جس قوم میں واں حج نہ ہو تھوڑا
وہ غافل قوم جو ذلت کو یہ سمجھے کہ عزت ہے

ہمیں غیروں سے کیا مطلب وہ کیوں ہمدرد ہوں آخر
ہمیں تو ہاتھ سے اپنوں ہی کے ساری شکایت ہے

نظر آتا ہے سبزہ ہر طرف ساون کے اندھوں کو
وہ کیا جانیں مصیبت سہہ کے کس کی زرد رنگت ہے

خدا کے واسطے اب انتخاب اُن کا کرے پبلک
جنھیں کچھ پاس مذہب ہے جنھیں کچھ دردِ ملت ہے

وہی ہم جنس کے جو درد کو محسوس کرتے ہوں
ادائے خدمتِ مخلوق میں جن کو مسرت ہے

وگرنہ ممبری کی کرسیوں کو روک لینے سے
نمائندوں کی بدنامی ہے پبلک پر مصیبت ہے

نہ جو خود کر سکیں کچھ اور نہ موقع دوسروں کو دیں
یہ ایسے خود غرض احباب کی سچی شکایت ہے

وہ دیکھو سو رہے سب سُننے والے کس سے کہتے ہو
ظریف اب چپ رہو تم بھی کہ طولانی حکایت ہے

نوٹ۔ یہ نظم ۱۹۱۸ء میں کہی گئی۔ جب ہوم رول حاصل کرنے کی بڑی دھوم تھی اس نظم میں ہندوستان کے مختلف طبقوں اور پیشوں کے افراد کی سیرت، کردار، اور عمل کا صحیح صحیح خاکہ ظریفانہ طرز پر پیش کیا گیا ہے اور یہ دکھایا گیا ہے کہ آیا ایسے افراد جن سے ہندوستانی قوم مرکب ہے اور جن کی فرض شناسی کا یہ عالم ہے وہ ہوم رول کے کہاں تک اہل ہیں اور اُن کو ہوم رول مل جائے تو حکومت کے انتظام میں کہاں تک اُن کو کامیابی ہو سکتی ہے۔

اس نظم کی صداقت تخئیل کا ثبوت پندرہ سولہ برس بعد جب کانگریس کو بعض صوبوں کی وزارت ملی اور حکومت و انتظام ان کے ہاتھ میں دیا گیا اور اُنھوں نے جیسا کچھ کیا اس سے پتہ چلتا ہے کہ ظریف مرحوم کی دوربین نگاہیں گویا اس قدر پہلے اس کو دیکھ رہی تھیں۔ یہ نظم بظاہر اسباب محض ہنسنے، ہنسانے کی ایک چیز ہے، لیکن حقیقۃً ایک اصلاحی دستور العمل ہے۔ (صفی عفی عنہٗ)

نظم نمبر ۲۱ — ۲۱ ۱۹ء — تعداد اشعار ۵

سیاسی بینگن

نوٹ ایک بھاری بھرکم مولانا۔ دعویدار خلافت جب کانگریس میں مُدغم ہو گئے تو اُن کے متعلق ظریف مرحوم نے یہ قطعۂ مختصر نظم کیا جس کے قوافی۔ بُت خانہ۔ پروانہ۔ حریفانہ، دانہ ہیں لیکن شوخی طبعی سے مزاحًا مولانا کے الف کو ہائے مختفی سے بدل کر الفاظ مذکورکا ہم قافیہ اس لیئے قرار دیا کہ از روئے ساخت "مولانہ" کا قطر عرضی "مولانا" سے زیادہ ہے اور اس طرح شخص معہود ذہنی کی جسامت کا اظہار مقصود تھا یہ پہیلی دیکھنے کی شئے سے متعلق ہے (صفی عفی عنہ)

بحر ہزج مثمن اخرب سالم — ارکان مفعولُ مفاعیلن مفعولُ مفاعیلن

مسلم سے تنفّر اور کفّار سے یارانہ
آخر یہ قلابازی کیوں کھا گئے مولانہ
چھمی کی محبّت نے دل موہ لیا اتنا
منہ موڑ کے کعبے سے پہونچے سُوئے بت خانہ
اسلام تعجب سے انگشت بدنداں ہے
مرگھٹ میں جلے شمع توحید کا پروانہ
تھالی میں سیاست کی بینگن کی طرح لڑھکے
"اور اس کو سمجھتے ہیں اک چال حریفانہ"ع
پبلک کے پھنسانے کو سب جال کے پھندے تھے
یہ ریش یہ عمّامہ اور سبحۂ صد دانہ

ع یہ مصرع مولانا صفی کی نظم "نالۂ مستانہ" کا بطور تضمین اس نظم میں صرف ہوا ہے۔

ممتاز حسین جونپوری

نظم نمبر ۲۲ فروری ۱۹۲۲ء تعداد اشعار ۲۲

اپیل منجانبِ ایتام

اثرِ خاطرِ ظریفؔ مرحوم

نوٹ۔ دسمبر ۱۹۲۰ء میں شیعہ یتیم خانے کے سکرٹری کی خدمت بر وقت اجلاس کانفرنس قوم نے سید مقبول حسین صاحب ظریفؔ کو تفویض کی انھوں نے یتیم خانے کے لیۓ ایک وسیع قطعہ آراضی منصور نگر میں مول لے کر عمارت یتیم خانہ بنوانا شروع کی اور اس ادارے کے لئے قوانین وضوابط مرتب کرکے اس کے انتظام کو باقاعدہ کردیا۔ چنانچہ جب بتاریخ ۳ر جمادی الاخریٰ ۱۳۴۰ھ مطابق یکم فروری ۱۹۲۲ء جناب سیّدہ صلوٰت اللہ علیہا کے دیسے میں خواتین لکھنؤ کا بمقام کربلاۓ دیانت الدولہ مجمع ہوا تو وہاں کے لیۓ یہ اپیل بغرض اعانتِ ایتام نظم ونثر میں شایع کی گئی اور ظریفؔ صاحب کی بڑی بیٹی نے جاکر مستورات میں تقسیم کی۔۔۔ : وہوا ہذا :۔ (صفی عفی عنہ)

بحر ہزج مثمن سالم ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

یتیموں کی نظر پہچاننے والوں کا مجمع ہے
جنابِ سیّدہ کے ماننے والوں کا مجمع ہے
للّٰہ کسی وقت اِسے پڑھ لیجیۓ گا یا پڑھوا کے سُن لیجیۓ گا

جنابِ سیّدہ صلوات اللہ علیہا نے جن کی شبیہہ تابوت میں آج آپ شریک ہو رہی ہیں بر وقت انتقال حسنین علیہما السّلام کے واسطے جناب امیرالمومنین علی ابن ابی طالب ایسے شفیق باپ سے جو کچھ وصیّت فرمائی تھی وہ آپنے

مجالس میں بارہا سُنی ہوگی (یعنی " یا علی اگران بچوں سے کوئی خطا ہو جائے تو ملیتیم سمجھ کر بحل کر دینا") کیا امیرالمومنین علیہ السلام سے جنھوں نے عمر بھر بیوہ ں اور یتیموں کی خدمت خود کی۔ تنور میں خود آگ روشن کرکے غیر کے یتیم بچوں کے لیئے روٹیاں پکائیں۔ اپنے بچوں کے لیئے ایسی وصیت کی ضرورت تھی۔ مگر اس وصیت میں ایک راز ہدایت شیعیان کے لئے پوشیدہ تھا یعنی کسی بچے کا یتیم ہونا کس قدر قابل توجہ ہے۔

جس روز سے میرے والد نے خدمت یتیم خانہ اپنے ذمّہ لی اور یتیموں کے حالات تفصیلی مجھے معلوم ہوئے کہ بہت سے یتیم ایسے ہیں جن کی نادار ماؤں نے قوم کی توجہ پر اپنے ننھے ننھے بچوں کو دور دراز مقامات سے تعلیم و پرورش کے لیئے لکھنو بھیجدیا اس بھروسے کی کیا انتہا ہو سکتی ہے جو آپ کی شفقتوں پر کیا گیا بہت سے یتیم ایسے ہیں جن کی ماں اور باپ دونوں اپنے جگر کے ٹکڑوں کو آپ کے حوالے کرکے قبر میں ہمیشہ کے لیئے سو رہے ہے۔ ان واقعات کو سُن کر میں نے خود بھی ارادہ کیا ہے کہ امکانی خدمت اِن بچوں کی بجالاؤں۔ چنانچہ جو بہت چھوٹے ہیں اُن کی نگہداشت نہلانا دھلانا۔ جوئیں دیکھنا۔ کپڑے بدلوانا یتیم خانے سے بُلوا کے خود کرتی رہتی ہوں۔ چنانچہ اسوقت بھی ایک بچہ میرے ساتھ ہے جسے یہ بھی نہیں معلوم کہ میرے ماں باپ مجھے کس پر چھوڑ گئے اور کہاں ہیں۔

میں بکمال ادب آپ سے ملتجی ہوں کہ للہ اپنے پیارے بچوں کے تصدق میں آپ ہر موقع پر قوم کے یتیم بچوں کا ضرور خیال رکھیئے خدا نے آپ کو وہ دل دیا ہے جو کسی کی مصیبت سُن کے مطمئن نہیں رہ سکتا۔ اگر آپ کو کامل توجہ رہے گی تو بالفرض اگر مردِ مکروہاتِ دُنیوی کی وجہ سے کسی وقت سہو کریں تو آپ کا توجّہ دلانا کافی ہوگا کیا آپ کو دفن امام مظلوم کے موقع پر قبیلۂ بنی اسد کی عورتوں کا واقعہ یاد نہیں آج وہ پردہ نشین دکھیائیں جو ہماری ہی شیعہ بہنیں ہیں جنھوں نے یہ امانتیں آپکے جوش و ہمدردی ایمانی کے سپرد کی ہیں بہ نسبت آپکے اپنے پیارے بچوں سے بہت دور ہیں اور یہ بچّے آپکے شہر میں آپکے مہمان ہیں۔

جب آپ کو اپنے مہمانوں کی خاطر کا اس قدر خیال رہتا ہو کہ مختلف زحمتیں ان کے بلانے اور جمع کرنے میں بخوشی اُٹھاتی ہیں تو کیا ان ننھے ننھے مہمانوں کو بھول جایئے گا کبھی نہیں۔ جب حضرت فضہّ سے آواز یتیم و سائل سُنی نہ گئی اور اپنے حصے کی روٹی حوالے کرکے روزہ رکھ لیا تو دیگر کنیزان حضرات زہرا صلوات اللہ علیہا بھی کی توجہ قابل غیر ہیں

ضرب المثل ہے یتیموں کی طرف سے کیونکر غافل ہوسکتی ہیں توجہ شرط ہے کم از کم ہر شادی اور غم کے موقع پر جب آپ مہمانوں کو کھانا کھلائیں تو یتیموں کو اپنا مہمان ضرور سمجھیں اور اُن کا حصّہ ضرور نکالیں اگر آپ کو بھیجنے میں دِقّت ہو تو پہلے سے تاریخ کی اطّلاع یتیم خانے میں کردیجئے وہاں سے آدمی حاضر ہوکر لے جائے گا اور خاص نگرانی میں یتیموں کو کھلادیا جائے گا۔

نہیں تو جس وقت ایسی تقریبوں پر آپ بجٹ کا تخمینہ بنائیں اُس وقت کے موجودہ یتیموں کی تعداد کے حصوں کے بقدر رقم کا اضافہ کرکے وہ رقم یتیم خانے بھجوادیں آپ کو شمول مصارف معلوم بھی نہ ہوگا اور معقول اعانت یتیموں کی ہوتی رہے گی۔ سب کے آخر میں میں اپنی بیرونجات کی بہنوں سے بھی ملتجی ہوں کہ وہ اس قسم کی توجہ اپنے اپنے مقاموں پر دوسری بہنوں کو دلاتی رہیں اور کسی موقع پر قوم کے یتیم بچّوں کو فراموش نہ کریں۔ اور کل بہنوں سے التجا ہے کہ وہ اپنے گھروں کے مردوں کو متوجہ کریں کہ وقتاً فوقتاً وہ یتیم خانے کی حالت کا معائنہ فرماتے رہیں۔ میں ہوں شیعہ یتیم بچّوں کی ایک خادمہ

نظم

(دختر سید مقبول حسین)

بحر رمل مثمّن مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

کیا بتائیں کون ہیں کیوں طالبِ امداد ہیں — کشتۂ صد فتنۂ چرخِ ستم ایجاد ہیں
بے پدر ہیں بے نوا ہیں خانماں برباد ہیں — مہرباں کچھ آپ کو وعدے بھی اپنے یاد ہیں
ڈر ہے قسمت سے کہ یاں بھی بدنصیبی ساتھ ہے
بے پدر بچّوں کی ہستی قوم تیرے ہاتھ ہے

چل بسے ماں باپ جنّت کے بسانے کے لئے — رہ گئے دنیا میں ہم صدمے اُٹھانے کے لئے
رحم کھاکر قوم نے عقبےٰ بنانے کے لئے — لے لیا آغوش میں ہم کو جِلانے کے لئے
بسملوں پر تم جو شفقت کی نظر کرنے لگے
پاکے دامن کی ہوا زخمِ جگر بھرنے لگے

رحم دل اے قوم تجھ سے بڑھ کے دنیا میں نہیں　　پیشوا کی خصلتیں ملّت سے مٹتی ہیں کہیں
یاد ہے کچھ آپ کے آقا امیر المومنینؑ　　کر گئے دنیا میں کیا کیا کھا کے خود نانِ جویں
نفس پر اپنے مقدم کر کے فیضِ عام کو
خود گرسنہ رہ گئے آسودہ کیا ایتام کو

آپ کی بیکس نوازی ہے زمانے پر جلی　　ایک دن کوفے میں جاتا تھا وہ خالق کا ولی
بیوۂ مسکیں اُدھر سے مشک بھر کر لے چلی　　ہو گئے بیتاب اُس کو دیکھ کر مولا علیؑ
مشک لے کر دوش پر خود ساقیِ کوثر چلے
آبِ حیواں لے کے گویا خضرِ پیغمبر چلے

تا بہ خانہ مشک پہونچا کر پھرے شیرِ خدا　　پشت پر زنبیل میں لے آئے سامانِ غذا
آگ روشن کر کے فرمانے لگے شاہِ ہدا　　بے پدر بچوں سے غفلت کی ہے یہ ادنا سزا
یا علیؑ کچھ زادِ راہِ پُر خطر تو نے نہ لی
وائے غفلت اِن یتیموں کی خبر تو نے نہ لی

آگ سے تکلیف پہونچی اُس ولیِ حق کو جب　　رو کے فرمایا ہے اس سے بڑھ کے دوزخ کا تعب
پھر یتیموں کو بصد شفقت کھلاتے تھے رُطب　　بے پدر بچّوں سے کہتے تھے یہ سلطانِ عرب
جو کہو حاضر کرے تم سب کا خادم ہے علیؑ
بخش دو بچّو! خطا پر اپنے نادم ہے علیؑ

یہ بھی اک رازِ ہدایت تھا جو حضرت اس قدر　　کرتے تھے اظہارِ شفقت قوم کے ایتام پر
کیوں نہ ہو اے قوم تجھ میں اپنے آقا کا اثر　　پر خیال اس کا رہے ہونا نہ ہم سے بے خبر
کمسنی کے عہد میں چھوڑا ہمیں ماں باپ نے
اپنی آغوشِ تمنّا میں جگہ دی آپ نے

نوٹ

مندرجۂ بالا نثر و نظم میں یہ اپیل ہفتہ وار اخبار موسوم بہ "دُرِّ یتیم" میں شائع ہوئی تھی یہ اخبار ظریف نے اپنی سکریٹری شپ کے عہد میں یتیم خانے سے اس لیئے جاری کیا تھا کہ قوم کو یتیموں کے مفصّل حالات کی خبر ملتی رہے۔

(صفی عفی عنہٗ)

نظم متعلّق یتیم خانہ

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

بحر مجتث مخبون مقصور یا محذوف۔ ارکان مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

"من آنچہ شرط بلاغ ست با تو می گویم"
"تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال"

کبھی کبھی تو اُدھر بھی حضور آنکلیں — یتیم بچّوں کے رہنے کا جو ٹھکانا ہے
اسی لیئے کہ یتیموں کو یہ خیال نہ ہو، — یتیم ہونے سے برگشتہ اِک زمانا ہے
اُٹھا جو باپ کا سایہ تو سب نے چھوڑ دیا — یہ کیا کہ وہ بھی ہر بیگانہ جو یگانا ہے
یہ ہم نے مانا یہاں کون سی ہے دلچسپی — نہ ناچ رنگ کی صحبت ہے اور نہ گانا ہے
نہ ہے پتنگ کا میدان دہلی والوں سے — نہ ریس کورس کہ بازی جہاں لگانا ہے
نہ ہاکی اور نہ فٹ بال کا یہاں ہے میچ — نہ پولو جس میں مرے کپ کسی کو پانا ہے
نہ یاں فلش ہے نہ سولو نہ کورٹ پیس نہ برج — نہ یہ کلب ہے، نہ کوئی قمار خانا ہے
نہ لاٹری نہ لکی بیگ کی کشش ہے یہاں — نہ وہ مقام جہاں قسمت آزمانا ہے
نہ یاں بٹیروں کی پالی نہ چوک کا منظر — آلِ کار جہاں دیکھنا دکھانا ہے
نہ یاں یہ ہوتا ہے دنگل کوئی عظیم الشّاں — جہاں غلام کو صادق سے چت کرانا ہے
نہ اِس جگہ کوئی سرکس نہ الفرڈ ناٹک — نہ منچلوں کو یہاں سینما دکھانا ہے
یہاں زوالیجکل گارڈن نہ کوئی پارک — بنوعِ خاص جہاں جنسیت بڑھانا ہے

یہاں نہ پولٹری شو نہ یاں فلاور شو — نہ فینسی فیر اک فرض جس میں جانا ہے
نہ یاں پہ رنگ تھیٹر، ہو جس میں اسکیٹنگ — نہ یاں دِلورلو کی شاپ جس میں کھانا ہے
مسز سروجنی ینڈو نہ دیں گی یاں لیکچر — نہ کانگرس نہ خلافت کا یاں فسانا ہے
یہاں پہ آنے سے سوراج مِل نہ جائے گا — کہ اُس کے واسطے مخصوص جیل خانا ہے
یہاں نہ امن سبھا ہو نہ یاں کسان سبھا — نہ یاں پہ لیڈری ڈھلنے کا کارخانا ہے
نہ یاں پہ وارڈ کی ہو ممبری کی پوسٹ کوئی — کہ جس میں ووٹ کی خاطر ضرور جانا ہے
نہ یاں پہ ضلع کے حاکم کا ہے کوئی بنگلہ — نہ وہ جگہ ہے جہاں سے خطاب پانا ہے
ڈنر ہو اور نہ ٹی پارٹی نہ یاں ایٹ ہوم — نہ کچھ سہی تو فقط ہاتھ ہی ملانا ہے
نہ یاں عدالت دیوانی و عدالتِ مال — نہ پرگنہ ہے نہ تحصیل ہے نہ تھانا ہے
نہ یاں رجسٹری ہونی ہے کوئی دستاویز — نہ میوزیم نہ یہاں کوئی مال خانا ہے
نہ حال قال کی محفل نہ یاں کسی کا عرس — نہ یاں مشاعرہ جس میں غزل سُنانا ہے
نہ اس مقام پہ بزمِ قصیدہ خوانی ہے — کہ آئے زورِ طبیعت جسے دکھانا ہے
نہ یاں پہ مرثیہ خوانی نہ سوز خوانی ہے — نہ واہ واہ کے قابل کوئی ترانا ہے
نہ ایسی ہے کوئی مجلس کہ جس میں حصّے بٹیں — نہ یاں پہ دعوتِ احباب کا ٹھکانا ہے
نہ یاں تھمے سے ہے ماتم کہ جس میں خون بہے — نہ یاں کسی کو کوئی لمبی چھڑ اُٹھانا ہے
نہ یہ وہ در ہے جہاں ہو امید ملنے کی — نہ یاں پہ صاحبِ دولت کا آستانا ہے
علیل ہے نہ یہاں کوئی صاحبِ ثروت — ثواب جس کی عیادت سے فرض جانا ہے
مطب یہاں نہ کسی نامور حکیم کا ہے — کہ حال کہنا ہے یا نبض ہی دکھانا ہے
نہ یاں مُفید طِلا کوئی بیچنے والا — کہ جس کی قدر ہو سردی کا یہ زمانا ہے
نہ یاں کوئی مڈیکل ہال ڈاکٹر کا ہے — نہ فارمیسی جہاں سے دوائیں لانا ہے

نہ جوتشی کا مکاں ہے نہ خانۂ رمّال
کہ جس سے زائچہ کھچوا کے آزمانا ہے
نہ یہ مکان کسی نامور وکیل کا ہے
جوابِ دعویٰ جہاں بیٹھ کر لکھانا ہے
نہ وہیٹ وے کی دکاں ہاف سیل کا موسم
مفید و داخلِ فیشن جہاں کا جانا ہے
نہ یاں پہ ہے کوئی منڈی نہ یاں کوئی بازار
کہ لین دین سے کچھ فائدہ اُٹھانا ہے
یہاں کا آنا تو ہے خالصًا لوجہ اللہ
وہ اس نظر سے کہ یہ اک یتیم خانا ہے
بقائے مذہب و ملت اگرچہ ہے مقصود
روش بدلیے کہ نازک بہت زمانا ہے

خیالِ خام ہے نظمِ ظریف ہو مقبول
سُنے گا کون بہت خشک یہ فسانا ہے

نوٹ ظریف مرحوم آل انڈیا شیعہ یتیم خانے کے ایک عرصے تک آنریری سکریٹری رہے اور اُنھیں کے یادگار عہد میں یہ موجودہ عمارت تعمیر ہوئی اور یتیم خانے کا نظام ایک خاص عنوان سے درست ہوا اس کو وہ ایک علمی اور مفید درسگاہ بنانے والے تھے اسی زمانے میں ایک نہایت دلچسپ پراثر عنوان سے یہ نظم بصورت اپیل کہی گئی جس میں اُن مختلف تماشا گاہوں سیر گاہوں، اشغال، صحبتوں، اور انفرادی ملاقاتوں کا ذکر ہے جس میں قوم کے افراد وقت صرف کرتے رہتے ہیں اس نظم سے ظریف مرحوم کی معلومات کا حال معلوم ہوتا ہے جو اُن کو مختلف سوسائٹیوں وغیرہ کے متعلق تھی۔ (صفی عفی عنہ)

قطعہ

بحر مجتث مخبون مقصور یا محذوف
ارکان مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

بہ احتیاط حضور اس رپورٹ کی ہو سیر
یتیم رحم کے قابل ہیں اپنے ہوں یا غیر
یتیم خانہ تو کیوں آپ آکے دیکھیں گے
یتیم خانے کا نقشہ ہے دیکھ لیجے خیر

نوٹ ۔ یہ قطعہ رپورٹ یتیم خانہ کے ساتھ شایع ہوا۔ (صفی عفی عنہ)

نظم نمبر ۲۴ — تعداد اشعار ۲۷

یکشنبہ ۱۳ جولائی ۱۹۲۴ء

نوٹ۔ ۱۹۲۴ء کے پہلے سے جب شیعوں میں بیداری پیدا ہو چکی اور دینوی معاملات کو جو خلاف شرع نہ تھے اور ان کو زمانۂ حال کے تعلیم یافتہ بہتر سمجھ سکتے تھے، اُن میں کچھ بے محل اور نقصان رساں مداخلت صرف لکھنؤ کے چند حضرات علمائے کرام فرمانے لگے جس کی وجہ سے بعض انگریزی تعلیم یافتہ حضرات میں اور ان میں اختلاف رائے ہوا ہی کے بعد ۲۱ لغایتہ ۲۳ مارچ ۱۹۲۴ء فیض آباد میں آل انڈیا شیعہ کانفرنس کا اجلاس خاندان اجتہاد کی بزرگ ہستی جناب شمس العلماء مولانا سید ابن حسن صاحب مجتہد کے زیر صدارت منعقد ہوا اُس میں لسان القوم مولانا صفی صاحب مدظلہ نے بڑی خوبی سے بعض مسائل پر روشنی ڈالی اور ان خیالات کا صحیح صحیح اظہار کیا جس کی قدر زمانہ شناس علماء اور انگریزی تعلیم یافتہ دونوں اِس وقت بھی اور آئندہ صدیوں تک کریں گے۔ اِس میں جو باتیں صاف صاف طور پر قوم کے لیئے مفید تھیں اور جن کی واقعی کوئی تردید ممکن ہے نہ تاویل۔ اُن کو ظاہر کیا گیا۔ باوجود اِن خوبیوں کے اس کی مخالفت میں اکثر غیر شاعر اجیروں سے نظمیں شایع کرائی گئیں۔ از انجملہ ایک قطعہ کہلا کر اخبار شیعہ کالج نیوز میں قوم کو مغالطہ دینے کی غرض سے شایع کرا دیا گیا اس قطعے کے جواب میں نظم اور اسی کے ساتھ اہل ذوق کے مانوس لہجے اور ترکیب و الفاظ کے پیرائے میں ایک نثر لکھ کر ظریف مرحوم نے سید رضا صاحب کے نام سے اخبار اودھ پنچ لکھنؤ میں چھپوا دی یہ نظم اور اس سے پہلے نثر وہی کلام ہے جو غلط فہمی دور کرنے اور گم کردہ راہ کو صحیح جادہ پر لانے کے لیئے پیش ہوا ہے۔

(ممتاز حسین عفی عنہٗ)

شمس النظر فخر الادیب العلماء مولانا پنچ دامت برکاتہٗ

بعد تعریف خدا اور نعت رسول کے یہ خط ہے ایک صلح ڈھونڈھنے والے کا طرف ایک اصلاح کرنے والے کے پس یہ تحقیق کہ سلام ہوا دپر بھائے بیچ اس زمانے کے کہ ہدایت کرتے ہو قوم اپنی کو ساتھ حکایات لطیف

ایسے مولویوں والے کے جو ہیں دھوکا دینے والے ساتھ بنادٹوں اپنی کے ہر آئینہ جانتے ہیں بنانا میاں
مٹھو ساتھ منہ اپنے کے اور سکھاتے ہیں ہم آوازوں اپنوں کو "نبی جی بھیجو" بولنا اور ہے شوق دلوں اُن کے
میں کہ مخلوق پوجے ہم کو اور دیدے مال اپنا بند کرکے آنکھوں اپنی کو کہ صرف کرے اولاد ہماری بیچ رنڈی بازی
کے اور حلال کرلیں ہم مسئلوں بنائے ہوئے اپنوں سے یہ سب کچھ اور کہے جاؤ تم سب کہ ہاں ہاں یہ تو معصوم سے
بھی بڑھ کے ہیں اور قول ان کا ہے حدیث اور یہ حکم جو اُنھوں نے اپنے فائدوں کی لپیٹ کے ساتھ دیا ہے۔
گول گول یہ تو آیت کی صورت سے کیونکہ نازل ہوا خدا کے مختار عام کی جانب سے پس کیونکر ہوا اعتراف ساتھ بات
نکلی ہوئی مو ہوں اُنھوں کے سے پس ہوشیار کیا گروہ اپنے کو جس شخص نے ہتھکنڈوں ان کے سے تحقیق
کہ ہو نہ جائیں کیوں دشمن وہ کھری کہنے والوں کے اور کیوں نہ ہوں خوش سراہنے والوں اپنے سے جو کہ ہیں
جھوٹی تعریف کرنے والے اور جمع ہو گئے ہیں آگے پیچھے اُن کے وہی جو خراب کرتے ہیں دماغ اُن کا ہلڑ مچا
مچا کر وقت دیکھنے صورت اُن کی کے اور یہ خوش ہوتے ہیں بیچ دلوں اپنے کے .... اوپر
ایسے ہلڑ کے چنانچہ حسب فرق دکھایا اصل و نقل کا نظم میں اور توجہ دلائی گئی لوگوں کو درمیان کانفرنس شیعہ
والی کے جو ہوئی بیچ فیض آباد کے کئی مہینے قبل تو بُرا مانا اُنھوں نے جو آئے تھے ۔ اس تعریف میں کیونکہ
کڑوی ہوتی ہے بات سچّی اور نہیں اترتی حلق سے اُنھوں کے جو لیے ہیں بیمار دل پہلوؤں اپنوں میں پس بلائے
گئے سراہنے والے اُن کے اور جمع ہوئے آگے پیچھے اور کہا گیا اُنھوں سے کہ بچاؤ آبرو مصنوعی ہماری اور
حفاظت کرو بہروپ ہمارے کی ساتھ کوشش اپنی کے کہ جس کی تہ میں فائدہ ہے تم لوگوں کا بھی کثیر اور
کیا نہیں دیتے ہم اس مال میں سے تم کو جو حاصل کرلاتے ہیں تمھاری تعریفوں کے صدقے میں پس تاویلیں کرنے
لگے وہ لوگ شعر بنا بنا کے بیچ بات کی اور مدد دی فرمائش کرنے والوں نے ساتھ مال کے مال والے گھر اپنے
سے پس جاری ہے وہ سلسلہ اب تک ہر چند کہ نہیں دیا جواب کسی نے ایسے ٹرّانے والوں کو چنانچہ پھر
دُھرایا اُس واقعے کو مدیر نے ساتھ قطعۂ نئی تصنیف والے کے بیچ صحیفہ (البصیر) کے اور رفع کیا اشتباہ
اُن کا ایک صاف گو رضوی نے جو بھیجتا ہوں آپ کو واسطے شایع کرنے کے چونکہ تجویز ہے اس میں ایک نئی

ایسی کہ جو مفید ہے اس گروہ کے لئے بھی جس نے پکائی ہے خواہ مخواہ دین و دنیا کی کھچڑی بیچ پتیلہ پیٹ اپنے کے واسطے خوراک مریضان حرص کے عجب کیا کہ وہ بھی خوش ہوں اس تجویز ترقی اپنی سے بیچ دلوں کے وھوا ھذا

(راقم سید رضا رضوی ینو ماڈل ہاؤسز قریب بیرونی خندق لکھنؤ)

یکشنبہ ۱۳؍ جولائی ۲۴ء ۱۹

قطعۂ مطبوعۂ شیعہ کالج نیوز

دین و دنیا ایک ہے، اب تک یہ سنتے آئے ہیں
دین ہی کے تحت میں قائم ہے دنیا کا نظام
جب سے پیدا ہو گیا جمہوریت کا ولولہ
کر رہے ہیں دور ہی سے لوگ مذہب کو سلام

جوابِ قطعہ

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف
ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

شخصیت بڑھ جائے جب اتنی کہ جس کی حد ہو
تھے برائے نام جو نائب وہ بن بیٹھے امام
وہ شریعت ناؤ تھا اسلام کو جس شرع پر
یعنی خلق اللہ کے جمہور کا سادہ نظام
یعنی قرآن نہ بدلے ہیں نہ بدلیں گے کبھی
کیونکہ یہ قانون ہے فرمودۂ ربِّ انام
وہ مقنن خالق جمہور جس کا نام ہے
حکم محکم جس کا یکساں ہو برائے خاص و عام
خود غرض اشخاص استعمال جب کرنے لگیں
حسبِ مرضی اپنے پھر قانون کو کیا اس سے کام
غیر معصوم اس میں اپنی رائے کو جب دخل دیں
رائے بھی وہ جس میں ذاتی منفعت کا اہتمام
یعنی حبل المتیں کو بٹ کے رسی کی طرح
گتھیاں ہر بات میں پیدا کریں بہرِ عوام

اُن کی یا اُن کے مریدوں کی ہو جس میں منفعت — وہ حلالاً طیباً اور مابقی ہر شئے حرام
اُن کی ذاتی رائے کو سمجھے نہ جو عینِ حدیث — اُس پہ بے دینی کا فتویٰ دیں لگا کر اتّہام
بند کر کے آنکھ پوجے جائیں ایسے خود غرض — ایسے لوگوں کا اگر واجب ہو سب پر احترام
گر اسی کا نام دینداری ہے مذہب ہے یہی — ایسی دینداری پہ لعنت ایسے مذہب کو سلام
بڑھ گئے ہیں گاؤدی گر قوم میں بے انتہا — اور نہیں پہچانتے وہ صورتِ نور و ظلام
اُن کو لازم ہے کہ مل کر بیل رکشا اک بنائیں — اور اک میلے کا فیض آباد میں ہو اہتمام
گھاگھرا کے پاس باڑہ ہو اگر کوئی وسیع — بیل رکشا کی نمائش کا وہاں ہو انصرام
جتنے قومی سانڈ ہیں اُن کو نمائش میں بلائیں — یہ بھجن منبر پہ چڑھ کر گائیں واعظ صبح و شام
اَیُّہَا النّاس آپ کو لازم ہے ان سانڈوں کی فکر — اِن کے بچھڑے قیمتی ہوں گے بہت آئیں گے دام
مول لے لیں گے بڑی قیمت پہ پنجابی کسان — باپ کی جاگیر کا کرنا ہے جن کو انتظام
جوت ڈالیں گے اودھ سے لے کے یہ پنجاب تک — مزرعِ قومی کا باقی پھر نہ رہ جائے گا نام
گھوم پھر کے یہ لگائیں گے بچھیاں اپنے ساتھ — نسل خود اپنی بڑھا لیں گے یہ ہنگامِ قیام
یہ زکوٰۃ و خمس کی سانی کہاں تک کھائے جائیں — ان کی خاطر کیجیے قومی چراگاہوں کو عام
یہ جہاں چاہے چریں ان کو نہ کوئی کچھ کہے — چھوڑنا ان کا ثواب اور باندھنا ان کا حرام
شیعہ کالج میں اگر تختہ کوئی شاداب ہو — ان کے چرنے کے لیے لکھ دیجیے سب ان کے نام
فائدہ ہی فائدہ ہے آپ کو اس کام میں — ہو گئے اس تقلید سے ہندو بھی دل میں خوش تمام
مالوی جی اُن کے لیڈر اِن کے لیڈر مولوی — اور دوپٹہ بھی ہے ان دونوں میں اک تشبیہِ تام

اُن کو عظمت ہو یہ بے چارے مذلّت میں رہیں
کون سا انصاف ہے کچھ غور کیجے والسّلام

نظم نمبر ۲۵ | ۲۵ سنہ ۱۹ء | تعداد اشعار ۷

دوستانہ شکایت

نوٹ۔ مسلمانوں کے ایک بہت بڑے لیڈر مولانا جو دعوی دار خلافت بھی تھے مہاراجہ محمد علی محمد خاں مرحوم سے ملنے گئے رخصت کے وقت مہاراجہ مرحوم نے حسب معمول انھیں ایک سگار کا بکس تحفتہً دیا مولانا موصوف اُسے لے کر اپنی فرودگاہ پر واپس آئے تو اُن کے بڑے بھائی نے اُس بکس کے متعلق دریافت کیا۔ اُنھوں نے واقعہ بیان کیا کہ مہاراجہ صاحب محمود آباد نے یہ مجھے دیا ہے۔ ہر چند مجھے سگار کا شوق نہیں۔ مگر جزیہ سمجھ کر ان سے میں نے لے لیا۔ حسب اتفاق ظریف مرحوم اس گفتگو کے وقت وہاں موجود تھے انھیں یہ گفتگو بہت ناگوار گذری اور محض تنبیہاً یہ قطعہ کہہ کر ہمدم میں شایع کرا دیا۔ (صفی عفی عنہٗ)

بحر ہزج مثمّن سالم — ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

ظریفؔ افسوس اس کا ہے وہ ہم کو کیا سمجھتے ہیں
جنھیں اسلام کا ہم والہ و شیدا سمجھتے ہیں

خدارا پہلے اپنے نفس کی اصلاح فرمائیں
بُرا جو تفرقے کو میل کو اچھا سمجھتے ہیں

مسلماں ہیں بلا تفریق بھائی بھائی آپس میں
ہم اسلامی اُخوّت کا یہی منشا سمجھتے ہیں

خدا پر اور رسول اللہ پہ جو ایمان رکھتا ہو
اُسے کس طرح کافر دل میں مولانا سمجھتے ہیں

لکھا ہے کس شریعت میں کوئی بھائی جو دے تحفہ
تو اُس کو آپ لیتے ہیں مگر جزیا سمجھتے ہیں

تعصّب کا دھواں دینے لگا کیونکر سگار ان کا
جنھیں اس سے کہیں ہم ارفع و اعلا سمجھتے ہیں

مزا جب تھا کہ آپس میں سمجھتے قوّتِ بازو
شکایت اُن سگوں سے ہے جو سوتیلا سمجھتے ہیں

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۲۶ — سنہ ۱۹۲۵ء — تعداد اشعار ۱۹

آنریری

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

یہ پوچھا مجھ سے آکر ایک ناواقف مسلماں نے
کہ لفظِ "آنریری" کے سمجھنے میں ہے دشواری

اسی کی دم میں اکثر لوگ عہدے باندھ دیتے ہیں
بلا تفریق کے چاہے وہ قومی ہوں کہ سرکاری

کہا میں نے سُنیں سرکار، کُل اقوامِ عالم میں
ہے مطلب صاف اُس کا ایک عزّت دار بیگاری

ادائے خدمتِ مخلوق سے ہے جس کو دلچسپی
پرایا کام کرنے کو جو سمجھے "شغلِ" بیکاری

ہے سب سے قیمتی شئے وقت ہی اس دارِ دنیا میں
اُسی کو وقف کر دینا ہے اک فعلِ جگرداری

بلا تنخواہ کے لوگوں کا خدمت گار بن جانا
یہی بس کسرِ نفسی ہے، یہی عینِ رواداری

خلوصِ نیّت اِس خدمت کا لیکن جزوِ اعظم ہے
اگر بہرِ نمود و نام ہو تو پھر ہے مکّاری

شعارِ اہلِ ایماں محسنوں کی عزّت افزائی
جزا احساں کی احساں ہے بحکمِ حضرتِ باری

مگر خود مطلبوں میں آنریری کا یہ ہے مطلب
اِک ایسا شخص جس پر فرض سب کی نازبرداری

غلام ایسا کہ مالک قوم کی ہر فرد ہو جس کی
بلا اُجرت کا مزدور اکس و ناکس کا بیگاری

وہ رہرو دو قدم ہمراہ چلنا جس کے مشکل ہو
وہ لاوارث کا مُردہ ہو جو دوشِ قوم پر بھاری

وہ خودرو گھانس جس کو نوچ ڈالے جس کا جی چاہے
وہ سبزہ جس کی پامالی کو لازم تیز رفتاری

وہ بے دیں فرد جس کا کوئی مذہب ہو نہ ملّت ہو
وہ کافر بے گنہ بھی قتل جس کا عینِ دینداری

وہ قومی ٹارگٹ جس پر نشانہ مارنے والے
کریں آنکھوں کو بند اور ہاتھ کی دکھلائیں تیاری

وہ اک برگشتہ قسمت خدمتِ بے لوث کا جس کی
صلہ "لعنت ملامت" اور نتیجہ ذلّت و خواری

وہ اک پتھر کی مورت قلب پہلو میں نہ ہو جس کے
کرے ہر شخص جب جو صلا اُس کی دل آزاری

وہ جنسِ بے حقیقت قدر ہو جس کی نہ قیمت ہو
وہ کوڑا پھونک دیں عند الضرورت جس کو بازاری

چڑھا دینے کو قرباں گاہ پر اک مفت کا بکرا
کہ جس کا قوم کی منڈی میں مالک ہو نہ بیپاری

ظریف اک مختصر تشریح ہے مطلب سمجھنے کو
وگرنہ "آنریری" میں ہے گنجائش بڑی بھاری

نوٹ - ظریف مرحوم جس زمانے میں شیعہ یتیم خانہ لکھنؤ کے آنریری سکرٹری تھے اُنھوں نے اپنی قابلیت بے لوثی ایمانداری سے فرائض انجام دیے اور بخلاف بہت سے بلامعاوضہ کارکنان قومی کے یہ اپنے وقت کا بڑا حصّہ اس کی اصلاح و ترقی میں صرف کرتے تھے - باوجودیکہ نہایت نازک مزاج تھے اور بے موقع اور ناسمجھی کی باتوں کا تحمّل ان کی طبع نازک کے لیئے دشوار تھا لیکن قومی خادم کی حیثیت سے اُنھوں نے اکثر غیر معمولی تحمّل کا ثبوت دیا اور جس طرح بعض ناسمجھ حضرات کی خط وکتابت اور گفتگو میں خلافِ تمیز اور بے جا اخلاق کو برداشت کیا اور قومی مفاد کا ہمیشہ خیال رکھا وہ اُن کی زندگی کا یادگار کارنامہ ہے - اُنھیں جذبات سے متأثر ہوکر ابنائے زمانہ کی سبق آموزی کے لیئے آنریری کی لفظ کی وضاحت اس نظم میں بڑی خوبی سے کی گئی ہے جو آئندہ کارکنانِ قوم کے زخم جگر کے لیئے مرہم اور ناقدرا اہل قوم کے حال کا مرثیہ ہے -

(صفی عفی عنہ)

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۲۷ — سنہ ۱۹۲۵ء — تعداد اشعار ۱۲

توصیفِ قطعۂ تاریخ جنابِ احسنؔ

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

بہار آئی بہار آئی بہار آئی مبارک ہو
جنونِ شاعری ہنگامہ آرائی مبارک ہو

گھٹا برسات کی چھائی ہوئی کم جون کی گرمی
ہوائے سرد تجھ کو ماہِ جولائی مبارک ہو

خطابِ نو ملا ہے آنریبل ہوم ممبر کو
اسی پر شاعروں کو خامہ فرسائی مبارک ہو

نمک خوارِ ریاست شاعرِ شیریں کلام احسنؔ
تجھے کھانا پر اٹھے اور بالائی مبارک ہو

بلندی فکر کی اور اس پہ نینی تال کی چوٹی
پھر اب کیا پوچھنا ہے لے مرے بھائی مبارک ہو

زمانے میں دماغِ شاعرانہ تیرا ایسا ہے
جسے معنوں میں یکتائی کے تنہائی مبارک ہو

لکھا ہے قطعہ تاریخ تو نے واقعی ایسا
وہ بالا جس نے کر دی شانِ یکتائی مبارک ہو

کیا ہے تخرجہ کس حسن سے احسنت یا احسنؔ
تصرف اور یہ طرزِ معمائی مبارک ہو

ہے لاثانین تو گر تخرجہ ہے تیرا لاثانی
غرض ہیں فرد دونوں اُن میں یکجائی مبارک ہو

صلے میں قطعہ تاریخ لکھنے کے میں سنتا ہوں
ریاست سے ترقی تو نے کچھ پائی مبارک ہو

ترے اِک بے تکلف دوست کو جوشِ مسرت ہے
اسی سے کی ہے اُس نے خامہ فرسائی مبارک ہو

صفت اِک ذرۂ ناچیز سے چوٹی کے شاعر کی
ارے بھیّا کہاں پربت کہاں رائی مبارک ہو

نوٹ۔ فخر ملک ولیت مہاراجہ صاحب محمود آباد کو خطاب نو جو سنہ ۱۹۲۵ء میں ملا تھا اس موقع پر ظریفؔ مرحوم کے بے تکلف دوست اور خوش مقال شاعر جناب سید مہدی حسن صاحب احسنؔ مرحوم نے

جو اُن دنوں ریاست عالیۂ محمود آباد کی سرکار کے دامن دولت سے وابستہ تھے ایک قطعۂ تاریخ نظم کرکے پیش فرمایا تھا جس کے مادۂ تاریخ میں دو کے عدد کا تخرجہ تھا اور اُس دو کے تخرجے کو احسنؔ مرحوم نے لا اثنین کے لفظ سے ظاہر کیا تھا یعنی یہ کہ دو کا عدد مادۂ تاریخ کے مجموعۂ اعداد سے نفی کردیا جائے مگر اس موقع پر خیال نہیں رہا لا اثنین کو لا ثانی کے مفہوم میں استعمال کر گئے چونکہ ظریفؔ مرحوم سے اُن سے بہت بے تکلفی تھی اور مراسم تخصیصی۔ اس لیے نہایت ظریفانہ انداز سے اُنھوں نے نظم میں اُن کے قطعۂ تاریخ کی توصیف کے ضمن میں اس فروگذاشت کی طرف بھی کنایتہً اشارہ کردیا ہے۔ (صفیؔ عفی عنہٗ)

نظم نمبر ۲۸ — ۲۳ ستمبر ۱۹۲۵ء — تعداد اشعار ۱۰۹

آشوبِ اسلام

نوٹ۔ یہ نظم بھی ظریفؔ مرحوم نے اُسی زمانے میں کہی تھی جب نجدیوں نے حجاز پر چڑھائی کی تھی اور جنّت البقیع وغیرہ میں تمام مقابر کو مسمار کر دیا تھا اور ہندوستان میں اُن کے نجدی ایجنٹ اُن کے ان افعال کو جائز قرار دے رہے تھے نظم اودھ پنچ مورخہ ۲۳ ستمبر میں ہمراہ اس نثر کے شایع ہوئی تھی جو بطور مراسلہ ظریفؔ مرحوم نے پنچ کو بھیجی تھی اور جس کی نقل یہاں نظم کے ساتھ شامل ہے۔ (صفی عفی عنہٗ)

بحر متقارب مُثمّن سالم — ارکان فعولن فعولن فعولن فعولن

یہ کیا ہے جو ہر سمت آفت بپا ہے — زمانے میں شورِ قیامت بپا ہے
یہ کعبے پہ چھائی ہے کیسی سیاہی — مدینے پہ آئی ہے کیسی تباہی
اُدھر نجد کے بن سے شیطان اُٹھا — حرم میں اِدھر ایک طوفان اُٹھا
اُخوّت کے نقشے بگڑنے لگے سب — مسلمان آپس میں لڑنے لگے سب
سیہ کاریوں سے دبا نورِ ایماں — جو ہو جائے کھنجڑ وہ پکّا مسلماں
کوئی حد ہے بے جا طرفداریوں کی — کوئی انتہا بھی ہے مکّاریوں کی
یہ ارشاد فرماتے ہیں شیخ ندوہ — جو مسجد نہ ہو مستند اُس کو کھدوا
خدا کا کریں خوف اب اُن کے دُشمن — سُلیماں بنے مسجدِ جن کے دشمن
رسولِ خدا سے وفا کر رہے ہیں — محبّت میں کیا جانے کیا کر رہے ہیں
ذرا دیکھیے بوالوفائی کا منظر — حرم کو بناتے ہیں منطق سے مندر
جو مندر حرم ہے تو بُت کون شئے ہے — گیا کن کے ہاتھوں میں اسلام ہے ہے

وفادارِ نجدی شیاطیں کے ساتھی — یزیدی مسلماں ہوئے سو منافقی
بڑے کام والے بڑے نام والے — ہیں کافر نما اب تو اِسلام والے
گراتے ہیں مسجد جو نجدی گرادیں — کہو اُن کے چیلے حدیثیں سُنادیں
کہ اِس فعل میں کچھ قباحت نہیں ہے — یہ ہرگز خلافِ شریعت نہیں ہے
گرو اور چیلوں کی ہیں ایک چالیں — وہ مسجد کو ڈھائیں حدیثیں یہ ڈھالیں
وُہی نجدیوں کے جو ہیں جدِّ ماجد — یہ کہہ دیں گے جائز ہے ڈھانا مساجد
یہ نجدی ایجنٹوں کے مختار بن کر — دکھائیں گے زورِ قلم اس طرح پر
کتابُ الشیاطینِ عہدِ یزیدی — ابھی ایک ہمدرد نے ہے خریدی
ہے مطبوعۂ مطبعِ نہروانی — بہت مستند اور نہایت پُرانی
یہ باب الحماقت میں اُس کے لکھا ہے — ابوجہل سے نقل اُس کو کیا ہے
ابوالکذب،، مذہب تھا جن کا رکابی — یہ تھے شیخ نجدی کے خاص اِک صحابی
بڑے باخبر اور نہایت پُرانے — بڑے معتبر جیسے اندھوں میں کانے
وہ لکھتے ہیں شیطاں نے اُن سے کہا ہے — کہ مسجد کا ڈھادینا بالکل روا ہے
ہے بدعت عبادت کو محصور کرنا — خدا کو تمدن پہ مجبور کرنا
خلیلِ خدا نے بعہدِ جہالت — بنایا تھا کعبہ یہ بدعت ہے بدعت
جو ہو لامکاں اُس کے گھر کو بنانا — گنہ تھا گنہ پر اُنھوں نے نہ مانا
اُنھیں بُت پرستی میں تھی اِتنی کیوں کد — لگا یا خدا جانے کیوں سنگِ اسود
کوئی عقل کی بات ہے حق تعالیٰ — بڑا بھاری بھرکم بڑی توند والا
کرے عرش عظمت سے خود جس کی چرچر — وہ چھوٹے سے گھر میں رہے کس طرح پر
جو کعبے میں اُس کی سکونت نہیں ہے — تو پھر کچھ بھی کعبے کی عزت نہیں ہے

فقط تھا یزید ایک پکّا مسلماں
تو کعبے میں آگ اس نے فوراً لگادی
بخوفِ خدا دل کو مرعوب کرنا
بزرگی کے خاطر یہ کافی نہیں ہے
میرے بعد ابنِ سعود ایک ہوگا
وہ تھامے گا مضبوط سُنّت ہماری
وہ اسلام کا بن کے آزاد سُلطاں
اسے سچ سمجھ لو ہنسی ہے نہ ٹھٹھّا
وہ اُلّو[علہ] جو کعبے کو ویران کردے
وہ اُلّو جو قبّوں کا ہو خاص دشمن
وہ اُلّو کہ جنگل سکونت ہے جس کی
وہ جائے گا بستی میں تو کیا کرے گا
وہ نجدی سڑی خاص مجنوں کا لڑکا
وہ ہر وقت سرمستِ صہبائے بدعت
مریدانِ خاص اُس کے ہندوستاں میں
وہ سب فوج کے میری سردار ہوں گے
وہی سب ہیں مفتی وہی سب ہیں قاضی
یہ جب چاہیں چوروں کو سلطان کہہ دیں

ہوا شعلہ ور اس میں جب نورِ ایماں
یہ سب پیروؤں میں کرادی مُنادی
کسی گھر کو خالق سے منسوب کرنا
ہے اِک جرم جس کی معافی نہیں ہے
غنیمت اُسی کا وجود ایک ہوگا
ہے اُس کی حکومت، حکومت ہماری
کرے گا سب ایسے مکانوں کو ویراں
وہ پکّا مسلمان ......
جو بالکل مدینے کو سنسان کردے
کہ بنتا نہیں جن پہ اُس کا نشیمن
خرابوں میں رہنا ہی عادت ہے جس کی
بڑی پن سے اک حشر برپا کرے گا
مکاں کی جہاں دیکھ لی شکل بھڑکا
وہ سرگشتۂ عشقِ لیلائے بدعت
ملائیں گے ہاں ہں کے سب اُس کی ہاں میں
وہ میری شریعت کے مختار ہوں گے
میں راضی ہوں اُن سے خدا میرا راضی
جو ہو کفر اُسے عینِ ایمان کہہ دیں

علہ اُلّو کے خواص حیواۃ الحیوان دمیری میں ملاحظہ ہوں ۱۲-

بزرگوں کا دُنیا میں کیوں نام رہتا
ہوا پر مُعلّق سب اسلام رہتا
بچائی تھی اسلام کی جس نے کشتی
وہ سردارِ اسلام سرکارِ چشتی
اگر مقبرے میں نہ یوں اپنے سُوتا
تو لوگوں کو کچھ بھی نہ احساس ہوتا
مجاہد کی گر اتنی عظمت نہ ہوتی
تو ظاہر کسی پر حقیقت نہ ہوتی
جو غازی کا مرقد نہ کوئی بناتا
تو کیوں کفر سر آستاں پر جھکاتا
زیارت سے گر لوگ محروم ہوتے
فضائل کچھ اِن کے نہ معلوم ہوتے
مکاں سے مکیں کا پتہ مِل رہا ہے
اِسی سلسلے سے خدا مِل رہا ہے
وہ اسلام کا فخر مسعودِ غازی
وہ ہندوستاں کا مجاہد نمازی
لحد میں جہاں چین سے سُو رہا ہے
عبث قبر پر اُس کی گنبد بنا ہے
اُسے کھود کر صاف میدان کر دو
جو مشرک ہیں اُن کو مسلمان کردو
ذرا جوشِ ایمان اپنا دکھا دو
جو ہمّت ہو اِن مقبروں کو گرا دو
جبھی جانیں پکّے مسلمان ہو تم
نہیں نجد کے قرنِ شیطان ہو تم
اب اس عہد میں زر ہے ایمان کی جڑ
مِلے زر نہ جس سے وہ ایمان گڑبڑ
وہ ہمدردِ اسلام جو زر کمائے
وہ خالِص مسلماں جو بینڈ بجے لڑائے
یہ کہنے لگیں خان جی سے پٹھانی
کہ دشمن تمھارے ہوے کیوں جٹھانی
نگاہوں میں سب کی معظم یہی تھے
خلافت کے رُکنِ مکرّم یہی تھے
یہ پیدا ہوئی خاص شوکت اُنھیں سے
تھی اک مرنے والے کو اُلفت انھیں سے
پُرانی مُحبّت کو چولھے میں ڈالا
بُخار اپنے دل کا تمھیں پر نکالا
پُولِس کی حفاظت میں موٹر تک آئے
بچی جان مشکل سے تم گھر تک آئے
اگر اُس سے ترکِ موالات ہوتی
تو اُلٹے تمھیں کو حوالات ہوتی

یہ ہے عہدِ آزاد کی نیک نامی   وہ غازی کہا جائے جو ہو حرامی[ع]
ٹھگوں کو لٹیروں کو غازی بنانا   جو مُلحد ہوں اُن کو نمازی بنانا
کرے خونِ مسلم تو بَن جائے غازی   جو مسجد کو ڈھائے وہ پکّا نمازی
یہی قابلیّت کا معیار ہے اَب   کہ شرعِ محمدؐ تو بیکار ہے اَب
جو پیدا نہ کر دیں شریعت میں جدّت   تو پھر علم والوں کی کیا قابلیّت
یہ کہدیں گے ہے ماسوا دالی مسجد   یہ کھدوائیں گے ناخدا دالی مسجد
یہ اسلام کے مادہ رہ پیشوا ہیں   سعودی حرم کے یہ خواجہ سرا ہیں
بڑے باخبر ہیں بڑے باہنر ہیں   عجب چیز ہیں یہ نہ مادہ نہ نر ہیں
جگر گھنتیِ اسلام کو یہ کھلا دیں   شریعت کو یہ اُنگلیوں پر نچا دیں
نہ سُن کر کہیں اِس کو بولانا صاحب   اگر تم سے فرمائیں مولانا صاحب
جو مہدی کی سوڈان میں قبر کھودی   تو بیکار دنیائے اِسلام رُو دی
مجاہد تھا کچھ بڑا با خُدا تھا   وہ کشتیِٔ اسلام کا ناخُدا تھا
موحّد تھا غازی تھا سلطان تھا وہ   زمانے میں پکّا مسلمان تھا وہ
یہ تھا وسوسہ قبر جس سے مِٹا دی   مُبادا پرستش کے ہوں لوگ عادی
بڑے بے خبر تھے یہ اَگلے مُسلمان   اُنھیں کچھ دکھائی نہ دی راہِ ایماں
بنائے عبث مقبرے اَولیا کے   نہ کیوں رکھدیا نام سب کا مِٹا کے
کوئی عہد میں اُن کے عالم نہیں تھا   اگر تھا تو ایمان سالم نہیں تھا
دگرنہ جو گذرے ہیں سُلطانِ ماضی   مِٹانے یہ قبروں کے ہوتے جو راضی

عہ باصطلاح عرب حرام کار، چور، ڈاکو، راہزن ۱۲.

رضا کار کس کام آئیں گے آخر
یہ عُقبٰے میں کیا بخشوائیں گے آخر

بنا دو اِنھیں ایک کھدّر کا جھنڈا
خلافت سے دولے کے ایک ایک ڈنڈا

اِنھیں خانہ جنگی کی چالیں سکھادو
لڑادو لڑادو لڑادو لڑادو

وہ گرہی ہو اسلام سے آنچ نکلے
دبے یوں کہ منھیار........

جو پٹ جائیں مسجد میں آکر تجندی
تو نعلیں بجانے لگے دیوبندی

کمر ٹوٹ جائے جماعت علی کی
کہیں لوگ جے بول شوکت علی کی

گڑے مُردے شاید اُکھیڑیں پھٹانی
کمیٹی کی بخیہ ادھیڑیں چھٹانی

پھٹے کو کہاں تک سیے جاؤ گے تم
رفو اس میں کب تک کیے جاؤ گے تم

رقم نام سے اِس کے کچھ تم نے کم لی
پُرانی ہوئی اب خلافت کی کملی

خبر تجدیوں کو بھی اَب مل گئی ہے
کمیٹی کی بنیاد سب ہل گئی ہے

رقم کوئی معقول اب وہ نہ دیں گے
بدّو آپ کی لال سی جان لیں گے

مسلمان ہشیار اب ہو گئے سب
وہ منصوبے بیکار اب ہو گئے سب

چراغ خلافت تو گُل ہو رہا ہے
اُدھر سے کھسک آؤ غُل ہو رہا ہے

ملے جس سے پیسہ وہ کُل اب بناؤ
اُٹھو ایک "وہّاب دَل" اَب بناؤ

بنو اُس کے سینا پتی جوش میں تم
کسی سے نہیں کم تنَ دتوش میں تم

کرو ہند کی مسجدوں پر چڑھائی
یہاں ایک بھی تم نے مسجد جو ڈھائی

تو اہلِ وطن قدر دانی کریں گے
بہت تم پہ وہ مہربانی کریں گے

کہیں چل گئی اس طرح کی جو آندھی
تو اُڑ جائیں گے خود ہی پتّا کے گاندھی

بجا کر تمھارا پُرانا رَبانہ
نیار اگ گائے گا سارا زمانا

دہی پیچھے پھر تو گلشن میں ہوں گے
دہی ہار گیندے کے گردن میں ہوں گے

جو یوں فتح کی ہند کی تم نے لنکا بجے گا تمھارا ہی ہر سمت ڈنکا
یہ غل ہو گا نجدی ہنومان کی جے
پکاریں گے ہندو مسلمان کی جے

مولانا پیچ ۔ یہ نظم بظاہر دل لگی کی چیز ہے مگر بہ باطن قوی دلیلوں کا ایک ذخیرہ ہے قبروں کی اکھاڑ پچھاڑ کے بارے میں جو حدیثیں پیش کی جاتی ہیں وہ جرح و تعدیل کی کسوٹی پر کسی نہیں گئیں فقہائے اسلام کا اُن کے خلاف پر عمل کرنا اُن کے ضعف کی واضح دلیل ہے جس حدیث میں نصاریٰ کا مابہ العمل قبور کے ساتھ بیان ہوا ہے وہ مسلمانوں کی قبروں اور قبوں سے دُور کا لگاؤ بھی نہیں رکھتی دنیا میں ایک مسلم بھی اپنے بزرگوں کی قبروں کی پرستش نہیں کرتا جس کسی سے پوچھو کیوں جی تم فُلاں ولی اللہ کو معبود سمجھتے ہو وہ چیں بہ جبیں ہو جاتا ہے جو شخص ہر نماز ہی میں بلکہ صبح کو آنکھ کھُلتے ہی کلمۂ توحید زبان پر جاری کرتا ہے اُس کے بارے میں یہ کہنا کہ فلاں قبر کا پجاری ہے ایک ظلم ہے جس کی سزا روزِ جزا پر موقوف ہے ۔ مُردے یا اُس کی قبر سے محبت رکھنا عبادت نہیں خصوصًا جب کہ طرزِ محبت کا اظہار بھی طرز عبادت سے جداگانہ ہے ۔ قبروں پر ملیدہ چڑھتا ہے اور پھول چڑھتے ہیں اللہ میاں کی عبادت میں ملیدے اور پھولوں صندل اور بخور کو دخل نہیں ۔ سورۂ فاتحہ البتہ مشترک ہے یعنی نماز میں بھی اور قبروں پر بھی پڑھتے ہیں اگر یہ عبادت ہے تو رسول اللہ کی سکھائی ہے مومن کی روح اپنے دوستوں اور عزیزوں سے اعمال خیر کی اُمید وار رہتی ہے اس باب میں کثرت سے حدیثیں وارد ہوئی ہیں لہٰذا قبروں پر سورۂ فاتحہ کی تلاوت اور نماز میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت ایک ہی نیت سے نہیں ہے اسی طرح مسجد تاریخی حیثیت رکھتی ہو یا نہ رکھتی ہو بہرحال مُقدّس ہے اُس کا گرانا جائز نہیں مسلم کے افعال محمول بر صحت ہیں ۔

اعمال کا تعلّق نیّت سے بنا بر حدیث صحیح و متواتر ثابت ہے غیر مشہور گمنام کتابوں کے

حوالے دینا اور کہنا کہ مسجدیں فرضی ہیں - قبریں فرضی ہیں - بدنیتی کی دلیل ہے عقبہ اور معان کے عوض رسُولِ اللہ کے روضے کی عزّت قربان نہیں کی جاسکتی - نہ ملکاب رَے کی حکومت پر سرِ امام حسینؑ فدا کیا جاسکتا ہے جہاد ہو یا ادائے وصیّہ تمکّن پر موقوف ہے شریف علی پر ابن سُعود فتح پاسکتا ہے لیکن بہ اسباب ظاہر یہ امر قابل قبول نہیں کہ شریف علی کی ہزیمت کے بعد وہ انگریزوں پر بھی غالب آسکتا ہے لہذا یہ کہنا کہ جزیرۂ عرب غیر مسلم اثر سے پاک کیا جارہا ہے ایک فریب اور قرآن وحدیث و مساجد و قبرِ رسول کے ساتھ دلگی بازی ہے کون جانتا ہے کہ یہ بندۂ زرڈا کو جس طرح پہلے سانٹ کر چکا ہے آج بھی چمکتی ٹکلیاں دیکھ کے اپنا رہا سہا ایمان بیچ نہ ڈلے گا - جناب مولانا پنچ معاف فرمایئے گا تھوڑی دیر کے لیئے بندہ مولوی ہوگیا تھا اب اس ملائیت کے بعد جو کچھ اپنی خاص زبان میں عرض کیا ہے پیش کرتا ہوں -

(ظریف)

نظم نمبر ۱۰۱ | سنہ ۱۹۲۵ء | تعداد اشعار ۲۲

سعود پرستی

نوٹ۔ ظریف مرحوم نے یہ نظم بمقام رفاہ عام لکھنؤ انجمن تحفظ آثار متبرکہ کے جلسے میں پڑھی تھی اور یہ اودھ پنچ لکھنؤ مؤرخہ ۳۰ ستمبر ۱۹۲۵ء میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے (مصنف عفی عنہ)

بحر ہزج مثمن سالم
ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

سعودی آبِ زر کی دید کے قابل ہے طغیانی
بلا کا زور ہے جس نے ہلائے رکنِ ایمانی

عجب کیا گر محدث خاکِ دریا باد سے نکلے
ابل پڑتے ہیں مینڈک پڑتے ہی برسات کا پانی

جوازِ انہدامِ قبر پر اصرار اے توبہ
بدل دی شانِ اسلامی مٹا دی شکلِ ایمانی

شریعت موم کی ناک اور ربڑ کا ایک ٹکڑا ہے
کہ جس کو موڑنے اور کھینچنے میں اب ہے آسانی

جو شیر اسلام کے بنتے تھے وہ اب بھیگی بلی ہیں
بھلا دی زر کے چھینٹوں نے وہ سب اگلی رجز خوانی

انھیں کیا گنبدِ خضرا یہ چاہے گولیاں برسیں
یہ اپنے پیٹ کے گنبد کی کرتے ہیں نگہبانی

شکم کو اُن کے بیت المال تم سمجھو خلافت کا
اسی میں مالِ مسلم جمع ہوتا ہے بہ آسانی

سعودی عاشقوں کو ظلم پر بھی پیار آتا ہے
محبت سلب کر لیتی ہے بیشک عقلِ انسانی

خدا کی شان تطہیرِ حرم کرنے وہ آئے ہیں
کبھی برسوں جو استنجے میں بھی لیتے نہیں پانی

معرف ہند میں جو ہیں سعودی کارناموں کے
وہ جاٹوں کے مظالم پر کریں کیوں مرثیہ خوانی

اگر جاٹوں نے کھودا مقبرہ سلطانِ غازی کا
تو کیوں خواجہ حسن صاحب کو لاحق ہے پریشانی

حدیثیں آج کل کہتی ہیں وہ پکے مسلماں ہیں
دکھاتے ہیں جو قبروں کو مٹا کر جوشِ ایمانی

پرستش عرس میں اس قبر کی ہر سال ہوتی ہے
یہاں پر جمع ہو جاتے تھے اکثر شرک کے بانی

کھڑے رہتے تھے مشرک دست بستہ گردِ مرقد کے
بڑی بدعت بھی کرتے تھے یہاں پر فاتحہ خوانی

کمر بستہ ہوئے ہیں جاٹ بھی تطہیرِ دہلی پر
کہ اُن میں گھس گئی ہے نجد کی پوری مسلمانی

مسرت کا محل ہے تار اب ہمدرد بھجوا دیں — سعودی پیشوا کو اب یہ ہمدردی ایمانی
جماعت جاٹ کی اب جُٹ گئی قبریں مٹانے پر — ہوا سلطان نجدی تجھ پہ نازل فضل شیطانی
ملا ابن سعود اب تجھ کو لوٹن سنگھ سا بھائی — تری نجدی شریعت کی کرے گا یہ نگہبانی
جو ہوں چپ رہ جبیں اس واقعے سے اُن کو سمجھا دیں — شریفی پر پگنڈا ہے یہ سب اے والیٔ نادانی
یہ لوٹن سنگھ ان سے خواب میں خود کہہ گیا آ کر — میں ناواقف ہوں گر جاٹوں نے کھودی قبر سلطانی
بھلا کہہ دے تو بنوا دوں اُسے میں چاندی سونے سے — دلِ بے رحم مالِ مفت کی ہے یاں فراوانی

دلیلیں سب وہی ہیں اب بگڑنے کے ہیں کیا معنی
چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

نظم نمبر ۳۰ ۲۷ جولائی سنہ ۱۹۲۵ء ۵ محرم سنہ ۱۳۴۴ھ تعداد اشعار ۲۷

خلعتِ سرفرازی

نوٹ بمبئی کی آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے صدر سنہ ۱۹۲۵ء میں جناب سید سرفراز حسین صاحب رئیس پٹنہ منتخب ہوئے تھے اُن کے نام سے منجانب ادارہ شیعہ کانفرنس ایک ہفتہ وار اخبار سنہ ۱۹۲۵ء میں ۳۔۴ محرم کو جاری ہوا جو اب روزنامے کی صورت سے نکل رہا ہے اس کا پہلا پرچہ محرم میں ایام عزا کی مناسبت سے سبز کاغذ پر شایع ہوا تھا۔ الناطق۔ الواعظ۔ الناصر۔ اخبار امامیہ شیعہ کالج نیوز شیعوں کے اور اخباروں کے نام ہیں جن کا اس نظم میں ذکر ہے۔ لسان القوم مولانا صفی لسان الہند مرزا محمد ہادی عزیز مرحوم اور دعبل ہند جناب ذاکر مرحوم لکھنؤ کے مشہور شعرا کا بھی تذکرہ آگیا ہے ضمناً قومی بے حسی پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

(صفی عفی عنہ)

بحر ہزج مثمن سالم ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

خبر ہے شیعیان لکھنؤ کے جوشِ وقتی سے
محرم میں ہوا ہے سرفراز اخبار اک جاری

اڈیٹر آنریری نعرۂ صلوات کیا کہنا
دکھا دی شیعیان لکھنؤ نے اپنی بیداری

ابھی تو چڑھ کے نکلا ہے یہ اک ماتمگے کے تانگے پر
پریس اپنا نہ ہونے سے پڑے گی چل کے دشواری

ہزاروں ہی خریدار اس کے مل جائیں گے شیعوں میں
مگر قیمت ادا کر دیں فقط ہے اس میں دشواری

ابھی اخبار کی عمر رواں کا ہے یہ تخمینہ
خدا چاہے تو یہ اگلے محرم تک رہے جاری

چڑھا دیں گے ابھی تو مل کے تعریفوں کے جھنڈے پر
ہے جن لوگوں کے قبضے میں سرافرازی نگونساری

کریں گے خیر مقدم شدومد سے خوب سب مل کر
ادھر چہلم ہوا ختم اور ادھر آغاز بیزاری

نمونے کے ابھی تو سیکڑوں پرچے منگائیں گے
ادھر قیمت طلب کی آگئی تحریر انکاری

الٰہی یہ خبر سچ ہو کہ ہفتہ وار نکلے گا — کہیں اگلے ہی ہفتہ میں نہ گھیرے اس کو بیماری
ابھی تو دیکھنا یہ ہے کہ اُس کی پالسی کیا ہے — سُلانا قوم کو منظور ہے یا اس کی بیداری
یہ النّاطق کا ہے ندِّ مقابل یا کہ الصّامت — یہ الواعظ کا حامی ہے کہ النّاصر کا بیگاری
یہ ہے مرحوم اخبارِ امامیّہ کا اک پیرو — کہ بھائی شیعہ کالج نیوز کا از راہِ دینداری
لسان القوم اس مضغے میں قومی رُوح پھونکیں گے — کہ چہرے پر لسان الہند فرمائیں گے گلکاری
چلا دیں گے اِسے کیا دعبلِ ہند اپنے پیروں پر — چلے گا چال تیموری خدا جانے کہ قاچاری
نہ چھاپے گر قصیدے اس نے مدّاحِ آئمہ کے — تو ہو گی لکھنؤ میں فتنۂ محشر کی تیّاری
ابھی تو شاعروں کی دل دہی اک فرض ہے اس کا — غزل جتنی بڑی بھیجیں اڈیٹر چھاپ دے ساری
متانت سے کرے گا بحث یہ قومی مسائل پر — لڑے گا یا کہ پنجے جھاڑ کے جس طرح بھٹیاری
مضامین سنسنی خیز اس کے ہوں گے یا مسرّت زا — مباحث معتدل یا عامیانہ اور بازاری
یہ صُلحِ کل کی صوت بن کے ہمدم ہو گا شیعوں کا — پہنکر سچ کا جامہ یا کرے گا یہ دل آزاری
یہ سوراجسٹ شیعہ ہے کہ کھدّر پوش مسلم ہے — مُکبّر ہے خلافت کا کہ گاندھی جی کا جے کاری
یہ جج بن کر کرے گا فیصلہ قومی مسائل کا — کہ انگریزی میں پھر واجد علی شاہی عمل داری
ال ای ال بی اور بی اے والے اس کو دوست رکھیں گے — کریں گے یا کبھی صدر الافاضل اس کی غمخواری
طرف داری میں یہ آخر قلم کس کی اُٹھائے گا — ادا خدمت یہ پبلک کی کرے گا یا کہ سرکاری
یہ کیا مضموں کا چرخہ کات کر سوراج لے لے گا — ہے ماں اِس کی ضعیفہ یعنی شیعہ قوم دکھیاری
حسد کی دِق نے جس کو کر دیا ہے مضمحل اتنا — کہ اُٹھ سکتی نہیں خود جس کو اپنی جان ہے بھاری
نہ دم لینے کی فرصت ہے اُسے غیبت کی کھانسی ہے — طبیب اس کا نہیں کوئی مرے کیوں کر نہ بے چاری
بڑھوتی وقت کی اولاد ہے یارب اسے خوش رکھ — مُحرّم کی ہے پیدائش کہیں رقت نہ ہو طاری
یہ شرعی آرگن ہے یا ہے اک پولٹیکل پرچہ — یہ ہے زیرِ نظارت یا اسے حاصل ہے مختاری

نمائندہ ہے یہ شیعوں کی آخر کس جماعت کا — ہے منظور نظر کس کا اُصولی ہے کہ اخباری
مدد آفت میں اس کو کون پہونچائے گا شیعوں میں — ایڈیٹر ہی کے سر پہ یا بلائیں جائیں گی ساری
پڑھیں اخبار لے کر شیعوں کو اتنا کہاں موقع — ادھر ماتم کمیٹی کا اُدھر فصلِ عزاداری
الٰہی لینے والے اِس کے چندہ وقت پر دے دیں — اِسی پر منحصر ہے زندگی اخبار کی ساری
حسین ابن علیؑ نے کر دیا وعدہ وفا لیکن — وفائے عہد اب شیعہ کریں ہے اس میں دشواری
ہر اک لیڈر ہر اک واعظ ہر اک ناصح ہر اک عالم — کوئی جاہل نہیں اعلم ہماری قوم ہے ساری
امید وعدۂ فردا پہ جو آرام کرتی ہو — جگائے سے بھلا جاگے گی وہ کس طرح بے چاری
جہاں پر شیعیانِ ہند پہلے تھے وہیں پر ہیں — جو آگے تھا وہ اب بھی ہو وہی لہنگا وہی ساری

یہی کچھ بھی نہیں ہے اور یہی اخبار سب کچھ ہے
یہی سب کی دوا ہے اور یہی ہے سب کی بیماری

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۲۱۱ — سنہ ۲۵ ۱۹ء — تعداد اشعار ۱۲

قطعۂ تاریخ سرفراز اخبار

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف۔ ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

پہلے خاموشی سے سنئے پھر اسے پی جائیے — قطعۂ تاریخ ہے کڑوی دوا کا ایک ڈوز
بڑھ گئیں قومیں ترقی کرتے کرتے منزلوں — اور اک ہم ہیں جہاں پر تھے وہیں پر ہیں ہنوز
قوم گونگی ہے نہ ہو اخبار جب تک اس کے پاس — کر سکے گی کس طرح غیروں کی بحثوں کو اپوز
شیعہ کالج نیوز نکلا پہلے جس انداز سے — اشتر بغداد قومی کا سمجھیے اس کو گوز
ہو گیا پادر ہوا پھیلا کے بوئے تلخ و تند — اور پراگندہ دماغ قوم کر کے چند روز
پھر خبر اڑنے لگی نکلے گا ستارہ ضرور — کمپنی کے آسماں پر بن کے مہر نیم روز
آہ وہ بھی ہو گیا اس طرح چپکے سے غروب — جس طرح غوطا سمندر میں لگائے آبدوز
دیکھیں ستّر فیصدی کا نفع کب تقسیم ہو — حصّہ دار امید پر بیٹھے ہیں مُنہ کھولے ہنوز
نکلا ہے ماہِ عزا میں اب نیا اک سبز پوش — مجلسِ قومی کا پڑھنے کے لئے پُر درد سوز
مغربی تعلیم والے اس پہ تو فرمائیں رحم — کچھ نہ کچھ دے دیں ضرور اتوار ہے مخصوص روز
کیا خبر سرگرمیوں سے یہ علم بردارِ قوم — شمعِ بزمِ پختہ مغزاں ہو کہ داغ خام سوز

فکرِ روغن کیجیے بجھنے نہ پائے یہ چراغ
لکھنؤ کا سرفراز اخبار ہے مجلس فروز

سنہ ۲۵ ۶ ۱۹

نوٹ۔ اخبار سرفراز کے اجرا کا یہ قطعۂ تاریخ ہے۔ اس میں شیعہ کالج نیوز کا بھی ذکر ہے جو شیعہ کالج

کی اسکیم شروع ہونے کے بعد کالج کے اغراض کی نشر واشاعت کے لیئے نکالا گیا تھا شیعہ کالج اسکیم میں ایک دراز قد بزرگ بہت پیش پیش تھے جن کے دور میں اخبار مذکور کچھ دنوں چل کر بند ہوگیا پھر لوگوں کو خیال ہوا کہ ایک لمیٹڈ کمپنی قائم کر کے اخبار "سیّارہ" نکالا جائے لیکن وہ بھی نکل نہ سکا اسی زمانے میں ۱۹۲۵ء محرم میں سبز کاغذ پر سرفراز اخبار کا پہلا پرچہ جس کا ذکر اس نظم کے نویں شعر میں ہے اور اس کے اجرا کا دن اتوار قرار پایا۔ اس کا حوالہ دسویں شعر میں ہے۔

(صفی عفی عنہ)

طلوع سیارہ کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے

نظم نمبر ۳۲ — ۱۹۲۵ء — تعداد اشعار ۱۵

نظم متعلق اخبار سیارہ

نوٹ۔ یہ نظم اور موسوم بہ طلوع "سیارہ" دوبارہ اجرائے سیارہ کے موقع پر ظریف نے دونوں نظمیں ایک ساتھ کہی تھیں یہی اخبار سیارہ بیشتر جنگ عظیم کے زمانے میں نکلتا تھا اور بہت مقبول خاص وعام تھا اچھی خاصی اشاعت تھی مگر پھر بند ہوگیا تھا جب حجاز پر نجدیوں نے چڑھائی کی تو دوبارہ اسے شبیر حسن صاحب قتیل نے جاری کیا۔ (صفی عفی عنہٗ)

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

خبر کتنی مسرت خیز ہے اے اہلِ نظارہ — صحافت کے فلک پر ڈوب کر نکلا ہے سیارہ

مدد اے ہمت قومی مدد اے جوشِ اسلامی — تغافل سے ترے اہلِ قلم کے دل ہیں صد پارہ

جگایا قوم کو اخبار نے تاریخ شاہد ہے — یہی ہر قوم کے نقار خانے کا ہے نقارہ

فضائے آسماں تک لے گیا قوموں کو پستی سے — سمجھ لو اتنا طاقت ور ہے یہ کاغذ کا طیارہ

نظر کمزور ہے تیری لگا اخبار کی عینک — نہ جا دنیا کی باتوں پر وہ ہے اک زالِ مکارہ

مدد اخبار کی گویا مدد ہے ملک و ملت کی — یہ اک نکتہ ہے سن رکھ اے مریدِ نفسِ امارہ

سہارا جب نہ دے کوئی چلے کس کے بھروسے پر — خطا ہو قوم کی بدنام ہوا اخبار بے چارہ

خدارا چونک اٹھ اے سونے والے خواب غفلت کے — سحر نزدیک ہے وہ جھلملایا قوم کا تارہ

قریب مرگ ہے اسلام قومی سرد مہری سے — حرارت گھٹ گئی چڑھتا نہیں ایثار کا پارہ

مقابر آلِ ہاشم کے کھدے نجدی مظالم سے — قیامت آئی جنبش میں ہے ہر مرقد کا گہوارہ

خدا شاہد لگا دی ناریوں نے آگ کعبے میں — دفورِ سوزِ غم سے ہر دلِ مومن ہے انگارہ

یقیناً دوستو اک دن خدا کو منہ دکھانا ہے
گناہوں کا یونہیں لادے ہوئے جاؤ گے پشتارہ

اگر اب بھی نہ تھیں ہوش آ گیا اس خوابِ نوشیں سے
یہی پچھلی تغافل کیشیوں کا ہو گا کفارہ

خدا کے واسطے ہمدم نہ چھیڑ اب قصۂ ماضی
قلم کی نوک سے نکلے گا خونِ دل کا فوارہ

ظریفؔ اُن سے نہیں مطلب ہمیں ہاں جو اتنے غافل ہیں
مٹے چاہے رہے اسلام وہ کھیلیں گے پَو بارہ

نظم نمبر ٣٤٣ — قطعۂ دیگر — تعداد اشعار ۵

طلوعِ سیّارہ

بحر ہزج مثمّن اخرب سالم — ارکان مفعولُ مفاعیلن مفعولُ مفاعیلن

اِس سمت مخاطب ہو اے قوّتِ نظّارہ
پھر چرخِ صحافت پر طالع ہوا سیّارہ

لے ہاتھ میں دل بڑھ کر اے ہمّتِ مردانہ
نکلا ہے رگِ جاں سے یہ خون کا فوّارہ

اس بارِ امانت کو تنہا نے اُٹھایا ہے
جب قوّتِ اجماعی ثابت ہوئی ناکارہ

کُفّار کے ہاتھوں سے بازیچۂ طفلاں ہے
وہ ملکِ عرب جو تھا اسلام کا گہوارہ

جب دین کے انجن میں قوت ہی نہیں باقی
کس طرح بلندی پر پہونچے گا یہ طیّارہ

نوٹ۔ لکھنؤ سے گذشتہ جنگِ عظیم کے زمانے میں ایک روزنامہ "سیّارہ" نکلتا تھا۔ جس کی صحافت سید شبیر حسن صاحب قتیلؔ کے متعلق تھی۔ اس وقت یہ پرچہ بہت مقبول تھا اور اس کی اچھّی خاصی اشاعت ہوگئی تھی مگر پھر بند ہوگیا اور دوبارہ اس کا اجرا ۱۹۲۵ء میں ہوا جب نجدیوں نے حجاز پر چڑھائی کی تھی۔ یہ نظم اور نظم سابق "خبر کتنی مسرّت خیز ہے اے اہلِ نظّارہ الخ" دونوں اسی موقع پر ظریفؔ مرحوم نے کہی تھیں۔ (صفی عفی عنہ)

نظم نمبر ۳۴   ۳۰ اگست ۱۹۲۵ء   تعداد اشعار ۷۹

افسانۂ حجاز

نوٹ - یہ نظم اُسی زمانے میں کہی گئی تھی - جب نجدیوں نے ملک حجاز پر چڑھائی کی تھی - سرفراز اخبار مورخہ ۳۰ اگست ۱۹۲۵ء میں شایع ہو چکی ہے اس میں ہندوستان کے رہنے والے نجدی ایجنٹوں کی خوب خبر لی گئی ہے۔ (صفی عفی عنہٗ)

وزنِ مُسدس

بحر ہزج مُثمّن مقبوض   ارکان مفاعلن مفاعلن مفاعلن مفاعلن

رباعی

دنیا کی ہوس میں ہو گئے متوالے   کتنے بے حس ہیں شان و شوکت والے
افسوس کہ مرقدِ نبیؐ ہو مسمار   چُپکے دیکھا کریں خلافت والے

رُباعی

مضطر اب کیوں ہیں جاں نثاری کے لئے   تربت پہ نبیؐ کی گولہ باری کے لیئے
ہندی راشن کِھلا کِھلا کر بھیجیں   نجدی فوجوں کو پائداری کے لیئے

غرض چھپانے والے اُس کو رکھ سکے نہ راز میں   جو بدویوں کے ہاتھ سے گزر گیا حجاز میں
اہانتِ حرم ہوئی عرب کی ترک تاز میں   بہت سے بے گناہ قتل ہو گئے نماز میں
بنائے جب نہ کچھ بنے سکوت پھر فضول ہے
پلٹ کے کہہ نہ دیں یہی تو سُنّتِ رسول ہے

یہ جاہلوں سے اب کہیں کہ جن کو اعتبار ہے — خدا کے گھر میں لوٹ مار دین کا شعار ہے
یہی تو خاص سیرتِ صحابۂ کبار ہے — یہ غازیوں کا کام ہے جنھیں سب اختیار ہے

روا ہے اُن کو قبۂ مدینہ گر یہ توڑ دیں
شریعت اب تو موم ہے جدھر کو چاہے موڑ دیں

وہاں زباں پہ کفر ہے یہاں قلم پہ کفر ہے — محیط ہند پر حجاز محترم پہ کفر ہے
خدا کے گھر میں آج کل قدم قدم پہ کفر ہے — کہ بوسہ دینا سنگِ اسودِ حرم پہ کفر ہے

گرانا مسجدِ جنابِ حمزہ کا ثواب ہے
جو احتجاج کچھ کرے اُسی کے سر عذاب ہے

جو چل چکے ہیں پیشرو وہی تو یہ بھی چال ہے — یہ فعل نجدیوں کا تبعِ ما سلف پہ دال ہے
حرم میں قتل تھا حرام آج کل حلال ہے — فضول حیص و بیص ہے عبث یہ قیل و قال ہے

حفاظتِ جزیرۃ العرب اسی کا نام ہے
کہ طائف اور حرم میں مسلموں کا قتلِ عام ہے

یہ زر کے بندے ہیں زباں پہ صرف لاالٰہ ہے — درود بھیجنا نبیؐ پہ جو کہیں گناہ ہے
مگر یہ مسلم آریے ہیں سب خدا گواہ ہے — عقائد اِن کے، فاتحہ جو دے وہ روسیاہ ہے

دُعا خدا سے مانگنا ہے آسمان پُوجنا
ہے اِحترامِ خانۂ خدا مکان پوجنا

گرا کے مسجدوں کو خوب پُختہ کار بن گئے — کہ گورکن سے رفتہ رفتہ بیلدار بن گئے
وہی جو پیرِ صحابۂ کبار بن گئے — تو کون کافر اب ہے یہ تو دین دار بن گئے

بتاؤ تھا طریق کن خواص کا عوام کا
دیا تھا حکم جس نے مسجدوں کے انہدام کا

یہ پہلے فتح کر کے طائف اپنا نام کر چکے
کئی ہزار مسلموں کا قتلِ عام کر چکے
وہاں کے مقبروں کا خوب انہدام کر چکے
چلے خدا کے گھر کی سمت جب قیام کر چکے
حسینؓ پر چڑھائی کی عرب کا پیشوا بنا
بنِ سعودِ نحس ابنِ سعد کا چچا بنا

یہ ڈھائیں خانۂ بتول پھر بھی دین دار ہیں
رسول کو کریں ملول پھر بھی دین دار ہیں
گرائیں قبۂ رسول پھر بھی دین دار ہیں
خدا کے حکم سے عدول پھر بھی دین دار ہیں
عجب طرح کا دین ہے کہ کفر الحذر کہے
خدا کی مار اُن کو دین دار جو بشر کہے

ایجنٹ اور مُریدِ اُن کے ہند میں اِدھر اُدھر
چھپائے رہتے تھے ہمیشہ اِن کے ظلم کی خبر
جو کچھ کہا تو اِس طرح سے اُس کو توڑ موڑ کر
کہ جس کا سارا مظلمہ رہے شریف ہی کے سر
بن سعود سے ہر ایک شخص صاف دِل رہے
بھلا ہو کمپنی کا کچھ ایجنٹ کو بھی مِل رہے

جو قصے تھے تو عدل کے جو ذکر تھے تو داد کے
کچھ اُن کی سادگی کے کچھ محبّتؔ و داد کے
جو تذکرے کیئے کہیں پہ ظلم اور فساد کے
تو غط غطوں کے سر پہ اُس کا سارا بوجھ لاد کے
صفائی دیکھیئے بن سعود کو بَری کیا
چھپا کے ظلم ظالموں کو اور بھی جری کیا

گرہ کٹوں کا فرض ہی ٹھگوں کی بات ماننا
وہ اُس کے وعدے اور قسم وہ اُن کا صدق جاننا
بُرائیاں چھپانا گڑھ کے نیکیاں بگھاننا
شکم پرست کو شکم پرست کا وہ تاننا
حُضور کا ہے ذکرِ خیر ہر جگہ حجاز میں
سلام بد دی پھیرتے ہیں آپ پر نماز میں

یہ قصد ہے کہ اب اذاں میں آپ ہی کا نام ہو — حضور کی طرح سے پلتھی مار کر قیام ہو
تمام نجدی چاہتے ہیں اب نیا امام ہو — وہ حنبلی ہیں لیکن آپ جو کہیں وہ کام ہو
خدا کے گھر پہ غالب آئے شان و شوکت آپ کی
خلیفہ ہوں بنِ سعود اور حکومت آپ کی

خلیفہ کا وزیرِ ہند آپ کو خدا کرے — حضور ہی کے استرے سے سب کا سر منڈا کرے
حضور سے ہر ایک دادخواہ التجا کرے — حضور کا غلام سب کی حاجتیں روا کرے
دعائیں شیخِ نجد سے یہ مانگتا ہے رات بھر
سیہ روِ آسمانِ ہند کا گہن لگا قمر

روہیلکھنڈ کے لوہار دے کے تاؤ مونچھ پر — ہلا کے گردن اور شکم پہ اپنے ہاتھ پھیر کر
یہ کہہ رہے ہیں مل گیا کہیں جو مفت مال و زر — بنائیں گے نئی مشین نام رکھ کے مؤتمر
اُسے حجاز ہی کی سرزمین پر لگائیں گے
یہاں سے بیٹھے بیٹھے اپنی رائے پر چلائیں گے

کہو یہ خفیہ نجدیوں سے جلد ہم کو مال دیں — کہ ہم بنا کے اک مشین اُن کے حسبِ حال دیں
خلیفہ روز اک بنائیں اور پھر نکال دیں — بنِ سعود اگر کہیں نیا رسول ڈھال دیں
رسول کیا کہو تو کعبہ اک الگ نیا بنے
مریدِ شیخِ نجد جس کو مانیں وہ خدا بنے

یہ پیروانِ شیخِ نجد جن بھی ہیں بشر بھی ہیں — مہاتما کے پوت حاجیوں کے راہبر بھی ہیں
یہ صلحِ کل بنے ہوئے ہیں اور اہلِ شر بھی ہیں — یہ مالوی کے چیلے ہیں ادھر بھی ہیں اُدھر بھی ہیں
پرانا ان میں اور نجدیوں میں ساز باز ہے
گواہِ واقعات صاف حالتِ حجاز ہے

عقیدہ اب یہ نجدیوں کا ہند میں بڑھائیں گے　　یہ خانقاہیں مقبرے یہاں بھی بڑھ کے ڈھائیں گے
عزائے سبطِ مصطفےٰ اکو مِل کے سب مٹائیں گے　　یہ مسجدوں کو کھود کے چبوترے بنائیں گے

لڑا لڑا کے باہمی جوان میں قوّت آ گئی
تو سُنّی شیعوں کے لیئے نئی قیامت آ گئی

بن سعود مسجدیں حجاز بھر کی ڈھائیں گے　　یہ ہند میں نیا سبق عوام کو پڑھائیں گے
وہ گولے مرقدِ رسولِ پاک پر گرائیں گے　　یہ گول گول باتیں گھر میں بیٹھ کر بنائیں گے

تشفی دے کے غفلتوں میں رکھنا اِن کا کام ہے
ہمیشہ چندے لے کے اُن کو چکھنا اِن کا کام ہے

یہ شور ہند و مسلم اتحاد پر مچا چکے　　کلنک کا یہ ٹیکا اپنے ماتھے پر لگا چکے
مہا تما کی جے میں اپنی جے کا سُر ملا چکے　　یہ مادرِ وطن کی خدمتوں کا راگ گا چکے

شردھانند کو چڑھا کے منبرِ رسولؐ پر
ہوئے ہیں نامور یہ ہند بھر کے عرض و طول پر

پہن کے سوٹ بوٹ پہلے پیتے تھے پلاتے تھے　　ہر ایک جانور کا گوشت پیٹ بھر کے کھاتے تھے
یہی تھے ہوٹلوں میں جو بڑے مزے اُڑاتے تھے　　ثوابِ حج لندنی کے مُفت ہاتھ آتے تھے

پُرانے رنگ باز ہیں یہ بھائی کچھ نئے نہیں
مُقیم اب ہیں یوں کہ جس طرح کہیں گئے نہیں

پلٹ کے مادرِ وطن کے خاص پُوت بن گئے　　مہاتما کے ساتھ رہتے رہتے بھوت بن گئے
چلا یا چرخہ یوں کہ خود روئی سے سوت بن گئے　　کبھی مچایا غل کبھی فقط سکوت بن گئے

کسی سے رشتہ توڑتے کسی سے جوڑتے رہے
غرض ہمیشہ اک نیا شگوفہ چھوڑتے رہے

وزیر شیخ نجد ہیں حکومت ان کے ہاتھ میں — تمام بھیڑ یا دھسان خلقت ان کے ہاتھ میں
غریب مسلموں کی مال و دولت ان کے ہاتھ میں — خلیفہ گر بنے ہوئے خلافت ان کے ہاتھ میں

یہ جس کو چاہیں بخشدیں مجوس یا یہود ہو
وہ چاہے ابن سعد یا کوئی ابن سعود ہو

ہوا تھا جنگ جرمنی میں جس قدر معاہدہ — شریف کی جو شامت آئی یاد وہ دلادیا
زیادہ اعتدال سے جو پایا اس کا حوصلا — شریف کی کمینگی پہ طیش آخر آگیا

بیاروں کی جو پیٹھ ٹھونک دی الگ سے شیر نے
نکل کے دشتِ نجد سے گئے مدینہ گھیر نے

شریف نے تو خیر چند حاجیوں کو لوٹ کر — بہت سا جمع کرلیا تھا اپنے پاس مال و زر
یہ بدویانِ فاقہ کش کہاں سے لائے اس قدر — کہ بھڑ پڑے حجاز کے ملک سے بڑھ کے بے خطر

کسی کا ان کی پیٹھ پر یقین ہے کہ ہاتھ ہے
الگ الگ سہی مگر ضرور کوئی ساتھ ہے

ادھر بن سعود کے لیئے خلافت آگئی — شریف سے نکل کے اس میں سب شرافت آگئی
تمام مسلموں پہ لیکن ایک آفت آگئی — حجاز ہوگیا تباہ یا قیامت آگئی

ستم ظریف نجدیوں کو مل کے سب نکال دو
ارے یہ وہ بلا نہیں جسے کہ ہنس کے ٹال دو

نظم نمبر ۳۵ — سنہ ۱۹۲۶ء — تعداد اشعار ۲۱

چمنستانِ ظرافت برائے اخبارِ حق

نوٹ ۔ سنہ ۱۹۲۶ء میں جب پہلے پہل اسلامی اخبار حق لکھنؤ سے زیر ادارت منشی عبدالرؤف صاحب عباسی اڈیٹر حق نکلا ہے اُس موقع پر یہ نظم کہی گئی ہو اور اس میں اخبار کی ضرورت اور اخبار کیسا ہونا چاہیئے اُس کا خاکہ پیش کیا گیا ہے ۔ اودھ پنچ اور سرفراز وغیرہ اُس وقت کے معصر اخباروں کا بھی ذکر ہے ۔ (صفی عفی عنہٗ)

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف ۔ ارکان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

با خبر قوم اُسے کہہ نہیں سکتے عاقل ——— جس میں تعلیم نہ ہو یا کوئی اخبار نہ ہو
یہی اخبار ہے انسان کا بہتر ہمدرد ——— کوئی ہمدرد نہ ہو جب کوئی غمخوار نہ ہو
ہے حقیقت میں یہ اخبار کا فرضِ اوّل ——— دشمنِ عام نہ ہو خاص طرفدار نہ ہو
اپنی آزادی کو بیچے نہ کسی قیمت پر ——— اور غلامی کا دل وجاں سے خریدار نہ ہو
جو لکھا جائے وہ ہو حدِّ زباں کے اندر ——— سنسنی خیز مضامین کا طومار نہ ہو
جو لکھے اپنے بھروسے پہ لکھے لطف یہ ہے ——— غیر کے طائرِ مضموں کا چڑیمار نہ ہو
بے کم و کاست لکھے حال دبیر ایسا ہو ——— اور کسی خاطی و خائن کا طرفدار نہ ہو
کسی ظالم کے مظالم سے علاقہ رکھ کر ——— ظلم کی کاشت کرائے وہ زمیندار نہ ہو
ہو کے رہزن کہیں ناصح کا پہن لے نہ لباس ——— ایسے اخبار سے بہتر ہے کہ اخبار نہ ہو
کرے ایمان فروشی نہیں اخبار کو حق ——— ساتھ دے دین کا دولت کا طلبگار نہ ہو
بات کرنے کا سلیقہ ہو تو یوں بات کرے ——— دل لگی میں بھی اودھ پنچ سے تکرار نہ ہو
کیجئے دل کھول کے پنچ شرط فقط اتنی ہے ——— فتنہ انگیز نہ ہو حامیِ اشرار نہ ہو

مول لے چھیڑ کے غیروں کو لڑائی نہ کبھی
جنگ جو یا نہ کہیں جس کو وہ رفتار نہ ہو

ہاں اگر غیر کا حملہ ہو تو لازم ہے دِفاع
دَب کے خاموش ہو اس طرح کا بیکار نہ ہو

بیوقوف اس سے زیادہ کوئی ہو سکتا ہے؟
کہ لڑے غیر سے اور ہاتھ میں تلوار نہ ہو

کرے تبلیغ اگر بن کے کبھی النّاطق
تو مبلّغ کی صِفت ہے کہ دل آزار نہ ہو

حقِ اسلام ادا کرنے کو حق نکلا ہے
ہو خریدار کوئی یا کہ خریدار نہ ہو

یہ تو ممکن ہی نہیں صاحبِ ایماں کے لئے
طلبِ حق نہ کرے اور گنہگار نہ ہو

سرفراز آٹھویں دِن آکے یہ فرمائے گا
حق کی تلخی کہیں روزانہ تمھیں بار نہ ہو

حق کا دیں ساتھ مسلمان یہی خواہش ہے
حق ہے اسلام تو اسلام سے بیزار نہ ہو

مختصر اب تو زمانے کا یہ نقشہ ہے ظریف
قوم گونگی ہے اگر ہاتھ میں اخبار نہ ہو

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ٣٦ — ٢٦ ۔۔۔ ١٩ء — تعداد اشعار ١٨

نظم متعلق حق اخبار

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

بارھویں تاریخ کا اخبارِ حق ہو کیا ظریف — عارضِ خوباں کی سرخی رنگ سے تھی آشکار
جوش کھاکر پھوٹ نکلا یا کہ اسلامی لہو — اس خزاں دیدہ زمانے میں دکھانے کو بہار
مولدِ پاکِ نبیؐ مسمار ہو جانے کے بعد — جشنِ میلادِ نبیؐ کی کیا منائیں یادگار
حق تو یہ ہے عاشقوں میں اب کہاں ہنگامِ جشن — کھد گئے یثرب میں جب آلِ محمدؐ کے مزار
اُن کے آنسو تھم نہیں سکتے کسی تدبیر سے — جن کے دل اس سانحہ سے ہو گئے ہیں داغدار
وہ جب ہی خوش ہوں گے جب نجدی حکومت ہو تباہ — انتقامِ دستِ قدرت کا ہے اُن کو انتظار
دل شگفتہ ہو نہیں سکتے کسی تفریح سے — باغِ عالم کی ہوا جب تک کہ ہے ناخوشگوار
ہنس رہا ہے آج کل اسلام کھسیانی ہنسی — لب پہ اظہارِ مسرت دل سراپا سوگوار
نظم ہے منشی کا میری شکریہ تحریر تھا — مجھ سے جاہل کے لیئے سرمایۂ صد افتخار
میں نہ شاعر ہوں نہ مجھ کو شاعری کا ادعا — نظم کی قدرت نہیں دل ہے مگر بے اختیار
جب اثر دل پر ہوا بے ساختہ کچھ لکھ دیا — اپنے کہنے پر نہیں لیکن مجھے خود اعتبار
نظم کیا تھی آپ کے ارشاد کی تعمیل تھی — ہو اشاعت اس کی اس قابل نہ تھی زینہار
آپ کی ان حوصلہ افزائیوں کا شکریہ — اور شکایت آپ کے کاتب کی کچھ بالاختصار
کم لکھا اک شعر گر اُس نے تو کوئی کیا کہے — ہاتھ میں اُس کے قلم جو کچھ لکھے کیا اختیار
چودھویں مصرع میں خالی کو لکھا ہے خالجی — خالہ جی کا گھر کتابت کو سمجھ لیتے ہیں یار

خوف ہے لیکن حماقت سے بڑھا دے گا جو مبہم　　حق کی مدح کے بعد تو ہونا پڑے گا شرمسار
لکھ دیا جو جی میں آیا مسخ کرنے کو کلام　　ایسے ہی کاتب کی ہے تعریفیہ کاتب نگار
کر دیا اظہارِ حق اس میں نہیں میرا گناہ
کاتبوں سے عفو کا طالب ہوں گر ہو ناگوار

نوٹ۔ سنہ ۱۹۲۶ء میں جب اخبار حق نکل رہا تھا یہ خبریں آئیں کہ اسی زمانہ میں سعودیوں نے جنت البقیع میں بعض آئمہ معصومین آلِ رسول ؐ کے مزار برباد کرا دیئے ماہ ربیع الاول کی بارھویں کو اسی زمانے میں اخبارِ حق سُرخ کاغذ پر جشنِ میلادِ نبی ؐ کے خوشی میں نکالا گیا۔
چونکہ نجدیوں کے مظالم کی وجہ سے ہر جگہ خصوصاً ہندوستان کے مسلمان حد درجہ دل گرفتہ تھے اور جا بجا اظہارِ غم کے جلسے ہندوستان میں منعقد کیے جا رہے تھے یہ اظہارِ مسرت بہت زیادہ بے موقع سمجھا گیا چنانچہ ظریف مرحوم نے قوم کے جذبات کی ترجمانی کے طور پر یہ نظم کہی اور اسی میں ان غلطیوں کی طرف بھی توجہ دلائی جو کاتبِ مطبع نے ظریف صاحب کی پہلی نظم میں کی تھیں۔
(صفی عفی عنہٗ)

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۳۰ — ۲۶ سنہ ۱۹ء — تعداد اشعار ۲۳

رضاکاران جنت البقیع

بحر ہزج مثمن سالم
ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

سنا ہے جوش میں ہیں آج کل نجد و محن والے
رضاکاروں کی بھرتی کر رہے ہیں انجمن والے

خلش کچھ بڑھ گئی ہے اس قدر اُن کی زبانوں میں
کہ کانٹا ہو گئے ہیں پھول سے شیعہ چمن والے

نفاق و بغض و کینہ اور حسد سے اُن کو اُلفت ہے
اِنھیں چاروں پہ اب مرتے ہیں اکثر پنجتن والے

اُنھیں کی فرد اِک اِک خانہ برانداز اُلفت ہے
کہو اپنوں ہی کا دل توڑ دیں خیبر شکن والے

کبھی غیروں کو یہ اخلاق سے کرتے تھے گرویدہ
لڑے مرتے ہیں اب آپس ہی میں خُلقِ حسن والے

مثل سچ ہے نہیں کچھ ہاتھ مٹھی ہلبلا اٹھی
ہنسیں کیونکر نہ اس تجویز پر آخر وطن والے

بٹیریں عمر بھر پالیں لڑائے خوب کنکوّے
لڑیں گے خود بھلا کیا خاک ایسے بانکپن والے

ہزاروں داستانیں یاد ہیں صاحب قرانی کی
کہاں دنیا میں ایسے جنگ کے مشاق فن والے

رجسٹر میں لکھا دیں نام تو پھر دیدہ خواہد شد
یہ دل والے جگر والے زباں والے سخن والے

شریف مکہ پاجی پن پہ آمادہ ہے اَے شیعو
شہیدوں میں لکھا دیں نام اپنا شہد پن والے

اُلٹ دیں گے صفیں یہ نجدیوں کی اینٹ پتھر سے
بچے رہنا ذرا شیعہ رضاکاروں کے لشکر سے

وفا بے کار ہے ہونا اگر تو بے وفا ہونا
نہیں لازم رضاکاروں کو پابندِ رضا ہونا

بلائیں جنگ کو جب بھاگ جانا اپنے مسکن سے
دلیلِ عقل ہو کب تہلکے میں مبتلا ہونا

عمامہ سر پہ رکھ کر ہاتھ میں تسبیح لے لینا
سپاہی کیوں بنو لازم ہے تم کو باخدا ہونا

قواعد لیں تو کہہ دینا کمر میں درد ہے کل سے — مجھے تو اپنے بستر ہی پہ مشکل ہے کھڑا ہونا
سعودی فوج آئے جب مقابل گالیاں دینا — اُٹھا کر ہاتھ اُسے پھر کوسنا پہلے خفا ہونا
جو وہ رَیفل اٹھائیں تم دکھانا دور سے ڈنڈا — مگر لازم ہے اس ڈنڈے کو موٹے بانس کا ہونا
لڑا کرتے ہو جیسے مجلسی حصوں پہ مجلس میں — یوہیں راشن بنٹے جب خوب سرگرم وغا ہونا
اگر جرنیل تم کو حکم دے تم گالیاں دینا — خلاف وضع ہے ہرگز نہ تم سب ایک جا ہونا
اگر مشرق کو وہ بھیجے تو مغرب کو چلے جانا — وہ لڑنے کو کہے میداں میں جب تم ہوا ہونا
تمہارا ماتم کے لے کر یوں جہادِ راہِ حق کرنا — کہ میدانِ وغا میں خود مجسّم خوں بہا ہونا

بجا کر چٹکی نوحہ سُنانا اپنی حالت کا
کبھی میداں میں کرنا نجدیوں پر شورِ لعنت کا

یوہیں تم بمبئی سے تا بہ جدّہ بے خطر جانا — بغل میں داب کر تو نبی سمندر پار کر جانا
گرو گھر رکھ کے آرزو تے کی خاطر بال بچّوں کے — مکاں پر جنس رکھ دینا کہیں لڑنے اگر جانا
لنگوٹی باندھ لینا یہ تمھارا یونیفارم ہے — میاں مجنوں کی صورت نجد کی جانب اگر جانا
رضا کاروں میں اپنا نام لکھوانا مگر بھائی — بلائے جب کوئی لڑنے کو تم فوراً مکر جانا
بُرا ہوتا ہے بھیّا سامنا دشمن کے رَیفل کا — بہت آسان ہے مدقوق ہو کر گھر پہ مر جانا
جو دشمن گھیر لے کہنا کہ پردیسی مسافر ہیں — جو پوچھے کوئی لڑنے آئے ہو انکار کر جانا
دلیلِ جہل ہے سب ادّعا وصفِ اضافی کا — اجی دنیا میں جو کچھ بن پڑے تم سے وہ کر جانا
ہمیشہ مرکزِ قومی سے اپنے بھاگتے پھرنا — قرار اک جا نہیں اچھا ادھر جانا اُدھر جانا
خوشامد اُن کی کر لینا پڑے جب دھونس غیروں کی — مگر اپنے اگر جھک کر ملیں ان سے بکر جانا
کبھی چندہ نہ دینا وعدے کر لینا ہزاروں کے — اگر ہو دسترس قومی امانت ہضم کر جانا
کرو چندے فراہم اور بیتُ المال بن جاؤ — سپاہی کیوں بنو بس قوم کے دلّال بن جاؤ

نوٹ۔ جس زمانے میں ابن سعود نے جنت البقیع میں آئمہ معصومینؑ اور بزرگانِ دین کی قبروں کے نشان مٹانے کے مظالم کیے اُس وقت اس واقعے سے متأثر ہو کر انجمن آثارِ متبرکہ کے نام سے ایک انجمن قائم ہوئی تاکہ اس کے ذریعے سے مقاماتِ مقدسہ کے تحفظ کا انتظام کیا جائے اسی کے ساتھ رضا کاروں کی بھرتی ہونا شروع ہوئی۔ غالباً اس کی غرض ابن سعود سے جنگ کرنا یا اسی قسم کی اور کوئی غرض تھی ان اغراض کا جو عملی نتیجہ ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے اور اُس کے مختصر خاکے کا اندازہ بھرتی کے عنوان سے کیا جا سکتا تھا جس کو ظریف نے پہلے ہی نظم کر دیا تھا۔ اس نظم میں اس زمانے کے قومی جذبات کا ذکر ہے۔ جس کی حیثیت اب تاریخی ہو گئی۔ (صفی عفی عنہٗ)

نظم نمبر ۳۸ — تعداد اشعار ۱۲۰

مثنوی باد ہوائی

"من نہ گویم کہ ایں مکن آں کن
مصلحت بین و کار آساں کن"

سنہ ۱۹۲۷ء میں دہلی سے پتنگ بازی کی ٹیم لکھنؤ آئی تھی اور یہاں قلعے کے دامن میں میدان بد اگیا تھا لکھنؤ والوں نے اپنا صدر ایک نواب صاحب کو قرار دیا تھا جو ظریف مرحوم کے بے تکلّف دوست تھے فائنل میچ میں کامیابی پر تقسیم انعام کے لیئے مسٹر گوین جوائنٹ غالباً ڈپٹی کمشنر لکھنؤ تھے مدعو کیئے گئے تھے قبل اس کے چند سال سے پتنگ بازی کا یہاں زور تھا یہی سب اسباب اس نظم کے محرک ہوئے بعد اشاعت بطور تحفہ تازہ سال نو۔ اودھ پنچ میں بتاریخ ۵ رجنوری سنہ ۱۹۳۴ء طبع ہوئی پنجاب یونیورسٹی اور الٰہ آباد یونیورسٹی کے جلسوں میں پڑھی گئی جہاں پر ظریف مرحوم باصرار بلائے گئے تھے۔ اس نظم کے مصطلحات و تلمیحات پر نوٹ آخر میں درج ہے۔ (شفی عفی عنہ)

بحر خفیف مسدس مخبون مقصور یا محذوف — ارکان۔ فاعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

اے معین المہام لہو و لعب — قوم کی فاقہ مستیوں[2] کے محب
صدر آرائے رزم گاہ پتنگ[1] — پوئن[3] تا ادا نواز تکلّ جنگ
بھیڑیا قندر[4] مانگ[5] دار الملک — جمہر[6] الدّولہ وکٹار[7] الملک
غافلانِ زمانہ کے سردار — مزرعِ مُسرفاں کے پٹی[8] دار
کام کی بات میں تو عذرِ لنگ — اب تو ہیں آپ اور شغلِ پتنگ
طبعِ اقدس کے گو یہ ہوگا خلاف — عرض کرنا پڑا قصور معاف

زیب ہیں اب یہ بازیاں کن کو — سود دیتا نہیں زیاں جن کو
جو کہ سودی رقم چلاتے ہیں — دس اُڑاتے ہیں سَو کماتے ہیں
کیجیے کیوں ایسے لوگوں کی تقلید — جن کی شب شب برات اور دن عید
من سے لنگر لڑائے کیوں پوّا — ہنس کی چال کیوں چلے کوّا
آپ میں اور دوسروں میں ہے فرق — ایک جگنو تو دوسرا ہے برق
رقمِ سود سے جو دے کوئی کپ — کس کے سر پر پڑی پلٹ کے یہ دھپ
وہی بے چارے جو مسلماں ہیں — وہی جو صیدِ سود خواراں ہیں
قومِ مردہ کو آپ کیوں ماریں — کیوں درندوں کو آپ للکاریں
اُن کو تشویق کیوں دلائیں آپ — اُن سے لمڈوڑا کیوں لڑائیں آپ
ہوں تباہی کے جس جگہ اسباب — صدر بنیئے نہ اُس کے آپ جناب
ٹورنامنٹ میں یہ ہیں سب جتنے — فارغ البال ان میں ہیں کتنے
آپ نے یہ بھی کچھ کیا ہے خیال — کتنوں نے لیں اُگاہیاں امسال
میچ میں جو شریک تھے جب کی — کتنوں پر ڈگریاں ہوئیں اب کی
رہن کس کس کا ہو گیا اسباب — ہوئے اس مشغلے میں کتنے خراب
جب بڑے دن میں میچ لڑتے ہیں — گھر میں فاقوں سے کتنے پڑتے ہیں
بچے کس کس کے بھوک کے مارے — گھر پہ روتے ہیں روز بے چارے
ٹیم سے اٹّے کی جب یہاں لڑی "بی — فاقے سے گھر میں کس کے تھیں بڑی بی
ایچ" سے وڈی لڑکے جیتی یا کہ ہری — کچھ بھی ہو گھر میں بی بی فاقوں مری
نوکری پیشہ ان میں جو ہیں حضور — وہ ہیں بے چارے جورو کے مزدور
جب دسمبر کی پائیں گے تنخواہ — گھر میں پوری نہ جائے گی وہ آہ

ڈور والا سٹر یا بِ قسمت ہے
پون "تاؤں کی باقی قیمت ہے

آپ کی ہو رہی ہے بربادی
تانبجھے[19] والے کے گھر میں ہے شادی

رہن ہو کر پٹیسلی بے کنڈل
ریل[20] کے کتنے ٹُٹ گئے بنڈل

بند اپنی دوکانیں کر کر کے
کتنوں نے دِن گزارے مر مر کے

دے خدا اب بھی آپ کو جو وقوف
کیجیے ٹیم[21] ٹام سب موقوف

رشتۂ عمر گھٹ رہا ہے روز
یاں وضو پر وضو ہے گوز پہ گوز

سر پہ "تاوے[16]" لگاتی ہے نکبت
یہ سمجھتے ہیں اس میں ہے شہرت

میر صاحب[17]! خطا معاف مری
عرض اب سُنیئے صاف صاف بری

آپ سیّد ہیں قوم کے سردار
آپ کو ایسی باتوں سے سروکار؟

نام اسلاف کا ہوا برباد
آپ کو مالِ مُفت اُڑانا یاد

آپ کو یہ کبھی خیال آیا
مُلک کا اب بدل گیا نقشا

ماسٹر صاحب[18] آپ نے بھی سُنا
مصلح القوم کا یہ فرمانا

"آہ اب یہ ہماری حالت ہے"
"غیر کیا دوستوں کو نفرت ہے"

"ہم وہی ہیں کہ جو ابھی کل تک"
"جاہ و اقبال سے تھے سر بفلک"

"آج پستی میں ہے ہماری قوم"
"تنگدستی میں ہے ہماری قوم"

"ایسے بیڑے کو ڈوبنے سے بچائے"
"ناؤ منجدھار سے جو پار لگائے"

"قوم بھر کا وہ اپنی حامی ہے"
"اور سزاوارِ نیک نامی ہے"

یہ عجب ہے آپ سا ذی ہوش
"قوم کو یوں دکھائے اُلٹا جوش"

آپ کے ہاتھ سے بنے نقشا
قوم کی بالعمل تباہی کا

ع۵ مولانا لطفی مدظلہٗ کی طرف اشارہ ہے جن کے چند اشعار مثنوی "نخلِ فریاد" بطور تضمین اس نظم میں لائے گئے ہیں۔ ممتاز حسین جونپوری

کوئی نقشہ بنایئے ایسا نام ہو جس میں اور ملے پیسا
چھوڑیئے اُن کو جو یہ پالیں جھول وہی جو لوگ ہیں دد[19] پنے گول

مرزا[20] صاحب! ہے آپ کو کچھ یاد آپ ہی کے وہ لوگ تھے اجداد
چشمے دولت کے گو اُبلتے تھے گھر سے باہر وہ کم نکلتے تھے
وہ سمجھتے تھے اس کو ننگ و عار میچ بازی کریں سرِ بازار
سوُت دولت کی جب کہ تھی جاری تھا یہ اِک شغل، شغلِ بےکاری
تاکہ مل جائے کچھ غریبوں کو فائدہ ہو بلا نصیبوں کو
اُن کے نقشِ قدم پہ کیوں چلیئے ہو کے مُفلس نہ قوم پر کھلیئے
اَب ہوا کا بدل گیا دھارا کُھل گیا آبرو کا بَل سارا
آپ بھی رکھیئے یہ مقوُلہ یاد خوب ہی کہہ گیا ہے اک اُستاد
"مُفلسی سب بہار کھوتی ہے مرد کا اعتبار کھوتی ہے"

شیخ[21] صاحب! بتایئے للّٰہ آپ کو کس نے کر دیا گمراہ
آپ تو کاروبار کرتے ہیں سب اسی سے دُکار کرتے ہیں
آپ تو ہیں دکان دار حضور میچ کے نشّے میں پھر اتنے چور
پھر گئے کتنے آکے بیپاری آپ ہیں اور شغلِ بےکاری
مُفت دولت نہ یوں اُڑائیں آپ سادہ کاری سے ہاتھ اُٹھائیں آپ
گاہکوں کا بھی کچھ خیال کریں کچھ بھی اندیشۂ مآل کریں
ایسی غفلت کا ہو گا کیا انجام ریل کی چرخیاں نہ آئیں گی کام
میچ بازی کو اب نہ دیجیے طول ہو بجیئے اپنے کام میں مشغول

عمر بڑھ جائے گھٹ کے مشکل ہو   وقت آئے پلٹ کے مشکل ہے
عمرِ فانی کا اعتبار نہیں   کچھ جوانی کا اعتبار نہیں

ہوں گی کب تک یہ بازیاں صاحب   کچھ تو ارشاد کیجے خاں[۲۳] صاحب
آپ پر تھا سپہ گری کا مدار   آپ تو اس قدر نہ تھے بیکار
کہ لڑائیں پتنگ میدان میں   یوں کریں جا کے جنگ میداں میں
ڈور کے گولے چرخیاں لے کر   رہیں میدانِ[۲۴] قلعہ میں دن بھر
جن کے اجداد لڑتے تھے تلوار   خلفِ اُن کے لڑائیں پٹّی دار
غیر ورزش کریں پٹا سیکھیں   آپ کنکوّے لوٹنا سیکھیں
وہ کریں مشقِ تیر اندازی   آپ کنکوّے میں بدیں بازی
غیر میداں میں جا کے بانا[۲۵] ہلائیں   آپ چرخی لیے پتنگ لڑائیں
مشغلہ اُن کا کُشتی اور مُگدر   آپ کا شغل لگّا[۲۶] اور لنگر[۲۷]
آپ پاپڑ[۲۸] پتنگ کے بیلیں   وہ اکھاڑے میں روز ڈنڑ پیلیں
گر یہی غفلتیں ہیں بندہ نواز   خود بخود ایک دن کھُلے گا یہ راز
ٹپیے گا اور کچھ نہ بولیے گا   شاید اُس وقت آنکھ کھولیے گا

بھائی[۲۹] صاحب اب اک ذرا ہشیار   نہیں باقی رہی وہ فصلِ بہار
ہم نے مانا کہ آپ ہیں مشّاق[۳۰]   بڑے اُستادِ شہرۂ آفاق[۳۱]
عمر بھر مشق میں بسر کر دی   چاہیے گرمی ہو اس میں یا سردی
یُوسفِ کاردانِ عقل و تمیز   وقت سی شئے کو بھی کیا نہ عزیز

اس مشقّت کا کیسا مآل بلا — کھویا مال اپنا یا کہ مال بلا
بے گرُے فن کا اعتبار نہیں — کہ ہُوا پر کچھ اختیار نہیں
گر کٹے تو گرہ سے کچھ کھویا — کاٹنے میں ملا بتائیے کیا
یہی نا اک صدا کا اڑاٹا — واہ اُستاد واہ، وہ کاٹا

غور فرمائیے تو آپ جناب — ماشاء اللہ آپ ہیں نواب[۳۳]
بے سکت کے تہمتنی کب تک — یہ دیشیتے کی روشنی کب تک
جھلملاتا ہے آبرو کا چراغ — عرش پر آپ کا ابھی ہے دماغ
ہے مخالف ہوا زمانے کی — کیجیے فکر کچھ کمانے کی

اور اگر آپ اس پہ فخر کریں — ضلع[۳۴] کے حاکم آ گئے رہیں ہیں
بانٹنے اپنے ہاتھ سے انعام — اس میں ہے افتخار کا کیا کام
اُن کے اخلاق کی ہے یہ تعریف — آئیں گے جب بلائے کوئی شریف
آپ کے مشغلوں سے کیا اُنھیں کام — بانٹ دیں گے وہ مُفت کا انعام
انتظامی امور کرنے میں طے — اُن کو تو اِک بڑی سہولت ہے
شہر بھر کے جواریوں کا جتھا — اِک جگہ دیکھنے میں ہرج ہی کیا
لیئے لنگر جو لوٹیں مُفت کا مال — یاد رکھیں گے اُن کے بھی خط و خال
خود بخود اس کا ہوتا ہے اظہار — شہر میں اِتنے لوگ ہیں بے کار
واقعی ان پہ ہے بہت کم ٹیکس — اِن میں دیتے ہیں کتنے اِنکم ٹیکس
صرف سے بڑھ کے اِن کی آمد ہے — جب تو اس شغل میں انھیں کد ہے

یہ جو غربت کا کرتے ہیں اظہار　　محض جھوٹے ہیں سر بسر مکّار
اتنا تفریح پر کرے جو صرف　　کیوں نہ غربت پہ اس کی آئے گا حرف

اپنی قسمت ہے اپنا یہ کہنا　　ایسے بدھو[٣٥] ملیں تو کیا کہنا
کہ جو اپنی تباہیوں کو دکھائیں　　راگ دولت کا مفلسی میں گائیں
جو نمائش کریں حماقت کی　　قدر جن کو نہیں ہے دولت کی
وقت اپنا جو کرتے ہیں برباد　　جن کو خالی پتنگ بازی یاد

فکر جن کو نہیں کمانے کی　　یاد ہیں صورتیں اُڑانے کی
یہ بھی ہے اس مثل کی ایک مثال　　کھاؤ ہنس ہنس کے پھوہڑ دل کا مال

یاد فرما کے تنگ دستی کو　　چھوڑ دیجے اس ہوا پرستی کو
صرف ہوتا ہے پیچ میں جو فضول　　اس سے صنعت کا کھولیئے اسکول
تا کہ اِک زندہ یادگار رہے　　غیر کی آنکھ میں وقار رہے
یہ اگر آپ کر نہیں سکتے　　یاد رکھیئے سدھر نہیں سکتے
ایسے طوفان خیز کیجے نہ کام　　ڈوب جائے جو کشتیٔ اِسلام
شرم کچھ روحِ مصطفٰی کے لیئے　　ہوش میں آیئے خدا کے لیئے
اس ظرافت سے گر نہ ہو تفریح　　اور سمجھتے ہوں اِس کو آپ قبیح
گالیاں دیجے بد دعا دیجے　　دل لگی میں اسے اُڑا دیجے
ہم بھی چپ ہو رہیں گے بس کہہ کے　　اور یہ مطلع پڑھیں گے رہ رہ کے

کیا ملا عرض مدعا کر کے " بات بھی کھوئی التجا کر کے"

آپ کا بندۂ ترقی خواہ

عرض پرداز حسبتہً للّٰہ

نوٹ:- سبب اختراع شغلۂ پتنگ بازی وغیرہ اور مصطلحات پتنگ بازی و تلمیحات مندرجۂ نظم ہذا درج ذیل ہیں:-

سبب ایجاد پتنگ بازی

گذشتہ زمانے میں راحت طلب امرا زیادہ تر میر فرش اور شیر قالین بنے بیٹھے رہتے تھے اس لیئے سنگین غذائیں جو وہ کھاتے تھے دیر میں ہضم ہوتی تھیں بلکہ بعض اوقات سوء ہضم و اختلاجِ قلب وغیرہ میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ لہٰذا اس وقت کے حکمائے حاذق نے بہت سوچ سمجھ کر بطور ان ڈور گیمس یہ پتنگ بازی اور کبوتر بازی کے مشاغل ایجاد کیئے تاکہ اسی حیلے سے کچھ ورزش ہوتی رہے اور وہ اپنے عظیم الشان مکانوں کی بلند اور وسیع چھت پر صاف اور تازہ ہوا میں تھوڑی دیر مشی کرتے رہیں جو اُن کے ہضم طعام میں معین ہو چنانچہ یہ اشغال طبقۂ رؤسا میں رائج ہو گئے اور اُن کے انھیں شوقوں کی بدولت اکثر غربا کو بھی مالی فائدہ پہونچنے لگا۔ بعض فیّاض طبع اور حوصلہ مند امرا تو اپنے کنکوؤں میں مقیشی جُھلجُھل لگاتے تھے کہ اگر کوئی نادار و غریب کنکوّا لوٹے تو اس کی روزی کا سہارا ہو جائے یہ سب دولت کے کرشمے تھے۔ اعتدال کے ساتھ اگر یہ مشغلہ خواص ہی کے طبقے تک محدود رہتا تو بہت مفید تھا لیکن جب سے عوام النّاس کے ہاتھوں میں پڑ گیا داخلِ لہو و لعب ہو کر بے حد ذلیل و خوار ہو گیا۔ اور محتاط شرفا ان اشغال سے کنارہ کش رہنے لگے کیونکہ یہ بازاری کھیل سمجھا جانے لگا۔

مصطلحات و تلمیحات مندرجہ نظم ہذا

نمبر ۱ پتنگ بڑے کنکوّے کو کہتے ہیں جو پورا ایک تاؤ کا ہو۔ کنکوّے کے کاغذ کا تاؤ پیمائش میں بقدر "۲۰ × "۲۶ یا "۲۲ × "۲۹ ہوتا ہے بہت باریک اور مضبوط مختلف رنگوں کا جرمنی کاغذ بہتر سمجھا جاتا ہے۔

نمبر۲ پون تاوا کنکوا، اکتائے سے ایک چوتھائی کم ہوتا ہے۔
نمبر۳ تکل کنکوّے کی ایک قسم ہے جس میں نیچے اوپر دو کانپیں لگائی جاتی ہیں اور دونوں کے سرے دونوں کندوں پر ختم ہوتے ہیں۔ یہ بہت وزنی پتنگ ہوتی ہے۔
نمبر۴ بھیڑیا کنکوّے کی ایک وضع ہے جس میں ماتھے سے پتّے یا جُھلجھل تک یعنی اوپر سے نیچے تک عرضاً مختلف رنگ کی پٹیّاں ہوتی ہیں۔
نمبر۵ انگ دار میں ماتھے سے کنکوے کے دونوں کندوں تک دوسرے رنگ کی دو کلیاں لگی ہوتی ہیں۔
نمبر۶ جمدھر، چوخانہ ہوتا ہے جس میں دو دو خانے ہم رنگ ہوتے ہیں اس طرح کہ اوپر نیچے کے دونوں خانے ہم رنگ اور بازوؤں کے دونوں خانے ہم رنگ۔ جمدھر ایک سلاح جنگ کا بھی نام ہے۔
نمبر۷ کٹاریا، اس کنکوّے کو کہتے ہیں جس کے بیچ میں کٹار کی شکل بنی ہوتی ہے، کٹار ایک سلاح جنگ کا نام ہے۔
نمبر۸ پٹی دار، وہ کنکوّا کہلاتا ہے جس میں دونوں کندوں کے درمیان مختلف رنگ کی پٹیّاں کھڑی کھڑی جوڑی جائیں۔ نظم کے چوتھے شعر میں یہ لفظ بطور صنعت ایہام صرف ہوا ہے اس لیے کہ پٹّی دار اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو گاؤں کے کسی جزو کا مالک ہو۔
نمبر۹ لمڈورا، وہ کنکوّا کہلاتا ہے جو دور تک بڑھا کے لڑایا جائے۔
نمبر۱۰ اُگاہی قرض کی ایک قسم ہے جس میں مدیون مہاجن سے دس روپے لے کر بقسط بندی عہ ماہوار گیارہ یا بارہ مہینے میں بلاناغہ ادا کرے۔
نمبر۱۱ اے، بی اور اچ، ڈی۔ کنکوے بازوں کی ٹیموں (جتھوں) کے نام ہیں۔
نمبر۱۲ بڑی بی، سے کنکوّے باز کی ماں مراد ہے۔
نمبر۱۳ مانجھے والا، وہ شخص ہے جو سادی ڈور پر مانجھا دیتا ہے اور مانجھا وہ مادّہ ہے جو شیشے کے باریک سفوف میں کوئی لعاب دار شئے اور کوئی رنگ ملا کر لُبدی تیار کی جائے زیادہ تر زرد ہی رنگ

ملایا جاتا ہے اس لُبدی سے سادی ڈور سُوتی جاتی ہو تو وہ سخت و کرخت ہو جاتی ہے اور حریف کے کنکوّے کی ڈور کو کاٹ دیتی ہے زیچ لڑانے میں کنکوّے کے کنّوں کے بعد مانجھے کی ڈور کچھ دور تک رہتی ہے اور اس کے نیچے سادی ڈور رہتی ہے تاکہ پیچ لڑانے والے کے ہاتھ ڈور کی رگڑ سے مجروح نہ ہو جائیں۔ مانجھے کے لفظ میں یہاں ایہام ہو کیونکہ مانجھا اس رسم کو بھی کہتے ہیں جو شادی کی ابتدا میں اس طرح عمل میں آتی ہے کہ بیٹی والے کی طرف سے بیٹے والے کے یہاں نوشاہ کے واسطے زرد رنگ کا جوڑا اور کنگنا، پینڈیوں، بٹنے کے ساتھ بھیجا جاتا ہے اور دودھ پینے کے لئے کچھ زر نقد بھی۔ ان سب چیزوں کے ہمراہ حسب حیثیت ایک نہانے کی چوکی لوٹا، کٹورہ بھی بھیجا جاتا ہے۔

نمبر۱۴ ریل، اس ڈور کو کہتے ہیں جو مشین کے ذریعے سے تیار کی جائے۔

نمبر۱۵ ٹیم ٹام، دھوم دھڑکّا۔

نمبر۱۶ تادے، چکرّ۔

نمبر۱۷ میر صاحب کے لفظ سے طبقۂ سادات کی طرف خطاب ہے اور ۳۵ ویں شعر میں لفظ سید کا اشارہ سید صاحب مشق کی طرف ہے جو نواب تبنے صاحب مشتاق مرحوم کے صاحبزادے ہیں اور جنھیں کنکوّے بازی کا بہت شوق تھا۔

نمبر۱۸ ماسٹر صاحب سے مراد سیّد محمد رضا عرف پیارے صاحب ہیں جو ڈرائنگ ماسٹر اور بہار مرحوم کے چھوٹے بھائی ہیں اور کنکوّا لڑانے میں استاد مسلم الثبوت ہیں۔

نمبر۱۹ دوپنّے گول، اصطلاحاً بیوقوف آدمی کو کہتے ہیں۔ اور دوپنّا کنکوّے کی بھی ایک قسم ہو جس کی کانپ کے دونوں سروں پر نعل کی قطع کے دو ٹکڑے کنکوّے کے رنگ سے مختلف لگے ہوں۔

نمبر۲۰ مرزا صاحب سے مراد طبقۂ مغل ہے۔

نمبر۲۱ شیخ صاحب خطاب ہے طبقۂ شیوخ کی طرف۔

نمبر ۲۲۔ سادہ کاری کے ذکر سے شیخ کاظم حسین سادہ کار جنھیں کنکوے بازی کی طرف بہت شغف تھا مراد ہیں۔

نمبر ۲۳۔ خاں صاحب کے لفظ سے بالعموم طبقۂ خوانین اور بالخصوص وہ لوگ جن کے آباؤ اجداد کا سپہ گری پیشہ تھا مراد ہیں۔

نمبر ۲۴۔ میدان قلعہ اسٹیشن چارباغ کے دونوں طرف یعنی غرب و شرق میں ایک زمیں دوز قلعے کی عمارت بھی اور اوپر کی طرف وسیع میدان وہیں کنکوؤں کے پیچ ہوتے تھے۔

نمبر ۲۵۔ باناسیف بازی کی مشق کو کہتے ہیں۔

نمبر ۲۶۔ لگا، ایک لانبا بانس جس کے اوپر خشک ٹہنیاں باندھ کر اس سے کنکوے لوٹے جاتے ہیں۔

نمبر ۲۷۔ لنگڑ، ڈور میں اینٹ کا ٹکڑا باندھ کر کنکوے کی ڈور پھینکتے ہیں اور اس طرح لنگڑ میں پھنسا کر کنکوے کی ڈور کھینچ لیتے ہیں۔

نمبر ۲۸۔ پاپڑ ایک باریک قسم کی روٹی ہے جو مونگ یا ماش کے آٹے سے نمک مرچ اور گرم مصالح ملا کر بیلن پیڑے پر تیار کی جاتی ہے اور آگ پر سینکنے سے کُرکُری ہو جاتی ہے۔ اسے کبھی تَل لیتے ہیں اور سہال کی طرح خستہ اور لذیذ ہو جاتی ہے۔ پاپڑ کی تیاری میں چونکہ بہت محنت پڑتی ہے اس لیے پاپڑ بیلنا ایک محاورہ قرار پا گیا ہے جس کے معنی ہیں دِقّت اُٹھانا۔ پتنگ کا کاغذ بھی چونکہ بہت باریک ہوتا ہے اسی وجہ سے یہاں اِسے پاپڑ سے تشبیہ دے کر پاپڑ بیلنے کا محاورہ صرف کیا گیا ہے۔

نمبر ۲۹۔ بھائی صاحب، خطاب ہے بہار مرحوم کی طرف جو ظریف مرحوم کے سمدھی تھے اور جنھیں کنکوؤں کے بنانے میں ید طولیٰ تھا۔

نمبر ۳۰۔ مشاق، نواب بنّے صاحب کا تخلص ہے یہ لکھنؤ کے مشہور شاعر صاحب تلامذہ تھے یہاں مشاق کا لفظ بطورِ ایہام صرف ہوا۔

نمبر ۳۱۔ آفاق، نواب کلّن صاحب تخلص ہے یہ مشاق صاحب کے چھوٹے بھائی تھے اور کنکوے بازی کے مُسلّم الثبوت اُستاد ۴۷ ویں شعر میں آفاق کا لفظ نہایت خوبی سے صرف کیا گیا ہے۔ تعمیم و تخصیص

دونوں کا فائدہ دے رہا ہے بطور ایہام۔

نمبر ۳۲۔ اڑاٹا، زور شور کی بلند آواز، موقع و محل کے اعتبار سے نہایت بلیغ لفظ ہے۔

نمبر ۳۳۔ نوابِ وثیقہ دارانِ لکھنؤ کا طبقہ مراد ہے جنھیں پتنگ بازی کا زیادہ تر شوق تھا۔

نمبر ۳۴۔ ضلع کے حاکم، سے ڈپٹی کمشنر مراد ہیں اُس وقت اِس عہدے پر مسٹر گوئن مامور تھے جو تقسیم انعام کے لیے مدعو ہوئے تھے اور اُنھوں نے منظور بھی کر لیا تھا۔ لیکن جب یہ نظم شایع ہوئی تو نہ وہ آئے اور نہ صدر صاحب جلسے میں تشریف لے گئے۔ صدر صاحب جن کے خطابات سے نظم شروع ہوئی ہے نواب حامد علی خاں صاحب ظریف مرحوم کے بے تکلف دوست انجمن تفریح الاحباب کے سکریٹری تھے۔

نمبر ۳۵۔ بدھو، یہاں معنی بے وقوف ناعاقبت اندیش استعمال ہوا ہے۔

ضمیمہ۔ بلحاظ قدّ و قامت یا ساخت یا رنگ کنکوّوں کی مختلف قسمیں ہیں ان کی پوری تفصیل مع تصویرات اور پتنگ بازی کے تمام و کمال مصطلحات اگر لکھے جائیں تو مبسوط ایک کتاب ہو جائے گی اس لیے بطورِ مُشتے نمونہ از خروارے چند کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے:۔

(۱) قدّ و قامت۔ پورے "تاو" کا کنکوا، اکتاوا، اور چوتھائی "تاو" کم کر کے تین چوتھائی "تاو" کا کنکوا "پون تاوا" کہلاتا ہے۔ چھوٹے کنکوّوں کو کنکیاں کہتے ہیں یعنی دھیلچی پیسے کی دو والی دمڑچی پیسے کی چار والی۔ بانچی بھی کنکیا کی ایک قسم ہے جو دمڑچی کے برابر ہوتی ہے اور بہت باریک ڈور پر اڑائی جاتی ہے یعنی بانے پر۔

(۲) ساخت کے لحاظ سے کنکوّے پٹے دار اور جُھلجُھل دار ہوتے ہیں آخر الذکر کو ڈیڑھ کنّا بھی کہتے ہیں اس لیے اس کے کنّے کسی قدر چڑھا کر باندھے جاتے ہیں۔

(۳) رنگ کے اعتبار سے کنکوّے سادے اور رنگین کہلاتے ہیں۔ سادے اپنے رنگ کے نام سے بولے جاتے ہیں مثلاً کوئل یا حبشن سیاہ رنگ کا کنکوا کہلاتا ہے۔ رانڈ یا بگلا سفید رنگ کے کنکوّے کو کہتے ہیں وغیرہ وغیرہ رنگین اُن کنکوّوں کو کہتے ہیں جو مفرد خواہ مرکب وضع کے بنائے جائیں اور وہ اپنی وضع کے نام سے بولے جاتے ہیں۔ مثلاً الفیہ، جمجھر، چیپ، بانگ دار، وغیرہ مفرد وضع کے ہیں اور مرکب وضع کے مثلاً چیپ۔ الفیہ، بانگ دار۔ چاند تارا، پتنا بدھی دار، دوباز طوقیہ وغیرہ۔ (صفی عفی عنہ)

سنہ ١٩٢٧ء

نظم نمبر ٣٩

بڑھوا منگل

نوٹ۔ تفریح الاحباب کلب کے ایک ممبر کا عقد ثانی بتاریخ ١٥؍ فروری مطابق ١٢؍ شعبان ١٣٤٥ھ ہجری روز شنبہ عمل میں آیا تھا۔ اسی کے متعلق یہ ظریفانہ نظم ہے تفصیلی واقعات اس نوٹ میں ملیں گے جو اس نظم کے آخر میں درج ہے۔ (صفی عفی عنہٗ)

بحر مجتث مخبون مقصور یا محذوف۔ ارکان مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

چمن میں جب گل و بلبل سے ہو گئی تکرار
یہ رنگ دیکھنے آئی پلٹ کے فصلِ بہار

نئے شگوفے کے کھلنے سے ہو گیا ظاہر
نمو کا جوش ہے بعد خزاں یہ دوسری بار

خبر ہو عام یہ تعجیل تھی جو مد نظر
پرانے پھولوں کو گلچیں نے دے دیا اِک تار

خزاں رسیدہ گلوں کا چمن میں کام نہیں
یہاں تو گل جدید لذیذ ہے درکار

نہ تم میں بوئے محبت نہ رنگ مہر و وفا
پھر اس سے کیا جو کبھی تھے کسی گلے کا ہار

چمن میں تیس برس تک رہے بہر صورت
خزاں کا ساتھ دیا پھر بھی تم نے آخر کار

نہ چھوڑا ایک بھی تِنکا چمن سے جاتے وقت
کہ آشیانہ بناتی کہیں یہ بلبلِ زار

ہوا زمانے کی اس طرح دفعتہً بدلی
کہ آیا موسم سرما میں ابر تیرہ و تار

جو عیدِ نیمۂ شعباں کا زَن سے پھسلا پاؤں
شبِ برات ہوئی بارھویں کو آپ کی بار

بھری ہوئی تھی جو شوقِ وصال کی بارود
تو چھوٹا صبر کے ہاتھوں سے ایک دل کا انار

وہ جھوم جھوم کے ابرِ سیاہ کا آنا
گماں گرج پہ تھا گولوں کے چھٹنے کا ہر بار

تڑپ گئی دلِ بیتاب کی طرح بجلی
بڑھو بڑھو و قنا ربنا عذاب النار

اُدھر تو ابر کو ضد تھی کہ میں برس کے رہوں
کسی کے دل میں اِدھر شوقِ دیدِ روئے نگار

یہ ہم نے مانا کہ بائیس اور چوالیس میں
ہے فرق دونے کا جب کیجیے گا آپ شمار

سن وقوف میں لیکن وہ جوش ہوتا ہے
کہ مات کرتا ہے ہر نوجوان کو سن دار

مکاں سے جانا ضرورت میں تا امین آباد
اس ابر و باد میں تھا واقعی بہت دشوار

کمندِ زلف کا لیکن اسیر کیا کرتا
کشاں کشاں گیا اپنے مکان سے بازار

پلیٹیں لے کے پلٹ آیا شوق میں فوراً
کہ جس طرح یہ کوئی کامیاب لے کے شکار

وہ انتظار کی گھڑیاں وہ اشتیاق کا جوش
گھڑی کا دیکھنا اک اک منٹ میں سو سو بار

وہ شامِ وصل کی آمد ارے معاذ اللہ
اُسی سے پوچھو کہ جس دل میں ہو نہ صبر و قرار

غرض کہ شام ہوئی جمع ہو گئے احباب
مگر وہی کہ بلائے گئے تھے جو دو چار

پلاؤ قورمہ پھلیاں مٹر کی سیم کے بیج
غذائیں کھا چکے یہ خاص خاص جب غمخوار

کچھ ایسے بھی تھے کہ بیٹھے رہے الگ چھپ کے
وہ اس ولیمۂ مخصوص کے نہ تھے حق دار

خدا کا شکر کہ نوشاہ کے بلانے کو
وہ بھیگی بلی کے مانند آیا خدمت گار

پیام سنتے ہی تیار ہو گیا نوشاہ
کہ وہ تو بیٹھا ہی تھا دن رہے سے کھائے اُدھار

درِ عروس تک اس طرح سے جھپٹ کے گیا
کہ جیسے جاتا ہے شہباز کوئی سوئے شکار

وہ راہ چلنے کا کس بل تھا دید کے قابل
نکل کے میان سے جیسے چلے کوئی تلوار

دلھن کے گھر پہ جو چپکے سے آ گیا دولھا
برائے نقب اندھیرے میں جیسے چور چکار

درِ امید کھلا اور گھس پڑا دولھا
متاعِ حسن جسے لوٹنا تھی دوسری بار

نکاح پڑھ دیا کشتی ملی ہوئے رخصت
جنابِ مولوی صاحب سے کیا رہا سروکار

ہوا جو آرسی مصحف تو یہ نہیں معلوم
غلام بوی کے کے مرتبہ سے بنے سرکار

غرض رسوم بہ تعجیل ہو گئے جب ختم
زنان خانے کے اندر ہوئی یہ چیخ پکار

دلھن کے لینے کو آتا ہے گھر میں اب نوشاہ
وہ کرلیں آڑ کہ جو دُور کے ہیں ناتے دار

ابھی غلام بنے تھے ابھی بنے مزدور
ملی، سلام کرائی کے دس روپئے اُجرت
ہنسی خوشی پلٹ آیا مکان پر نوشاہ
براتی چل دیئے دولھا دلھن رہے تنہا
اُدھر سکوت کا عالم اِدھر دلِ پُر شوق
اندھیری رات وہ بے فصل کی بھری برسات
کہ خوب دیکھتے رہنا کھڑا نہ ہو کوئی چور
نہ کام آئی حفاظت مگر ہوا کھٹکا
وہ قفل ٹوٹ گیا وہ متاعِ حسن لٹی
کلیدِ کہنہ سے اِک قفلِ نو کا کھُل جانا
وہ کیسا ہی ہو نیا قفل کیوں نہ کھل جائے
قلم سے کہہ دو کھسک جا کہ ہے گریز کا وقت

شگوفۂ چمنِ اجتہاد کی تعریف

اب اپنی راہ لے وہ ہو چکا جو ہونا تھا
وہ مانگ لے جو تجھے مانگنا ہو جلدی سے
یہی جنابِ مؤدب کا حکم تھا تجھ کو
اگر یہ وقت نکل جائے گا تو مشکل ہے
یہ عرض کر کہ خدا کے لیئے نئے دولھا
مبارک آپ کو شادی ہمیں ولیمۂ عقد
کہیں گے لوگ کہ کنجڑے قصائی ہیں گیاب

دُلھن کو گود میں لے کر گیا قفس میں سوار
مثل یہ سچ ہے بھلے نقد نو نہ تیرہ ادھار
خزاں رسیدہ چمن میں پھر آئی فصلِ بہار
کسی کا کام نہیں تخلیہ ہے اب درکار
اُدھر خموشیاں ناگفتہ بہ اِدھر اظہار
یہ بار بار صدا دے رہا تھا چوکیدار
مکان والو ذرا جاگتے رہو ہشیار
گیا وہ سوئے خزانہ کوئی لیئے اوزار
کسی طرف سے وہ آئی صدائے گیر و دار
اگرچہ عقل کے نزدیک تھا بہت دشوار
لگا دو ایک ہی کنجی پلٹ کے جب دوبار
کسی کے وصفِ حمیدہ کا کچھ نہ کر اظہار
تجھ ایسا خشک زباں کر سکے یہ ہے دشوار
کھڑا نہ رہ اَڑ کے مطلب کا اپنے کر اظہار
سخن میں طول دیا تو نے اس قدر بیکار
کہ مانگ کھانے کی کر فکر جلد اے نادار
ولیمہ پا نہیں سکتا ہے پھر کوئی زنہار
بس اب نہ کیجیے للہ بحث اور تکرار
پلاؤ اور مزعفر کی جس میں ہو بھرمار
مٹر پلاؤ اگر آپ نے دیا سرکار

اُنھیں کھلائیے گا کابلی مٹر نوشاہ
اُٹھا کے لائے تھے ڈولی عروس کی جو کہار

حضور عقد شریفوں کا یوں نہیں ہوتا
کہ ماش بھات بٹے یا مٹر پلاؤ اچار

ذلیل کیجیے نہ اس عقد کے ولیمے کو
کہ جس میں مہر بندھا ہے سُنا پچاس ہزار

مناسبت سے اُسی کی ہو صرف دعوت میں
دگرنہ دعوتِ احباب و عقد سب بے کار

یہ عرض سُن کے اگر آپ کھا بدسے اُس کو
تو یاد رکھیے کہ ہم پہنچ کے ہیں نامہ نگار

ولیمہ کیوں کریں ماہِ صیام میں منظور
کہ ہم نہ زاہدِ خشک اور نہ عابد و ابرار

بتائیے کوئی تاریخ ماہِ شعبان کی
برات ادھر تھی ولیمہ ملے گا کیوں اُس پار

ظریفؔ ختم کر اب اپنی نظمِ لایعنی
اُٹھا دعا کے لیے ہاتھ جلد ہو تیار

الٰہی شب یہ ہے جب تک سحر کا گٹھ بندھن
کسی کی قوتِ شہوانیہ نہ ہو بے کار

حدودِ شرع میں تکرارِ عقد ہو اس طرح
کہ ایک ایک سے دو، دو سے تین، تین سے چار

نوٹ۔ انجمن تفریح الاحباب جو لکھنؤ میں ظریفؔ مرحوم اور ان کے بے تکلف دوستوں نے غم غلط کرنے کے لیے قائم کی تھی اس میں ایک اچھے خاصے ادھیڑ چوالیس برس کی عمر کے دوست تھے جن کی بیوی بھی موجود تھیں اور جوان جوان اولاد بھی۔ میاں بیوی کے درمیان سنّ کہولت کے عالم میں شیطان نے کچھ ناچاقی کرادی بیوی بال بچوں سمیت گھر کا کل اسباب سمیٹ سماٹ کے اپنے میکے چل دیں اور مدّت تک وہیں رہیں۔ میاں انتقام کے جوش میں میدان خالی پاکر دوسری شادی کا اقدام کر بیٹھے۔ ظریفؔ مرحوم نے نیابتہً کل بے تکلف احباب کی طرف سے مزاحًا دعوتِ ولیمہ کا تقاضا اس نظم کے ذریعے سے کیا۔ نظم اگرچہ مخصوص واقعے سے متعلق ہے مگر حیاتِ انسانی اور معاشرت و اصلاحِ اخلاق سے اس کو بہت تعلق ہے اسی نظر سے یہ منظرِ عام پر لاکر اہلِ دنیا کے سبق سکھانے کے لیے پیش کی جاتی ہے۔ شادی اتفاق سے منگل کے دن بتاریخ

۱۵ فروری ۱۹۲۷ء مطابق ۱۲ شعبان ۱۳۴۵ھ ہوئی تھی بارش بھی ہو رہی تھی۔ اسی مناسبت سے اس کا نام بڑھوا منگل رکھا گیا نظم کے اندر واقعات کی صراحت شاعرانہ لطافت و ظرافت کے ساتھ موجود ہے۔ اس لیئے اسی قدر نوٹ اُس سے لطف اندوز ہونے کے لیئے کافی ہے جناب مؤدب کا دعوت ولیمہ کی فرمائش کرنا بھی ایک نئے محل اور عنوان سے اس میں ظاہر کیا گیا ہے۔

(صفی عفی عنہٗ)

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۴۰ | ۲۷ سنہ ۱۹ء | تعداد اشعار ۲۲

البعیر

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف | ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

ناقۂ لیلیٰ کے بچے اے بعیرِ ذی وقار
قومِ شیعہ تیرے استبداد کی دُم پر نثار

تیرے چہرے سے نمایاں اک شرارت کی شبیہ
خود نمائی جس کا شیوہ سرکشی جس کا شعار

تیری آنکھیں بحرِ عیاری کے گویا دو حباب
کان جن میں کلمۂ حق کی صدائیں ناگوار

اُمِ صبیاں سے زیادہ تیرے تھوتھن کی گرفت
پنجۂ دستِ قضا کے مثل وقتِ گیرودار

دانت تیرے پنجۂ موذی سے بڑھ کر سخت گیر
ناک میں تیری دکھانے کو شریعت کی مہار

کیا دولتی جھاڑتا ہے مظلوموں کو لاد کر
فطرۃً سرکش ہے تو لیکن بظاہر بُردبار

اپنی کبڑی پیٹھ پر لادے ہوئے قومی حقوق
کتنے اطمینان سے چلتا ہے تو مستانہ وار

زینتِ گردن تری کُل قوم کی لعنت کا طوق
اس سے ظاہر ہے کہ تو نے کھو دیا ہے اعتبار

دیکھنے میں کس قدر سیدھا ہے تو اے زرد رُو
کج روی سیکھا ہے تجھ سے ابلقِ لیل و نہار

قوم کو باہم لڑا دینے میں تیری ذات فرد
میرے قومی اونٹ اے جنگِ جمل کی یادگار

بال میں اک باندھ کر تو نے جو لٹکائی تھی تیغ
اتفاقاً چل گیا اُس کا تری گردن پہ وار

ڈال دی انجام بینی سے حکومت نے نکیل
جا رہا تھا ورنہ تو گردن اُٹھائے بے مہار

پیٹ تیرا قوم کی گاڑھی کمائی کے لیئے
وقف ہے کھا کر نہیں لیتا کبھی تو اک ڈکار

تو جو امرد ہے کا کانٹا بے تکلف چر گیا
قعرِ معدہ میں چھپا تیرے کرو ہی انجامِ کار

بلبلاتا ہے شتر خانے میں بے چینی کے ساتھ
گرد تیرے جمع بیسوں ساربانِ غمگسار

کوئی آیا ہے سہارن پور سے لے کر دوا
تیل رینڈی کا پلا نے منہ کے اندر دے کے نار

اور کوئی خاکِ شفا تجھ کو چٹانے کے لیئے
چپکے چپکے پڑھ رہا ہے کچھ دعائیں بار بار

کوئی خالی نیم کی ٹہنی ہلا کر دور سے
کہہ رہا ہے تھا بھی جانخرہ نہ کرلے بدشعار

کوئی کہتا ہے اسے لے جاؤ پٹنہ اسپتال
ورنہ اس کی زندگی کا اب نہیں کچھ اعتبار

اور کوئی پنجاب سے آیا ہے گھبرایا ہوا
مال و زر اپنا مداوا پر ترے کرنے نثار

کوئی کہتا ہے کہ اس کو نحر کرنا چاہیئے
عیدِ قرباں کو حسین آباد میں لے جاکے پار

الغرض ہیں جتنے منہ اتنی ہی باتیں مختلف
اختلافِ باہمی میں کس پہ کیجیے اعتبار

نوٹ۔ ظریف مرحوم نے ۱۹۲۷ء میں یہ نظم اخبارات کے مضامین سے متاثر ہو کر نیز اپنے تجربوں اور معلومات کی بنا پر استعارات کے پیرائے میں لکھی ہے۔ خود شتر و شتر سیرت اور شتر قامت انسان میں جو مشترک خوبیاں شاعر کے خیال میں تھیں اُن کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے یہ دیکھا گیا ہے کہ بعض آدمی عیّاری میں لومڑی بعض شقاوت میں بھیڑیئے ہوتے ہیں بعض مارآستیں ہوتے ہیں اُسی طرح قومی معاملات میں کوئی صاحب اونٹ کے صفات سے بھی متصف ہو سکتے ہیں۔ ظریف مرحوم زندہ نہیں کہ اُن سے دریافت کرکے یہ عقدہ حل کیا جائے کہ وہ قومی اُونٹ جس پر جنگ جمل کی یادگار ہونے کا فخر کیا گیا ہے وہ اب کس کے قبضے میں ہے۔

وقف حسین آباد لکھنؤ میں پہلے بقر عید کے دن ایک اونٹ بھی نحر کیا جاتا تھا اب اس واقعے کو لوگ بھولتے جاتے ہیں اس حیثیت سے یہ نظم لکھنؤ کے تاریخی واقعے سے بعنوانِ دلچسپ وابستہ ہے۔

(صفی عفی عنہٗ)

نظم نمبر ۱۴۱ ۲۸ سنہ ۱۹ء تعداد اشعار ۲۴

چوپائی ہوا

نوٹ اس نظم کا عنوان خود بتا رہا ہے کہ اس کا تعلق کسی ایک خاص واقعے سے نہیں ۲۸ سنہ ۱۹ء اور اس کے قریب ماقبل زمانے میں جو ہندوستان اور ہندوستان کے مسلمانوں خصوصاً شیعوں کی دلچسپیوں کے خاص اشغال تھے اُن میں سے بعض کا ذکر اختصار سے اس طرح کر دیا گیا ہے کہ اس سے خاص خاص طبقوں اور افراد، قومی رہبروں اور پیشواؤں کے دلی منصوبے اور جذبات آشکار ہوتے ہیں۔ سائمن کمیشن سے عدم تعاون، خلافت کے لیئے علی برادرس کی گرماگرمی اور گاندھی جی کے اصول و مظاہرات میں ہم آہنگی۔ ہندوستان میں شاہ کابل کی آمد۔ انجمن خدّام کعبہ کا قیام اور ابن سعود کے مظالم سے تنگ آکر حج کے لیئے لوگوں سے کچھ لوگوں کا مانع ہونا اور کچھ لوگوں کا سعودی ایجنٹ کی حیثیت سے ابن سعود کے حسن انتظام کا پروپیگنڈا کرنا۔ اسی زمانے میں جناب باقر العلوم مجتہد العصر اعلی اللہ مقامہٗ کا کربلائے معلّے میں انتقال فرمانا۔ اور کچھ لوگوں کا ہندوستان میں تابوت نکالنا اور اُن کے غم میں شغف۔ اور دیگر تاریخی حالات سے جس طرح طبائع پر اثر تھا ان سے متاثر ہو کر ہدایت اور مفادِ قومی کے لیئے خاص عنوان سے یہ نظم ترتیب دی گئی ہے۔ اور اس میں اظہارِ واقعات نہایت خوش اسلوبی سے کیا گیا ہے (صفی عفی عنہٗ)

بحر رمل مثمّن مقصور یا محذوف
ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

یوں کمیشن کا تماشا روز دیکھا کیجیئے
ملک کے دلّال بنیئے اور جھگڑا کیجیئے

اک طرف قومی محبّت اک طرف شوقِ پلاؤ
جانِ مضطر کشمکش میں پڑ گئی کیا کیجیئے

جب تصادم منفعت میں ہو نتیجہ الفراق
اتّحادِ باہمی کا راگ گایا کیجیئے

اَب ہوا اگلی سی بندھنی ہے ذرا مشکل حضور
کچھ نہ ہوگا جائیے پنکھا ہلایا کیجیئے

کچھ نشاں باقی نہیں قشقہ پُرانا ہو گیا
پھینکیئے کھدّر کا اب تھیلا پُرانا ہو گیا
بَن پڑے ہندو سبھا کے بنیئے اب دھان آپ
شاہِ کابل آئیں جب لے جائیے زرتار ہار
مسلمانانِ ہندستاں غریب و مُفلس ہیں
آیۂ لَا تَقنَطُوا مِن رَّحمَۃِ اللّٰہ سُن چکے
بھیجیئے حاجی سہالک کا زمانہ آگیا
آپ کی تو دل لگی اور قوم کا نقصان ہے
اس میں کیا رکھا ہے اُس میں تھی تو ملنے کی امید
کیجیئے ہنس ہنس کے کیوں ہم غمزدوں پر اعتراض
آپ کہتے ہیں کہ ہے افراط اور تفریط عیب
خاص آلِ عبا کے غم میں جو مخصوص تھا
جعفری مذہب پہ رہیئے اور رکھیئے اعتدال
سنیئے حضرت آپ کا کہنا بجا ہو یا نہ ہو
سب ہیں جاہل عالمانِ دیں کو یہ معلوم ہو
ہم تو شیعہ ہیں ہمیں اتنا فقط معلوم ہے
جب نکل جاتے ہیں آنسو پھر نہیں رہتا ہی جوش
ہم مُقلّد عالموں کے ہیں اُنھیں کا ہے یہ حکم
نفسِ اَمّارہ ہے شیطاں اور شیطاں ہی نجس
جوشِ وقتی ہے بلا کا ہم میں لے بندہ نواز

چل کے پنڈت جی کے اب قدموں پہ سجدا کیجیئے
ڈال کر زنّار کو گردن میں گھومایا کیجیئے
جنم بھومی میں گئو ماتا کی رکشا کیجیئے
اور اِس صورت سے اظہارِ تمنّا کیجیئے
یعنی کچھ دلوایئے بھوکوں سے سودا کیجیئے
پیار کرنے پر تو اِس سن میں نہ رویا کیجیئے
آپ تو خدّامِ کعبہ ہیں اسے کیا کیجیئے
جائیے ہڑتال سے گنجی نہ چندا کیجیئے
از سرِ نو پھر سعودی پر پگنڈا کیجیئے
غم بنا دیتا ہے دیوانہ یہ سوچا کیجیئے
غم سہی لیکن توازُن کچھ تو رکھا کیجیئے
عالمِ دیں کے لیئے کیوں اس کا چرچا کیجیئے
جوش میں اک باقری مذہب پیدا کیجیئے
یہ عوام النّاس جب سمجھیں نہ پھر کیا کیجیئے
کیا نہ کیجیے جب کوئی مرجائے اور کیا کیجیئے
ہے ثواب اس میں فقط رویا رُلایا کیجیئے
ہم کو اطمینان ہوجاتا ہے پھر کیا کیجیئے
ہو نجس جو چیز اُس کو خوب غوطا کیجیئے
آنسوؤں سے ہم اُسے دھوتے ہیں دیکھا کیجیئے
آپ کیا جانیں اسے ہرگز نہ روکا کیجیئے

نظم نمبر ۱۴۲ — ۲۸ شمہ ۱۹ء — تعداد اشعار ۲۰

دعوتِ بھوپال

نوٹ۔ ظریف مرحوم حیدرآباد دکن گئے تھے وہاں سے واپسی میں اپنے ایک دوست اقبال حسین صاحب کے اصرار پر بھوپال میں دو چار دن ٹھہر گئے اقبال حسین صاحب وہیں بھوپال میں ملازم تھے جب وہاں کے لوگوں کو اُن کے آنے کی خبر ہوئی تو سلام الدین صاحب (علیگ) چیف جج ہائیکورٹ اور دیگر حضرات نے بڑی دھوم دھام سے اِن کی دعوت کی اور بھوپال کے اہل ذوق اور عمائد کو مدعو کیا۔ اسی موقع پر یہ نظم بطور ڈنر اسپیچ پڑھی گئی۔ (صفی عفی عنہٗ)

بحر مجتث مخبون مقصور یا محذوف — ارکان مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

ظریف آئے دکن سے پلٹ کے جب بھوپال — پسند کی پھر اقامت بخانۂ اقبال
یہاں پہونچ کے ملی چٹ پٹ انھیں یہ خبر — ہے چیف جسٹس بھوپال کی طرف سے ڈنر
وہ چیف جسٹسِ ذی جاہ معدلت آرا — کہ جن کے عدل کا بجتا ہے چار سُو ڈنکا
زمانہ بسکہ ہوا نورِ عدل سے معمور — ہوئی ہے ظلم کی ظلمت جہان سے کافور
خلیق ایسے ہیں گویا کہ ہیں مجسّم خُلق — مسلّم اُن کی کرم گستری مُسلّم خُلق
سَجا ہے میز کو ہر ایک میہماں کے لیے — "صُلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے"
وہاں شریکِ ڈنر پنج دبار کل ہوگا — بلند چار طرف تہنیّت کا غُل ہوگا
سبھی تو خوش ہیں مسرّت کسے بتاؤ نہیں — کہ پہلے جج تھے ہیں اب چیف جج سلام الدین
جو چیف جسٹس سابق تھے ہیں مشیر مہام — خدا کا شکر لیاقت ہے بس اسی کا نام
ہے اِن کی ذات بھی مجموعۂ صفاتِ اتم — وہ ماہِ برجِ ترقی وہ دُرِّ دُرجِ کرم
انھیں بھی شرکتِ دعوت کی دی گئی ہے نوید — فروغ ذرّے کو دے چاہتا ہے یہ خورشید

سجی ہوئی تھی تکلّف سے میز کھانے کی
اُسی طریق سے جو رسم ہے زمانے کی
کباب قورمہ قلیہ پلاؤ بُورانی
ہزاروں نعمتیں فہرست جن کی طولانی
جسے بھی میز پر جس چیز کی ہوئی خواہش
نظر کے سامنے فی الفور آگئی وہی ڈش
تمام چیزیں بکثرت غرض وہاں موجود
طعام کھا کے کیا دل نے شکرِ ربِّ وَدُود
کھڑے ہوئے ڈنر اسپیچ کو ادھر احباب
نکالی جیب سے میں نے بھی مختصر سی کتاب
غذا کے بعد ظرافت کا چاہیئے چورن
کریں پسند اگر صاحبانِ ذوقِ سخن
برنگ خاص پڑھوں چند برمحل اشعار
کہ سُن کے وجد میں آجائے ہر در و دیوار

غزل

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور یا محذوف
ارکان مفعولُ فاع لات مفاعیلُ فاع لات یا فاعلن

ٹیبل پہ ساز و برگ کُلو واشربو ہے آج
مثلِ زباں ضیافتِ کام و گلو ہے آج
اللہ رے سیلِ اشربۂ و اطعمہ کا زور
زاہد کے دل کو خوفِ شکستِ وضو ہے آج
جی چاہے جتنا کھائیں مگر کم نہ ہوگی ڈش
سنگین اغذیہ میں وہ جوشِ نمو ہے آج
کایا پلٹ گئی ہے ڈنر سے زمانے کی
وہ بھی ہے شیرِ نر جو کوئی مادہ رو ہے آج
کہتی ہے بوسہ لے کے کسی لب کا شیرمال
مجھ سے زیادہ کون بھلا سُرخ رو ہے آج
دعوت ہے بنچ و بار کی داعی ہیں حیف بچ
بھوپال بھر میں دھوم یہی چار سو ہے آج
مہماں نوازیوں کا کہاں تک ادا ہو شکر
بندہ رہینِ لطف و کرم مو بمو ہے آج
چیں برجبیں ہے صحبتِ رندانِ مست میں
زاہد سے بڑھ کے کون بھلا بانگڑو ہے آج
ڈش مدعی بنامِ شکم مدعا علیہ
دائر مقدّمہ ہے زباں چارہ جو ہے آج
کھائی ہیں پیٹ بھر کے عجب نعمتیں ظریفؔ
منّت پذیرِ ہر نفسِ مشک بو ہے آج

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۴۳۳

اکتوبر ۱۹۲۸ء

تعداد اشعار ۳۰

شتر غمزہ

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

ہمیشہ اک نہ اک دینے نیا آزار بیٹھے ہیں
جہاں بھی صدر بن کر قوم کے غدار بیٹھے ہیں

لگائیں گے یہ بیڑا پار کیا کشتی ڈبو دیں گے
جو قومی ناؤ کھینے تھام کر پتوار بیٹھے ہیں

خدا رکھے یہ ہم شیعوں کے ٹھہرے چارلی چپلن
نیا اک پارٹ دکھلانے بہت ہشیار بیٹھے ہیں

اسی کو لوگ کہتے ہیں شریعت کا شتر غمزہ
ڈرامیٹک کلب میں باندھ کر دستار بیٹھے ہیں

وہی ہے پاؤں میں اُن کے پرانا بوٹ ڈاسن کا
نیا پاجامہ گو پہنے ہوئے بردار بیٹھے ہیں

خلافِ شرع ہے شعر و سخن تک شیعہ کالج میں
ڈراما سیکھنے سرکارِ فیض آثار بیٹھے ہیں

یہ فعل مستحب ہے اور وہ لہو و لعب ٹھہرا
تھیٹر سے یہ خوش فٹ بال سے بیزار بیٹھے ہیں

سیاست کا ڈراما اک نیا تصنیف فرما کر
ریہرسل کے لیئے اطفال کے غمخوار بیٹھے ہیں

سکھانے آئے ہیں یہ ایکٹ لڑکوں کو سیاست کا
وہ دیکھو صدر ہیں ایکٹرس کے سردار بیٹھے ہیں

کمیشن کے نئے ہرمونیم کا ماسٹر سمجھو
جو قومی گت بنانے کے لیئے تیار بیٹھے ہیں

یہ آگے بڑھ کے طبلے کے عوض ڈمبک بجائیں گے
تھیٹر ہیں ابھی ہڑتال سے بیزار بیٹھے ہیں

اسی کا نام ہے بگلا بھگت کتنے مقدس ہیں
جو چھوٹی مچھلیوں میں بن کے بوتیمار بیٹھے ہیں

کمیشن کی خبر سن کر بہت مسرور ہیں دل میں
بنے دلال لینے کے لیئے تیار بیٹھے ہیں

انھیں پر لیڈروں کی انگلیاں اُٹھتی ہیں محفل میں
وہ دیکھو سائمن صاحب کے خدمتگار بیٹھے ہیں

ہوا تھا لکھنؤ میں ہندو مسلم کا جب جھگڑا
یہ بن بن کر اشداء علی الکفار بیٹھے ہیں

نثار اس جامۂ زیبی کے گئے تھے جب یہ بہرائچ
ڈفالی کہتے تھے وہ سیّدِ سالار بیٹھے ہیں

شتر خانہ سے نے گا ناقۂ کالج کا سنتے ہیں
اسی سے لکھنؤ میں جم کے ٹھیکہ دار بیٹھے ہیں

بہت خفیہ عظیم اللہ خاں سے اِن کا رشتہ ہے
وصیّت نامہ کی رو سے یہی حق دار بیٹھے ہیں

حسین آباد ہم جنسوں کو اِن کے نخر کرتا ہے
یہ اُن کا خوں بہا لینے کو اب تیار بیٹھے ہیں

ذرا دیکھو تو وہ خم خانۂ وقفی کے متوالے
شرابِ تولیّت کے شوق میں سرشار بیٹھے ہیں

غلط بالکل غلط الوقف لا یملک کے کیا معنی
ابھی تو زندہ کل اوقاف کے حق دار بیٹھے ہیں

انھیں مہرہ سمجھیے اک بساطِ شیعہ کالج کا
جو اُٹھ کر قرعہ اندازی سے سو سو بار بیٹھے ہیں

بیاسی چونچ کھولے وادیِ پُرخارِ قومی میں
بولوں پر انھیں کے طالبِ دیدار بیٹھے ہیں

انھیں کا سر ہر اک رخنے سے شیعوں کے نکلتا ہے
الگ جو سب سے گنڈلی مارے مثلِ مار بیٹھے ہیں

نظر گِدھ کی طرح پر کس قدر ہے دُوربیں ان کی
نہیں ٹلتے جہاں پر دیکھ لیں مُردار بیٹھے ہیں

انیلے ہیں یہ شوفر قوم سے لڑ جائے گی موٹر
چلانے درسگاہِ مغربی کی کار بیٹھے ہیں

قریبِ کربلا کالج کی میّت دفن کرنے کو
وہ دیکھو مردہ شو لاشہ لیے اُس پار بیٹھے ہیں

ہماری رونے والی قوم کو ہنسنے سے کیا مطلب
لیے پہلو میں اک اِک سب دلِ بیمار بیٹھے ہیں

یہ کہتے ہیں سُنا تو نے ارے او ناصحِ ناداں
پتے کی بات کہنے پر ہم اکثر مار بیٹھے ہیں

"نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری راہ لے اپنی"
تجھے اٹکھیلیاں سُوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

نوٹ۔ اس نظم میں ظریف مرحوم نے حضرت انشا علیہ الرحمہ کے شعر کی تضمین کی ہے اور بطور شہر آشوب مختلف واقعات کی طرف اس میں اشارہ کر دیا ہے جو اُس زمانے میں وقوع پذیر ہوئے۔ مثلاً شہر لکھنؤ کے محلہ میدان ایلچ خاں میں عرصے سے ایک مذہبی ڈراما ربیع الاول کے مہینے میں ہر سال ہوتا تھا مگر ایک سال لمبے لمبے ڈگ بڑھا کر شاید کسی بزرگ نے پہلے اس کی مخالفت کی کہ وہ بند ہو جائے مگر بند نہ ہوا۔

اسکے انعقاد کی اجازت حاصل ہونے پر بعض حضرات نے بر بنائے خلوص بہ نظر ثواب اونٹ پر بیٹھ کر اشتہارات جلسہ تقسیم کیئے چنانچہ جلسہ منعقد ہونے پر وہی بزرگ جو پہلے مخالف تھے ڈراما ملاحظہ فرمانے اور دادِ سخن دینے آکر شریک ہو گئے۔ یا اُس زمانے میں سائمن کمیشن کا ہر جگہ بڑا چرچا تھا۔ بات بات میں اس کا ذکر آجاتا تھا۔ اس نظم میں ضمناً اس کی طرف بھی اشارہ ہے یا کچھ پہلے لکھنؤ میں ہندو مسلم بلوہ بڑے شدومد سے ہوا تھا جس میں ایک کمیٹی کے ذریعے سے ہندو اور مسلمان لیڈروں کی مدد سے تصفیے اور سمجھوتے کا انتظام کیا گیا تھا جس میں بابو بشیشر ناتھ صاحب ایڈوکیٹ سابق چیف جج نے ہندوؤں اور خان بہادر مولوی سید مہدی حسن صاحب نے مسلمانوں کی حمایت میں بہت حصّہ لیا تھا اور دیگر ہنود اور مسلمانوں نے بھی بڑی سرگرمی دکھائی تھی اس کا بھی تذکرہ ہے۔

یا بعض لوگوں کو یہ بدگمانی تھی کہ شیعہ کالج جس کی عمارت کربلائے نصیر الدّین حیدر بادشاہ مرحوم کے قریب ہے اُس کا انتظام اچھا نہیں ہے اور وہ اندیشہ کرتے تھے کہیں یہ فنا نہ ہو جائے اس کی طرف بھی اشارہ ہے۔ یا وقف حسین آباد میں بقرعید کے موقع پر پہلے ایک اونٹ بھی نحر کیا جاتا تھا۔ اُس رسم کا بھی ذکر ہے۔ المختصر اسی طرح کے قومی منتشر افکار اور خیالات کی اس نظم میں شیرازہ بندی کی گئی ہے۔ اور یہ نظم گویا ظریفانہ انداز میں ایک خیالی یا واقعاتی جیسا بھی سمجھا جائے کا مڈون ہے جس کی بنیاد خلوص دل اور قومی جذبات پر ہے۔ (صفی عفی عنہٗ)

نظم نمبر ۴۴۴   سنہ ۱۹۲۸ء   تعدادِ اشعار ۶۴

کچّا چِٹّھا

نوٹ مولوی سیّد علی گوہر صاحب نقوی نصیرآبادی نے علمائے مجتہدین لکھنؤ کے متعلق ایک پمفلٹ سنہ ۱۹۲۸ء میں شایع کیا تھا جس میں تفصیلی کمزوریاں اُن حضرات کی دکھائی گئی ہیں۔ چنانچہ اُسی کی تائید میں ظریف مرحوم نے یہ اصلاحی نظم لکھ کر اودھ پنچ میں شایع کرائی۔ (صفی عفی عنہٗ)

بحر خفیف مسدس مخبون مقصور یا محذوف   ارکان فاعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

رحم کر رحم ایزدِ غفار   کہ نمایاں ہیں قحط کے آثار
تو ہی اس لِم کو جانتا ہے خبیر   کیوں ہوا ابر مُردہ ابرِ مطیر
آیا دنیا میں کون سبز قدم   ہے نحوست سے جس کی یہ عالم
چھا گیا لکھنؤ پہ سنّاٹا   ہو گیا پانچ سیر کا آٹا
اَب محرّم کا بھی زمانہ گیا   حصّوں کے ساتھ آب ودانہ گیا
رحم شیعوں پہ کر مرے معبود   لکھنؤ میں ہیں جس قدر موجود
سب کے حالِ دروں کا تو دانا   کون کافر ہے کون مولانا
خاص وہ بندگانِ نیک وسعید   لکھنؤ والے عالموں کے مُرید
فکرِ دنیا سے کر اُنھیں آزاد   مِل کے سب گھر ترا کریں آباد
مسجدوں میں قیام ہو اُن کا   وہ ہوں اور پیش امام ہو اُن کا
یوں سویرے اُٹھیں کہ دِن نہ چڑھے   بجماعت ہر اک نماز پڑھے
ہو ہر اک اِن میں صاحبِ خیرات   علما پائیں تاکہ خُمس و زکواۃ
پھر وہ دِن ہو کہ گاڑی گھوڑے آئیں   عاقبت کے مکاں پہ جوڑے آئیں

من و سلویٰ کی طرح بھیج کریم | خوان توروں کے پھر بہ لطفِ عمیم
نہ شریعت کدے سے کوئی ہٹے | سب کو حصہ رسد پلاؤ دُبٹے
نفع اپنوں کا ہو بلا پس و پیش | اوّلاً خویش بعدہٗ درویش
جس قدر ماتمی ہیں انجمنیں | یارب اُن کی وہ خیر خواہ بنیں
یہ فنس پر جہاں پہونچیں | اِن سے پہلے کیٹپال پہونچیں
کیسی مجلس میں جب ہو اِن کا ورود | تا فلک جائیں نعرہائے درود
ہو سلامی دُرود خوانی سے | لوگ پہچانیں اس نشانی سے
کہ اِنھیں پر ہے شرعِ دیں کا مدار | شیعوں کے ہیں یہی سپہ سالار
اُشترِ قوم ہو گیا طالح | بہرِ ارواح ناقۂ صالح
یہ جلوسوں میں سربلند رہے | کام اس کا کبھی نہ بند رہے
اس کے کوہانِ فضل پر یارب | جلوہ افروز رایتِ مذہب
وقف کی نان لنگری کا شتر | لکھنوی حوضِ اجتہاد کا کُر
رہے یوہیں بھرا پُرا یارب | کہ ہے مومن بڑا اکھرا یارب
اپنی محنت کے دام پایا کرے | اونٹ گاڑی یوہیں چلایا کرے
ہے رواں اُس کے دم سے جو پہیّا | اس قدر تیز جس قدر بھیّا
نام کا شیعوں کے جو کالج ہے | ہے وہ بیمار یہ معالج ہے
عربی کا وہ جامعہ بن جائے | بی لے۔ ایم اے۔ کی اُس سے اُلجھن جائے
وہ رہے عالموں کے پنجے میں | نہ دبے مغربی شکنجے میں
فنڈ پر اُن کو اختیار رہے | قوم کو صرف اعتبار رہے
صرف ہوں اُن کے ہاتھ سے نو لاکھ | تاکہ قائم رہے سبھوں کی ساکھ

رات ہو شب برات اور دن ہو عید — اُمنا اُن کی سب کریں تقلید

رکھیں نوکر ٹرسٹیانِ اجمیر — کالج مشرقی میں اپنے نصیر

آنکھ بھر کر اُسے نہ دیکھنے پائے — قوم کو ایسی گہری نیند آجائے

پمفلٹ جو لکھیں علی گوہر — یارب اُس کی کسی کو ہو نہ خبر

سب وہ بارش میں بیل کر رہ جائیں — پاٹے نالے میں یا تو سب بہ جائیں

ہم جنھیں کہتے ہیں فرشتہ خصال — اُس میں لکھّا ہے اُن کا کچّا حال

میرے مالک تری دہائی ہے — گھر کے بھیدی نے لنکا ڈھائی ہے

یہ شریعت کے خون کا بے کار — بدلا لیتے ہیں بن کے کیوں مختار

یہ تو خط کش تھے کر دی فوج کشی — دیکھ کر مومنوں پہ چھائی غشی

واعظ خوش بیاں بڑے عالم — صرف ایماں اُنھیں کا تھا سالم

ہو گئے دفعتہً وہ اخباری — ہوئی اُن کو نئی یہ بیماری

کر دیا جاری آپ نے اخبار — اُن کو مطلب کے مل گئے اِک یار

کمپنی کا تھا تجربا جن کو — اور ادارت کا اِدعّا جن کو

کاغذی جو اُڑا کے طیّارہ — گھومے ہر سمت مثلِ سیّارہ

جن کو اک جا کبھی قرار نہیں — اور لوگوں کو اعتبار نہیں

مثلِ سیماب یہ رہے بے تاب — گئے کلکتے اور کبھی پنجاب

گہہ جون پور، بادلِ ناشاد — لکھنؤ گاہ، گاہ فیض آباد

جو بھی اخبار اِن کے ہاتھ آیا — اُس نے اپنے کیے کو بھر پایا

حوصلے اب نکالیں گے دل کے — پُشت پر رہ کے ایک کابل کے

کچھ نہ دیکھیں گے یہ نہ بھالیں گے — دیکھ لیجے گا گو اُچھالیں گے

دیکھیے دیکھیے جو اس مردی — پہلے ہی چوٹ اپنوں پر کردی
خاندان ہی سے اب تو آ پڑی بات — سچ تو یہ ہے بڑوں کی ہے بڑی بات
اور ہنکوائیے اناڑی سے — اپنے ہی کچلے اونٹ گاڑی سے
راہبر اِتنا بدحواس ہوا — اس پہ نفرت کا ووٹ پاس ہوا
کس قدر جلد انقلاب آیا — بعد خوشنودی کے عتاب آیا
پہلے دکھلائی جاتی تھی جو سند — ہائے افسوس ہو گئی وہ رد
اُس سبق کو ہمیشہ رکھیے یاد — یعنی اُستاد پھر بھی ہے اُستاد
دوسرے کیوں ہوں موردِ الزام — کر گئی اُلٹی سیفی کام تمام
تیری رحمت کو جوش آ جائے — میرے واعظ کو ہوش آ جائے
بہر ازواجِ خاصگانِ کبار — دشمن اِن کے کبھی نہ ہوں بیمار

وہ رہیں یُوں ہی چاق اور چوبند
اُن کو یارب نہ پہونچے کوئی گزند

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۴۵۰ — ۲۹ ۱۹ء — تعداد اشعار ۲۲

شکوۂ فقیرانہ

بحر مجتث مخبون مقصور یا محذوف — ارکان مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

یہ کارڈ آج ملا ہے قصیدہ خوانی کا — سلیم پور میں محفل ہے کل بصد تنویر

لکھا ہے مصرعِ طرح مقاصدہ اس میں — "ہے عید نیمۂ شعبان" جوابِ "عید غدیر"

کوئی مشین ابھی تک نہیں ہوئی ایجاد — قصیدہ ڈھل کے نکل آئے جس سے بے تاخیر

اسے صلائے سمر قند ہم نہ کیوں سمجھیں — نہ شکوہ سنج ہو کیوں کر دلِ وفا تخمیر

غریب خانے تک آکر کبھی تو عزت دی — کبھی ادائے تغافل سے کی گئی تحقیر

ہم اپنے آئینۂ دل میں رکھیں گے محفوظ — اب ایک خُلقِ مجسم کی دورخی تصویر

ہمارے آپ کے ملت کی کون سی صورت — کہ آپ راجہ مہاراجہ ہم غریب فقیر

ہوئے جو موقعِ شادی پہ ہم نظر انداز — یہی سبب تھا کہ سمجھے ہمیں حضورِ حقیر

نہ ہم سے نیوتے کی امید تھی نہ زینت کی — نہ ہم تعلقہ دار اور نہ صاحبِ جاگیر

نہ جج نہ ڈپٹی کلکٹر نہ کوئی بیرسٹر — نہ ایڈوکیٹ نہ مختار ہم نہ کوئی مشیر

ریفارمر ہیں نہ ہم قوم کے کوئی لیڈر — نہ یہ امید گورنر کے ہم بنیں گے وزیر

نہ کنڈی ڈیٹ نہ ووٹر نہ ہم کوئی ورکر — نہ ہم کو یاد الکشن میں جنگ کی تدبیر

علامۃ العلماء اور نہ حجۃ البرکات — نہ مجتہد ہیں نہ ملا نہ ہم مرید نہ پیر

نہ حاذق الحکماء اور نہ ہم سول سرجن — نہ کوئی عاملِ کامل نہ صاحبِ اکسیر

نہ کانگرس سے ہے مطلب لیگ میں شامل — نہ صدر بن کے کمیٹی میں کی کبھی تقریر

نہ کونسلوں کے ایم ال سی، نہ کے سی - ایس، آئی
کہ جن پہ ختم ہے دنیا کی عزت و توقیر

نہ ہم ہیں خان بہادر کہ احترام ہو فرض
نہ ہم پہ اُتری ہے لندن کے چرخ سے شمشیر

ہم ایسے گوشہ نشینوں سے آپ کو مطلب
اُنھیں بلائیے شہرت ہو جن کی عالمگیر

انھیں کو کیجیے مدعو قصیدہ خوانی میں
جو لوگ صاحبِ دولت ہوں یا امیر کبیر

ہم اپنی کملی میں خوش ہیں ہمیں پسند نہیں
وہ صحبتیں کہ جہاں ہوں دُوشالۂ کشمیر

پلاؤ کے نہیں بھوکے ہیں اب بھی وہ سادات
کہ جن کے جد کی خورش تھی ہمیشہ نانِ شعیر

حضور تو علوی ہیں یہ جانتے ہوں گے
کہ تھا غریبوں سے کیا مسلکِ جنابِ امیرؑ

ظریفؔ تلخ نوا کا قصور کیجیے معاف
اگر خلافِ طبیعت ہو شوخیٔ تحریر

نوٹ۔ لکھنؤ سے دس بارہ کوس پر ایک ریاست سلیم پور ہے جہاں کے راجہ صاحب احمد علی خاں علوی نہایت خلیق، حکّام رس اور قومی ہمدرد ہیں۔ اُن کے یہاں نیمۂ شعبان کے موقع پر ایک خاص منتخب صحبت ہوتی ہے اس میں قصیدہ خوانی کے لیۓ مثل اور شعرا کے ایک اطلاعی کارڈ مع مصرع طرح کار پردازانِ ریاست نے ظریفؔ مرحوم کو ایک روز پیشتر بھیج دیا تھا لیکن اس سے کچھ پہلے کتخدائی دختر راجہ صاحب کی جو تقریب ہوئی تھی اور جس میں بعض بعض معمولی لوگوں کو بھی مدعو کیا گیا تھا اس موقع پر معلوم ہوتا ہے کار پردازوں کی فرو گذاشت سے اُن کو یاد نہیں کیا گیا۔ ظریفؔ مرحوم نے ایک اخلاقی فریضہ سمجھ کر اصلاحی نقطۂ نظر سے شکوہ مخلصانہ کے طرز پر یہ نظم لکھ کر بھیج دی تھی۔

(صفی عفی عنہ)

نظم نمبر ۴۶ — ۲۰ مئی ۱۹۲۹ء — تعداد اشعار ۲۱

نَخلِ آب رسانی

نوٹ: ۱۹۲۹ء میں واٹر ٹیکس (محکمۂ آب رسانی) لکھنؤ نے یہ انتظام کیا تھا کہ روزانہ ۹ بجے دن کے تھوڑی دیر کے لیے میونسپلٹی کے بمبے میں پانی آتا تھا اور یہ عالم ہوتا تھا کہ جہاں جہاں بمبے تھے اُس کے گرد بالٹی گھڑے۔ مشکیں، چھاگلیں، لیے صدہا مرد و زن بچے بوڑھے دن بھر کے لیے پانی کا ذخیرہ کر لینے کے انتظار میں جمع رہتے تھے نکلنے سے پہلے بمبے کی ٹونٹی لگائی جاتی تھی تو شوں شوں کی آواز نکلتی تھی۔ وقت جب آجاتا تھا تو پانی بمبے سے نکلنے لگتا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد پھر بند ہو جاتا تھا۔ اسی سال ایسا اتفاق ہوا کہ ۲۰ مئی ۱۹۲۹ء کو بقر عید کا تہوار پڑ گیا۔ عموماً مسلمان عید کا دوگانہ (نماز) ادا کرنے کے لیے غسل کر کے اور کپڑے بدل کر مسجد اور عیدگاہ جاتے ہیں اور قربانی میں مصروف ہوتے ہیں۔ پانی وقت پر نہ ملنے سے تکلیف کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ مسلمان ممبروں کی بے توجہی اور بے اثری اور پبلک کی تکلیف خصوصاً اسلامی تہوار کے دن مسلمانوں کی تکلیف کی اس نظم میں جس طرح مصوری کی گئی ہے وہ قابل داد ہے۔ (صفی عفی عنہٗ)

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

پریشر گھٹ کے انجن ہو گیا بے کار ایماں کا
الٰہی اب محافظ ہے تو ہی ہر اک مسلماں کا

تڑپتے تھے نمازی ماہیِ بے آب کی صورت
نظارہ دید کے قابل تھا اب کی عیدِ قرباں کا

تھا قحطِ آب ہر سو شربتِ دیدار سے بڑھ کر
ہمارا لکھنؤ تھا اِک نمونہ کوئے جاناں کا

یہ بھی میونسپلٹی جان کا ادنیٰ کرشمہ تھا
جلا کر خاک کرنا عاشقوں کے قلبِ سوزاں کا

مئی کی بیسویں تاریخ گرمی کی یہ شدت تھی
کہ چہرہ تمتما اُٹھا تھا خود مہرِ درخشاں کا

سبھوں کا نو بجے بمبے پہ مجمع آے معاذ اللہ — وہ اس کی گوشمالی اور ہنگامہ وہ شوں خاں کا
زبانِ حال سے کہتا تھا بمبا اے مسلمانو! — نہ پانی مجھ میں باقی ہے نہ تم میں جوشِ ایماں کا
سُنو تم کو جوابِ خشک اڑورکس دیتا ہو — کہ مجھ پر کیا اثر سلطان[۵۱] یا منصور[۵۲] ذیشاں کا
تیمم سب کریں نو بج چکے پانی کہاں ممکن — دوگانہ جو کہ پڑھنا چاہتے ہوں عیدِ قرباں کا
ہے ناجائز اگر پیاسے کی قربانی شریعت میں — بلا تفریق گر یہ ہے عقیدہ ہر مسلماں کا
نہیں پانی تو قربانی کو اب کی ملتوی کردیں — دلالت فرض پر کرتا نہیں جب حکم قرآں کا
خلیق[۵۳] ایسا نہیں کیا کوئی بھی تم میں مسلمانوں! — کرے رکشا جنے ہمدرد کچھ تو نوعِ حیواں کا
مسلماں ممبروں پر فرض قومی ترجمانی تھی — کہ بے مانگے ہوئے بچے نے پایا دودھ کب ماں کا
اُنھیں تکلیف کا احساس پبلک کی اگر ہوتا — اثر انجن پہ جاکر ڈالتے کچھ قلبِ سوزاں کا
اُنھوں نے برف پی پی کر کلیجہ کر لیا ٹھنڈا — خیال آئے انھیں کیوں قوم کی راحت کے ساماں کا
سنو جو لوگ اپنی قوم کے ہمدرد ہوتے ہیں — اثر ہوتا ہے ظاہر اُن کی ہر سعیِ نمایاں کا
مہابیروں[۵۴] کا میلہ چار دن میں آنے والا ہے — تماشا دیکھنا دریا دلی کے جوشِ طوفاں کا
بہے گا رات کے بارہ بجے سے شہر میں پانی — کہ دل میلا نہ ہو کیچڑ سے ہونے پائے انساں کا
رہے گی صبح سے تا شام ہر بمبے میں طغیانی — پریشر خود بخود بڑھ جاے گا انجن علی خاں کا
نہیں قومی وکالت دل لگی بازی ہنسی ٹھٹھا — پسینہ خون دونوں ایک ہو جاتا ہے انساں کا

حکایت سُن کے بمبے سے ظریف اتنا ہوے غمگیں
نہ آنسو تھم سکا ہم سے ہماری چشمِ گریاں کا

؎۵۱ محمد سلطان صاحب اُس وقت میونسپلٹی کے مسلمان ممبروں میں تھے۔ یہ جان محمد مالک جان محمد ہوٹل کے خاندان سے ہیں۔

؎۵۲ منصور علی خاں صاحب سابق ڈی، ٹی، ایس، اُس وقت مسلمان ممبر میونسپلٹی تھے۔

تھے۔

۵۳ چودھری خلیق الزّماں صاحب میونسپلٹی میں بحیثیت چیرمین تھے۔

۵۴ لکھنؤ میں جیٹھ کے پہلے منگل کو بمقام علی گنج جہاں مہابیر کا مندر ہے بڑی دھوم سے ایک میلہ ہر سال ہوا کرتا ہے اطراف سے صدہا نیچ ذات کے ہندو پیکرما کرتے ہوئے (یعنی اپنے قد سے زمین ناپتے ہوئے) مندر تک پہونچتے ہیں اور موتی چور کے لڈّو دلے کر ہار پھول کے ساتھ مندر میں چڑھاتے ہیں۔ اعلےٰ طبقے کے ہنود بھی درشن کرنے اور (سِنیّ) نذر چڑھانے جاتے ہیں۔
(صفی عفی عنہٗ)

نظم نمبر ۴۷ — اگست ۱۹۲۹ء — تعداد اشعار ۳۳

سکوت بے محل

نوٹ۔ لکھنؤ کے امین آباد پارک میں جہاں گھنٹہ گھر ہے ایک زمانے سے مسلمان ربیع الاوّل کے مہینے میں پنڈال بنوا کر بہت دھوم سے محفل میلاد منعقد کیا کرتے تھے۔ اسی پارک میں ایک مستقل مندر کی نئی عمارت بعض حضرات کی خفیہ کارروائیوں سے تیار ہو گئی اس پارک میں مسلمان تجار اور دیگر اہل اسلام شام کی نماز مدت سے پڑھتے آتے تھے لیکن بعض شورش پسندوں کی وجہ سے کچھ مقامی ہندو مسلمانوں میں بعض نزاعی امور پیش آئے جس کا ذکر ۱۹۲۹ء کے اخبار میں ہے۔ اسی زمانے میں نہرو رپورٹ بھی شایع ہوئی تھی جس کی بنا پر گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ مرتب ہوا اور ہند میں جدید نظام گورنمنٹ کا شاخسانہ پیدا ہوا اسی زمانے یعنی اگست ۱۹۲۹ء میں مقامی نزاع مذکور کے فیصلہ کرنے کو لکھنؤ میونسپلٹی نے جس کے زیر نگرانی وہ پارک ہے ایک کمیٹی چار ہندو اور چار مسلمان ممبروں کی زیر صدارت جارج جیکسن بیرسٹر منعقد کی مسلمان ممبروں میں حکیم ہادی رضا صاحب المتخلص بہ ماہر بھی تھے جن کے زیر انتظام مدرسہ منبع الطب قائم ہے اور جو قانون شیخ جیسی طبی کتابوں کے درس و تدریس میں بھی غالباً مہارت رکھتے ہوں گے کمیٹی کے چار ہندو ممبر ایک طرف متفق الرائے تھے اگر دوسری طرف چار مسلمان بھی متفق الرائے ہو جاتے فیصلہ صدر کی رائے سے ہو جاتا لیکن حکیم صاحب موصوف نے اپنی رائے کفایت شعاری سے صرف نہیں فرمائی اور غیر طرف ہو گئے نتیجہ جو ہونا چاہیئے تھا وہ معلوم۔ اسی واقعے کی طرف اس نظم میں اشارہ ہے۔ (حسنی عفی عنہ)

بحر خفیف مسدس مخبون مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

لکھنؤ تیرے صاف دل مسلم
اس تصور میں ہو رہے تھے شاد

یہ سمجھتے تھے پارک میں امسال
منعقد ہو گی محفل میلاد

ساتھ دیں گے برادرانِ وطن
لاج نہرو رپورٹ کی رکھنے
خود کرے گی خیالِ قلّت کا
بھائی بھائی گلے ملیں گے ضرور
اصل میں یہ امید ہی تھی فضول
اپنے پیروں کھڑا جو ہو نہ سکے
صید کی التجا یہ ہنستا ہے
بے کڑی آنچ کے نہیں ممکن
فرقہ وارانہ ذہنیت والے
نام اسی کا ہے گر رواداری
بورڈ میں جب یہ مسئلہ ہوا پیش
چار ہندو ہوں چار مسلم ہوں
یہ کمیٹی رپورٹ پیش کرے
ہوئی ووٹنگ کی بنا جس وقت
ووٹ دیتے جو ہندو و مسلم
صدر کا ووٹ فیصلہ کرتا
املی کی جڑ سے نکلا ایک پتنگ
مظلمہ کس کا سر لیا کس نے
ایک صاحب جو تھے بڑے ماہر
وقت آیا جو ووٹ دینے کا

جائیں گے سب کے سب امین آباد
ہو گی کثرت نہ مائلِ بیداد
حقِ ہمسایہ آئے گا جب یاد
پیش آئیں گے پھر بہ لطف و داد
اور بے جا ہے شکوہ و فریاد
کوئی دیتا نہیں اُسے اِمداد
رحم کرتا نہیں کبھی صیاد
نرم ہو جائے خود بخود فولاد
قوم کی کھودتے ہیں خود بنیاد
ہو گا ہندوستان خاک آزاد
اِک کمیٹی کی ڈالیئے بنیاد
صدر ہو جیکسن سا اِک آزاد
بہرِ تسہیلِ محفلِ میلاد
دفعتًہ پڑ گئی نئی اُفتاد
تھے برابر شمار میں اعداد
لوگ سنتے کہ کیا ہوا ارشاد
ہو گئیں ساری محنتیں برباد
واقعی یہ اُپچ بھی قابلِ داد
گھر سے قانون کر کے آئے تھے یاد
دِل میں سوچے بڑے پھنسے اُستاد

ساتھ قلت کا دیں اگر اس وقت | کھوئیں کثرت کو جس سے ہوں گے مفاد
جان اپنی بچائی حکمت سے | آ گیا وقت پر یہ نسخہ یاد
نیوٹرل بن کے ہو گئے خاموش | آپ نے یہ ستم کیا ایجاد
اس خموشی کی داد وہ دیتی | ہوتی چپ شاہ کی اگر اولاد
رزولیوشن ہی کو غلط سمجھے | اس قدر تھی وسیع استعداد
رعب کثرت کا ہو گیا غالب | کہ خفا ہوں نہ سنگھٹن پرشاد
اس مسلمان کے ردّ یے پر | کفر دینے لگا مبارک باد
فرطِ اُلفت سے ڈال دیں باہیں | اک مہاشے نے بڑھ کے بادلِ شاد
دھن ہوا اے مہاتما کے داس | برہمن، دے رہے تھے آشرباد
مسلموں نے جو دیکھا یہ منظر | آ گیا شیخ کا مقولہ یاد

"مردم از دستِ غیر می نالند"
"سعدی از دستِ خویشتن فریاد"

نظم نمبر ۴۸ — ستمبر ۱۹۲۹ء — تعداد اشعار- ۳۰

ہٹ دھرمی

نوٹ حکیم صاحب موصوف کو اپنے سکوت بے محل کے اعتراف میں چونکہ تامل رہا لہذا بہ تحریک ممبران مسلم پہلی نظم کے بعد یہ دوسری نظم ماہ ستمبر میں بطور داستانہ شکایت کے ظریف مرحوم نے کہہ کر شایع کرائی۔ (صفی عفی عنہ)

بحر ہزج مثمن سالم | ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

یہ قسمت کی قلابازی نہ ہو کیوں وجہ بربادی | کوئی نااہل بن جائے جو بے قومی رضا، ہادی
چلا جو قافلے سے ہٹ کے وہ گم کردہ منزل ہے | صدا دیتا ہے ہر رہرو کو یہ اسلام کا وادی

فنا ہوتا ہے قطرہ گر جدا ہو جائے دریا سے
نشیمن سے جو تنکا ہو الگ ہے اُس کی بربادی

رسولِ ہاشمی خُلقِ مجسم رحمتِ باری
عرب سی قوم وحشی کو اخوت جس نے سکھلا دی

مسلمانوں میں دیکھو بھائی چارہ کر گیا قائم
کہ جس سے رشتۂ اسلام ہے زنجیرِ فولادی

اسی کو توڑنے میں کفر کے شل ہو گئے بازو
مُعطّل ہے اسی کے سامنے تدبیرِ حسّادی

رہیں پیوستہ جب تک قوم کے افراد کی کڑیاں
زمانے کو جکڑ لینے کی قوت اس نے دکھلا دی

ہم آہنگی میں مضمر ہے سراسر راز قوت کا
مگر ہے تفرقے کا نام شامت اور بربادی

بکار آمد ہے جب تک ساز ہم آواز ہوں پردے
صدا یکساں ہو تار اس میں برنجی ہوں کہ فولادی

صدا کثرت سے مل کر جلوۂ وحدت دکھاتی ہو
یہی تو نغمۂ توحید کی سر گم ہے اک سادی

بھجن اپنا الاپے نغمۂ توحید سے ہٹ کر
تو یہ ہے بانگڑو پن کون اسے کہتا ہے استادی

الگ سب سے بجائے اپنی ڈفلی جب کوئی اندھا
تو پھر وہ سور داسی ہے نہیں تو رام پرشادی

بنے قومی وکیل اپنے نمود و نام کی خاطر
یہ مکّاری ہے مکّاری یہ کیادی ہے کیادی

نمائندہ بنائے ایسے سادہ لوح کو پھر کیوں
کہ جس کی حرکتوں سے سرنگوں ہو مسلم آبادی

وکالت قوم کی قانون پڑھنے سے نہیں آتی
خصوصاً ہو کتابِ عقل ہی جس شخص کی سادی

بنائے ترجمانِ قوم اس کو کیا حماقت ہے
فقط جس چارپائے نے کتابیں چند ہوں لادی

اُسے کیا ماہرِ علمِ طبابت آپ سمجھیں گے
بندھے گر طلبیّہ کالج میں کچھ دن ڈنٹ بغدادی

مرض کو قوم کے پہچاننا ہی عینِ حکمت ہے
ذہانت شرطِ لازم ہے نہ شاگردی نہ اُستادی

وہ چاہے صدرِ حلاّقاں بنے بے اُسترہ پکڑے
رگِ قومی یہ ناممکن ہے لیکن کارِ فصّادی

سکوتِ بے محل یوں ہی مُضر قومی مسائل میں
تپِ دق میں کھلائیں جیسے معجونِ زرا نبادی

امورِ مذہبی میں مسلموں کے ساتھ سے ہٹنا
پئے خوشنودیِ کفار ہے اک فعلِ الحادی

رسول اللہ کی اُلفت فی الحقیقت عینِ ایماں ہے
دلِ مسلم کے کعبے کی یہی ہے خشتِ بنیادی

جو اس کعبے کو ڈھائے نفسِ امارہ کی قوت سے
تو پھر زیبا ہے اُس کو آبرہہ کی خانہ دامادی
اسے اسلام والے کیا کہیں گے فیصلہ کرلیں
عمارت بزمِ میلادی کی جس خود رائے نے ڈھادی
درخت اسلام کا سینچا تھا جس نے خونِ اطہر سے
اُسی کی بزمِ میلادی اُسی کی بزمِ میلادی
خطا ہونا بہت ممکن ہے ہر انسان سے لیکن
خطا ہو جائے جب ثابت تو پھر انکارِ شیادی
دلائل سے خطا کی پردہ پوشی ہو نہیں سکتی
یہاں بے کار ہو جاتی ہے منطق اور اُستادی
فقط اقرار ہی کام آگیا اکثر یہ دیکھا ہے
کہ جس سے شاہدِ سلطان بنا اک مجرمِ عادی
کہیں انکار سے مرغے کی ایک ہی ٹانگ ہوتی ہے
ارے قومی چڑیمار اب نہ کر اظہارِ صیادی
دلیل انسانیت کی ہے خطا پر منفعل ہونا
خفا کیوں ہو گیا نادان گر کی بات بتلادی

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۴۹ — ۲۹ ستمبر ۱۹ء — تعداد اشعار ۹

تین تِرلوک

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

لکھنؤ میونسپلٹی نے جو چولا بدلا
سُورما بن گئے جتنے بھی تھے پہلے ڈرپوک
بودھ مت کا وہ زمانہ تھا جو گذرا پہلے
اب نیا راج ہوا کہیے اسے عہدِ اشوک
جتنے اس وقت کے ہیں میونیسپل شاستری
سنگھٹن کر کے یہ پڑھنے لگے تازہ اشلوک
کام آیا نہ غریبوں کی اگر حاجت میں
مال کس کام کا گر جمع کیا تھوک کے تھوک
ہال اسکول سڑک نام ہر اک جا یہ رقم
کہ چیرمین تھے مختار کہیں روک نہ ٹوک

رس نچوڑا گیا سابق کی چیرمینی کا
شخصیت رہ گئی بے اَنس فقط جیسے پھوک

صیدِ زخم خوردہ کی جانب قدر اندازوں نے
سر کیا تیر وہی جس کی بہت تیز بھی نوک

بورڈ میں ایک سہ پہلو رزولیوشن ہوا پاس
جس نے دِل ناتھ لیا کام نہ آئی کوئی روک

اب تو خود رائے بہادر کو بھی سُوجھے گا ظریف
نام مِٹنے سے نظر آتے ہیں تینوں تِر لوک

نوٹ۔ اس نظم کو میونسپلٹی لکھنؤ کے سابق چیرمین بابو ترلوکی ناتھ کے عہد میں جو انتظامات ہوئے تھے ان واقعات سے تعلق ہے اور اُن تغیرات سے جو اِن کا دور ختم ہو جانے پر رونما ہوئے۔
(صفی عفی عنہٗ)

نظم نمبر ۵۰ ۳ر ستمبر ۱۹۲۹ء تعداد اشعار ۵

ماتا کا جوش

نوٹ۔ اس مجموعے میں ایک نظم مؤرخہ ۲۰ر مئی ۱۹۲۹ء جس کی سُرخی (بخل آب رسانی) ہے ملے گی جس میں یہ شکایت کی گئی ہے کہ بقرعید کے تہوار کے موقع پر بمبے کے بروقت نہ کھلنے اور پانی کی کمی سے مسلمانوں نے کیا کیا تکلیفیں اُٹھائیں وہی بمبہ تھا کہ تین ہی مہینے بعد کنھیّا کے جنم والے تہوار جنم اشٹمی کے موقع پر دادِ فیاضی دینے کے لیے کھول دیا گیا۔ اس موقع پر یہ نظم ہند و نواز میونسپلٹی کے جوش ہمدردی کی تعریف میں بعنوان بالا (ماتا کا جوش) لکھی گئی نظم ہے تو مختصر مگر بہت معنی خیز اور حسن صفائی سے اس میں شکوۂ دوستانہ کیا گیا ہے اس سے آئینہ دل ظریف مرحوم کی طینت اور طبیعت کا پتا چلتا ہے۔

(صفی عفی عنہٗ)

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف۔ ارکان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلان یا فعلن

لکھنؤ میونسپل بورڈ ترے سر کی قسم
ہم بہت خوش ہیں کنھیّا کا ہوا جب سے جنم

فرطِ اُلفت سے ہر اک بمبے کے پنیھیا اترا
گائے ماتا کا جو اس عہد میں کچھ دودھ تھا کم

کل چھٹی تک تو ملا رات کو اکثر پانی
دن کو دو چار گھڑی بند رہا تو کیا غم

اور مسلمانوں کے تہوار ہیں ایسے منحوس
فیل ہو جاتا ہے انجن کا پریشر اک دم

ہاں مساوات کو تو ہاتھ سے پھر کیوں دیتا
ہم مسلمان نہ ہوتے اگر ایسے بوڑم

مراجعتِ بھوپال

نوٹ دوسری بار ظریف مرحوم حیدرآباد دکن سے پلٹتے ہوئے اپنے ایک دوست مولوی شکر اللہ صاحب سے ملنے کی غرض سے بھوپال میں اتر پڑے اسی موقع پر یہ نظم کہہ کر ایک بڑی دعوت کے جلسے میں مرحوم نے پڑھی اس میں وہاں کے بعض حضرات کا ذکر بھی ہے خصوصیت سے سید محمد عسکری صاحب وکیل بھوپال ساکن مصطفےٰ آباد ضلع رائے بریلی کا ذکر نہایت ظریفانہ انداز سے کیا گیا ہے بھوپال میں بدھواری اس مقام کا نام ہے جہاں مولوی شکر اللہ صاحب کا قیام تھا۔ بھوپال میں ایک بزرگ صدیق احمد خاں صاحب تھے جو بزم احباب کی دلچسپی اور تفریح کا ذریعہ تھے اس نظم میں اُن کی سیرت وحالات خاص انداز سے بیان کیے گئے ہیں گوروں کا خانصاحب کے ساتھ برتاؤ اور خاں صاحب موصوف کی ایک دعوت کا بیان جس شاعرانہ اور ظریفانہ لطافت سے کیا گیا ہے وہ نہایت دلچسپ ہے۔ (صفی عفی عنہ)

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

دکن سے پھر پلٹ کر جب ہوا بھوپال میں آنا — تو شکر اللہ کا یاد آ گیا مستوں کو میخانا
چلا پھر جھومتا ساقی کے در کے سمت متوالا — مقدر کا نئی صورت سے تھا گردش میں پیمانا
پہونچتے ہی پڑھا بے ساختہ یہ مطلعِ رنگیں — زبس الفت نے ساقی کی بنا رکھا تھا دیوانا
"بہار آئی ہے بھر دے بادہ گلگوں سے پیمانا — رہے ساقی ترا لاکھوں برس آباد میخانا"
مسلماں ہیں بلا تفریق بھائی بھائی آپس میں — ہمیں تو یاد ہے پیرِ مغاں کا اپنے فرمانا
وہی پیرِ مغاں ارشاد جس کا عینِ ایماں ہے — وہی پیرِ مغاں ہر قول ہے جس کا سکھانا

جو ایسے بادۂ گلگوں کی خواہش ہو کسی دل میں
تو بدھ واری میں جاکر پوچھ لے ساقی کا میخانا

وہ ساقی رند مشرب مولوی فاضل لقب جس کا
وہ فاضل جس کا مکتب ہے کششوں کی بزم رندانا

سر شام آکے دیکھو تو کشش اس شمعِ محفل کی
کہ کھنچ کر کس طرح گرتا ہے پروانے پہ پروانا

مئے الفت کے متوالوں کا جو دلبر ہے وہ ساقی
وہ ساقی صاف دل ہر اک ادا جس کی شریفانا

تواضع عام جس کی کچھ خصوصیت نہ ہو جس میں
ہر اک سے جھک کے ملنا چاہے اپنا ہو کہ بیگانا

مجسّم خلقِ اسلامی کا جو پتلا ہے وہ ساقی
مئے الفت جہاں تقسیم ہوتی ہے وہ میخانا

خدا محفوظ رکھے چشمِ بد سے ایسی محفل کو
کہ ہر اک فرد میں جس کی بلا تفریق یارانا

امارت ناز برداری جہاں غربت کی کرتی ہے
اخوّت کا جہاں لبریز ہے ہر سمت پیمانا

جہاں ذرّے کو دیتا ہے جگہ خورشید پہلو میں
جہاں مشکل نہیں قطرے کو دریا میں سماجانا

امین الملک دعالی مرتبت سے جس کے متوالے
ہر اک شمعِ جمالِ احمدی کا جن میں پروانا

امین الملک جن کے شغل اوراد و وظائف کی
گواہی پیشِ خالق دے گا ہر تسبیح کا دانا

امیرِ پاک باطن نیک سیرت صاحبِ ثروت
ملیں جھک کر غریبوں سے مزاج ایسا فقیرانا

وہ محمودِ خلائق یعنی عالی مرتبت حاکم
دلوں پہ حکمرانی کا ملا ہے جس کو پروانا

یہ کہہ دو صاف اب تاجرانِ سستِ الفت سے
کہ ایسے مال کے حاکم کا نقدِ دل ہے نذرانا

وکیلِ حمد ساخوش دل بذلہ سنج و نکتہ داں میکش
وہ پُر معنی لطیفے اُن کے وہ جملے ظریفانا

مقنن خوش گلو سید محمد عسکری ایسا
جسے معلوم ہے قانون کے ہر راگ کا گانا

یہ ہائیکورٹ میں سرگم سناتے ہیں نظارے کی
جما دیتے ہیں سب پر رعب اپنا اُوستادانا

رکھب گندھار پنچم اور دھم سے غرض اُن کو
یہ اک ہی سُر میں دیوانی کے کر دیتے ہیں دیوانا

وہ سچے دستے گذرے ہوئے صدیق احمد سے
مگر رسب کا سُننا اور اُنھیں ہر بار دھرانا

میاں الفت علی سے ماہر فن کی خوش الحانی
بجانا ان کا باجہ اور وہ دلکش طرز پہ گانا

جسے سُن سے تو ہر اک جانور بھی مست ہو جائے — اثر آواز کے جادو کا کر دیتا ہے دیوانا

ظریفِ لکھنوی کی وہ غزل خوانی سرِ محفل
وہ اُس کے قدرداں احباب کا اصرار فرمانا

غزل

خیالی ہجر میں فرضی مریضِ غم کا مرجانا — یہ سب کیا ہے سلامت جھوٹ کے پُل سے اُتر جانا
دولتی سے سمندِ ناز کی عاشق کا مرجانا — یہی تو ہے طویلے کی بلا بندر کے سر جانا
رُخِ روشن کی جھرّی حُسن کا گویا ٹھٹھر جانا — قیامت ہے کسی معشوق کا سِن سے اُتر جانا
مری آہوں کی توپوں کا وہ خالی خولی سر ہونا — وہ اُن کا لاٹ صاحب کی طرح غیروں کے گھر جانا
مریضِ ہجر پہ فالج کا گرنا سرد مہری سے — وہ آخر تختۂ مشقِ اطبّا کا بن جانا
وہ ضبطِ آہ سے عاشق کی بے چینی معاذ اللہ — وہ ہر سو کروٹیں لینا وہ پیٹ اُس کا اپھر جانا
مُہذّب چوٹا پن ہے یہ معشوقِ خیالی کا — کہ دُزدیدہ نگہ سے دل کا لینا اور مکر جانا
بھگانا دیکھ کر سرپٹ وہ اُس کا اپنے ناقے کو — میاں مجنوں کا چلّانا کہ بی لیلےٰ ٹھہر جانا
جو آنا رتجگے میں گلگلے مضمون کے لے کر — ظریف اچھا ہے اُردو شاعری کا طاق بھر جانا

گلوں کی طرح سے وہ کھِل کھِلا کر سب کا ہنس دینا — وہ دل خوش کن لطیفے ایک خاں صاحب کے فرمانا
خدا رکھے ہمارے دوست خاں صاحب کو دنیا میں — دلوں پر نقش جن کی خوش بیانی کا ہر افسانا
وہ اُن کا ہو کے جانا انسپکٹر دفعتہً جھانسی — انگر کھا اور گھٹنا ڈانٹ کر دورے کا فرمانا
وہ گھوڑے کی سواری اور وہ اُڑتے ہوئے دامن — نہ اس ہیئت سے خطرے میں کسی کا آپ کو لانا

وہ آنا اسپشل گورڈ کا اِن کا اس میں گھس پڑنا — بلا سمجھے ہوئے بستر لگا کر لیٹ ہی جانا
اُدھر ان سب کا کھانا کھا کے آنا اپنی گاڑی میں — میاں کالے کو لیٹا دیکھ کر گوروں کا جل جانا
بنا لینا انھیں فٹ بال چاروں سمت سے سب کا — وہ جنٹلمینیت کا راستے بھر ٹھوکریں کھانا
بلا ڈی فول کہنا اُن کا اِن کا معذرت کرنا — وہ ہر گھونسے پہ کیا کرتے ہو صاحب اِن کا فرمانا
وہ جڑنا اُن کا ٹھوکر ٹمن کے اک بکس پر اِن کے — وہ کھڑ کھڑ کرتے اُس کا دور گاڑی میں چلے جانا
وہ اِن کا بے کسی سے دیکھنا اُس بکس کو اپنے — وہ اُس کا لوٹنا اور سارے کپڑوں کا بکھر جانا
بغل میں داب کر بھیجے ہوئے کپڑوں کو پھرتی سے — وہ اِن کا پینترے سے بکس کو لے کر سنبھل جانا
وہ جڑنا اُن کا ڈگ اور روک لینا بکس پر اِن کا — وہ پھر خود ساختہ انگلش میں اِن کا ڈانٹ بتلانا
وہ گٹ پٹ اُن کی سُننا اور کھٹ پٹ ریل میں ہونا — وہ اِن کا پٹ پٹا کر گٹ کٹانا اور رہ جانا
بچا کر جان آخر کو دوڑنا چلتی گاڑی سے — وہ اُن گوروں کا ہنسنا اور اسٹیشن کا آجانا
بیان کرنا پھر ان کا حال وھاوے کا احبا سے — نمازِ صبح پڑھ کر بیٹھنا اور اُن کا آجانا
وہی انڈے پراٹھے توس مکھن اور کیکوں کا — وکیل احمد محمد عسکری کا بل کے کھا جانا
ابھی یہ واقعہ پورا بیاں کرنے نہ پائے تھے — امین الملک کا یوں مسکرا کر حکم فرمانا
ظریف آیا ہوا ہے کیجیے سامان دعوت کا — یہی موقع ہے دکھلا دیجیے شان اک رئیسانا
ہمارے دوست خاں صاحب کی گھبراہٹ معاذ اللہ — کبھی اقرار کرنا اور کبھی انکار کر جانا
کبھی کہنا کہ اچھا پوچھ تو لوں سیٹھ سے اپنے — کبھی کہنا مصاحب کیا بھلا کھلوائے گا کھانا
کبھی کہنا کہ اچھا شام کو کل سب کی دعوت ہے — خیالی کارڈ لکھ لکھ کر وہ مہمانوں کا بلوانا
وہ لنگڑے آم کی چٹنی کی تعریفیں اڑے تو یہ — زباں کا وصف میں اس کے وہ چلتے چلتے لنگڑانا
کبھی فہرست کھانوں کی بنا دیجیے یہ فرمائش — کبھی بھاجی کھلا دینے کا وعدہ صرف فرمانا
کبھی پرہیز میں سادی غذا پر اکتفا کرنا — کبھی جوع البقر میں گائے کے سائن کا پکوانا

آئی خیر جزر و مد سخاوت کے سمندر کا
کبھی پچیس تک بڑھنا سو تک بڑھ کے گھٹ جانا

کبھی کہنا کہ کیا سچ مچ ظریف آؤ گے دعوت میں
یہ جرأت کی تو کھل جائے گا ہم کو آپ کا آنا

بچانا چاہتے ہیں معصیت سے ہم تمھیں بھائی
اگر کھانے کو ہم پوچھیں کبھی انکار کر جانا

ہمارے پاس ناجائز یہ رقم ہے آبکاری کی
اُسی سے ہم تمھارے واسطے پکوائیں گے کھانا

فقط تنخواہ کی جائز رقم ہے صرف کو اپنے
نہیں کچھ اس میں حق اُن لوگوں کا جن سے ہے یارانا

تمھارے واسطے ہم نے غذائیں چند سوچی ہیں
کہیں ایسا نہ ہو اُن کی لطافت سُن کے گھبرانا

چلے آؤ ہمارے گھر پہ چپکے سے ہوا کھاتے
یہی دعوت سمجھنا اور شکریہ بجا لانا

تمھاری خوبیِ قسمت سے آیا موسم سرما
سویرے آؤ گر منظور ہو سردی تمھیں کھانا

تھیں ہم دل میں جتنی گالیاں دیں چپکے کھا جاؤ
خدا رکھے ہمارے اور تمھارے جب ہے یارانا

کسی دن آکے بھٹی پر کرو کھانے کی فرمائش
ہمارے ہاتھ کی منظور ہو گر مار ہی کھانا

منگا دیں گے دواخانے سے تم کو مفت کہہ سن کے
گلاب تند پینے کے لیئے کھانے کو بھدانا

دوا کی یہ دوا ہے اور غذائیت بھی ہو اس میں
یہی راس آئے گا تم کو نیا پانی نیا دانا

کبھی بھٹی یہ سب کو نیوتنا اور پھر یہ کہہ دینا
کہ اب تو مولوی صاحب کا گھر ہے میرا کاشانا

مری جانب سے یہ کر دیں گے سب سامان دعوت کا
مصارف کے لیئے نقدی طلب کرنے پہ گھبرانا

کبھی چودہ روپے دیکر یہ کہنا ڈانٹ کر فوراً
اسی میں آپ پکوا دیجیئے دس بیس کا کھانا

کبھی کہنا کہ اچھا پھیر دیجے اب رقم میری
امین الملک صاحب کو نہیں منظور ہے آنا

پلٹ کر جب میں آلوں تبھی اُس وقت یہ دعوت
ابھی تو ہے مجھے بالفعل فوراً آسٹے ع جانا

کبھی جیبوں کو کھنکا کر جمانا رعب لوگوں پر
رجز خوانی اولو العزمی کا اپنی ذکر فرمانا

اسی داد و ستد میں دفعتہً پڑنا بجوگ ایسا
رقم قبضے میں آخر مولوی صاحب کے آجانا

ع نام مقام ۱۲

عجب مضحک سماں تھا رات کو محفل میں ساقی کی — الٰہی خوش رہیں میکش عجب مجمع تھا رندانا
دعاگو ہے ظریف احباب کا دل سے خداوندا — سبھوں کی حاجتیں لطف و کرم سے اپنے برلانا
بصحت سب کو رکھ یارب تصدق میں محمد کے — بخیر انجام سب کا اے مرے معبود فرمانا
مئے وحدت کے متوالوں کو رکھنا سرخ رو یارب — مہ و خورشید کا جب تک کہ ہی گردش میں پیمانا

احبّا سے معافی چاہتا ہوں اپنی بک بک کی
ظرافت کا مری کیا ٹھیک دیوانہ تو دیوانا

نظم نمبر ۵۲ سنہ ۱۹۲۹ء تعداد اشعار ۱۱

معذرت

نوٹ:۔ یہ دوسری بار جب ظریف مرحوم بھوپال گئے تو اور احباب کی دعوتوں کے علاوہ اس موقع پر بار ایسوسی ایشن یعنی انجمن وکلا کے سکرٹری صاحب نے بھی چاہا کہ وکلا کے چندے سے ان کی دعوت کی جائے۔ ظریف نے اُس کو پسند نہیں کیا اور یہ معذرت نظم میں لکھ کر بھیج دی
(آصفی عفی عنہٗ)

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

مہرباں سکرٹری بار اسوسی ایشن
ڈالیئے پھر خدا آپ نہ اب بار پہ بار

واقعہ ہے یہ تصنع کو ذرا دخل نہیں
آپ کے لطف و کرم کا ہوں یوں ہی شکرگزار

میرے بھوپال کے آنے کا نہیں یہ مقصد
بار کی چندے سے کی جائے پڑھوں میں اشعار

نہ ستائش کی تمنّا ہے بقولِ غالبؔ
آپ پھر دیجیئے تکلیف مجھے کیوں بے کار

کر چکا سمع خراشی وکلا کی پر سال
کیا ضرورت ہے کہ یہ بے ادبی ہو ہر بار

بار میخانہ ہے قانون کے متوالوں کا
محفلِ شعر و سخن سے نہیں اس کو سروکار

"دوُرح را صحبتِ ناجنس عذابیست الیم"
حق بجانب ہے جو شرکت سے اُسے ہو انکار

ہے اُخوّت کی کشش دوسری شئے بندہ نواز
وہ تو اسلام کے قانون کا ہے اک اظہار

شعرخوانی میں ہے اب حدِّ سماعت عارض
بحث بے فائدہ فرمائیں نہ اس میں سرکار

ہوں وہ کم مایہ ذخیرہ نہیں رکھتا اتنا
جس کو ہر سال کروں آپ کے قدموں پہ نثار

پھر انسان ہے معیوب جُگالی کرنا
پڑھ چکا جو اُسے اب پڑھنے میں ہے مجھ کو عار

نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۵۳ — ۳۰ نومبر ۱۹۳۰ء — تعداد اشعار ۹

کونسل الکشن ریس

بحر متدارک مخبون مشانزدہ رکنی[ع۵] ارکان فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن

جب کونسل کے جم خانے میں صوبے والی گھوڑ دوڑ ہوئی
اکتوبر میں لوکل ریسز کا حال کھلا ہم پر سارا

ہر سو تھا چماروں میں چرچا ہنس ہنس کر کہتے تھے چار
گھوڑے کی بڑھیا بیٹھ گئی پھر پونی نے پالا مارا

جتنی ٹٹو میں غربت تھی، اتنی گھوڑے میں چالاکی
اک سوکھا سہا ڈنگا سا، اک کھائے ہوئے دانا چارا

ان دونوں دیسی گھوڑوں میں پونی کے ٹرینر کا انگریزی
انگلش اصطبل کا ایک اڑیل آگے نہ بڑھا یوں جی ہارا

اتنے میں کہا اک حاجی نے اب دوسری دوڑ کا حال سنو
جس میں کہ لٹ گئے بک میکر، اتنا ہارا ہر دکھیارا

جو سن پچیس میں دوڑا تھا، اس کا تھا بھاؤ برابر کا
جو اب کی سال شریک ہوا اس پر تھے اک کے دس بارہ

نسلاً عربی دو گھوڑے یہ میدان میں آئے ریس کے جب
اک ان میں انسوں آگے تھا اک پیچھے پیچھے بیچارا

ع۵ اس بحر کے ارکان میں مخبون اور مخبون مسکن کا اجتماع ہر جگہ جائز ہے۔ ع۵ ... کونسل ... صاحب ... امیدوار تھے ... صاحب ... [illegible]

کپو کے جواری گھبرائے، جب چار طرف سے شور ہوا
دونی اور چوپڑ دلواؤ، سبزہ جیتا مشکی ہارا
کچھ دن یہ ظریف تماشا ہے پھر آگے چل کے کچھ بھی نہیں
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا

نوٹ۔ ۱۹۳۰ء میں صوبۂ یوپی کی کونسل کے لیئے ممبروں کا انتخاب ہوا تھا اس میں پست اقوام کے لیئے بھی نشست کا تعین تھا۔ نظم میں نہایت سلیقے سے گھوڑدوڑیوں کے محاورات صرف ہوئے ہیں
(صفی عفی عنہ)

نظم نمبر ۵۴ بر ۲۲ر اپریل ۳۰؁ء تعداد اشعار ۱۵

انویٹیشن کارڈ

نوٹ ۔ لکھنؤ میں چند خاص بے تکلف احباب نے جس میں ظریف مرحوم بھی شامل تھے ایک انجمن تفریح الاحباب قائم کی تھی جس میں دوست احباب جمع ہو کر غم غلط کرتے تھے ۔ اکثر دعوتیں بھی ہوتی تھیں اور خاص خاص تلمیحات کے ساتھ ظریف کی نظمیں اس میں پڑھی جاتی تھیں ایک بار اسی انجمن کی طرف سے رمضان شریف کے مہینے میں شب کے وقت راجہ نواب علی خاں صاحب تعلقہ دار اکبر پور کی دعوت کی گئی جو خود بھی اس انجمن کے رکن خاص تھے ۔ اس موقع پر اسی نظم کے ذریعے سے پیام دعوت ان کی خدمت میں پیش کیا گیا ۔ یہ نظم لطافت و ظرافت کی خوبیوں کے ساتھ سبق آموز بھی ہے ۔ (صفی عفی عنہٗ)

بحر مجتث مخبون مقصور یا محذوف ارکان مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

یہ اک سودیشی ڈنر کا ہے انویٹیشن کارڈ
خلوص سے جو لکھے جا رہے ہیں کچھ اشعار

قبول کیجئے احباب خاص کی دعوت
خصوصیت یہی کیا کم ہے یا اولی الابصار

کہ ہم میں کوئی بھی موٹر نشیں نہیں سر دست
نہ ہم کو ریخ سے مطلب نہ ہم کو بار میں بار

نہ ہم ہیں آنریبل کوئی اور نہ ایم ۔ ال ۔ سی
اگر شرافتِ ذاتی ہوئی تو وہ بے کار

کہ اب تو ہائی پوزیشن کی قدر و قیمت ہو
شریف ہو وہی ہو گھر میں جس کے موٹر کار

محب جو آپ کے بنتے ہیں ہم کو زیب نہیں
محبِ راجہ کے معنی ہیں آج کل زردار

خطا یہ آپ کے اخلاق کی ہے بندہ نواز
جو بے تقیہ کیا اپنا حالِ دل اظہار

یہ خلق ہی نے جسارت دلائی ہے ورنہ
کہاں غریبوں کی دعوت کہاں تعلقہ دار

یہاں تو دعوتِ احباب بے تکلف ہے
نہ جس میں مرغ نہ جس میں پلاؤ کی بھرمار

نہ آلو میتھی کا سالن ہے اور نہ لوکی گوشت — نہ زعفرانی پراٹھے نہ ماہیِ بے خار

نہ یاں کباب ہیں شامی نہ یاں بھُنی ہوئی ران — نہ خستہ پوریاں جن کا اٹھانا ہو دشوار

نہ مستحقوں کی کچھ قید ہے کہ ساتھ ہی ہوں — کہ جس کو روزے کا کفارہ سمجھیں سب دیندار

یہاں تو اک میڈیشن ڈنر ہے آپ کا صرف — کہ میہمان ہے ایک اور میزبان دو چار

یہ افتخار ہے کیا کم کہ ساتھ کھائیں گے — ہم ایسے چند غریب اور آپ اے سرکار

بہ لطفِ خاص اگر التجا ہوئی مقبول
تو ہم رہیں گے ہمیشہ اِسی کے شکر گذار

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۵۵ — ماہِ جون سنہ ۱۹۳۰ء — تعدادِ اشعار ۱۲

ہوسِ شہرت

بحر متقارب مثمن سالم — ارکان فعولن فعولن فعولن فعولن

گورنمنٹ کا ابرِ رحمت جو بھر دے
خطابوں کے چھینٹوں سے سوکھی تلیاں

اپاہج کھڑے ہوں نہ پیروں پہ اپنے
ذرا گر حکومت چڑھائے گھڑیاں

ٹکے سیکڑوں پھر بکیں رائے صاحب
نہ پوچھے کوئی آم جیسے بھُدّیاں

گورنر کے بن جائیں جو خانساماں
بنائیں گے وہ قوم کی کیوں رُسّیاں

کریں بعض تو سجدۂ احترامی
خوشی سے پڑیں لاٹ صاحب کے پیّاں

بنادیں جو سیّد سے وہ خان صاحب
تو دوڑے ہر اک پُوربی اور پچھیّاں

لیاقت سے کیا کام شہرت سے مطلب
ہوئے نامور جیسے شہدوں میں ستّیاں

یہی تو ہے معراج خاں صاحبی کی
ام ال سی جو بھولے سے کر دے گُتّیاں

بساطِ سیاست کی اب چال یہ ہے
نہیں گوٹ ہلتی تو رکھتے ہیں ٹیّاں

بڑے دن میں جو کیک کھائیں خوشی سے
مزا دیں انھیں عید کی کیا سِوَیّاں

چراگاہِ کونسل کی رونق ہیں دونوں
مسیحا کی بھیڑیں کنھیّا کی گیّاں

ظریفؔ ایسے کالے کلوٹوں کے صدقے
کوئی ہے ذرا بڑھ کے لے لے بلیّاں

نوٹ:۔ یہ نظم حکام کے خوشامدی حضرات کے حرکات سے متاثر ہوکر آزاد خیالوں کی ترجمانی کے طور پر

لکھی گئی ہے بعض حضرات خطاب اور شہرت کی ہوس میں خوشامدانہ عنوان کے مضامین اخباروں میں
طبع کراتے ہیں اور بعض سے طرح طرح کی اور حرکتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

جب خطابات شایع ہوتے ہیں اس زمانے کے اخباروں میں ڈھونڈھا جائے تو ایسے حضرات کا پتہ
چل سکتا ہے جن کی طرف خصوصیت سے اشارہ خیال کیا جا سکتا ہے مگر عمومیت کا عنوان شاعرانہ انداز بیان کے
لحاظ سے زیادہ لطیف ہے اس لیۓ وضاحت غیر ضروری ہے (صفی عفی عنہٗ)

نظم نمبر ۵۶ — اکتوبر ۱۹۳۰ء — تعداد اشعار ۵۵

مغرب پرستی

نوٹ:- انگریزی تعلیم اور مغربی تمدّن کا جو اثر ہندوستانیوں پر پڑا ہے۔ اس کا صحیح خاکہ اس نظم میں اُتارا گیا ہے۔ صورت، سیرت، کردار، لباس اور عمل میں جو تغیّرات ہندوستانیوں نے پیدا کیئے ہیں اُن کی تصویر کشی بہت اچھّے شاعرانہ اسلوب سے کی گئی ہے جس سے واقعات کے صحیح اظہار کے ساتھ ظرافت کے شامل ہو جانے سے سونے میں سہاگے کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ (صفی عفی عنہٗ)

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

ہوائے مغربی ہے تجھ میں کتنا جذبِ پنہانی — دھرم ہندو کا غائب اور مسلماں کی مسلمانی
سمندر پھاند کر اک لہر ایسی ہند میں آئی — پہونچ کر جس نے ٹھنڈا کر دیا سب جوشِ ایمانی
نئی تعلیم تو نے حافظے پر کیا اثر ڈالا — کہ یاد آتے نہیں بھولے سے بھی احکامِ قرآنی
حیا جامے سے باہر ہو گئی اللہ ری آزادی — ابھی تھوڑی سی بڑھنے پائی تھی تعلیمِ نسوانی
بڑھے گی روشنی جتنی خود اٹھتا جائے گا سایہ — نظر آئے گی ہر شے اُف رے جلووں کی فراوانی
نظر باز و جوانی ہو گی اس کی دید کے قابل — ابھی تو گھٹنیوں چلنے لگا ہے شوقِ عریانی
مساوات اِس کو کہتے ہیں نئی تہذیب کیا کہنا — کہ یکساں ہو گئی صورت زنانی اور مردانی
نہیں معلوم کس مٹی سے پیدا ہو گئے لیڈر — گھُد کتے پھرتے ہیں ہر سُو انھیں کی ہے فراوانی
جدھر دیکھو اُدھر اک انجمن سازی کا طوفاں ہے — جتھے بندی سے ہر گوشے میں پیدا حشر سامانی
بجائے خود الکشن کم نہ تھا میونسپلٹی کا — اب اس پر اور طرّہ کونسلوں کی حلقہ جنبانی
یہ معجونِ مُرکّب ہند کو کیا نفع بخشے گی — کہ ترکیب اُس کی انگریزی ہے اور اجزا ہیں یونانی
سیاست کے سمندر میں تموّج ہے تلاطم ہے — الٰہی خیر کرنا سر سے اونچا ہو گیا پانی

بچا لے ڈوبنے سے کشتیٔ اسلام کو یارب
ہوائیں چل رہی ہیں کیا تلاطم خیز طوفانی

مسلمانوں کے حق میں یہ الکشن اک مصیبت ہے
جہاں تعلیم کی قلّت جہالت کی فراوانی

الکشن کیا مفادِ قوم کا اپنے تحفظ ہے
الکشن کیا فقط اک امتحانِ عقلِ انسانی

یہ سب اُن کے لئے کچھ دردِ قومی دل میں ہو جن کے
یہ ان کا حق ہے ہو چشمِ بصیرت جن کی نورانی

تعصب کے رمد سے پاک ہوں جو دور بیں آنکھیں
وہ چُن لیتی ہیں اچھی چیز اپنی ہو کہ بیگانی

وہی جو معنیٔ "خذ ما صفا دع ما کدر" سمجھیں
وہی جو پھول کانٹوں سے جدا کر لیں بآسانی

اخوّت کا سبق جو دے گیا تھا رہبرِ کامل
جنھیں ہو یاد وہ سب ہیں سزاوارِ ثناخوانی

وہی اصلی نمائندہ ہے جس کو دردِ قومی ہو
کرے سعیِ عمل سے رات دن اپنا لہو پانی

فقط دولت کے برتے پر وکالت قوم کی کرنا
یہ ناسمجھی ہے ناسمجھی یہ نادانی ہے نادانی

ڈنر دے کر نیابت قوم کی لینا تو آساں ہے
مگر مشکل ہے چرواہے کو گلّے کی نگہبانی

نمود و نام کی خاطر اگر کونسل میں جانا ہو
تو ایسی ممبری کی عمر کم ہوتی ہے طولانی

اگر بے لوث خدمت قوم کی منظور ہے تجھ کو
تو پہلے ترک کر راحت طلبی و تن آسانی

ارے موٹر نشیں للّٰہ اتنا تو بتا تا جا
کبھی نادار ہم جنسوں کے در کی خاک بھی چھانی

جو خدمت قوم کی کرنا ہو دل میں درد پیدا کر
ارے او بے خبر ناواقفِ ایذائے روحانی

نیابت جن کی مینی تال کی چوٹی پہ کرتا ہے
اُبھار ان کو بھی پستی سے یہ ہمدردیِ انسانی

کہیں ایسا نہ ہو ٹھنڈک سے ہمدردی ٹھٹھر جائے
کہیں ایسا نہ ہو جم جائے چشمِ لُطف کا پانی

بھلا دینا نہ اس کو جب ڈنر کھانے کو تو بیٹھے
ہے تیری قوم فاقہ کش کو کیا ایذائے روحانی

چبینا چابنے والوں کی محنت کا تصدّق ہے
یہ سب جو کھا رہا ہے تو مزعفر اور بریانی

جہازِ قوم کے گر ناخدا بننے کا دعویٰ ہے
تو دل مضبوط رکھنا جب ہوا چلتی ہو طوفانی

خدا حافظ نصیحت یاد رکھنا پیرِ دانا کی
"چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی"

جو خود مطلب ہیں ان سب میں الکشن کا یہ مطلب ہے
ایم-ال-سی. کوئی ہو اُجرت انھیں مل جائے من مانی

بھلا اور کرز جن کو کام اپنے حلوے مانڈے سے
انھیں کیا امتیازِ نیک و بد لے دے کے نادانی

مفادِ قوم کو قرباں کریں جو فرقہ بندی پر
تو ایسے ووٹروں کی انتخابی آنکھ ہے کانی

انھیں کا ترجمانی قوم کی جو کرنے جاتا ہے
کچھ اس میں مادہ ہے یا فقط شکلِ ہیولانی

اگر پتھر کے اسٹیچو کو رکھ دو جا کے اسی پر
تو یہ ٹمیو کہے گا خاک دردِ قوم کی بانی

یہ بت بن کر ہنسے گا اور کی یا خود بھی بولے گا
کرے گا ترجمانی سب کی یا اپنی مگس رانی

جو بے سمجھے اٹھا دے ہاتھ جب ایں گنیں جائیں
تو اسٹیشن کا سگنل ہے وہ ممبر ظلم کا بانی

لکیریں بیٹھ کر کھینچا کرے پنسل سے کاغذ پر
یہ جس کا مشغلہ کونسل میں ہو ازراہِ نادانی

سوال اس کے اگر ہوں گے تو بس اس قسم کے ہوں گے
گورنمنٹ اس کو بتلا دے زراہِ لطفِ سلطانی

کہ اب کی فصل میں سرخاب یا قازیں بہت آئیں
زیادہ آج کل صوبے کی ہے کس جھیل میں پانی

بڑا گھاٹا ہوا امسال چمڑے کی تجارت میں
ربر کے جب سے جوتے چل گئے کثرت سے جاپانی

بنایا جائے اک قانون یہ حفظانِ صحت کا
سول سرجن کریں بچوں کی آئندہ مسلمانی

کمیشن بہرِ تحقیقات اس کا بھی معین ہو
کہ پرنالوں سے کے گیلن بہا برسات میں پانی

کوئی فہرست رکھی جائے گی کیا میز پر اس کی
بتا دیں گے فقط یا ہوم ممبر ہی بہ آسانی

کہ ان سب ٹڈیوں کی آخری تعداد کتنی ہے
حکومت کی طرف سے مارتے ہیں جن کو دہقانی

کھلے اک اور مچھر مارنے کا بھی نیا صیغہ
ہے یہ ننھا سا ظالم کثرتِ اموات کا بانی

لگائی جائے کچھ خفیہ پولیس اس کام پر فوراً
جو یہ جانچے کہ یہ خلقت پہاڑی ہے کہ میدانی

جہاں مجمع ہو ان کا اور یہ اسپیچ دیتے ہوں
وہ خاموشی سے کرتی جائے نوٹ ان کی رجز خوانی

خبر دے ضلع کے حاکم کو فوراً اس ارادے کی
فلاں مچھر پیے گا آج اتنا خونِ انسانی

نظر رکھے ہر اک حرکت پہ ان آوارہ گردوں کی
کسی صورت سے ان کو پھانس دے تا حدِ امکانی

رفاہِ عام کی دو چار باتیں ہم نے تبلا دیں　　نہیں تو ایسی تجویزوں کی ہے فہرست طولانی
جہاں یہ قوم کی حالت ہو پھر اس کی شکایت کیا　　گراں ہے عقلمندی اور بہت ارزاں ہے نادانی

"مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد"
بیاں کرنا ظریف آساں نہیں ایذائے روحانی

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۵۷ — سنہ ۱۹۳۱ء — تعداد اشعار ۱۲

ہمارے لیڈر

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

مادرِ ہند کی آغوش کے پالے بچو — کم سخن سارے زمانے سے نرالے بچو
ناتوانی میں تمھیں کون سنبھالے بچو — اپنے پیروں پہ کھڑے ہو مرے کالے بچو
گود میں رہنے کے عادی ہوئے چلنا بھولے
واہ کیا بات بڑی شان سے جھولا جھولے

پالنے والوں نے یوں تم کو جھلایا برسوں — کوئی بچہ نہ کبھی فیل کی لایا برسوں
لوریاں دے کے عجب طرح سلایا برسوں — نیند میں دودھ کا بھی دھیان نہ آیا برسوں
جتنے دن سوئے ہو برٹش کی عملداری میں
اُتنا ہی وقت لگے گا ابھی بیداری میں

یوں بظاہر انھیں دیکھو تو کہیں اُور نہ چھور — گنتی گنوانے کو تعداد ہیں پینتیس (۳۵) کرور
ان میں کے زندہ ہیں اور کتنے ہیں زندہ درگور — کم جو تعداد میں تو میں ہیں یہ اُن سے کمزور
بس میں غلہ ہے نہ قابو میں تجارت اِن کی
غیر ہاتھوں میں چلی جاتی ہے دولت ان کی

قوم میں دم نہیں اور قوم کے لیڈر بشاش — جیسے گدھ ہوتے ہیں خوش دیکھ کے لاوارث لاش
واہ کیا بات ہے اے قوم کے بچو شاباش — سہل سے وہی یہ لگتے ہیں پئے فکرِ معاش
زر کمانا ہے تو پڑھ لکھ کے پلیڈر بن جاؤ
جب وکالت نہ چلے قوم کے لیڈر بن جاؤ

دیکھیے قوم کی تاریخ یہ دیتی ہے پتا — جب کسی قوم کا لیڈر ہوا صرف ایک ہوا
خطۂ ہند میں بہنے لگی اُلٹی گنگا — ہر طرف لیڈری کی آئی ہوئی ہے بہیا
کہیں چالاک کہیں ہیں بڑے بھولے لیڈر
چھوٹے لیڈر بڑے لیڈر ہیں منجھولے لیڈر

لے لے موٹر نئی اک چاہے وہ خود مٹ کر لے — گھر میں جس طرح بنے بجلی کی رو فِٹ کر لے
جمع دعوت کے لیے ایک ڈنر سِٹ کر لے — اور انگریزی میں کچھ تھوڑی سی گٹ پٹ کر لے
جب یہ سامان مہیا ہو تو پھر کیا ڈر ہے
قوم تسلیم کرے گی کہ بڑا لیڈر ہے

زیبِ تن تا بقدم سر سے ہو کھدر کا لباس — چپّلی پیروں میں ہو جوتوں کی جگہ بارہ ماس
گھومے چرخے کی طرح چاہے نہ ہو سوت کپاس — جہلا جمع ہوں جب گرد کرو تم بکواس
مجمعِ عام میں لازم ہے کہ بولے لیڈر
قوم کہہ دے گی کہ ہاں ہیں منجھولے لیڈر

یا بنالو کوئی کھدر کی ترنگی جھنڈی — دھاوا اُس سمت کرو تم کہ جدھر ہو منڈی
کھاؤ سڑکوں پہ ہوا گشت میں ٹھنڈی ٹھنڈی — جسمِ نازک پہ ہو گاڑھے کی فقط اک بنڈی
کچھ برہنہ ہوں تو کچھ باندھے لنگوٹے لیڈر
شور ہو جائے گا وہ آتے ہیں چھوٹے لیڈر

پکے بنتے ہیں بڑے تاؤ سے کچے لیڈر — ہوشیاری یہ بھی کھا جاتے ہیں غچے لیڈر
نوجواں ہیں کہیں بوڑھے کہیں بچے لیڈر — اب تو جھوٹے بھی نظر آتے ہیں سچے لیڈر
غیر ذی روح بھی جاندار بھی اب لیڈر ہے
سب تو سب دیکھیے اخبار بھی اب لیڈر ہے

لیڈری کے ہیں بہر کیف بہت سے اقسام   ایک وہ جن کا ہے جینے کے لیے لیڈر نام
اک وہ دعوتِ ریسپشن سے فقط جن کو کام   اک وہ جو کام کریں اور نہ سوچیں انجام
واقفِ کار تو کم اور اناڑی صدہا
قوم فٹ بال ہے لیڈر ہیں کھلاڑی صدہا

جس طرف دیکھیے تیار ہے اک ٹیم نئی   دل کا انجن تو پرانا ہے پر اسٹیم نئی
یہ سکھائی ہے فقط اب ہمیں تعلیم نئی   نہ عمل کچھ ہو بنے روز اک اسکیم نئی
لیڈری کے لیے اوصاف کی حاجت کیا ہے
دردِ قومی کی بھلا اس میں ضرورت کیا ہے

خدمتِ قوم میں عمر اپنی گنوانا کیسا   قومیت ہی نہ ہو جب قوم بنانا کیسا
ملک کے واسطے تکلیف اُٹھانا کیسا   پیٹ کی فکر مقدم ہے زمانا کیسا
قوم مٹ جائے کہ رہ جائے تمھیں کیا مطلب
اصل تو یہ ہے کہ دنیا ہے اور اپنا مطلب

سب سے پہلے تو یہی چاہیے زردار بنو   پھر کبھی دوست کبھی دشمنِ سرکار بنو
اک نئی چیز غرض یہ ہے کہ ہر بار بنو   گہ نمک ساز بنو گاہ نمک خوار بنو
کام آتا نہیں کچھ بندۂ بے زر بننا
شان و شوکت ہی سے بنتا بھی تو لیڈر بننا

قوم کے نام سے لندن کی کبھی سیر کرو   قومی سرمائے کا سب خاتمہ بالخیر کرو
خادمِ کعبہ بنو رُخ طرفِ دیر کرو   دوستی غیروں سے اپنوں سے کبھی بیر کرو
قشقہ اچھے یہ لگاؤ کبھی غازی بن جاؤ
گہ پجاری بنو تم گاہ نمازی بن جاؤ

مادرِ ہند کے بن کر کبھی بے پالک پوت رشتہ جوڑو کبھی گاندھی سے کبھی کاتو سوت
کبھی تنظیم میں افراد کی ہو کر مبہوت ہند کو سر پہ اُٹھا لو کبھی طاری ہو سکوت

گاؤ اِک راگ نیا روز پئے خوشحالی
کبھی درباری اَلاپو تو کبھی بھوپالی

کبھی تکبیر کبھی نعرۂ جے کار سنو قومی افسانہ کبھی قصۂ سرکار سنو
محو کر دو اُسے تم دل سے جو اک بار سنو بات مطلب کی جو ہو اُس کو غرض یار سنو

جیل میں تم کبھی روٹی بفراغت کھاؤ
شملے کی چوٹی پہ چڑھ کر کبھی دعوت کھاؤ

رنگ گرگٹ کی طرح اپنا بدلتے جاؤ رُخ ہوا کا ہو جدھر آپ بھی چلتے جاؤ
شمع کی طرح غمِ زر میں پگھلتے جاؤ الغرض روز نئے سانچے میں ڈھلتے جاؤ

کر دو اندھیر بپا بن کے فدائے ملّت
قومی اندھے تمھیں کہہ دیں گے ضیائے ملّت

نام کے شیر گدڑ بھبکیاں دکھلا کے بنو قائدِ قوم، کبھی قوم کو لڑوا کے بنو
دوستِ دشمن کے سمندر کی ہوا کھا کے بنو گھر میں جب تن نہ سکو غیر جگہ جا کے بنو

کام آئے گی پھبتی اسے تم نوٹ کرو
گلے مل جاؤ لنگوٹی پہ کبھی چوٹ کرو

پہلوانی کے کبھی داؤں کبھی پیچ دکھاؤ پہلے خم ٹھوکو اکھاڑے میں تو پھر ہاتھ ملاؤ
چت ہی کر دو گے زبردستی، وہ آمد کی آؤ گو سکت تم میں نہ ہو پھر بھی ادھیڑا آپ لگاؤ

دھوبی پاٹا جو نہ دے کام قلاجنگ کرو
عافیت تم پئے انعام فقط تنگ کرو

اور گاندھی کی نہ پوچھو وہ ہے اک مردِ فقیر   فاقہ کش قوم کی گویا ہے مجسّم تصویر
نہ اُسے مال کی خواہش ہو نہ فکرِ جاگیر   رام راج اس کا ہی خواب اور خود اُس کی تعبیر
اُس کا محبوب فقط سوت ہے یا چرخہ ہے
اُس کے نزدیک ہر اک دُکھ کی دوا چرخہ ہے

اپنے ہم قوم غریبوں کی خبر لیتا ہے   اُن کے افلاس کا خود دل پہ اثر لیتا ہے
تھیلیاں بھر کے یہ دیکھا ہے کہ زر لیتا ہے   قوم ہی کے لئے لیتا ہے، اگر لیتا ہے
ہیں کو ہیں بھی کہے تو دل پہ اثر کرتا ہے
وہی جو دودھ پہ بکری کے بسر کرتا ہے

اُس کو تعریف سے کام اور نہ دُشنام سے کام   غیر قوموں سے نہ مطلب ہے نہ اسلام سے کام
اہلِ دولت سے غرض اُس کو نہ کچھ نام سے کام   قوم کی فکر ہے اور قوم کے انجام سے کام
جتنی محنت کرے، پاجاتا ہے پھل بھی اُس کا
قول جو کچھ ہے اُسی پر ہے عمل بھی اُس کا

اُس کے ایثار کا اتنا تو ہوا عام اثر   شخصیت دیکھ کے یورپ بھی ہوا ہے ششدر
مینچسٹر سا مخالف بھی ہے اب دست نگر   بدگمانوں کو بھی کہتے یہ سُنا ہے اکثر
”اشتیاقے کہ بدیدارِ تو وارد دلِ من“
”دلِ من داند و من دانم و داند دلِ من“

کون قوت ہے کہ یوں جس نے اُبھارا اُس کو   کون سی شئے ہے جو دیتی ہے سہارا اُس کو
بس فقط نفس کُشی ہی نے سنوارا اُس کو   لوگ اس طرح سمجھتے جو ہیں پیارا اُس کو
نہیں ممکن کوئی رہزن بھی ہو رہبر بھی بنے
بندۂ نفس بھی ہو قوم کا لیڈر بھی بنے

یوں اثر عام نہ ہوگا جو صداقت ہی نہ ہو — مانے کس طرح سے دنیا جو لیاقت ہی نہ ہو
کیا تن و توش اگر روح میں قوت ہی نہ ہو — صاف گو خاک بنے گا جسے جرأت ہی نہ ہو
خاص حلقے میں دکھانے کو تنے بھی تو کیا
اپنے مُنہ، آپ میاں مٹھّو بنے بھی تو کیا

لیڈری ہند کی اور پیرس و لندن کا قیام — مادرِ ہند ہیں کچھ ایسے بھی تیرے خدّام
دکھ سہیں کیا نظر آئے جنھیں ہر سو آرام — بندۂ حضرتِ دل نفس کی خواہش کے غلام
جانتے وہ ہیں فقط ماہ وشوں کی حالت
اُن کو معلوم نہیں فاقہ کشوں کی حالت

سر جو ہو جائیں تو پھر پاؤں سے چلنا کیسا — جب ہوا سرد ہو پیلس سے نکلنا کیسا
دھوپ کیا چیز ہے اور دھوپ میں جلنا کیسا — گرمیِ فکرِ معیشت سے پگھلنا کیسا
پیاس لگتی ہے تو وِھسکی سے بجھا لیتے ہیں
وہی فاقہ ہے ڈنر گھر پہ جو کھا لیتے ہیں

راس آئی ہو جسے خطۂ یورپ کی ہوا — وہ ہوا خواہ بنے ہند کا مشکل ہے ذرا
اسپشل پر جو سفر کرنے کا عادی ہوگا — مینیل بن کے بھلا تھرڈ میں بیٹھے گا وہ کیا
ملک اور قوم چنیں ہے کہ چناں کیا جانے
اندھا ساون کا بھلا رنگِ خزاں کیا جانے

سوانگ اک اس کو سمجھ لیجیے اُدھرنگی کا — کہ زنانوں کا کبھی باٹ، کبھی جنگی کا
کیوں نہ باعث ہو فقط قوم کی دل تنگی کا — سُر چکارے سے کہاں نکلے گا سارنگی کا
نہیں ممکن ہے وہی جج بھی ہو ریڈر بھی بنے
حکمرانی بھی کرے قوم کا لیڈر بھی بنے

یہ سنیں خاک غریبوں کی صدائے دل ریش ‏ ‏ ‏ سب یہ دیوانے ہیں ہشیار بکار خود و خویش
ایک ہی طرح کی طینت ہو جو ان کی کم و بیش ‏ ‏ ‏ آدمی یہ نہیں سچ مچ کے ہیں گو برگ گنیش
سر میں نخوت ہے تکبر ہے اسے کیا کیجیے
بت ہیں جی چاہے تو رسما انھیں پوجا کیجیے

ہو جو مفلس تو یہ اس سے نہ کبھی بات کریں ‏ ‏ ‏ نذر دکھلایئے پہلے تو ملاقات کریں
کیا غرض قوم سے جو پرسش حالات کریں ‏ ‏ ‏ عیش و عشرت میں بسر اپنی جو دن رات کریں
عشق پولو سے ہے گھوڑ دوڑ سے الفت ان کو
ناچ گانے سے کہاں ملتی ہے فرصت ان کو

رہیں زندہ کہ نمک خوار سب ان کے مر جائیں ‏ ‏ ‏ تیغ تخفیف سے خون دل عشاق بہائیں
مول لے لیں جو انھیں ان کو سخاوت یہ دکھائیں ‏ ‏ ‏ کہہ دیں چوہوں سے خزانے میں قلابازیاں کھائیں
شان یورپ کی دکھاتے تو ہیں لمبی چوڑی
چاہے باقی نہ رہے گانٹھ گرہ میں کوڑی

مادر ہند! سنی بچوں کی اپنے روداد ‏ ‏ ‏ ایک ہی گود میں پالی ہوئی تیری اولاد
بھائی بھائی ہیں مگر رکھتے ہیں آپس میں عناد ‏ ‏ ‏ ایک کے واسطے ہے دوسرا گویا جلاد
نہ محبت نہ مروت نہ روا داری ہے
سر پھٹول ہے کہیں جنگ کی تیاری ہے

اک کو دولت پہ غرور اک کو شجاعت پہ گھمنڈ ‏ ‏ ‏ ناز قوت پہ اسے اس کو شرافت پہ گھمنڈ
جہل پہ فخر اسے اس کو حماقت پہ گھمنڈ ‏ ‏ ‏ ایک کو بحث پہ ناز ایک کو حجت پہ گھمنڈ
رسم خط کا ہے کسی سمت زباں کا جھگڑا
گوشے گوشے میں ہے ناقوس و اذاں کا جھگڑا

کہیں قربانی پہ مذہب کا فقط دار و مدار — پیڑ پیپل کا کہیں پر ہے مجسم اوتار
ہے کسی ہاتھ میں ترسول کسی میں تلوار — خانہ جنگی کا ہے اعلان غرض ہر تیوہار
عید آئی تو گلے ملتے ہیں تلواروں سے
ہولی اب کھیلتے ہیں خون کے فوّاروں سے

مادرِ ہند کی قسمت میں لہو پینا ہے — یوہیں غم کھانا ہے مر مر کے یوہیں جینا ہے
نظر آئے اُسے کیا خاک جو نابینا ہے — بھائی چارہ یہی الفت یہی دیرینا ہے
واہ کیا خوب سنبھالیں گے وہ سب حالتِ ملک
جو ڈکیتی کو سمجھتے ہوں فقط خدمتِ ملک

ملک کی کیا اُنھیں لوگوں سے ہے وابستہ فلاح — خون انسان کا سمجھیں جو حلال اور مباح
پھونکنا گھر کو کسی کے جو سمجھتے ہیں مزاح — یہی ہم جنسوں کی سب اپنے کریں گے اصلاح؟
یہی تعلیم یہی تربیتِ قومی ہے
کان پور آئینۂ معرفتِ قومی ہے

کوئی ضدی ہے اگر اُن میں تو کوئی ہٹی — مشتعل قلب میں ہر سمت حسد کی بھٹی
پھر اتالیق پڑھائیں نہ اُنھیں کیوں پٹی — جنگ کرنا ہے تو مذہب کو بنا لو ٹٹی
کیا غرض اس سے بُرا ہے کہ مآل اچھا ہے
جاہل آسانی سے پھنس جاتے ہیں جال اچھا ہے

ایک کا ایک اگر پھوڑ دے سر اُن کو کیا — ایک کا بازو ہو شکست ایک کا پَر اُن کو کیا
سر سے تا پا ہو کوئی خون میں تر اُن کو کیا — بند پھٹکی میں ہوں لڑنے پہ اگر اُن کو کیا
جن کو دل چسپی ہے ان تازہ گرفتاروں سے
کم سمجھیے نہ اُنھیں آپ بڑے یاروں سے

بال و پر ٹوٹ چکے قوّتِ پرواز نہیں | حالِ دل کون سُنے جب کوئی دمساز نہیں
ہم ہیں اور کنجِ قفس کوئی ہم آواز نہیں | اب یہ حالت ہے ظریف اس میں کوئی راز نہیں

"نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے"
"گھٹ کے مرجاؤں یہ مرضی مرے صیّاد کی ہے"

نوٹ :- یہ نظم اس وقت لکھی گئی جب رفتہ رفتہ پُرانی تہذیب و تمدّن اور تعلیم ہندوستان سے اُٹھتے اُٹھتے اور کم ہوتے ہوتے معاشرت و سیاست کی یہ حالت ہوئی کہ نئی تہذیب اور تعلیم نے ہر ایک کے سر میں رہنما اور لیڈر ہونے کا سودا بھر دیا تھا اور ہندوستان کی ہر قوم اور ملّت میں لیڈر ہزاروں ڈھل گئے اور ان کے قول و فعل میں اتنا اختلاف کہ ملک اور سوسائٹی کو اُن سے بجائے فائدے کے نقصان پہونچنے لگا اور اس کی کوئی روک تھام نہ تھی اس حالت میں جیسا کہ ایک فطری شاعر اور حسّاس طبیعت کو اثر قبول کرنا چاہیئے اُس طرح متاثر ہوکر یہ نظم ظریف مرحوم نے کہی۔ ملک کی حالت اور لیڈروں کی بے حسی کا یہ نظم مرقع ہے اور اُس وقت کے لیڈروں کی سیرت و کردار کی طرف پوری روشنی ڈالی گئی ہے جن کے کردار پر اِن الفاظ کی قباحت ہو اُن کو سمجھ لیا جائے مقصد کردار کی تصویر کشی سے اصلاحِ قوم ہے اگر کسی سے اس کے مطالب کا تعلق نہ بھی ہو اور ایسے صفات سے متصف ہونے کی صلاحیت اور امکان اُس لیڈر میں ہو تو اُس کا ذکر بھی فائدے سے خالی نہیں۔ (صفی عفی عنہٗ)

تلمیحات مندرجہ نظم ہذا

بند نمبر ۱۴ مصرع اول میں محمد علی مرحوم اور مصرع سوم میں شوکت علی مرحوم کی طرف اشارہ ہے۔
بند نمبر ۱۵ چھٹے مصرع میں درباری اور بھوپالی راگوں کے نام ہیں۔

بند نمبر ۱۹ مصرع پنجم میں دھوبی پاٹا، قلا جنگ پہلوانی داؤں پیچ کے نام ہیں۔

بند نمبر ۲۳ مینچسٹر لندن میں کپڑے کا کارخانہ ہے، جب ہندوستان میں ولایتی مال کا بائیکاٹ ہوا تو وہاں کی تجارت پر بہت برا اثر پڑا۔

بند نمبر ۳۱ مصرع پنجم میں پولو سے وہ انگریزی کھیل مراد ہے جو گھوڑوں پر چڑھ کر بطور گوئے وچوگان کھیلا جاتا ہے۔ اس بند میں سر آغا خاں کی طرف اشارہ ہے۔

بند نمبر ۳۴ کے پانچویں مصرع میں اردو ہندی کی بحث کی طرف اشارہ ہے اور چھٹے مصرع میں ان بلووں اور فسادوں کی جانب جو مسجد کے سامنے باجا بجانے اور سنکھ بجانے پر ہوتے رہتے ہیں

بند نمبر ۳۶ کے چھٹے مصرع میں کاکوری کی ڈکیتی کی طرف اشارہ ہے جس میں کچھ کانگریسی بھی ماخوذ تھے۔

بند نمبر ۳۷ کے چھٹے مصرع میں کانپور کے ہندو مسلم بلوے کی طرف اشارہ ہے۔

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے۔ ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۵۸ — ۷ر دسمبر سنہ ۱۹۳۱ء — تعداد اشعار ۲۴

الکشن چوک وارڈ

نمبر (۱)

بحر مجتث مخبون مقصور یا محذوف — ارکان مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

تضمین شعرِ میر علیہ الرحمہ

یہ چوک وارڈ کے ووٹر بھی ہیں عجیب شریر — سبھوں نے مل کے الکشن میں کی نئی تدبیر
شریف طائفے والے جوان ہوں یا پیر — کھنچ آئے سب کششِ حسن تھی جو دامنگیر
کمندِ ووٹ میں اک صیدِ نو کو کر کے اسیر — عجیب طرح کی گردن میں ڈال دی زنجیر
سجایا کوچہ بکوچہ جو کر چکے تشہیر — یہ سبز باغ دکھانے لگے صغیر و کبیر
جہاں پہ گھاس کے اوپر ہے ایک جمِ غفیر — چلو تو دیکھیں وہ منظر ہے بے عدیل و نظیر
گھری ہے حلقے میں ایک ایک بدر و ماہِ منیر — چمک کے برق کی صورت دکھائے گی تنویر
سنا کے یوسفِ بے کارواں نئی تقریر — ٹھہر ٹھہر کے پھرائیں گے حلق پر شمشیر
میں دینے آیا ہوں پیغام ایک بن کے سفیر — جہاں جہاں ہوں سنیں سب وہ صاحبِ توقیر
لٹا کے چوک میں گھر بار جو ہوئی ہو فقیر — وہ پوری قوم ہے اس کی نہ کیجیے تحقیر
یہاں پہ جمع ہیں جتنے غریب اور امیر — وہ آبِ زر سے کریں میرے قول کو تحریر
سنو سنو مرضِ حرّیت ہے عالمگیر — خدا کی شان جو تانیث بن گئی تذکیر
سٹی مدر کی تمنّا میں آئی ہے ہمشیر — کرو نہ بھائیو اس کارِ خیر میں تاخیر

یہ سب ہے عرض ہوائے بندگانِ ربِّ قدیر — بڑھائیں یوں دلِ نازک کو سب وفا تخمیر
کہیں کہ جھوٹ سے مہمل ہو گردشِ تقدیر — تحمّل اور جو کرتیں تو تھی اُمیدِ کثیر
دکھادی وصل پہ امیدِ ووٹ نے تاثیر — نکالے اُس نے بھی ترکش سے اپنے چھپن تیر
مقامِ شکر ہے بی دلرُبا نہ ہو دلگیر — شکست و فتح نصیبوں سے ہے ولے اے امیرؔ
"مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا"

قطعہ نمبر (۲)

بحر رمل مثمّن مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

لکھنؤ میونیسپل میں ابتری ہونے کو تھی — بورڈ میں امسال شامل اک پری ہونے کو تھی
دل میں تھے اپنے بہت سرور اربابِ نشاط — ممبروں میں اور ان میں ہمسری ہونے کو تھی
سرد ہو کر رہ گئی سب گرمیِ بازارِ بورڈ — جنسِ نازک اہلِ دل کی مشتری ہونے کو تھی
دل کی دل میں رہ گئی لوگوں نے بد دل کر دیا
دِلرُبا میونیسپل کی ممبری ہونے کو تھی

قطعہ نمبر (۳)

بحر مجتث مخبون مقصور یا محذوف — ارکان مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

تمام شہر کے اوباش اس پہ ہیں مسرور — کہ جان بچ گئی نازل نئی بلا نہ ہوئی
تماش بینوں پر امسال ٹیکس بندھ جاتا
مقامُ شکر ہے ممبر جو دلرُبا نہ ہوئی

نمبر (۴) قطعۂ دیگر

بحر مجتث مخبون مقصور یا محذوف — ارکان مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

تماش بین یہ کہتے ہیں چوک کے اکثر — کہ وَرک کرنے اُٹھے جوش میں جو مادۂ نر
اثر یہ ووٹ سے اِمساک کا تھا آخر کار — سٹی مَدر نہ ہوئیں ہو گئے سٹی فادر

نوٹ۔ الکشن چوک وارڈ کے متعلق ظریف مرحوم نے یہ چند نظمیں سپرد قلم کی ہیں پہلی نظم میں امیر علیہ الرحمہ کے ایک مشہور شعر کی تضمین کی ہے۔ باقی تین نظمیں قطعات کی شکل میں ہیں۔ اس الکشن کے واقعات یہ ہیں کہ حکیم خواجہ شمس الدین صاحب شہر لکھنؤ کے کشمیری النسل رئیس ہیں جو میونسپلٹی کی ممبری کے بہت قدیم اور لاگو امیدوار ہیں۔ ایک سال کچھ خوش طبع حضرات نے تنگ آ کر کہ خواجہ صاحب کسی طرح میدان چھوڑ کر بھاگ جائیں ان کے مقابلے کے لیئے اسی چوک وارڈ سے جہاں کی ممبری کا الکشن تھا ایک دلربا نامے طوائف کو کھڑا کیا۔ یہ کل نظمیں اسی واقعے سے تعلق رکھتی ہیں۔

پہلی نظم میں دلربا کی وکالت میں پبلک کو درس عبرت دینے کے لیئے ظریف مرحوم نے ایک بیرسٹر صاحب کا ذکر کیا ہے جو ہکلا کر اور ٹھہر ٹھہر، رُک رُک کر تقریر فرماتے ہیں۔ میونسپل کمشنر کو اصطلاحاً سٹی فادر کہتے ہیں چونکہ یہاں ممبری کی امیدوار صنف نازک سے ایک طوائف تھی اس لیئے اس کی مناسبت سے اس کو سٹی مدر کہا گیا۔ خوش مذاقوں نے اسی الکشن میں خاص رنگینی پیدا کر دی تھی اور دلربا کی ہمدرد کچھ طوائفوں نے اس میں بڑی دلچسپی لی کچھ دنوں خاصی چہل پہل رہی۔ لکھنؤ کی رنگین طبعی کا خاصہ نمونہ یہ الکشن بن گیا تھا۔ بالآخر دلربا کو ۵۶ ووٹ ملے جس کا ذکر اس پہلی نظم میں ۵۶ تیر کہہ کر استعارۃً کہا گیا ہے۔ نظموں میں بدر منیر، ماہ منیر، مشتری، بے نظیر طوائفوں کے ذکر نے چار چاند لگا دیئے ہیں۔

قطعہ نمبر۳ میں دلربا طوائف کی ناکامی پر تماش بینوں کا اظہار مسرت کہ وہ سب ٹیکس بندھ جانے سے بچ گئے اور قطعہ نمبر۴ میں "قلت ووٹ" کے لیے "امساک ووٹ" کو بلاغت کی جان سمجھنا چاہیئے۔ (عفی عنہٗ)

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۵۹ — ۳۱ سنہ ۱۹ ع — تعداد اشعار ۲۱

شکر پارہ

بحر مجتث مخبون مقصور یا محذوف — ارکان مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

ترا اگر از ادبیات ہست دلچسپی
الا بہ خواندنِ ایں نظم تو دریغ مدار

بیا ز از قدمت نامہ بر دریغ مدار — بہ ووٹراں ز الکشن خبر دریغ مدار
برو بہ ہر درِ ووٹر بگو کہ ووٹ بدہ — خدا دہاد ترا ایک پسر دریغ مدار
تو خود عطا کن و بر دیگراں تقاضا کن — برائے ووٹ ز ذاتی اثر دریغ مدار
بہ بند چشم و بدہ ووٹ گیتی تو مپرس — چو بادہ ہم طلبد جائے زر دریغ مدار
نشد ند آدمیاں گم تو نیک می دانی — بہ گیر ملک خدا ہمچو خر دریغ مدار
بہر طریق کہ باشد ز خلق ووٹ بگیر — رسد چو نوبت مادر پدر دریغ مدار
بہ انتخاب چو خواہی کہ کامیاب شوی — بہ ووٹرے ز دو یک سکہ زر دریغ مدار
پئے مصارف کا لکھا و مو بڑھا — بگیر قرض و لے کرد فر دریغ مدار
تو ئی حیات محمد دراز عمر تو باد — بہ جلوہ ریزئ تیغ ظفر دریغ مدار
تو پشت او بہ زمیں در رساں کہ آویزد — الا بہ قوت بازو دگر دریغ مدار
کمشنری بہ تو نازاں کہ پہلواں استی — خدائے را کہ بہ ایں برزبر دریغ مدار
بیا بہ دنگل میونسپل چو رستمِ ہند — ز دیگراں چو توئی نامور دریغ مدار
بگیر کرسی و بہ جائے ممبری بہ نشیں — عدوئے را تو بیفگن بہ سر دریغ مدار

اگر ز لعلِ لبت قند و شیر می ریزد
عدوئے را تو بیفگن بسر دریغ مدار

دہند بہر تو ور کرس جانِ شیریں را
برائے شربتِ ایشاں شکر دریغ مدار

باتفاق چو ممبر شوی تو اسے قناد
بجانِ خویش ز حلوائے تر دریغ مدار

توئی حکیم و توئی حاکم و توئی حمام
بہ خلق نفع رساں یا ضرر دریغ مدار

برائے مسہل سودائے ماسیہ بختاں
دو چار تولہ تو از گل شکر دریغ مدار

دعا بحق تو تریاکیاں کنند از صدق
بدہ بدہ ہمہ را نیشکر دریغ مدار

بہ بیں چہ گفت مجو ایں کہ گفت نفع بگیر
ازیں کلام سریع الاثر دریغ مدار

نوٹ۔ اس نظم کا نام شکر پارہ اس مناسبت سے رکھا گیا ہے کہ اس میں ایک حلوائی حیات محمد کے الکشن کا ذکر ہے ۱۹۳۱ء میں میونسپلٹی لکھنؤ کی ممبری کے لیے کچھ لوگوں نے امین آباد کے حلوائی حیات محمد کو کھڑا کیا تھا۔ اس کو کشتی اور پہلوانی کا بھی شوق تھا۔ پہلوانی اور پیشۂ قنادی کو ملحوظ رکھ کر نہایت خوبی سے مناسب لفظوں کا صرف اس نظم میں کیا گیا ہے۔
(صفی عفی عنہٗ)

نظم نمبر ۶ ـــــ ۱۳۱۹ء ـــــ تعداد اشعار ۹

بندۂ زر

نوٹ۔ مولانا محمد علی مرحوم اور مولانا شوکت علی مرحوم جو علی برادران کے نام سے قومی کمپنی میں مشہور ہیں زمانۂ حال کے قومی لیڈر تھے۔ ان میں سے مولانا محمد علی مرحوم کا انتقال لندن میں ہوا۔ جس طرح قومی چندے کے مصارف سے اُن کی بود و باش کا طریقہ تھا وہ اکثر متدین اور ہمدرد مسلمانوں کو پسند نہ تھا۔

اسلام کی سادہ اور پرخلوص زندگی کی ان سے جن مسلمانوں کو توقع تھی وہ پوری نہ ہوسکی۔ انھیں مسلمانوں کے جذبات کی یہ مختصر نظم ترجمان ہے۔ (صفی عفی عنہ)

بحر ہزج مثمن سالم ـــ ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

رہے شوکت علی کے چھوٹے بھائی زندگی بھر تم ـــ مرے لندن میں جب عقدہ کھلا ہم پر کہ کیا تم تھے
غنی عثمان سے تھے اور تم صدّیق سے صادق ـــ سیاست میں کہیں فاروقِ اعظم سے سوا تم تھے
جو کچھ بھی ہو علی کا مرتبہ عہدِ پیمبر میں ـــ مگر اس عہدِ انگریزی کے تو مشکل کشا تم تھے
بھلا بوذر کو کیا نسبت ابوذر اصل میں تم تھے ـــ کیا زر تم نے پیدا اس طرح کی کیمیا تم تھے
بلال اِک تھے موذن ہم نے مانا تم سے کیا نسبت ـــ کہ سارے ہند میں اللہ اکبر کی صدا تم تھے
تمھارا تذکرہ ہے آج تک چاروں مصلوں پر ـــ مصلی اِن مصلوں کے یہ کہتے ہیں خدا ہی تم تھے
تمھیں نے کر دیا زندہ گڑا مردہ خلافت کا ـــ مسیحائے زمانہ ابن مریم کے سوا ہی تم تھے
تمھیں لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ اُکے پاس پہونچایا ـــ کلیم اللہ سے پیغمبر کا پس ماندہ عصا تم تھے

محبت تھی تمھاری اس قدر اللہ صاحب کو
کہ پیروں سے کہا کرتا تھا محبوب خدا تم تھے

نظم نمبر ۶۱ سنہ ۳۲ ۱۹ء تعداد اشعار ۱۰۸

شامتِ الکشن

نوٹ سنہ ۳۱ ۱۹ء سنہ ۳۲ ۱۹ء کے زمانے میں لکھنؤ میونسپلٹی کے الکشن کی بڑی دھوم تھی ہر کس و ناکس مبلغ پچاس ؎ روپیہ ضمانت داخل کرکے ممبری کی امیدواری کے لیے کھڑا ہو جاتا تھا۔ چنانچہ چوک وارڈ سے بعض خوش طبع اور زندہ دل حضرات نے بعض شرفا کے مقابلے کے لیے رنڈیوں کو بھی ممبری کے واسطے اٹھا دیا تھا اور خاصی چہل پہل رہتی تھی۔

لہذا اس تنظیم میں فرضی ناموں کے ساتھ صحیح نقشہ ووٹروں اور ممبروں کا کھینچا گیا ہے اور وہ اس خوبی سے کہ جہاں جہاں بھی میونسپلٹی کا الکشن ہوتا ہے اسی طرح کے اتفاقات پیش آتے ہیں یہ نظم بھی ظریف مرحوم کا ایک بہترین شاہکار ہے اور مطبوع خلائق ہے۔ (صفی عفی عنہٗ)

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف۔ ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

واہ بی میونسپلٹی جان کیا کہنا ترا — تو چہیتی لیلیٰ کی، عاشق تیرا مجنوں کا چچا
اپنی خود داری کو کھو کر تجھ پہ جو شیدا ہوا — بیخودی میں یہ زبانِ حال سے کہتے سنا

بسکہ دیوانہ شدم عقل رسا در کار نیست
عاشقِ میونسپلٹی را حیا در کار نیست

تیرا خواہشمند ہر قیدِ لیاقت سے بری — جس کا جی چاہے لڑے اور لڑکے لے لے ممبری
عہدِ آزادی نے ایسی ڈال دی ہے ابتری — اب تو ہر تانیث اور تذکیر میں ہے ہمسری

تجھ کو کیا رنڈی ہے کوئی یا کہ رنڈی باز ہے
تیرا دروازہ کس و ناکس کے اوپر باز ہے

جمع کر دے قرض ہی لے کر ضمانت کے پچاس — دُور ہوتی جائے غیرت جب الکشن آئے پاس
ووٹروں کے ہاتھ جوڑے خوب ہو کر بدحواس — گڑگڑا کر ہر کس و ناکس سے ہو یہ التماس
رہن پرچے کے عوض عزت مری کر لیجیئے
اپنے بچوں کا تصدق ووٹ مجھ کو دیجیئے

سنیئے اک صاحب کا قصہ جب ہوئی شامت سوار — یہ ضمانت کر کے داخل بن گئے امیدوار
چھوڑا پیشہ ترک فرمایا جو کچھ تھا کاروبار — کچھ اثاث البیت بیچا کچھ لیا سودی ادھار
مضطرب رہتے تھے یہ نام آوری کے واسطے
گھر سے نکلے ووٹ لینے ممبری کے واسطے

سب سے پہلے ان کو جس ووٹر کے گھر جانا پڑا — شیخ بدھو نام تھا، اور تھا جلاہا قوم کا
دھوتی باندھے مرزئی پہنے تنا بیٹھا ہوا — اک سڑا مٹی کا حقہ پی رہا تھا کج ادا
جاتے ہی تسلیم کی جب اُس کو با صد احترام
مُنھ کو ٹیڑھا کر کے بولا "کو ہے بالیکم سلام"

بولے یہ پہلے نہ آیا میں ہوا اتنا قصور — شیخ بدھو آپ مجھ پر رحم فرمائیں حضور
آپ کو والد کہا کرتے تھے بھائی اَبسے دُور — میں بھتیجا آپ کا ہوں ووٹ لے لوں گا ضرور
بولے بدھو، "کا کہیو ہم کہکا کہکا بوٹ دے ای
بوٹ پہیئے او جو ترتے ہمکا دس کا بوٹ دے ای

سالا یہ مینا سپیٹی ہے نہ جانے کیا بلا — اور تم لمبر جو ہوئی جیہو تو ہمرا پھاندا
ہم کبھو تم کا نہ دیکھا اور نہ تمرے باپ کا — آوتے ہی آوت بنایو بن نہک ہم کا چچا
ہوئی گوا ہُسیار بڑھوا، تم چلے ہو چوٹ دے
کان پکڑا ہم نہ جاؤب اب کہو کا بوٹ دے

ہم بھی ٹریا پہ اک دن بیٹھ کے موتا جرا   کا کہی ہو، جھٹ دے چالان ہمرا ہوئی گوا
جب کوئی ممبر نہ آوا اور نہ پوچھس کا بھوا   ہم کچہری ما جھگڑے سے اُجر داری کیا
مُکدمّہ ما جھوٹا ہے صاحب ہم ہاں یہ بتوا نا نہیں
سچ کہی بینا سیٹی پر کبھو موتا نہیں

جب سرتے دار بولا لائے ہو کونو گواہ   ہم کہا سُسر اجاد روا کہس ہم کا تباہ
ہم جُلاہا آئے کہے اور آپ ٹھہرے بادشاہ   کون، کہہ کے سامنے موتے ہیں صاحب واہ واہ
ہنس کے کہہ دینیں مجھٹر سکیھ جی جاؤ بری
رہ گئی مُنھ بائے کے سب ممبرن کی ممبری

سُن لیہو ساری کتھا، دیہو کہنا ہیں یہ بتاؤ   ووٹ مانگے آئے ہو ہم سے تو ہم کا کچھ دلاؤ
کرچکن بکواس اب بھیّا نہ ہمرا موڑ کھاؤ   کہہ دیا بس کہہ دیا اب جاؤ چپتے گھر کا جاؤ
جو رکم تم سے کہا سب پیسگی لے لیب ہم
ووٹ دے موٹر پہ لے جیتو تو ہاں دے دیب ہم

جب میاں بدّھو کے تیور اس قدر دیکھے کڑے   دہنے بائیں دیکھ جھٹ قدموں پہ آگے گر پڑے
دل میں پچھتائے کہ آخر کیوں ہوئے تھے ہم کھڑے   کہیئے ایسے جاہلوں سے کیا کوئی کشتی لڑے
آبرو کے ساتھ دے کر پانچ راضی کر لیا
کامیابی پر ہوئے خوش تاؤ موچھوں پر دیا

آگے بڑھ کر ایک حضرت کا ہوا پھر سامنا   اُن سے جا کر اس طرح کی عرض با صد التجا
بندہ پرور ایک مذہب ہے ہمارا آپ کا   ووٹ دیجئے گا جو مجھ کو آپ خوش ہوگا خدا
ہیں مرے حلقے میں جو جو میرے مذہب کے خلاف
دیکھئے ممبر ذرا ہو لوں تو کر دوں سب کو صاف

مہتر اُن کے در پہ جھاڑو دینے آئے کیا مجال — اور سقا مشک سے نالی دھلائے کیا مجال
ٹیکس گھر والے کا اُن پر بند ہو نہ جائے کیا مجال — لے لیں بمبا گھر میں بے میٹر لگائے کیا مجال
ناچ نچنی کا انھیں اب میں نچاؤں گا حضور
دیکھیے کس کس طرح اُن کو ستاؤں گا حضور

خوش ہوئے سن کر جناب مولوی ہیکتبی — ہاتھ پھیرا ریش پر اور اس طرح تقریر کی
آپ اس کے اہل ہیں میری نظر میں واقعی — ذات سامی کو سمجھتا ہوں میں فخر ممبری
محترم میں وعدہ قبل از وقت کر سکتا نہیں
فرض ہے ایفائے وعدہ پھر مکر سکتا نہیں

اس میں اک اشکال شرعی اور بھی ہے کیا کہوں — میں اعانت آپ کی بالفرض قرطاسا کروں
رائے تو اپنی ہبہ کر دوں عوض کچھ بھی نہ لوں — کیوں بدل ضایع کروں کس واسطے مسرف بنوں
جانتا ہوں یہ کہ میری رائے ہے کتنی وقیع
مفت ضایع کیوں کروں جب میں نہیں ہوں مستطیع

حسب خواہش گر بدل مجھ کو عطا کر دیں جناب — کیا عجب پیش خدا ماجور بھی ہوں در ثواب
میں نے دکھلا دی حدود شرع میں راہ ثواب — میرے معروضات کو فرمائیے گر مستجاب
رائے دینے میں احقر کو تامل کچھ نہیں
خود کروں تعجیل حتماً پھر تساہل کچھ نہ ہو

رائے دے دوں گا عوض میں آپ کو خمسین کے — اتنے ہی ملتے ہیں مجھ کو وعظ کے تلقین کے
حضرت والا تو خود پابند ہیں آئین کے — اس سے کم دینا مرادف ہو مری توہین کے
ہاں یہ ممکن ہے کہ کچھ تقلیل فرما دیجیے
ہے یہ کار خیر اب تعجیل فرما دیجیے

مخلصِ احباب سے کیوں استتارہ کیجئے | راز پوشیدہ ہے کیوں آشکارہ کیجئے
سب سے اچھا ہے ذرا زحمت گوارہ کیجئے | لیجئے تسبیح مجھ سے استخارہ کیجئے

عرض کی ہے میں نے جو اُتنی رقم پر دیجئے
منع جب آئے تو پھر کچھ اس سے کم پر دیجئے

یہ نہایت کائیاں تھے دل میں بولے سوچ کے | شکل تو اچھی ہے پر زیبا نہیں میرے لیے
استخارہ میں کروں کیا آپ کے ہوتے ہوئے | کرتا ہوں نیت تو میں آپ استخارہ دیکھئے

نیت اُن کے دل میں تھی تسبیح اِن کے ہاتھ میں
چوہا اپنی گھات میں تھا، بلی اپنی گھات میں

منع آیا استخارہ چھوٹتے ہی پہلی بار | مولوی صاحب کے چہرے پہ ہوا کچھ انزجار
پھر جو دیکھا واجب آیا ہو گئے بے اختیار | پوچھا نیت کس قدر پہ کی تھی بہر خاکسار

بولے نیت دس پہ کی تھی لیجئے بندہ نواز
کامیابی کی دعا فرمائیے بعد از نماز

اس جگہ سے اُٹھ کے گھر پر ایک صاحب کے گئے | دس برس ناکام رہنے پر ہوئے تھے جو بی اے
ریلوے میں تھے ملازم خود بھی تھے چلتے ہوئے | آپ کی تنخواہ تو کم، ٹھاٹھ تھے لیکن بڑے

انگلش اسٹائل پہ رہنے کا جو اُن کو شوق تھا
بوٹ بیڑی پاؤں کی کالر گلے کا طوق تھا

پھوس کے چھپر میں رہتے تھے یہ اس شان سے | اور فرنیچر تو خارج اِن کے تھا امکان سے
ٹوٹی پھوٹی کرسیاں لے کر کسی دوکان سے | بیٹھتے تھے اُن پہ چھپر میں نہایت شان سے

نام اِک تختی پہ لکھ رکھا تھا یوں بہر وقار
مسٹر ابراہام۔ بی۔اے۔ ڈی ٹی، سی اِی آئی آر

دیکھ کر صورت کو ان کی اس طرح کہنے لگے   آئی ایم ویری بزی میک ہیسٹ جلدی بولیے[1]
پھر ادھر ٹہلے ادھر ٹہلے گھڑی کو دیکھ کے   اپنے کتے سے کہا۔ کم سون[2]، ان سے "گو اوے"[3]
پھر کہا یو آر کنڈیڈیٹ بٹ نو بولڈ ہیں[4]
تم کو اپنی ووٹ کیسے دیگا صاحب اولڈ مین[5]
چونکہ کنڈیڈیٹ انگریزی کبھی سمجھتے ہی نہ تھے   گڑگڑا کر اس طرح صاحب سے فرمانے لگے
یہ تو ممکن ہی نہیں ہے آپ پیدل جائیے   میں نے موٹر مانگ لی ہے آپ ہی کے واسطے
اور کیونکر اس طرح چلیے گا مجھ کو دینے ووٹ
کیجیے پاکٹ بک پہ تاریخ الکشن جلد نوٹ
بات انگریزی نما اردو میں یوں صاحب نے کی   ہم کہا انگلش میں تم سمجھا نہیں اردو ہی سہی
دیکھو اپنی ووٹ رکھنی مانگتا ہے ہم فری   کس کو دیگا پہلے بتلا نے نہیں سکتا کبھی
ہم ہستی قادر نہیں تم کو بنانے مانگتا
ڈیم پھر موٹر پہ ہم سکتا ہے کو جانا مانگتا
ہو کے یہ مایوس جب پلٹے وہاں سے منہ بنائے   دل میں کہتے تھے کہ ان کا ووٹ تو جاتا ہے ہائے
سال بھر پہلے پڑے دن میں جو ڈالی نے تو پائے   اب بجز اس کے کوئی صورت نہیں بنتی بنائے
فیس دے کر زمن اک بہرِ سفارش لاؤں گا
چل گیا چکمہ تو ان سے ووٹ پھر لے جاؤں گا

---

(1) I am very busy make haste (2) Come soon.
(3) Go away. (4) You are candidate but no-bold man. (5) Old man.

پھر بڑھے آگے یہاں سے ووٹ کے ارمان میں — گھس پڑے یہ ایک بزقصاب کی دوکان میں
نثر میں پڑھ کر قصیدہ پہلے اس کی شان میں — چاہتے تھے یہ کہیں کچھ شیخ جی کے کان میں

یوں کنوتی کو بدل کر شیخ صاحب نے کہا
سنیئے حجرت ہم لگی لپٹی نہیں رکھتے جرا

چودھری نے کل کہا تھا ہم سے اے بھیّا سکور — سیکھ منّے جس کو کہہ دیں بوٹ دے دینا جرور
پر مناہی کر گئے جب مولبی عبدل گفور — اپنے بھیجی کو بوٹ دے سکتے نہیں ہم تو مجبور

سنتے ہیں کراں میں بھر ما گئے تھے کھد رسول
دین کی جب بات ٹھہری دکھل دینا ہے بھجول

حاجی کتب اللدین بھی کہتے تھے سچی ہے یہ بات — گیر مجھب والے کو ممبر بنانا ہے ہیات
سیکھ جی مجھب تمہارا اور اُن کی اور جات — ہو گئے ممبر وہ کھدا جانے کریں کیا وارداتت

ہاں کوئی مجھب کا اپنے ہو تو اس کو بوٹ دو
جب مجھیں موکا ملے ایسوں کو بھیّا چوٹ دو

اُن کو بزقصاب نے جب دے دیا روکھا جواب — یہ اُٹھے دوکان سے مایوس با چشم پُر آب
اپنے ورکر سے کہا جا کر کہ سنیئے تو جناب — آپ ہی تدبیر اب کچھ کیجیئے اس کی شتاب

صرف کی پروا نہیں، جو ہو مناسب کیجیئے
شیخ جی کے ووٹ کو لیکن نہ جانے دیجیئے

دل میں ورکر خوش ہوئے کہنے لگے با صد سرور — اس طرف سے آپ بالکل مطمئن رہیے حضور
اور لوگوں سے زیادہ صرف تو ہوگا ضرور — تو سہی جب آپ ہی کو ووٹ دیں عبدالشکور

پیر لوٹن شاہ کی خدمت میں جاتا ہوں ابھی
حکم اُن کا شیخ جی کے پاس لاتا ہوں ابھی

پیر لوٹن شاہ تھے اک خاندانی تکیہ دار   آنکھ میں سرمہ کئی رتّی گلے میں چند ہار
ریشِ اقدس پان کے دھبّوں سے رشکِ لالہ زار   گیروا کرتا گلے میں ہاتھ میں اک پشت خار

زرد تہمد، پاؤں میں لکڑی کی اونچی سی کھڑاؤں
گھومتے پھرتے تھے یوہیں شہر اور گاؤں گاؤں

پہونچے ووٹر اُن کی خدمت میں بہ تعجیلِ تمام   دو روپے نذرانے کے دے کر کیا جھک کر سلام
عرض کی ہیں آپ تو حاجت روائے خاص و عام   شیخ جی کا ووٹ دلوا دیجیے بس ہے یہ کام

چونکہ حضرت کی ہیں بیعت میں میاں عبد الشکور
آپ فرما دیں اگر تو ووٹ دے دیں گے ضرور

آپ کی دعوت کا کل گھر پر کروں گا انتظام   شیخ جی کو بھی بلا لوں گا وہیں پر وقت شام
تذکرہ میں ووٹ کا چھیڑوں گا ما بینِ طعام   آپ اُن کو حکم دے دیں گے تو ہو جائے گا کام

بولے لوٹن شاہ بابا خوش رہو دعوت قبول
ہم فقیروں کی دعا سے ہوگا سب مطلب حصول

مختصر سے ابتدائی واقعے جو کچھ لکھے   کیا عجب کافی ہوں یہ پبلک کی عبرت کے لئے
اس طرح کے ووٹر اور ممبر ہوں جب اس قسم کے   کہیئے اس میونسپلٹی سے کیسے راحت ملے

ساکنانِ شہر اب ہشیار ہونا چاہیئے
ممبر اور ووٹر کا کچھ معیار ہونا چاہیئے

ختم بھی کر دو ظریف اب تم بیانِ ممبری   تا بہ کے آخر رہو گے قصّہ خوانِ ممبری
خواب سے چونکیں ذرا جب سرگرانِ ممبری   پھر سنا دینا اُنھیں تم داستانِ ممبری

اب سمندِ فکر کی باگ اور جانب موڑ دو
سُونے والے سو گئے قصّہ ادھورا چھوڑ دو

نظم نمبر ۶۲ — سنہ ۱۹۳۳ء — تعداد اشعار ۲۱

پیامِ اردو

نوٹ: سنہ ۱۹۳۲ء میں اعلیٰ حضرت سرکار نظام میر عثمان علی خاں بالقابہ خسروِ ملک دکن کا ورود لکھنؤ جیسے مرکز زبان اردو میں ہوا منتظمین نے مختلف ادارات کے معائنے کو پروگرام میں رکھا اور بعض پیشہ ور اہل کمال کو حضوری کا شرف حاصل کرنے کا موقع دیا مگر اردو کے اتنے جلیل القدر محسن کے روبرو یہاں کے باکمال ادیب و شعرا کو پیش نہیں کیا گیا جس کا قلق تمام ہمدردانِ اردو کو عموماً اور باکمال شعرا کو خصوصاً ہوا ظریف مرحوم نے اس واقعے سے متاثر ہو کر زبان اردو کی طرف سے ایک عرضداشت لکھی جس میں احوال واقعی پیش کیے گئے ہیں۔ (صفی عفی عنہ)

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف۔ ارکان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

خسروِ ملکِ دکن حضرتِ سرکار نظام — میر عثمان علی خاں ملکِ عرش مقام
عاشقِ آلِ نبیؐ ناصرِ دینِ اسلام — ملکہٗ خلدہٗ اللہ الیٰ یوم قیام
ثانیٔ شاہ جہاں رہبرِ راہِ اردو
حامیٔ اہلِ زباں پشت پناہِ اردو

لکھنؤ وہ جو کبھی مرکزِ اہلِ فن تھا — لکھنؤ جس کی زباں پر تھے سخن فہم فدا
یہ وہی شہر ہے ملکوں میں تھا جس کا شہرا — اب وہاں کچھ نہیں آثارِ قدیمہ کے سوا
آکے اردوئے معلّے وہیں پروان چڑھی
لکھنؤ وہ کہ جہاں تیغِ زبان سان چڑھی

کچھ کم و بیش ہوا ہوگا ابھی ایک ہی سال — کہ وہاں شاہ نے فرمایا نزولِ اجلال
جمع اس طرح سے تھے منتظمِ استقبال — کہ انھیں آیا نہ بھولے سے بھی اردو کا خیال
پیش جب تک ہو رہیں اہلِ زباں ہی ناکام
اس کمی کا ہے فقط منتظموں پر الزام

تھے کچھ اس قسم کے اشخاص دخیلِ دربار　　کہ جو اُردو کو سمجھتے ہیں فضول اور بے کار
"میر" کے نام سے ناراض "ولی" سے بیزار　　ملٹن اور شیکسپیر سے فقط ان کو سرکار
اُن کے نزدیک تو بس اہلِ زباں بھی ہے وہی
جا کے لندن کو جو ہو آئے اگر پی ایچ، ڈی

اہلِ مغرب کے مقلّد ہیں جو ابنائے وطن　　وضع دار ایسے کہ شرماتی ہے روحِ کرزن
واقعی بھول گئے اپنی زباں اپنا چلن　　"گارڈن" جب کہو تب جا کے وہ سمجھیں گلشن
تا ابد ایسے کنیری کو جو بلبل سمجھیں
جب اُنھیں "روز" بتاؤ تو کہیں گل سمجھیں

مُہتمم سب یہ مشاہیر کو پہچانتے تھے　　مصلحِ قوم بھی بے لوث بھی گردانتے تھے
سُنتے رہتے تھے کلام اور بہت مانتے تھے　　کون ہے لائقِ دربار اُسے جانتے تھے
پوچھتا تھا جنھیں وہ یاد اُنھیں آ نہ سکے
خدمتِ شاہ میں خود دار جو تھے جا نہ سکے

بانیِ جامعہ اے محسنِ دینِ اسلام　　میں نہ شاعر ہوں نہ منشی مجھے اس سے کیا کام
آج جب تہنیّتِ عام کا دیکھا ہنگام　　میں نے پہونچا دیا اردوے مُعلّیٰ کا پیام
آہ ازاں خضر کہ تا چشمۂ حیواں نہ رسد
"وائے بر جانِ سخن گر بہ سخن داں نہ رسد"

نظم نمبر ۶۳ — سنہ ۱۹۳۳ء — تعداد اشعار ۱۵

نویدِ مُراجعت

نوٹ۔ احمد حسن صاحب قریشی دہلی کے رہنے والے انجینیر جنھوں نے دہلی کے اکثر سرکاری عمارات تعمیر کرائے ہیں ظریف کے احباب میں ہیں۔ موصوف نے اپنے لڑکے کو انجینیری کی تعلیم کے لیئے ولایت بھیجا تھا اور اُن کی واپسی پر کامیابی کی مسرت میں احباب کی ایک دعوت کی گئی تھی جس میں یہ نظم پڑھی گئی تھی۔ میں بھی اس جلسے میں شریک تھا اور ایک نظم میں نے بھی پڑھی تھی۔ (صفی عفی عنہٗ)

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

مبارک ہو یہ دن احمد حسن صاحب قریشی کو — بہ خیر و عافیت نورِ نظر آرامِ جاں پلٹے
خدا کا شکر لندن سے ہوئے آنرز بی۔ ایس سی — سول انجینیری کے امتحاں میں کامراں پلٹے
وطن میں جس طرح پر کامیاب اختر حسین آئے — یونہیں اسلام کا ہر نونہالِ بوستاں پلٹے
اُسی سے قوم کی آئندہ وابستہ ہیں امیدیں — جو ضبطِ نفس کا لندن سے دے کر امتحاں پلٹے
وطن کے طالبِ علم اس طرح گر کامیاب آئیں — عجب کیا کچھ دنوں میں قسمتِ ہندوستاں پلٹے
ہمیں تو واقعی اظہار میں بھی شرم آتی ہے — کہ جس صورت سے لندن جا کے اکثر نوجواں پلٹے
سمندر میں ڈبو کر اپنی وضعِ خاندانی کو — فقط لے دے کے سوٹ اور بوٹ کالر ٹائیاں پلٹے
وطن میں آ کے انگلش سنیاسی ہو گئے فوراً — مہاشے جا کے کاشی جی کے لندن سے جہاں پلٹے
پہونچ کر میکدے میں حسنِ اخلاق اپنا کھو آئے — بہت سے بادۂ نخوت میں ایسے سرگراں پلٹے
غرض جن کی نہ تھی تحصیلِ علم و فضل یورپ میں — وہ خالی بن کے جنٹلمین لے کر لیڈیاں پلٹے
لگا دی آم کی جا کر قلم گملے میں یورپ کے — گلستانِ وطن کے یوں اناڑی باغباں پلٹے

بنے مہدی سے سوڈی، رام بل سے ہو گئے ریمل
قلابازی کچھ ایسی کھا گئے، نام و نشاں پلٹے

غددوں کو بدلوا کر وہ بندر بن گئے قلمی
جناب ڈارون کے جب پرانے قلمداں پلٹے

گزارا منچلوں نے سینما میں وقتِ تعلیمی
سند کی جا پہ لے کر چند تصویرِ بتاں پلٹے

ظرافت المختصر یہ ہے کہ ان کو کیا کہے کوئی
جو خود بیوی کی صورت بن کے لندن سے میاں پلٹے

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۶۴ — جنوری سنہ ۱۹۳۳ء — تعداد اشعار ۲۵

شاعر کی "سُوسُو" یا عرضِ حال

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

اخترِ برجِ شرف منبعِ جود و احساں — میرے رزّاقِ مجازی، میرے آقائے زماں
آپ کے لطف و عنایت سے جو کچھ پاتا ہوں — ہو گئے تین مہینے کہ وہی کھاتا ہوں
خوانِ نعمت سے جو ہوتا ہے آلش روز عطا — سچ تو یہ ہے کبھی کھانا نہیں ایسا کھایا
پھیکے سیٹھے کا میں عادی تھا ہمیشہ سرکار — چٹپٹی ایسی غذا پائی جو میں نے اک بار
کہ جسے کھا کے اچھلنے لگے بندر بن جائے — نتھنے بہنے لگیں مُنہ لال چقندر بن جائے
کردے پیدا تپش ایسی دلِ بیتاب میں وہ — چکھ لے مردہ تو اُچکنے لگے سرداب میں وہ
شوربا سونگھ لے گر سانپ تو یوں ہی رہ جائے — ڈنک پر ڈال دو بچھو کے تو گل کر بہہ جائے
صورتِ عقربِ جرّارہ ہے ٹکیا کا کباب — دال ہے جیسے جوا مرچ کا خالص تیزاب
قیمہ اور ساگ اگر کھائے تو ہو کر بیتاب — سسکیاں لینے لگے اور خطا ہو پیشاب
مرچیں ہوتی ہیں جو کچھ حد سے سوا کھانے میں — مُفت خوری کی سزا پاتا ہوں پاخانے میں
کربلا ہیں اُسے کھا کر میں عبث ہوں بے چین — خود بخود اشک تو بہتے ہیں بلا ذکرِ حسینؑ
مُنصرم بخت کے جب تک ہی مسٹر محمود — پیٹ بھرتا تھا بہر طور غنیمت تھا وجود
حیدر آباد کی ہے مہتمم دستر خوان — اب تو مرچوں ہی کے قبضے میں ہے انسان کی جان
کیا عجب مرچ کا خشکے میں دیا جائے پساؤ — عید کے روز پکایا گیا جب مرچ پلاؤ
ایسے شوقین جو مل جائیں گے کھانے والے — کھیر میں مرچ ملا دیں گے پکانے والے

ہم سفر اور تو برسوں سے ہیں اس کے عادی
تو گرفتار نہ کس طرح سے ہو فریادی

اس قدر مرچ کی عادت مجھے سرکار نہیں
میں نمکخوار ہوں مرچوں سے سروکار نہیں

عرض کرنے یہ ہوں اس وجہ سے مجبور حضور
اندھا حافظ مجھے بننا نہیں منظور حضور

کھانا جب کھانے لگوں سورۂ رحمٰن پڑھوں
قل ہو اللہ پڑھیں آنتیں میں قرآن پڑھوں

ایک تو یوں ہی بصارت سے نہایت کمزور
مرچیں کھاتا رہا گر اور تو ہو جائے گی بھور

کچھ دنوں اور جو ملتی رہی اس طرح غذا
کیا عجب مرچ کی تاثیر سے بن کر طوطا

ہو زباں لال اگر کوئی کہے کچھ بولو
یا تو ٹیں ٹیں کروں یا کہہ دوں بنی جی بھیجو

مرچ ٹھنڈا کئے دیتی ہے قضا آتی ہے
"سوسو" کرتا ہوں تو سردی کو حیا آتی ہے

روکھی کھا لوں گا مُرغّن سے مرا استعفیٰ
صرف روٹی ملے سالن سے مرا استعفیٰ

آپ کا خادمِ دیرینہ نمک خوارِ ضعیف
مدتوں نان و نمک خوردۂ سرکار ظریف

نوٹ۔ ۱۹۳۳ء میں جب آخر بار ظریف مرحوم نواب نرہئی کے ہمراہ کربلا گئے تھے تو وہیں یہ چٹپٹی نظم کہہ کر نواب صاحب موصوف کی خدمت میں پیش کی تھی۔ واقعات مندرجۂ نظم سے ظاہر ہے کہ ایک بابا کھانے میں سرخ مرچ زیادہ ڈالتی تھی جس کا ذکر بہت دلچسپ عنوان سے کیا گیا ہے۔ (صفی عفی عنہ)

۱۳۵۲

نظم نمبر ۶۵ — سنہ ۱۹۳۳ء — تعداد اشعار ۲۴

عرضِ مقبول

نوٹ ۔ مرحوم نے یہ عرض داشت روضۂ سید الشہدا میں پیش کی تھی جب سنہ ۱۹۳۳ء میں سفر عراق کیا تھا چنانچہ اس کی حیرت انگیز مقبولیت اس سے ظاہر ہے کہ بعد واپسی وہ سرکار محمود آباد میں ملازم ہو گئے اور حضور پر نور راجہ صاحب بہادر محمود آباد نے کل زر قرضہ ادا فرما کے ۶۰۰ اخانے کو سبکدوش کر دیا۔ (صفی عفی عنہ)

بحر مجتث مخبون مقصور یا محذوف — ارکان مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

حسین ابن علیؑ اے کریم ابنِ کریم
خدا گواہ کہ تو ہے مرادِ ذبحِ عظیم

گلِ ریاضِ نبی فخرِ آلِ ابراہیم
شہید راہِ خدا سب کا واجب التعظیم

خود اپنا وعدۂ طفلی نباہنے والا
نبیؐ کی اُمّتِ عاصی کا چاہنے والا

ذبیحِ خنجرِ ظلم و شہیدِ کرب و بلا
نہ تجھ سا تھا کوئی پہلے نہ ہے نہ اب ہوگا

ترے کرم کا ہے شہرہ جہان میں مولا
کہ جس نے سر بھی دیا راہِ حق میں گھر بھی دیا

نہ لا زبان سے نکلا تری شہِ ذی جاہ
مگر یہ "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه"

وہی تو ہے تری ذات اے امیر ابنِ امیر
پھرا نہ در سے کبھی جس کے نا امید فقیر

تری نگاہ میں نعماتِ دنیوی تھے حقیر
خدا کی راہ میں دی جان تو نے بے تاخیر

نبیؐ کو علم ہے بعد از خدا کہ کیا تو ہے
نجاتِ اُمّتِ عاصی کا آسرا تو ہے

ترے سبب سے ہے باقی امام ابنِ امام — جہان میں ترے جدِ بزرگوار کا نام
تری شہادتِ عظمیٰ نے دی حیاتِ دوام — ترے سبب سے حقیقت میں بچ گیا اسلام
تجھی سے قدرتِ صبر و رضا ہوئی ظاہر
ترے لباس میں شانِ خدا ہوئی ظاہر

یہ جانتا ہوں کہ بے حد گناہگار ہوں میں — خطائیں بخش دے آقا کہ شرمسار ہوں میں
رحیم کے درِ دولت پہ اشکبار ہوں میں — تجھی سے عفوِ جرائم کا خواستگار ہوں میں
مدد کا وقت ہے اے شاہِ مشرقین بچا
پناہ دے مری عزت کو یا حسینؑ بچا

کیا ہے مجھ کو زمانے نے اس طرح مجبور — گرو مکاں ہو نہیں فکِ رہن کا مقدور
بتا تو دے مرے مولا مرے امامِ غیور — کریں محب کی شماتت عدو یہ ہے منظور
بلائے قرض سے از حد ہراس ہے مجھ کو
فقط ترے درِ دولت کی آس ہے مجھ کو

یہ آخری مری تدبیر ہے مرے مولا — کہ عرض تجھ سے کروں آکے دردِ دل اپنا
خدا نے کی ہے حیاتِ دوام تجھ کو عطا — جو میں کہوں نہ سنے تو یہ ہو نہیں سکتا
محال صبر ہے شاہا ترے گدا کے لئے
دکھا دے معجزہ معجز نما خدا کے لئے

مرے امامِ غریب الوطن کے قدرشناس — وطن کو چھوڑ کے اب تو پہنچ گیا ترے پاس
خدا کے واسطے آقا نہ کر مجھے بے آس — بحقِ خونِ علمدار حضرتِ عباسؑ
خدا سے کہہ دے کہ پوری ہو آرزو میری
بچا لے اپنا عزا خانہ آبرو میری

نظم نمبر ۶۶ — ۲۷ر اگست سنہ ۱۹۳۳ء — تعداد اشعار ۹

اسمبلی کی بم چخ

نوٹ۔ سرحدی قبیلہ والوں نے ایک بار کچھ شورش کی تھی تو اُن کی سرکوبی کے لئے کچھ فوج بھیجی گئی اس نے باقتضائے حالات موقع وہاں بم برسائے جس میں تقریباً پندرہ ہزار صرف ہوئے۔ اُس پر اسمبلی میں سوالات ہوئے اُسی کا ذکر اس نظم میں ہے۔ (صفی عفی عنہ)

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور یا محذوف — ارکان مفعولُ فاعلاتُ مفاعیلُ فاعلات یا فاعلن

بم پر اسمبلی میں ہوئے جس قدر سوال — وہ سب فضول محض تھے بے کار ہی نہیں
افواجِ ہند کے ہے یہ سردار کا بیاں — اس میں مجالِ حجت و تکرار ہی نہیں
ہندوستان تیری حفاظت کے واسطے — جو بم پہ صرف ہو وہ گراں بار ہی نہیں
زخمی ہوا بس ایک اُٹھے پندرہ ہزار — جزدی رقم یہ لائقِ اظہار ہی نہیں
سرحد پہ بم گرے جو ہوائی جہاز سے — جنگ و جدل سے ان کو سروکار ہی نہیں
بم بے ضرر سی چیز ہے آلاتِ حرب میں — سچ پوچھئے تو یہ کوئی ہتھیار ہی نہیں
نوّے گرائے جائیں تو زخمی ہو ایک شخص — مثل اس کے کوئی چیز کم آزار ہی نہیں
مجمع پہ پھینک دو جو بلندی سے اک چہار — دو چار لوٹ جائیں یہ دشوار ہی نہیں
ڈھیلے سے بھی تو بم میں ضرر کم ہے اے ظریف
اس واقعے سے اب ہمیں انکار ہی نہیں

نظم نمبر ۶۷ ۱۵ر جنوری ۱۹۳۴ء تعداد اشعار ۸

زلزلۂ بہار

نوٹ - ۱۵ر جنوری ۱۹۳۴ء کو ہندوستان کے بعض حصوں میں خصوصاً صوبۂ بہار میں بہت سخت زلزلہ آیا جس کی وجہ سے بہت کچھ جان و مال کا نقصان ہوا لیکن ہندوستانی متاثر نہ ہوئے اور جس طرح سینما میں وہ مس سلوچنا اور یہودی کی لڑکی کا تماشا دیکھا کرتے تھے اسی طرح بدستور اس زلزلے میں بھی دیکھتے رہے جب ویسرائے ہند نے غریبوں کی امداد کے لیے اپیل شایع کی اُس وقت ہندوستانی امداد کے لیے کچھ متوجہ ہوئے اسی بے حسی کا دکھڑا اس نظم میں ہے - فاعتبروا یا اولی الابصار - (صفی عفی عنہ)

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور یا محذوف
ارکان مفعولُ فاعلاتُ مفاعیلُ فاعلات یا فاعلن

گو زلزلے سے مٹ گیا صوبہ بہار کا
اور پانیر میں روز خبر دیکھتے رہے

ہر شام کو گئے سنما دیکھنے ضرور
دل بستگی سے تا بہ سحر دیکھتے رہے

کتنے ہوئے شکارِ اجل اُن کو کیا غرض
جو مس سلوچنا کی نظر دیکھتے رہے

کس لطف سے یہودی کی لڑکی کے پارٹ کو
ہندوستان کے اہلِ نظر دیکھتے رہے

اُن کو فراقِ یار سے فرصت کہاں ملی
ہجراں نصیب خوابِ سحر دیکھتے رہے

جب تک نہ وائسرائے کی شایع ہوئی اپیل
منعم سب اپنا کیسۂ زر دیکھتے رہے

امداد دیکھی آہ تماشے پہ منحصر
ہم خیر میں بھی پہلوِ شر دیکھتے رہے

دل ٹس سے مس ہوا نہ کسی کا بھی اے ظریفؔ
دنیا تمام زیر و زبر دیکھتے رہے

نظم نمبر ۶۸ سنہ ۱۹۳۴ء تعداد اشعار ۲۲۷

شعر آشوب

نوٹ: قصبہ سلون ضلع رائے بریلی میں ایک مشاعرہ منعقد ہوا تھا جس میں لکھنؤ وغیرہ سے ایک خاصی تعداد شعرا کی باہتمام امین صاحب سلونوی شرکت مشاعرہ کے لیے گئی تھی ظریف مرحوم خود اس میں نہ جا سکے تھے لیکن اور شعرا کی واپسی پر جو حالات وہاں کے معلوم ہوئے ان سے متأثر ہو کر اور اپنے تجربے اور تخیل کی مدد سے زمانۂ حال کی شاعروں اور شعرا و اہلِ ذوق کی زندگی کا صحیح خاکہ اس میں اتارا گیا ہے۔ یہ نظم ظریف مرحوم کا بہترین اور بے مثل کارنامہ ہے۔ مختلف مشاعروں اور صحبتوں میں نظم پڑھوائی گئی اور بے حد مقبول ہوئی۔ (صفی عفی عنہ)

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

ناموافق ہے مجھے آب و ہوائے شاعری — میں کروں کس طرح آخر ادعائے شاعری
زیب دیتی ہی نہیں مجھ پر قبائے شاعری — فیضِ صحبت سے فقط ہوں مبتلائے شاعری
آپ لوگوں کے چمن کا سبزۂ بے گانہ ہوں
مجھ پہ ہنستے ہیں ظریف اکثر یہی دیوانہ ہوں

تجھ میں اے ہندوستاں کچھ آج کل حد سے سوا — چار سو پھیلی ہوئی ہے شاعری کی اک وبا
اس مرض میں اب تو اسی فی صدی ہیں مبتلا — مستند شاعر ہے جس نے اک تخلص رکھ لیا
شاعری گو عہدِ ماضی میں تھی پایانِ علوم
اب تخلص میں سمٹ کر آ گئی جانِ علوم

چونک کب تک خوابِ غفلت میں رہے گی آنکھ بند　　یہ تغیّر دیدۂ عبرت سے دیکھ اے ہوش مند
تھی بنائے قومیّت شاعر کی تخئیلِ بلند　　قوم اب شاعر بنا لیتی ہے خود حسبِ پسند
در حقیقت یہ فنائے قوم کے آثار ہیں
قوم میں جب سب کے سب شاعر ہوں جو بے کار ہیں

شاعری کا خبط ہر طبعِ جنوں تخمیر میں　　قید چند الفاظِ نامربوط اک زنجیر میں
کیجیے جزوی تغیّر شعرِ عالمگیر میں　　آج کل شاعر نظر آئے گا اِس تصویر میں
آنچہ پرجستیم دیدم کم کہ بسیار است و نیست
نیست جز شاعر دریں عالم کہ بسیار است و نیست

شکوۂ تعلیم اے ہندوستاں بے کار ہے　　تو عرب کی جاہلیّت کا علمبردار ہے
تھا زباں سے عشق اُس کو تو مگر بیزار ہے　　شاعری کا تجھ میں ہر نااہل دعوے دار ہے
تیری اُردو نے زمانے بھر کی بازی مات کی
شاعر اسّی فی صدی، تعلیم سو میں سات کی

اے عجائب خانۂ ہستی کی جنسِ بے بہا　　عہدِ موجودہ کے شاعر واہ کیا کہنا ترا
تیری کثرت ہر جگہ مردم شماری سے سوا　　تو فرشتہ ہے بشر کی شکل میں اِس عہد کا
تجھ کو کھانے سے نہ کچھ مطلب نہ کچھ پینے سے کام
شعر کہہ کر سنانے اور فقط جینے سے کام

ہے بہت تکلیف دہ شاعر کی وہ جنسِ عجیب　　جو سنانے کے لیے بیچین رہتا ہو غریب
اس کو اچھا کر نہیں سکتا کوئی کامل طبیب　　شاعری کی جس کو بدہضمی ہو ہیضہ کے قریب
چاہتا ہے سب سنا دوں جو کہوں اک سال میں
مبتلا ہے شاعری کے سخت تر اسہال میں

جو کہا ہو خود سنا بے فائدہ ڈرتا ہے تو | اس لباسِ عاریت پہ فخر کیوں کرتا ہے تو
زیب جو تجھ کو نہ دے وہ روپ کیوں بھرتا ہے تو | اے حریصِ شاعری کیوں نام پہ مرتا ہے تو

تیرے منہ سے جب سُنا جائے کلامِ غیر صاف
پھر تو ہے بزمِ سخن میں تو فقط فونوگراف

ربطِ الفاظ و معانی میں اگر باہم نہیں | قائل ایسی شاعری کے بندہ پرور ہم نہیں
عہدِ ماضی سے حقیقی شاعر اب بھی کم نہیں | قدردانی کا مگر افسوس وہ عالم نہیں

جب یہ حالت ہے کرے کیوں علم و فن حاصل کوئی
محض تک بندی کی جانب کیوں نہ ہو مائل کوئی

نظم کر لیتا ہے سب کچھ اتنی آسانی کے ساتھ | جس طرح بہتے ہیں تنکے تیز رو پانی کے ساتھ
اور سب منہ دیکھتے ہیں تیرا حیرانی کے ساتھ | شاعری کی کوک ہے تجھ میں سخن دانی کے ساتھ

ہند میں تو عالمِ ایجاد کی ہے وہ مشین
ہر منٹ میں ڈھال دے جو شعر دو دو تین تین

تجھ کو کچھ معنی سے مطلب ہے نہ کچھ حاصل سے کام | ہے فقط اپنی غزل خوانی سے اور محفل سے کام
جب کہ تو لیتا نہیں اپنے دماغ و دل سے کام | سہل سے ہے تجھ کو مطلب اور کیا مشکل سے کام

شعر کا دامن فقط لفظوں سے بھر دیتا ہے تو
آ گیا جو دل میں تیرے نظم کر دیتا ہے تو

طرح کا مصرع نہیں بجلی کی ہے اک بیڑی | جڑ دی شاعر میں جہاں اُس نے غزل اک ڈھال دی
دعوتِ شعر و سخن اب دل لگی ہے دل لگی | سال میں جتنے ہیں دن تعداد اُن سے بڑھ گئی

جس جگہ شرکت نہ کی جائے وہی آزردہ ہے
سب کو خوش کرتا پھرے شاعر ہی کا دل گردہ ہے

سب کو قلت وقت کی تجھ کو فراوانی ملی — سنگ کو انسان کی شکلِ ہیولانی ملی
کسبِ زر کے لیے تجھ کو غزل خوانی ملی — مفت کی بیگار کرنے کو سخن دانی ملی

ہر ضرورت تیری اک جھوٹا بہانہ بن گئی
معذرت تک آہ عذرِ شاعرانہ بن گئی

کچھ صعوباتِ سفر ہوتے نہیں مانع تجھے — صحبتِ شعر و سخن میں فرض ہے جانا تجھے
کام شب بھر جاگنا مصرع کا دہرانا تجھے — ہر غزل کی داد دینا اور چلانا تجھے

تیری شرکت لازمی ہر شہر میں ہر گاؤں میں
سر میں سودائے سخن ہے اور سنیچر پاؤں میں

منعقد دیہات میں ہوتی ہے جب بزمِ سخن — اور بلائے جاتے ہیں اطراف سے کچھ اہلِ فن
جب سواری سے اترتے ہیں اسیرانِ محن — اُن کا استقبال یوں کرتے ہیں اہلِ انجمن

پہلے قربانی کے بکرے کی طرح گردن میں ہار
اُن کے پڑتے ہیں جو ہوں شعر و سخن کے جاں نثار

پھر اقامت گاہ کی جانب بصد جاہ و جلال — بڑھتا ہے آہستہ آہستہ گروہِ باکمال
گرد مجمع طالبانِ دید کا خوش اور نہال — کچھ جواں کچھ بوڑھے کچھ بچے بھی ان میں خردسال

آگے آگے ڈھول تاشے پیچھے دہقانی گنوار
داہنے بائیں گل آفشاں پھلجھڑی اور کچھ انار

بعض اس مجمع میں سنجیدہ ہیں بعضے بانگڑو — دیکھ کر ان سب کو کرتے ہیں یہ باہم گفتگو
کاہے ہو بھیا بساؤں، تم کا بتلائیں کوؤ؟ — جن کی نٹئی ماں پڑے ہیں ہار سب شاعر ہیں یہ

کالبلیا اور سر ننگیا لوگ اِن کے ساتھ ہیں
پھر گنس گنتی ہیں تجل یہ سب تو کھالی ہاتھ ہیں

کیسے کا کیوں لگا غزل

سو کھ گاں آئن رہے اب ہم نہ دیا کھب یہ برات
بن پتریا کے بھلائے پھل بہو کونو ہے بات

یو تو اپنی سیر کھانی گاں گنوئی ہیں ساری رات
ہم مکھت کا ہے کا جاگی موڑ سے ہمرا برات

یوں اگر پچھیں تو ان سب کا انیسلا ناچ ہوئی
مسہراماں ناچیں گے بے پتریا پھس پھسیلا ناچ ہوئی

ان میں دیہاتی بھی اک شاعر تھے علامہ فہیم
نام نامی آپ کا تھا مولوی عبد الکریم

گو زمینداری کے بک جانے سے تھی حالت سقیم
تھی طبیعت پرسکوں اس سے کہ کھاتے تھے افیم

آپ جب مکتب میں پڑھتے تھے جب ہی سے شوق تھا
بیت بازی شاعری دونوں سے ان کو ذوق تھا

سر پہ پٹے کان کی لو تک پریشاں سر بسر
اک دو پلی ٹوپی اونچی سی پرانی زیب سر

ٹانگ میں بردار پاجامہ انگرکھا جسم پر
کھچڑی ڈاڑھی بیچ سے آدھی اِدھر آدھی اُدھر

ہاتھ میں ڈنڈا ، نری کا اک چڑھواں پاؤں میں
آپ رہتے تھے وہیں اجڑے ہوئے اک گاؤں میں

تھے رسپشن کی کمیٹی کے یہی روح رواں
بہر استقبال یہ تشریف لائے تھے وہاں

آپ ہر شاعر سے مل مل کر یہ کرتے تھے بیاں
شاعران نکتہ پرور میں بھی ہوا ہل نباں

تین سو غزلیں لکھیں ہیں نئے مضامینوں کے ساتھ
انشاء اللہ آج سنیئے گا سخن بینوں کے ساتھ

یوں تو اس قصبے میں کہنے کو بہت استاد ہیں
آپ لوگوں کی دعا ، مجھ سے کم استعداد ہیں

میری غزلیں لکڑوں کو رنڈیوں کو یاد ہیں
میں کہوں کیا آپ سے جب آپ سب نقاد ہیں

یہ ذرا واقف نہیں دہقانیانِ بے کمال
ہم سے پوچھیں تو بتا دیں ان کو شعراؤں کا حال

یہ ہیں از قسمِ مویشی شکل انسانوں کی ہے　　آپ فرمائیں یہی توقیر مہمانوں کی ہے
رنڈیوں سے بھی جو کم عزت سخن دانوں کی ہے　　حضرتِ والا کمی اتنی قدر دانوں کی ہے

ہائے شعراؤں کو جانیں کیا تبادن اور ہری
قدرِ گوہر شاہ داند یا بداند جوہری

دیکھ تیری قدر یوں کرتے ہیں تیرے قدرداں　　کوئی میلا ہو کہیں پر یا نمائش یا نہاں
جس میں سرکس بھی ہو دنگل میں لڑیں کچھ پہلوان　　یاد کر لیتے ہیں بھولے سے تجھے بھی مہرباں

دیتے ہیں لالچ میڈل کا تیری عزت کے لیئے
تھرڈ کا تجھ کو ٹکٹ ملتا ہے شرکت کے لیئے

وہ بھی جب کافی ضمانت ہو کہ شاعر آئے گا　　یہ کرایہ تو کہیں لے کر نہیں کھا جائے گا
ایک بھرتی کرنے والا خود ٹکٹ دلوائے گا　　اپنی ہمراہی میں تجھ کو ریل پر بٹھلائے گا

پڑھ نہ لے جب تک غزل ہوتی رہے گی دیکھ بھال
بعد اس کے ایک دوڑادر شاعر کا مآل

یہ بھی ہے شاعر کے ذمے اک ضروری اور کام　　جب غزل پڑھنے شریکِ بزم ہو یہ نیک نام
اپنے جوتوں کا کرے اپنی بغل میں انتظام　　ورنہ ننگے پیر گھر آنا پڑے گا والسلام

بزم میں کچھ قدرداں اس قسم کے آجائیں گے
چھانٹ کر اکثر نئے جوتے چرالے جائیں گے

تیری پابی دیکھنے کو جمع ہوتے ہیں عوام　　گرد تیرے طائفے کے اک گنوردل اژدحام
وہ غزل پڑھنا خوش الحانی سے تیرا رقتِ تمام　　واہ واہ کا شور پھر جھک جھک کے وہ تیرے سلام

جمع ہوتی ہے تجھے ساری خدائی دیکھنے
طرح کے مصرع کے دانے پر لڑائی دیکھنے

اس طرح تعریف کرتے ہیں تری اکثر گنوار — کاہے رگھو نندن کبھوں دیکھے رہیو ایسی بہار
یو بڑا ساعر پڑھے آدا ہے کو نو جور دار — اس پڑھے ماں لام باندھیس مچ گئی کو اگھار

جون بریا پڑ دھس بانکی گجل جھلائے کے
کو جھومے لاگ کو وُرہ گو اُمنھ بائے کے

یاک بریا اور ہم دیا کھاہے کر باندھان — جب گئین کمپو ماں جلسین ہوئی جکا گنگا نہان
کانگرس کا ایک بلم ٹیریہ گئیں بکھان — آل انڈیا مسہرا ہوئی ہے جہیں دیا کھے کسان

اس سماں دیا کھا کہی کا تم تے ہم بھیا کہ آر
یاک بولا سب منیں بچیاں جب بولیں سیار

اک کبڑیا سن کے یوں کرنے لگا اظہار را — یہ تو ساعر تھا پھسڈی اور بڑھیا کوئی آئے (رائے، بڑھیا)
جو گجل میں جلف کا ماسوک کی بکھیا دکھائے — ہم سے سوکھینوں کے دل پر کچھ رعاب اپنا جمائے (غزل، زلف، رعب)

ڈانٹ سکے للکار کے ہر ایک مے مجھل میں پڑھے (معشوق، نقشہ، شوقینوں، محفل)
جو گجل مو کے یہ کہہ ڈالے مکابل میں پڑھے

بھائیو نو کار ساعر اس میں ہو چاہے کرتج — راگ میں اور راگنی میں چاہیئے اس کو تمیج (غزل، موقع، مقابل، تمیز)
جو کھیتی اور بڑھیتی جانتا ہو دونوں چیج — آج کل تے مجھل میں ہوتا ہے وہی ہر دل اجیج (گریز، محفل، عزیز)

آسک و ماسوک کی بکھو دبھی ادا دکھلائے جو
چوٹ دل پر دے سکے سب تے مجھل کو بس کر لائے جو (عاشق، معشوق، خود)

بھائی مولا بکس جب بستی میں ہم آباد ہیں — اس جگہ ساعر بڑے بڑھیا ہیں مادرجاد ہیں (محفل)
ان سبھوں میں یکہ بدلا اک جگت استاد ہیں — ان کو ہر سوک کی گجلیں منھ جبانی یاد ہیں

جس جگہ استاد نے دو تین گجلیں جھاڑ دیں
ساعروں نے ہو کے سرمندہ بیاجیں پھاڑ دیں

نام تو ہے سکھ بدلو اور تخلّص ہے بدل کیا کہیں اللہ کا ہے اُن کے اوپر کیا پھجل
کا پھیے ایسے ملاتے ہیں وہ بڑھیا اور ڈبل ایک گھنٹے میں کہو سو سیر کی کہہ دیں گجل

بھور کر دیں وہ کہیں پڑھنے جو بیٹھیں سام سے
کانپتے ہیں اور ساعر لوگ ان کے نام سے

یہ نمائس میں ابھی دیوے گئے تھے پار سال ایک ہٹا کا نی گجل ایسی سُنائی بے مثال
حاکم اور تے سیل دار ایسے ہوئے سُن کے نہال دے دیا تمگا انھیں سونے کا جھٹ بے قیل و کال

اور جو ساعر نمائس میں گئے پھس ہو گئے
بس حکمت اُستاد بدلو گول ڈلس ہو گئے

پیسے والوں کی سمجھ میں آ گئی ہے اب یہی بات صرف بے جا ناچ گانے کا ہے بالکل واہیات
جب کوئی جلسہ خوشی کا ہو کہیں پر ہو برات منعقد بزم سخن ہوتی ہے تا کٹ جائے رات

پہلے ارباب نشاط آتے تھے گانے کے لئے
اب تو شاعر جاتے ہیں غزل سُنانے کے لیے

گو کہ شاعر اور مُغنّی میں تھا فطری ساز باز پر جُدا رکھتا تھا ان دونوں کو فنّی امتیاز
تھا گلے پر اس کو اور اُس کو زباں پر اپنی ناز محفلیں دونوں الگ تھیں اور جدا گانہ تھے ساز

تھا جہاں نغمہ محل باتیں بنانے کا نہ تھا
بزم شعر و شاعری میں دخل گانے کا نہ تھا

تھا غزل معشوق سے کچھ درد دل کہنے کا نام سادگی الفاظ کی حُسن ادا کا اہتمام
وارداتِ قلب کی صورت گری کا التزام اتنا ہی اس صنف میں تھا صرف اک شاعر کا کام

نالۂ دل کے لئے نے کی ضرورت ہی نہ تھی
عشق کی فریاد کو لے کی ضرورت ہی نہ تھی

کرتا تھا جذبات کی لفظوں سے یوں صورت گری   جس کی کر سکتا نہ تھا کوئی مصوّر ہمسری
نغمہ سنجی کی مدد سے فکر تھی جس کی بری   اب اُسی کی شعر خوانی میں ہے رنگ ابتری
یہ نمک پاشی ہے اے بے درد دل کے گھاؤ میں
شاعری صورت دکھائے ارتھ میں اور بھاؤ میں
یاد آیا ہے کہ شاعر کو زباں پر ناز تھا   قوتِ تخئیل ہی سرمایۂ اعزاز تھا
لفظ ہی میں سوز تھا اور لفظ ہی میں ساز تھا   نغمۂ شاعر کا روح القدس ہم آواز تھا
اب اگر قابو ہو اُن پر تو ملے شاعر کو داد
سُر، رِکھب، گندھار، مدھم، پنچم، اور دھیوت، نِکھاد
جب سخن سنجوں میں کثرت ہو انھیں اصحاب کی   محض نغمے ہی کو جو سمجھیں کمالِ شاعری
قلب پر جن کے اثر کرتی ہو تان اور گٹکری   سوز سے ناآشنا دل دادۂ خنیاگری
رہتے ہیں بے چین جو لَے کے لیے دُھن کے لیے
بھیرویں بے وقت کی ہے اب غزل اُن کے لیے
مِٹ گیا تانیث اور تذکیر کا جب امتیاز   اب نہ داڑھی ہے نہ مونچھیں اور نہ وہ زلفِ دراز
رفتہ رفتہ بڑھ گیا گر شوقِ ذوقِ نغمہ ساز   شاعر اب آئیں گے محفل میں پہن کر پیشواز
ختم اس نغمے پہ ہو گی ہر غزل اُستاد کی
سنیے میں ہوں جانکی بائی الہ آباد کی
تو نمونہ سر بسر اخلاق و خودداری کا تھا   اک مصفّا آئینہ تو قدرتِ باری کا تھا
تو معالج نفسِ امّارہ کی بیماری کا تھا   تو ذریعہ ملک اور ملّت کی بیداری کا تھا
کتنی عبرت خیز شئے اب عالمِ ہستی میں ہے
جس نے قوموں کو اُبھارا تھا وہی پستی میں ہے

اک کشش پیدا کرے ہر دل میں تھا شاعر کا کام
قوم کی شیرازہ بندی تھی اسی کے پائے نام
انقلاب دہر سے برہم ہوا ایسا نظام
تفرقہ پردازیوں میں اب ہے وہ مشہور عام

شاعروں کی خود جماعت میں نفاقِ باہمی
ٹھیک ہے قولِ لسان القوم مولانا صفی

"غیر سے غیروں کو اخلاقاً نہیں کچھ اجتناب"
"رہتی ہے اپنوں پہ بھی اپنی نگاہِ انتخاب"
"جب یہ حالت ہو تو کیوں دل کو نہ ہو اک پیچ و تاب"
"جملہ قوموں سے ہمارا ہے جداگانہ حساب"

"ہے جب ہی قومی ترقی معرضِ تعویق میں"
"اور سب ہیں جمع میں اُستاد ہم تفریق میں"

تو زبانی جانتا ہے شکوۂ دردِ فراق
باہمی اُلفت کو رکھتا ہے مگر بالائے طاق
تیرے دل کو اپنے ہم جنسوں کی شہرت ہے شاق
اپنے ہر طبقے میں تو ہے باعثِ بغض و نفاق

دل کے آئینے میں ہے گردِ کدورت دیکھ لے
خود تری دھندلی نظر آتی ہے صورت دیکھ لے

تو جو اے ناداں ادب میں ٹھونس کر مذہب کا رنگ
بن گیا شاعر کر رہا ہے قافیہ فطرت کا تنگ
کیا بنانا چاہتا ہے اس کو بھی میدانِ جنگ
کیوں زمینِ شعر میں تو کھودتا ہے یہ سُرنگ

خانہ بر انداز گر قصرِ ادب ڈھائے گا تو
ہو کے خود بے خانماں آخر کو پچھتائے گا تو

کیا شوالہ ہے ادب، مسجد کا یا مینار ہے
یا کوئی تسبیح ہے یا رشتۂ زنار ہے
یہ خلافت کا قضیہ تو نہیں لے یار ہے
باہمی آویزش ایسی شے میں پھر بے کار ہے

مشترک اک باغ ہے فکرِ سخن سب کے لیے
سیرگاہِ طبعِ موزوں یہ چمن سب کے لیے

شاعری اک ساقیِ فطرت کا فیضِ عام ہے | دیکھ کر دیتا ہے مے جتنا کہ ظرفِ جام ہے
مبدءِ فیاض کا در اصل یہ انعام ہے | جس کو جو چاہے عطا کر دے یہ اُس کا کام ہے
روح کو آلائشِ بغض و حسد سے صاف کر
قدر داں خونِ جگر کھانے کے خود انصاف کر

سُن تو اہلِ معرفت کہتے ہیں کیا اے ہمنشیں | یعنی شاعر خلق ہی ہوتا ہے بن سکتا نہیں
کچھ سمجھ لے پہلے پھر لڑنا چڑھا کر آستیں | ایک ہی ہیں ناظم و شاعر غلط ہے بالیقیں
طبعِ موزوں ایسی وہبی شے سے کوسوں دور ہے
شاعری جزویست از پیغمبری مشہور ہے

تو بڑا شاعر سہی تیری کوئی عظمت نہیں | ہند کی منڈی میں تیری جنس کی قیمت نہیں
سب کو ہے آرام قسمت میں تری راحت نہیں | پھر تری عزت کرے گا کون جب دولت نہیں
"خرس باش و خوک باش و یا سگِ مردار باش
ہر چہ باشی باش عرفی اندکے زردار باش"

پیشہ ور جتنے ہیں ان کی ملک میں عزت تو ہے | کم سہی لیکن ہر اک صنعت کی کچھ قیمت تو ہے
ہر ضرورت پر کسی صناع کی حاجت تو ہے | جز ترے ہر اہلِ فن کی کچھ نہ کچھ اُجرت تو ہے
قسمتِ برباد تیری بن کے اُڑ جاتی ہے بھاپ
ہے صلہ تیرا یہی "کیا خوب فرماتے ہیں آپ"

سب کو ہے فکرِ معیشت پر تجھے کیا احتیاج | بس کہے جا شعر، باقی چھوڑ دے سب کام کاج
کہتے کہتے شعر گر ناساز ہو جائے مزاج | یاد رکھ فکرِ سخن بالمثل ہے اس کا علاج
یہ غذائے روح ایسی تقویت پہونچائے گی
شعر سُننے کو بڑھاپے میں جوانی آئے گی

عالمِ اسباب میں تو اس قدر بےکار ہے — تیری ہستی ملک و ملت کے لئے اک بار ہے
جب یہ حالت ہو کہ جس سے زندگی دشوار ہے — موت ہی پھر شاعری یا کم سے کم آزار ہے
ملک کی ناقدر دانی جب ترا دل توڑ دے
ہوش میں آ ہوش میں یہ فکرِ باطل چھوڑ دے

آج کل ہوتی ہے یوں نام و نمودِ شاعری — جمع کر لے پہلے کچھ شاگرد جاہل حُجّتی
دُھن سکھا دے شعر پڑھنے کی انھیں اچھی بُری — طرح میں کہہ کر غزل دو تین سو اشعار کی
رکھ لے کچھ اشعارِ چیدہ آپ باقی چھانٹ دے
جس قدر کثرت ہو شاگردوں کو اپنے بانٹ دے

ایسے چیلے مل گئے تجھ کو اگر کچھ لے کے گرو — یہ پسینے پر ترے اپنا بہا دیں گے لہو
کوئی مُنہ اُن کے لگے گا کیوں بخوفِ آبرو — پھر تو دنیائے ادب میں ہر طرف ہے تو ہی تو
سب یہی تلمیذِ سحبانِ زمن بن جائیں گے
جانشیں کچھ ہوں گے کچھ اُستادِ فن بن جائیں گے

ہند بھر میں بھیجتا ہو شاعری کا گر پیام — جس قدر نکلیں رسالے سب میں بھیج اپنا کلام
رفتہ رفتہ ملک میں مشہور ہو جائے گا نام — شہرتِ بےجا کا لٹکا ہے یہی اک والسلام
محنتِ برباد کا بھی کچھ صلہ پا جائے گا
نام ہو گا اک رسالہ مفت ہاتھ آ جائے گا

ہر اڈیٹر اپنے اپنے طرز پر دے گا خطاب — مَظہرُ الاوجاع۔ مِفتاحُ الجنون۔ رَقصُ الشباب
مرکزُ العشاق۔ مقیاسُ الطرب۔ کیفُ الشراب — ابتہاجُ العہد، علامہ۔ مزامیرُ الرّباب
منبتُ الاشعار۔ زرّینُ العصر۔ یافوخُ الخیال
مبدعُ الجذبات۔ خیامُ الزّمن۔ جدّ الکمال

اب تو پیدا ہوئے ہیں رشکِ غالبؔ فخرِ میرؔ
آتشؔ و ناسخؔ کو نہ سیکھے سمجھتے ہیں حقیر

کہہ گیا ہے اک پرانا شاعرِ روشن ضمیر
شاعرانِ حال کیا مضمون نہ پائیں اسیر

"ڈھونڈتے ہیں پر تخلص بھی نیا ملتا نہیں"
ٹاپتے پھرتے ہیں سیدھا راستا ملتا نہیں

ہم نے مانا گو ہے تیری مادری اردو زباں
پھر بھی بے سیکھے نہیں آتی کوئی شئے مہرباں

بچپنے سے ہو گیا انگریزیت کا درس خواں
تو نے اردو سیکھنے کا وقت ہی پایا کہاں

تجھ سے خود تیری زباں کو شکوۂ بیداد ہے
سن بگوشِ دل کہ اردو مائلِ فریاد ہے

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف
ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

یہ وکالت کر رہا ہے ضامنِ رنگیں بیاں
اب توجہ سے سنیں فریادِ اردو قدرداں

آپ سے فریاد کرنے آئی ہے اردو زباں
گر مناسب ہو تو حضرت سن لیں اس کی داستاں

کہہ رہی ہے درد دل اپنا سنانے آئی ہوں
مجھ سے جو روٹھے ہیں ان کو منانے آئی ہوں

یاد ہیں وہ دن بھی جب عاشق زمانہ تھا مرا
بچے بچے کی زباں پر اک فسانہ تھا مرا

اس سرے سے اُس سرے تک ملک میں پھیلی تھی میں
جس کا کل ہندوستاں مجنوں تھا وہ لیلیٰ تھی میں

مجھ پہ مرتے تھے مسلماں اور ہندو تھے نثار
فارسی بھی جھینپتی تھی دیکھ کر میرا سنگار

میں ہوئی صحبت میں شاہانِ سخن کی باریاب
روز بڑھتا ہی گیا ہر رنگ میں حسنِ شباب

ایک دل بھی تھا نہ مجھ سے ہند میں برخاستہ
ہر طرح کے خوش نما زیور سے تھی آراستہ

یا تو یہ عزت تھی میری یا یہ حالت ہو گئی
ذکر غیروں کا ہے کیا اپنوں کو نفرت ہو گئی

میرے سر پر ایسا بدبختی کا بادل چھا گیا
عاشقوں کا نام بیگانوں میں میرے آ گیا

جب سے انگریزی کا لفظی ترجمہ ہونے لگا
مجھ پہ قبضہ ہو گیا الفاظِ نامانوس کا

جو نہیں اب جانتا اہلِ عرب کا ایک حرف
وہ بھی ہر تحریر میں قاموس کر دیتا ہے صرف

غیر اگر اس پر بگڑتے ہیں تو کچھ بے جا نہیں
میری دلچسپی میں فرق آجائے یہ اچھا نہیں

آپ کیوں ترکیبِ نامانوس لائیں مہرباں
اور کیوں اپنی زباں کا چھوڑ دیں طرزِ بیاں

آپ انگریزی کا آخر کیوں تتبع کیجیے
اور الزامِ جہالت اپنے سر کیوں لیجیے

زیب دے سکتا نہیں ہے مجھ پہ انگریزی لباس
کیجیے بہرِ خدا اپنی زباں کا کچھ تو پاس

میری دلچسپی کو غائب کر رہے ہیں خود پسند
زعمِ باطل میں مجھے کرتے ہیں وہ گویا بلند

جاں بلب ہوں ہمنشیں سُنتے نہیں نالے مرے
دشمنی کرتے ہیں مجھ سے چاہنے والے مرے

بے محل الفاظ لا کر کیوں مٹاتے ہیں مجھے
جو نہ ہو موزوں وہی زیور پہناتے ہیں مجھے

مجھ کو اک ہیجا بنائیں لوگ ہیں اس تاک میں
کان میں پازیب لٹکا دی ہے چھاگل ناک میں

لفظِ عریاں ہو گیا ہے اتنا لوگوں کو پسند
میری عریانی پہ اب ہنسنے لگے ہیں دردمند

عقل عُریاں ہو گئی جذبات عُریاں ہو گئے
انتہا یہ ہے کہ احساسات عُریاں ہو گئے

کیجیے الفاظِ معنی دار سے زینت مری
لفظِ بے معنی سے بڑھ سکتی نہیں شوکت مری

نازِ رقصاں رازِ رقصاں شعر میں سب بھر دیا
مختصر یہ ہے کہ ہر ساکن کو رقصاں کر دیا

گاہ چشمِ سُرمگیں کو آہوئے لرزاں کہا
اور اُس کے قافیے میں گریۂ خنداں کہا

ایک ساکت رَو کہا برقِ جہندہ کو کبھی
عصمتِ خالق کہا تقصیرِ بندہ کو کبھی

لفظِ مہمل کو نکاتِ شاعرانہ کہہ دیا
سرسری کی جا کہیں پر طائرانہ کہہ دیا

رات دن ہے لفظِ بے معنی فقط گڑھنے سے کام
رکھ لیا ہے نغمۂ خاموش سنّاٹے کا نام

مرتعش مرکز کا استعمال ہے دل کی جگہ
لفظ نقطے کا رکھا جاتا ہے منزل کی جگہ

لائے جو ترکیبِ نامانوس و الفاظِ غریب
بس وہی اُن کی نگاہوں میں ٹھہرتا ہے ادیب

پوچھو گر ترکیب جملے کی تو ہوتا ہے غضب
کہتے ہیں ہرگز نہیں یہ داخلِ علمِ ادب

جو قواعد جانے ہو سکتا نہیں ہے وہ ادیب
شعر وہ کیا جس کے معنی فہم سے کچھ ہوں قریب

شعر میں شاعر عمیق ہونے کا ذمہ دار ہے
فاعلاتن فاعلاتن بحث یہ بے کار ہے

شعر تو جذباتِ "تخلیقی" میں موزوں ہو گیا
دونوں مصرع ہو گئے دو بحر میں تو عیب کیا

ہے وہ سطحی چیز لکھے گر کوئی شُستہ زباں
کیونکہ بے سوچے سمجھ لیتے ہیں سب خرد و کلاں

صاف با معنی عبارت گر کسی نے کچھ لکھی
تو یہ کہتے ہیں کہ اُردو کی ترقی کیا ہوئی

گر کسی کے شعر میں رنگِ تغزّل آ گیا
وہ بڑا مجرم ادب سوزی کا ٹھہرایا گیا

طعن یہ ہے آپ میں تخلیق کی قوت نہیں
صاف سادے شعر تو شاعر کی ذہنیت نہیں

اس میں موسیقی نہیں ہے اور کوئی لے نہیں
جس سے کیفیت ہو پیدا ایسی کوئی شے نہیں

شعر میں عریاں نہیں ہے جلوۂ لرزاں نہیں
پھر بھلا بے ان کے آ سکتی ہے شعریت کہیں

شانِ تخلیقی نہیں لفظیں نہیں معنی تراش
صاف اُردو ہے کوئی مصرع نہیں ہے "کیف پاش"

نالۂ پُر غم کی ہیں بے کیف سم آمیزیاں
کچھ تبسّم ریزیاں ہوں کچھ ہوں خندہ بیزیاں

بحث کیوں اس کی کہ یہ فقرہ غلط ہے یا صحیح
ہو جو انگریزی کا لفظی ترجمہ وہ ہے فصیح

الغرض ہر طرح بے معنی بتاتے ہیں مجھے
دیدہ و دانستہ یہ ناداں مٹاتے ہیں مجھے

اک بہن ہندی ہے میری جس کا اب چمکا ہے بھاگ
حشر تک پرماتما قائم رکھے اُس کا سُہاگ

کیوں مخالف بنیے اس کے بحث کو کیوں دیجے طول
لفظ جو مانوس ہو اُس کا اُسے کیجے قبول

غیر ملکی لفظ جو جاری زبانوں پر نہیں
اُس سے تو ہندی کے آساں لفظ بہتر ہیں کہیں

جمع ہیں اہلِ سخن فریاد کرنے آئی ہوں
زخمِ دل میں جو پڑے ہیں اُن کو بھرنے آئی ہوں

قلب زخمی ہو گیا ہے آنکھ سے بہتا ہے خوں
آپ کے آگے نہ روؤں میں تو پھر کس سے کہوں

چھوڑیئے للہ انگریزی کا اب طرزِ بیاں
بولیئے ضامن خدا کے واسطے اپنی زباں"

اُونٹیا لوجی

نوٹ: یہ نظم شیعہ عربی کالج لکھنؤ کے متعلق ہے جس کے اراکین انتظامی میں بعض دراز قامت بزرگ بھی تھے۔ اِن کے قد و قامت کے لحاظ سے اونٹ کی مشابہت کا دھوکا کھا کر شاعرانہ انداز سے مناسب الفاظ صرف ہوئے ہیں اس نظم کی سُرخی میں بھی اسی رعایت سے خاص جدّت طرازی کی گئی ہے اور ایک نیا لفظ بہ اندازِ ظرافت ایجاد کیا گیا ہے جس کا سَرا اُردو اور باقی دھڑ انگریزی مسالے سے ترکیب دیا گیا ہے۔ انگریزی میں بیالوجی وغیرہ کے الفاظ موجود ہیں جس کے معنی علم الحیوان کے ہیں لہٰذا اونٹیا لوجی سے شاعر کی مراد یہ ہے کہ اس نظم میں شتر صورت یا سیرت انسانوں کے خواص کی ضمناً تشریح کی گئی ہے اظہارِ خیال میں سرخی کی مناسبت سے تلازمے کے لیۓ مناسب الفاظ کا انتخاب محض تفننِ طبع کے لیۓ کیا گیا ہے۔ (صفی عفی عنہ)

بحر رمل مثمّن مخبون مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

چانسلر جامعۂ واہیہ کے اُشتر قد — پا چکے ہیں جو بعیرُ العلمائی کی سند
جن کے حصے میں شُتر کینۂ موروثی ہو — آپ کو مشرق و مغرب کے لڑانے میں ہو کد
اہلِ مغرب سے غضب کا ہے تعصب ان کو — شیرِ برطانیہ سے آپکے ہے بغض و حسد
آپ حامی ہیں اسی سے عربک کالج کے — چاہتے ہیں کہ ملے اونٹ کے بچّوں کو مدد
لیکن اُن بچوں کا ہو داخلہ اس کالج میں — اشترِ جنگِ جمل جن کا ہو جدِّ امجد
تا شتر غمزۂ قومی کی ہوں کامل تصویر — والدہ ناقۂ لیلےٰ ہو یہ ہوں اس کے ولد
اونٹیا لوجی کی تعلیم کے دل دادہ ہوں — بدگہر ہوں کہ نہ ہوں نیک وہ ہوں چاہے بد
قوم کی گاڑھی کمائی کا وہ کھا کر چارہ — بلبلاتے ہوں شتر خانے میں اپنے از حد

ایسے بچوں کے لیئے قید لیاقت کی نہیں / اُن کو مل جائے گی فوراً ہی فضیلت کی سند

منتخب کردیں جنہیں خواجۂ کھوٹ پوری / پُشت خار الفضلا حامل ریش بر گد

مگر اس شرط سے جو ہوں متعلم اس کے / دل میں ہو اُن کے نفاق اور طبیعت میں حسد

فائدہ جب ہے کہ جب قوم لڑے آپس میں / ہر اک اسکیم میں ہے آپ کا اتنا مقصد

کم ہوئی چشم بصیرت سے بصارت اس طرح
گھٹ کے روباہ بنا بیشۂ کالج کا اسد

نظم نمبر ۷۳ — ۲۵ مئی ۱۹۳۴ء — تعداد اشعار ۸۰

فغانِ لکھنؤ

نوٹ: سرفراز اخبار لکھنؤ میں ایک نظم کسی صاحب نے شایع کرائی تھی جس میں مسلمانانِ لکھنؤ کی بے جا مدح سرائی کی تھی درحالیکہ واقعے کے خلاف وہ نظم تھی اور ضرورت اس کی تھی کہ موعظانہ انداز سے اصل حقیقت اور اُن کی صحیح زندگی کا خاکہ پیش کیا جائے تاکہ حسبِ ضرورت اصلاح کی طرف اُن کی اور بہی خواہانِ قوم کی توجہ مبذول ہو۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے یہ نظم کہی گئی تھی۔

(صفیؔ عفی عنہٗ)

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

مرحبا اے اہلِ دل اے قدردانِ لکھنؤ
نظم کس خوبی سے کی ہے داستانِ لکھنؤ

آپ کے زورِ بیاں سے زخمِ دل رسنے لگا
سنیئے اب کچھ دردِ دل اے مہربانِ لکھنؤ

باادب کچھ عرض کرنا چاہتا ہے یہ حقیر
بندۂ ناچیز ننگِ شاعرانِ لکھنؤ

سچ کی تلخی اس گزارش میں اگر محسوس ہو
منہ بنا کر ٹال جائیں نکتہ دانِ لکھنؤ

عیب جو جس میں ہو اُس کے منہ پہ کہنا چاہیئے
ہے یہی اصلاحِ قوم اے مُصلحانِ لکھنؤ

قصۂ پارینۂ ماضی سے اب کیا فائدہ
دیکھیے کس حال میں ہیں مسلمانِ لکھنؤ

غم تو اس کا ہے کہ مستقبل بہت تاریک ہے
ہوش میں کیونکر سے آئیں سرگرانِ لکھنؤ

خانہ جنگی ہے مسلمانوں میں بر پا رات دن
منظرِ جنگِ جمل ہے اب میانِ لکھنؤ

فیصلہ جن کا نہ تیرا سو برس تک ہو سکا
اب وہ بحثیں طے کریں گے عامیانِ لکھنؤ

کیا مبلغ اور واعظ کا یہی اک کام ہے
لڑ مریں بے کار باہم مسلمانِ لکھنؤ

دین کا تنوّر روشن ہو تو پھر روٹی چلے
بیٹھے بیٹھے خوب سوچے مفلسانِ لکھنؤ

جمع ہو چندہ بکیں اخبار ہنگامہ مچے
جیل میں جائیں بلا سے جاہلانِ لکھنؤ

گرم بازارِ وکالت ہو رقم جیبوں میں آئے
پھر چھپے رستم کریں طے ہفت خوانِ لکھنؤ

بعض کے دل میں بھرا ہے لیڈری کا ولولہ
بے پیئے مخمور ہیں نو دولتانِ لکھنؤ

دیکھتے ہی دیکھتے لو، بن گئی بادِ نسیم
یہ ہوا کیونکر نہ ہو وجہِ خزانِ لکھنؤ

اب تو دو ملا میں ہے اسلام کی مرغی حرام
دونوں کے دونوں ہیں میرِ کاروانِ لکھنؤ

پوسٹر بازی میں ہیں مصروف و سرگرم عمل
ایسے ہی ہوتے ہیں قومی مصلحانِ لکھنؤ

ناقۂ صالح کی صورت بیچ میں اسلام ہے
پے اسی کو کر رہے ہیں سرکشانِ لکھنؤ

آل و اصحابِ نبی قبروں میں زخمی ہو گئے
چل رہی ہے اس طرح تیغ زبانِ لکھنؤ

لڑ رہی ہے جاہلوں کی فوج بے سردار کے
دم بخود ہیں دونوں جانب عالمانِ لکھنؤ

خطرے بڑھتے جا رہے ہیں اور حکومت ہے خموش
اب تو دار الحرب ہے دار الامانِ لکھنؤ

ہے بہت مذموم یہ کھانے کمانے کا طریق
جس سے خطرے میں پڑے ہیں باشندگانِ لکھنؤ

دشمنِ اسلام دنگل دیکھتے ہیں دور سے
ساکھ لڑ کر کھو رہے ہیں پہلوانِ لکھنؤ

انقلابِ دہر کہتے ہیں اسی کو اہلِ عقل
ہو گیا نیچا زمیں سے آسمانِ لکھنؤ

لکھنؤ کے باغ میں کیونکر نہ آ جائے خزاں
سو رہے ہیں کنجِ لحد میں باغبانِ لکھنؤ

یاد آیا ہے کہ دار السلطنت تھا یہ مقام
صلح جو اور امن پرور تھے شہانِ لکھنؤ

درس اور تدریس میں مشغول رہتے تھے مدام
مفتیانِ لکھنؤ اور عالمانِ لکھنؤ

یوں مبلغ اور واعظ کی کہیں کثرت نہ تھی
در پئے ایذا نہ تھے یوں جاہلانِ لکھنؤ

سُنی شیعہ کا کہیں پیدا نہ ہوتا تھا سوال
اس قدر شیر و شکر تھے ساکنانِ لکھنؤ

محفلِ میلا اور بزمِ عزا دونوں جگہ
بیٹھتے تھے مل کے سب باشندگانِ لکھنؤ

غیر مسلم تک نہایت شوق سے سنتے تھے ذکر
جب بیاں کرتے تھے کچھ اہلِ زبانِ لکھنؤ

اُن کے منہ سے پھول جھڑتے تھے ٹپکتا تھا نہ زہر ۔ عہدِ ماضی میں تھے جتنے خوش بیانِ لکھنؤ
ہوتی تھیں باہم مسلمانوں میں رشتہ داریاں ۔ یوں نہ تھے آپے سے باہر خود سرانِ لکھنؤ
جب یہ اسلامی اخوت مدتوں قائم رہی ۔ دل میں گھبرانے لگے خود مطلبانِ لکھنؤ
تفرقہ جب تک نہ ہو آپس میں پوچھے ان کو کون ۔ بے نشاں کیونکر بنیں نام آورانِ لکھنؤ
سب سے پہلے شہر میں پھیلا بلا فصلی بخار ۔ اور عدالت تک گیا شورِ اذانِ لکھنؤ
اس سے پہلے کیوں ہوا آخر نہ اس پر احتجاج ۔ کیا تقیے میں تھے سُنّی عالمانِ لکھنؤ
فتنہ پردازوں نے ڈھونڈھا تفرقے کا راستہ ۔ گھٹ چلی افسوس یک رنگی کی شانِ لکھنؤ
ایک عرصے تک تو اس کی کھچڑیاں پکتی رہیں ۔ سرد ہو کر رہ گیا پھر دیگدانِ لکھنؤ
آ گئے وہابیت کے جب یہاں خفیہ قدم ۔ اور اُن کو مل گئے کچھ قدردانِ لکھنؤ
مذہبی ٹٹی سے پھر ہونے لگا قومی شکار ۔ پھر سجی ایماں فروشوں نے دکانِ لکھنؤ
فتنہ پھر سن سات میں ایسا نیا پیدا ہوا ۔ جس کو سن کر چونک اُٹھے حاکمانِ لکھنؤ
تفرقہ اسلام کا جھنڈے کے اوپر چڑھ گیا ۔ بَن گئے بالے میاں پیرِ مغانِ لکھنؤ
دب گئی قانون کے چھینٹے سے کچھ اُس وقت آگ ۔ پھر ہوا دیتے رہے دامن کشانِ لکھنؤ
جب خدا کے گھر پہ قابض ہو گیا ابنِ سعود ۔ پھر تو سر چڑھنے لگے وہابیانِ لکھنؤ
مرقدِ آلِ نبی و قبرِ عثمانِ غنی ۔ کُھد گئے لیکن نہ چونکے سرگرانِ لکھنؤ
سَبّ و شتمِ آلِ احمد عینِ سُنّت ہو گئی ۔ پاٹا نالہ بَن گیا اک نہروانِ لکھنؤ
اک طرف اعلانِ جنگ اور اک طرف اس کا دفاع ۔ گُتھ گئے آپس میں باہم مسلمانِ لکھنؤ
جملہ شیعوں پر یہ خالی اک سیاسی چال ہے ۔ آج تک سمجھے نہ جس کو ساکنانِ لکھنؤ
یہ عزاداری کا استقبال تو ہے اس لیے ۔ تا بھڑک جائیں نہ فوراً سُنّیانِ لکھنؤ
ورنہ خود احناف پر وہابیوں کی چوٹ ہے ۔ عارضی ٹٹی ہیں حنفی شیعیانِ لکھنؤ

آگے چل کر فاتحہ پر گیارھویں کے ہوگی زد … وہ بھی بدعت ہے برائے نجدیانِ لکھنؤ
صحبتِ میلادِ ختم المرسلین بھی ہوگی بند … بدعتی ہو جائیں گے میلاد خوانِ لکھنؤ
پوچھئے گا تھا کہاں پر شاہ مینا کا مزار … نجد بن جائے گا جس دن خاکدانِ لکھنؤ
قبر عثمانِ غنی جو کر چکے ہیں بے چراغ … ہیں اسی مسلک کے نجدی بدویانِ لکھنؤ
کھود ڈالیں گے یہ باغِ مولوی انوار کو … یہ مٹا دیں گے قبورِ کاملانِ لکھنؤ
خانقاہیں نقب سے مسمار کر ڈالیں گے سب … ٹھوکریں کھاتے پھریں گے صوفیانِ لکھنؤ
پہلے کاکوری پہ حملہ ہوگا پھر اجمیر پر … اور قوّت پا گئے گر کوفیانِ لکھنؤ
پھر کہاں لطفِ چراغاں پھر کہاں بزمِ سماع … نجد کا جنگل بنا جب بوستانِ لکھنؤ
پھیل جائیں گے جو رفتہ رفتہ مسلم آئیے … اور ہی ہو جائے گی اُس وقت شانِ لکھنؤ
اب تو بدعت ہے فقط رونا کسی مظلوم پر … کل سبق خود دے گا دارالامتحانِ لکھنؤ
مل کے روئیں گے مسلماں میّتِ اسلام پر … آج تو بغلیں بجالیں لیڈرانِ لکھنؤ
اپنے ہاتھوں خود مٹاتے ہیں عزاداری کی شان … ہیں بری اس جرم سے کب شیعیانِ لکھنؤ
کیا عزائے سبطِ پیغمبر اسی کا نام ہے … جمع ہو کر کوچہ گرد و جاہلانِ لکھنؤ
کاٹتے ہیں وقت بے کاری میں اپنا اس طرح … اک کمیٹی سے بنا کر درمیانِ لکھنؤ
روز اک ایجاد ہوتی ہے نئی ماتم کی دھن … منہمک ہیں اس میں اکثر نغمہ خوانِ لکھنؤ
ماتمی نظموں میں کثرت سے تھیٹر کی دُھنیں … یہ تماشا ہو رہا ہے اب میانِ لکھنؤ
حیّو حیّو ہے کہیں پر اور کہیں پر ڈُوئے ڈُوئے … اس طرح کرتے ہیں ماتم نوحہ خوانِ لکھنؤ
بن گیا اِکّے کا ٹٹّو تک شبیہِ ذوالجناح … واہ کیا کہنا مرے زندہ دلانِ لکھنؤ
تیس فٹ لمبا علم تھا کس مجاہد کا بتاؤ … یہ نشانِ کربلا ہے یا نشانِ لکھنؤ
کون ماتھے پہ علم رکھ کر چلا وقتِ جہاد … یہ بتائیں تو سبھی "تاریخ دانِ لکھنؤ"

دل بڑھایا جا رہا ہے اُن کا استقبال سے
جو مٹاتے ہیں عزاداری کی شانِ لکھنؤ

سُوز نا جائز تھیٹر کی دھنیں مقبولِ عام
واہ کیا کہنا تمہارا مفتیانِ لکھنؤ

کون ٹوکے واعظانِ خوش بیاں خاموش ہیں
ہم سے آزردہ نہ ہوں تا ساکنانِ لکھنؤ

کیا یہی آقا کی سیرت تھی جو تم میں وصف ہے
شیعیانِ لکھنؤ اے مومنانِ لکھنؤ

ماتمی تم میں بہت ہیں یا نمازی یہ بتاؤ
کتنے قرآں خوان کتنے نوحہ خوانِ لکھنؤ

کیا حسینؑ ابن علیؑ نے جان دی تھی اس لیئے
جز بکا سب چھوڑ بیٹھیں شیعیانِ لکھنؤ

میں نہ واعظ ہوں نہ ناصح بخش دیں میری خطا
جان کر منجملۂ دیوانگانِ لکھنؤ

یہ کلام اپنا فقط مجذوب کی بڑ ہے ظریف
میرے منہ سے کیوں سُنے کوئی فغانِ لکھنؤ

نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۱۷۱   ۶ر اکتوبر ۱۹۳۴ء   تعداد اشعار ۱۳

برقِ تکلم

بحرِ ہزج مثمن سالم
ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

ہماری زندگی کیا کیا سبق دیتی ہے عبرت کے
جو ہوتی چشمِ بینا قلبِ غافل پر اثر ہوتا

نہ ہوتا میکدہ یہ صحنِ عالم گر حقیقت میں
بھلا یوں آپ سے پھر دوسرا کیوں بے خبر ہوتا

سدھارے لکھنؤ سرکاریاں اندھیر برپا ہے
ہے تنہائی تو اس میں روشنی کا کیوں گزر ہوتا

نمازِ مغربین آخر پڑھوں کیونکر اندھیرے میں
نہ کہتا کچھ جو مجھ کو ترکِ واجب کا نہ ڈر ہوتا

شفیق محترم حضرت بہادر میرزا صاحب
غضب ہوتا اگر مختار تھوڑا سا بشر ہوتا

ابھی جن عارضی چیزوں پہ قبضہ اس کو حاصل ہو
انھیں سے جانچ لیتا گر کوئی اہلِ نظر ہوتا

مدار زندگی انسان کا جن نعمتوں پر ہے
جو اس کے بس میں ہوتیں ایک عالم نوحہ گر ہوتا

یہ پہلے اپنے ہمجنسوں کے اوپر بند کر دیتا
دکھاتا سب کو قدرت کچھ بھی یہ قادر اگر ہوتا

ہوا چلتی فقط ہر صاحبِ دولت کے کمرے میں
ہم ایسے مفلسوں کا جھونپڑا گویا سقر ہوتا

نکلتے چاند سورج صرف قصرِ اہلِ ثروت پر
لحد سے بھی غریبوں کا مکاں تاریک تر ہوتا

برستا ابر بھی جا کر امیروں کی زراعت پر
غریبوں کا فقط آنسو سے دامن بس کہ تر ہوتا

ہوا یا روشنی پانی کہاں ملتے غریبوں کو
اگر خلّاقِ عالم بھی کوئی انجینیئر ہوتا

ظریفؔ اس کی شکایت کیا یہی دستورِ عالم ہے
تہی دستانِ قسمت کا کوئی کیوں چارہ گر ہوتا

نوٹ۔ ظریف مرحوم ریاست محمود آباد کے قلعۂ معلّیٰ میں مقیم تھے۔ قلعۂ مذکور کے جس کمرے میں ان کا قیام

تھا اس میں برقی روشنی اور پنکھے کا انتظام تھا۔ لیکن ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ راجہ صاحب محمود آباد لکھنؤ چلے گئے بہادر مرزا صاحب انجینیر ریاست عالیہ نے اپنی طبیعت سے بہ نظر خیر خواہی ریاست بجلی کے تار کے سلسلے کو جہاں اور کمروں سے کاٹ دیا اس کمرے سے بھی تار کے سلسلے کو منقطع کر دیا جس میں ظریف مرحوم مقیم تھے جس کی وجہ سے روشنی اور ہوا کی تکلیف ہونے لگی اس موقع پر دوستانہ شکایت کے عنوان سے یہ نظم ظریف مرحوم نے انجینیر صاحب موصوف کی خدمت میں لکھ کر بھیج دی نظم بے حد سبق آموز ہے۔

(صفی عفی عنہٗ)

نظم نمبر ۲۷   ۱۳ر اگست ۱۹۳۴ء   تعداد اشعار ۱۱

الکشن سرکس

نوٹ۔ ظریف مرحوم نے اس نظم میں حضرت آتش مرحوم کے مشہور شعر کی تضمین کی ہے۔ الکشن کو ایک سرکس قرار دے کر اچھی اچھی جوڑیں پھڑکائی ہیں اور اس الکشن کے سبب سے باشندگان ہندوستان میں جو رنجشیں پیدا ہو جاتی ہیں اس پر خوب روشنی ڈالی ہے۔ (صفی عفی عنہ)

بحر متقارب مثمن سالم   ارکان فعولن فعولن فعولن فعولن

الکشن کے سرکس کو اب دیکھئے گا
کہ ہوتے ہیں کرتب وہاں کیسے کیسے

سیاسی قلا بازیاں کھانے والے
ہیں نٹ کھٹ حماقت نشاں کیسے کیسے

سبھی مست ہیں نشۂ لیڈری میں
مریدانِ پیرِ مُغاں کیسے کیسے

کوئی مولوی ہے کوئی مالوی ہے
اُٹھے لے کے انگڑائیاں کیسے کیسے

اکھاڑے میں کونسل کے لکھوانے والے
ہوئے جمع پیر و جواں کیسے کیسے

ہیں تیار لڑنے پہ شہ زور پٹھے
پچھت ان میں ہیں پہلواں کیسے کیسے

گھمنڈ اس کو دولت پہ جرأت پہ اُس کو
اکٹھا ہوئے بدگماں کیسے کیسے

لڑے گا جو ناقوس شورِ اذاں سے
تو اُٹھیں گے فتنے یہاں کیسے کیسے

مرے ناتواں ہند کے رہنے والو!
تمھارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے

بہار و خزاں کے اثر دیکھنا ہیں
تجھے بارغِ ہندوستاں کیسے کیسے

"زمینِ چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا"
"بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے"

نظم نمبر ۱۷۳ — ۱۹۳۵ء — تعداد اشعار ۲

آزمائش ممبران کونسل

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

گورنر سے تقرب ہو تو کب خطرے میں لاتے ہیں
اپر چیمبر کے ممبر کب لوئر چیمبر میں جاتے ہیں

ظریف اس کی شکایت شیوۂ اہلِ وفا کب ہے،
الگ بیٹھے ہوئے ہم وضع داری آزماتے ہیں

نوٹ۔ یہ قطعہ ان لوگوں کے متعلق ہے جو لوئر چیمبر کو اس بنا پر پسند نہیں کرتے کہ گورنر کے تقرب سے دوری ہو جائیگی (ظریف عفی عنہ)

نظم نمبر ۱۷۴ — ۱۹۳۵ء — تعداد اشعار ۵

گرانباریِ مصارفِ تعلیم

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

گراں تعلیم ہے بالفعل اسٹوڈینٹ نالاں ہیں
جگہ ہر مدرسے میں کم ہے اور لڑکوں کی کثرت ہے

زمانہ طالب العلمی کا جب انکا یہیں گزرے
تو کہئے پاس ہو جانے کی آخر کون صورت ہے

گریں گے تنگئ تعلیم سے کس طرح بے چارے
کہ نصب العین پہلے ہی سے جب کسبِ معیشت ہے

ظریف نکتہ رس کا قول سچ ہے حضرتِ مہدی
جو حاصل کر چکے تعلیم اب ان کی یہ حالت ہے

کمائی عمر بھر کی کھو کے بی۔اے کی سند لے لی
ال۔ال بی پاس ہونے پر تو اب فاقوں کی نوبت ہے

نوٹ۔ مہدی حسن صاحب سرکار راجہ صاحب بہادر ریاست محمود آباد کے پرائیویٹ سکریٹری ہیں انھیں سے اس قطعہ میں تخاطب ہے اور طلبہ کی اقتصادی حالت پر اظہار تاسف کیا گیا ہے۔ (ظریف عفی عنہ)

لکھنؤ یونیورسٹی کا جانور خانہ

نوٹ۔ لکھنؤ یونیورسٹی میں طلبہ نے جو مشاعرہ ۱۹۳۵ء میں منعقد کیا۔ اس صدارت کے لیئے جناب راجہ صاحب محمود آباد سے وعدہ لیا ظریف مرحوم نے بھی اس مشاعرہ میں حسب وعدہ شرکت کی لیکن وہاں طلبہ کی طرف سے خلاف آداب مجلس حرکات کو دیکھ کر وہ بے حد متاسف اور متحیر ہوئے اور اس نظم میں وہیں کی حالت کو باختصار دکھایا ہے تاکہ سبق آموز ہو۔ (صفی عفی عنہ)

بحر متقارب مقبوض اثلم شانزدہ رکنی

ارکان فعول فعلن فعول فعلن فعول فعلن فعول فعلن

خیال تھا دل میں آؤ اک دن چلیں کے دار العلوم دیکھیں
مشاہدہ جا کے ہم نے بزم ادب کا اُن کی کیا تو دیکھا
نہ صدر محفل کا احترام اور نہ میہمانوں کا پاس خاطر
تھے جمع گھوشال، گھوش، متر، اکھیں، سنرجی کہیں چٹرجی
مشاعرے کی بنا جنھوں نے یہاں پہ کی یہ سمجھ تو لیتے
برائے تفریح اور اشغال کم نہ تھے اس سے فائدہ کیا
بھلا یہ بزم سخن تھی یا مغربی کبڑیوں کی ایک منڈی تھی
نہ ہم خود دار کو ہے شرکت جب ایسی بزم سخن ہو بے حس
کلام شاعر کا لطف ہی کیا جہاں پہ ہوں بد تمیز سامع
پروفیسر جب کہ دم بخود ہوں تو پھر ڈسپلن ہی کہاں سے

یہ لوگ کس قسم کے مہذب ہیں جن کی تعلیم مغربی ہے
ایم اے بی اے ہوں تو ہوں پر انسانیت کی ان میں بہت کمی ہے
کریں خفیف اپنے میہماں کو یہ شان اخلاق ہی نئی ہے
کہ جن کو اُردو سے جس نہ مس کچھ دراصل اک بغض للّہی ہے
فضا موافق ہے یا مخالف مذاق شعر و سخن کا بھی ہے؟
زبان اُردو ذلیل کی جائے کیوں جو اک رشک مادری ہے
جہاں یہ ہر سمت شور و غوغا ہے یا ہنسی اور دل لگی ہے
غزل سرائی دراصل ایسی جگہ پہ توہین شاعری ہے
کہ جیسے ہوں جمع بھینس کے پڑوے ان میں اک بین بج رہی ہے
ہر ایک آزاد بے تحاشا بیل ان کی شائستگی یہی ہے

پڑھے لکھوں کی بہیمیت دیکھ کر کہیں گے ظریف اکثر
زولاجیکل گارڈن کی اک شاخ لکھنؤ یونیورسٹی ہے

نظم نمبر ۷۶ — اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو — ۱۹۳۶ء — تعداد اشعار ۴۸

مہاجن نوازی

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

اے مہاجن پرورِ اے ہندوستانِ زیربار — اے کسانوں کے وطن سرمایہ داروں کے شکار
تیری آبادی میں کثرت سے انھیں کی بے شمار — جن کے جسمِ ناتواں میں قرض کی دق کا بخار
کیا امیدِ زندگی کیا آسرے بہبود کے
جرمس اس کثرت سے ہوں جب دادر در سود کے

ریڑھ کی ہڈی تری ہندوستاں تھے کاشتکار — قرض کی دق نے عمل کرکے کیا اس کو نزار
سود کیسا اصل کا بھی اٹھ نہیں سکتا ہے بار — اقتصادی چل گئی ایسی ہوا ناخوش گوار
جنس کی قیمت گھٹی معیار زر کا بڑھ گیا
ضعف میں قرضے کی تپ کا اور پارہ چڑھ گیا

خودکشی کر لیجیے گر زندگی دشوار ہے — توڑنا قانون نافرمانیِ سرکار ہے
حال مظلوموں کا اب ناقابلِ اظہار ہے — ہو ادائے قرض کیونکر جب کہ اتنا بار ہے
مالیہ کل صوبۂ یوپی کا ہے جب نو کرور
اس پہ بارِ قرض سنیے تین اوپر سو کرور

ہر مریضِ ناتواں جب ہو گیا از حد نڈھال — بعدِ مدت آ گیا رشکِ مسیحا کو خیال
رک سکے زورِ مرضِ بیمار کچھ تو ہوں بحال — بل کی صورت کونسلوں میں جب کہ آیا یہ سوال
کرکے زر پاشی انھیں ہمدردِ صادق کر لیا
دق کے کیڑوں کے طبیبوں کو موافق کر لیا

ہندؤں کے ہاتھ میں تھا سلطنت کا جب نظام / واں دو پٹ کی حدوں میں سود ہوتا تھا تمام
آ کے جب قانونِ انگریزی نے ڈھیلی کی لگام / سود کی رفتار سرپٹ ہو گئی بے روک تھام
ٹیکس کے جاکی نے چڑھ کر چال اتنی تیز کی
اب اسے کوڑے کی کچھ حاجت نہ کچھ مہمیز کی

ایک کے دو دو کے دس اور دس کے سو سو کے ہزار / گردشِ ایام کی صورت نہیں جس کو قرار
پھنس کے اس چکر سے نکلے کس طرح اک قرض دار / قرض قانونًا ہو جب دریائے ناپیدا کنار
کون سی صورت ہے پھر اس ملک میں بہبود کی
جس جگہ حد ہی نہ ہو قانون میں کچھ سود کی

لالہ سانول داس رستوگی تھے جج اک ذی وقار / لال جی مل منصرم لچھمی نرائن پیش کار
اور منارام ناظر بے مروت ہوشیار / اہل عملہ اور جج تھے سب یہی سرمایہ دار
ظاہرا نوکر تھے باطن میں بہت خوش حال تھے
تھے مہاجن رشتہ دار اِن کے یہ مالا مال تھے

اور خفیفہ کی عدالت گھر کی لونڈی کا تھا نام / جذبۂ انسانیت نے کر کے رخصت کا سلام
اندھے کی لاٹھی جسے انصاف کہتے ہیں عوام / دے کے اُن کے ہاتھ میں پورا کیا تھا انتظام
جج کی آنکھوں پر جو چشمہ تھا حکومت کا لگا
رحم و ہمدردی کا کوئی تل حیف اس میں نہ تھا

ڈگریاں دینے پہ گویا آپ نے کھا کر اُدھار / جج کا پیشہ کر لیا پڑھ لکھ کے جب بے اختیار
دائن و مدیون کی جیسے ہی ہوتی تھی پکار / آپ ڈگری دے کے ہلکا اپنا کر دیتے تھے بار
بد دماغ ایسے کرے مدیوں اگر کچھ عرض حال
آدمی کو حکم ہوتا تھا اِسے باہر نکال

فیکٹری کالج کی ڈھالے جب کہ بے گنتی وکیل — بی اے ہونا پیشگی جب ہوا ال بی کی دلیل
اس جماعت کی ہو پھر کیا کھانے پینے کی سبیل — کیوں نہ ہر بھوکے بھلے مانس کی نیت ہو ذلیل
گھومتے ہیں اب گون پہنے ہوئے اس تاک میں
بس چلے تو یہ موکل کو ملا دیں خاک میں

ہے موکل سے فقط پیشی کی ہمدردی انھیں — وہ پلیڈر فی ادا کر دیں مریں پھر یا جئیں
پیروی جب بیس ۲۰ اجلاسوں پہ اک دن میں کریں — پھر ٹھکانے کی بھلا یہ کیا کہیں اور کیا سنیں
ان کا مطلب ہے موکل کو فقط صورت دکھائیں
بحث پھر کر دیں وہ ٹیپی صرف آئیں بائیں شائیں

سب نہیں اس قسم کے ان میں بھی ہیں مستثنیات — بے کس انساں کی مدد ہے جن کا مقصود حیات
سیکڑوں ہیں ان میں ایسے با مروت با صفات — اپنے ہم جنسوں کو دیتے ہیں بلاؤں سے نجات
پیروی کرنے کو یہ جاتے ہیں آڑے وقت میں
فی سبیل اللہ کام آتے ہیں آڑے وقت میں

ایک جانب تخت پر بیٹھے ہوئے عرضی نویس — کچھ چھپے کچھ سادے فارم بجس پروس بیس تیس
اتنی نازک طبع جیسے پوتڑوں کے ہوں رئیس — مکر و چالاکی میں شیطاں ان سے انیس ۱۹ دو بیس
ناک کی پھنگی پہ چشمہ اور قلم اک کان میں
ہیں یہ جنس مشترک شیطان اور انسان میں

چشم بر جیب موکل مسلہ زیر نظر — ایک جانب تخت پر ہیں کچھ محرر جلوہ گر
سامنے رکھا ہوا بجس وکالت تخت پر — جلوہ فرما اس طرف یہ اور موکل سب ادھر
فون ٹن پن جیب میں لب پر پلیڈر فی کا ذکر
آنکھیں چاروں سمت اور دل میں پھنسا لینے کی فکر

یہ رجز خوانی کہ بھائی کیا بتائیں تم کو حال — ہیں وکیل ایسے ہمارے بابو جی گرجا دیال
کھولے منھ، بالسٹران کے سامنے یہ ہے مجال؟ — سوجھے ایڈوکیٹ کو کیا ایسی چلتے ہیں یہ چال

یہ کلب میں روز ٹینس کھیلتے ہیں جج کے ساتھ
چیف جسٹس تک ملا لیتے ہیں اکثر اِنسے ہاتھ

دعویٰ ان کی معرفت جب جب مہاجن نے کیا — جج نے صورت دیکھ لی ان کی جہاں کہنے لگا
لیجیئے قرقی کا ہے یہ حکم قبل از فیصلا — قرق کیجیے جا کے کل اسباب اس مدیون کا

ہے بہی کھاتے پہ اس دعوی کا جب دارومدار
کچھ شہادت کی ضرورت ہی نہیں ہے زینہار

نوٹ: سود در سود لے کر ہندوستان خصوصاً لکھنؤ میں مہاجنوں نے وہ آفت ڈھار کھی تھی کہ صوبے کی کونسل میں سود کے متعلق بعض ہمدرد ممبروں کو ایک بل پیش کرنے کی ضرورت ہوئی اسی موقع پر ملک کے حالات سے متاثر ہو کر یہ نظم کہی گئی اس نظم میں سود کی وجہ سے تباہی و پریشانی کا نہایت صحیح خاکہ کھینچا گیا ہے اور عدالت خفیفہ جہاں قرض داروں پر ڈگری ہوتی تھی وہاں کے جج، وکلاء، عرضی نویس محرّروں کے کارناموں اور زندگی کی تصویر بڑی خوبی سے دکھائی گئی ہے۔ (صفی عفی عنہٗ)

نظم نمبر ۷۷ ۱۶ر جولائی ۱۹۳۶ء تعداد اشعار ۳۶

ساکنانِ محمود آباد سے خطاب

نوٹ۔ افتخار ملک و ملت خان بہادر راجہ محمد امیر احمد خاں صاحب والی محمود آباد کی مسند نشینی کے بعد ریاست میں اصلاح و ترقی ورعایا کے سود و بہبود کی بہت سی تدبیریں عمل میں آئیں ازآں جملہ ریاست کے قلعۂ معلّٰی کے سامنے جو سیج پارک رعایا کی تفریح کے لیے تیار کرایا گیا تھا اس میں لاؤڈ اسپیکر لگایا گیا اور اس کے ذریعے سے تقریر نظم اور مفید باتوں کی اشاعت کا انتظام کیا گیا۔

ظریف مرحوم نے یہ نظم اُردو داں طبقے کے لیے اور ایک دوسری نظم دیہاتی زبان میں بطور "آلہا" دیہاتی طبقے کے لیے کہہ کر دونوں چیزیں بذریعہ لاؤڈ اسپیکر لوگوں کو سنائیں اور ضمناً ان دونوں اردو اور ہندی نظموں میں لاؤڈ اسپیکر کے فوائد کا بھی خاص طور سے ذکر کر دیا ہے۔ دونوں نظموں میں حاکم اور رعایا کے تعلقات کو نہایت سہل اور دل پسند الفاظ میں ظاہر کیا ہے اور کلّمِ النّاس علی قدرِ عقولھم کو ملحوظ رکھا ہے۔ نصیحتیں بہت دلکش پیرائے میں کی ہیں۔

(صفی عفی عنہٗ)

بحر رمل مثمّن مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

ساکنانِ قصبۂ محمود آباد السّلام — لاؤڈ اسپیکر سے میں پہونچا رہا ہوں یہ پیام

سوچیے دل میں کہ ہے کتنی مسرّت کا مقام — آپ کی تفریح کا یہ سب ہوا ہے انتظام

روز آ کر کیجیے تفریح دل بہلائیے

اپنے والی کو دعائیں دیتے خوش خوش جائیے

پارک میں روز آئیے تفریح کو بالاتفاق　　متحد رہیئے کہ آپس میں نہ پیدا ہو نفاق
ہو مزاجِ دوستانہ تابعِ حسنِ مذاق　　اس طرح پر ایک کی بات ایک کو گزرے نہ شاق

گفتگو یوں کیجیئے جس میں دل آزاری نہ ہو
باہمی الفت بڑھے آپس میں بیزاری نہ ہو

مختلف ملکوں کے اخبار آپ سنیئے شام کو　　منڈیوں کے بھاؤ بیوپار آپ سنیئے شام کو
نغمہ ہائے فرحت آثار آپ سنیئے شام کو　　مختلف لکچر بھی ہر بار آپ سنیئے شام کو

آپ کے آقا کا ہے مقصود بیداری رہے
ساکنوں پر فرض ہے یہ مشغلہ جاری رہے

غور تو کیجے کسی قصبے میں ہے اس کی نظیر　　یوں رعایا کا ترقی خواہ ہو اُس کا امیر
آپ کی راحت سے خوش وقتِ مصیبت دستگیر　　درحقیقت آپ پر ہے رحمتِ ربِّ قدیر

قدر کیجئے آپ یہ نعمت غنیمت جانیئے
اپنے والی کی اطاعت کیجے کہنا مانیئے

سب سے پہلے اپنے خالق کی عبادت فرض ہے　　اور اُس کے بعد خلق اللہ کی خدمت فرض ہے
پھر ولی نعمت جو ہو اُس کی اطاعت فرض ہے　　راستی واجب ہے انساں پر دیانت فرض ہے

صبر و استقلال سے آقا کی خدمت کیجیئے
جو عطا ہو لیجیئے اُس پر قناعت کیجیئے

ہے جو قسمت میں ملے گا آپ کو بے قیل و قال　　گر لیا مکر و دغا سے سوچیئے اس کا مآل
کاٹھ کی ہانڈی چڑھانے کا نتیجہ انفعال　　جھوٹ سے بچیئے اگر ہے اپنی عزت کا خیال

سچ کی تلخی گو ہے ظاہر میں بہت ناخوش گوار
پر ترقی کا ذریعہ ہے یہی انجامِ کار

بھائی بھائی کی طرح آپس میں الفت کیجئے — عزم و استقلال سے کسب معیشت کیجئے
باہمی خلق و تواضع اپنی عادت کیجئے — اپنی عزت ہوگی جب اوروں کی عزت کیجئے

چاہیئے شرکت ہر اک ہم جنس کے دکھ درد میں
اک کشش الفت کی پیدا تاکہ ہو ہر فرد میں

ہندو اور مسلم کا پیدا ہی نہ ہو کوئی سوال — الفتیں بڑھتی رہیں گھٹتا رہے رنج و ملال
ایک کو ہو دوسرے کے رنج و راحت کا خیال — متحد رہنے کی دکھلا دیجئے زندہ مثال

رہیئے مل جل کر ترقی کا اسی میں راز ہے
دیکھیئے یورپ کو اپنی اس صفت پر ناز ہے

شرع کی ٹٹی سے کھیلیں مولوی جن کا شکار — وہ ہیں بدبخت ہیں بے مصرف و بے اعتبار
غیر قوموں کی نظر میں بے حقیقت اور خوار — خانہ جنگی سے جنھیں فرصت نہیں لیل و نہار

ہم لڑے مرتے ہیں تیرہ سو برس کی بات پر
غیر قومیں ہنس رہی ہیں اب انھیں حالات پر

خانہ جنگی کا ہر اک تہوار ہے اب اشتہار — اٹھ رہا ہے شور ناقوس و اذاں کا بار بار
تعزیہ داری کہیں ہے رام لیلا پر گہار — استعانت پر پولس کی آپ کا دار و مدار

یہ وہ باتیں ہیں جنھیں خود آپ طے کر لیجئے
اپنے اپنے طرز پر غم اور مسرت کیجئے

آپ شرکت کیجئے غم میں خوشی میں ہم کریں — میل جول آپس کا یہ فرمایئے کیوں کم کریں
اتحاد اس طرح سے لازم ہے اب باہم کریں — جو لڑانا چاہتے ہوں دیکھ کر ماتم کریں

جب گلے مل جائیں گے ہم آپ بھائی کی طرح
مفسدہ پرداز پھٹ جائیں گے کائی کی طرح

دل میں خواہش ہو اگر کچھ بھی نمود و نام کی
محنتوں میں صرف کیجیے ہر گھڑی آرام کی

فکر اب لازم ہے ہر اک شخص کو انجام کی
چند باتیں کہہ رہا ہے آپ ہی کے کام کی

اک نمک خوارِ ریاست خادمِ زار و نحیف
آپ لوگوں کی ترقی چاہنے والا ظریفؔ

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو۔

نظم نمبر ۷۸ ۱۶؍ جولائی سنہ ۱۹۳۶ء تعداد اشعار ۱۴

آلھا

کہے جرنیٹ کبیشر سب نے سنو رے بھیّا بات ہمار
اے محمود آباد رہیا تمھرے کرمن کے بلہار
دیا بھئی اس نار ائن کی پایو بڑا اگنی سردار
دُکھ کی تمھرے ناؤ کھویا آن پھنسی جب نوں منجدھار
امیر احمد راجہ صاحب آن داتا دھرما اوتار
چھن چھن باڑھے دھن دولت اوکھی رہے سارا پردار
دیادان مہراجہ صاحب پارک کہن رہے تیار
جہہ ماں آئیے براجو تم سب کھاؤ نرمل جوربیار
تمھرے جیو بھلاوے کھاتن راجہ صاحب کینہ بچار
لوڈ اسپیکر لائے لگائن جہتے بانی سُنو ہجار
سماچار ملکن ملکن کے بھٹری ٹپتا بھجن ملار
سُنو آئے پارک ماں بھیّا رہو آنند بنو ہُسیار
سُن سُن سیکھو کام کی باتیں گانٹھ ماباندھو کہا ہمار
ہنس ہنس کے دُکھ کاٹ دیو سب یہی دھرم ہے پرکھن کیار
بانکے بینڈ بھوجن کے سُن سُن اُڈے جیا تو ہار
سبھے سمے آنکھن ماں پھرئے مانو بھوج کھڑی نیتار

باجا بینڈ چلے سب جوادھار چڑ مرچڑ مر باندھ کتار
دھرے بندکیا کاندھے اد پہ بیٹی ماڈارے تروار
دا کے پاچھے کھڑ بڑ کھڑ بڑ چلیں گھوڑ و نا کے اسوار
سب پاچھے ٹھمک ٹھمک سینا پتی بڑے سردار

ایک آنند کی بات سنائی لکھس رہے پنھیر اکھبار
بڑے لاٹ صاحب دے ڈارن تین سانڈ بلگر تیار
ڈھونڈھ ڈہن برگون کیرا بچہ ہو ئیہیں بے سمار
پیو دو دھ گون کا بھیتا کینھیو گھیو کا بھی بیپار

ایک بات ہم تمتے پوچھی برا نہ مانیو کہا ہمار
بن چارہ ڈانگر ہو ئی جبھیں بچہ بلگر ہوئیں ہجار
کہو چڑ ھیو کہاں جائے کے جب بڑھئے انکا پردار
جنگل سب ہے گورنمنٹ کا اُ ہماں ممتھرا کون اجار

دیکھیو کھیت ماں نہر کا پانی بردا ہوئی گے سب ٹیار
کربی چارہ کہاں تے لیھیو گھٹت جات ہے پیداوار
دیا جو آئی بڑے لاٹ کا ہوئی لاگا گاؤں سنگار
پارک بن جئیں گاؤن ماکھیل کود ہو ہئیے چھول آر

دھک دھک دھک موٹر چلھیں چھکڑا ہو جبھیں بے کا
ہر ہن پرکس بندھ جیسے جیکے گھر ہو ئیھیں دوئی چار
سگرے چھپرا کو بکن لگھیں جب لگھیئے بجلی کا تار
آگے چل کے بمبا ہو ئیھیں پکا پانی بیئیں گنوار

چھپر اماں ٹب رکھے جھیں سابن کی ہوئی بھرمار
کہوں تولیا لٹکا ہوئی انگوچھا ہو جیھیں کھار
ہل جو تیھیں سب بوٹ پہن کے موٹر پہ ٹوپی چھجّے دار
ہل کی مٹھیا ایک ہاتھ ماں ایک ہاتھ ماں ڈباسگار
چاء توس سب بانگے لگیھیں بھُر ہیں اُٹھ کے لودھ چمار
سام کا ہوئی ڈنر چھپر اماں پھنکیھیں لہلا اور جوار
ایک منئی کی آمدنی اٹھارہ پائی آہے تمھار
آپ رھیّا پہلے سدھریں پھر ہو جیھے گاؤں سدھار
بلہاری انگریجی پڑھ پڑ کیھو پہرین کا سنگار
ڈاڑھی مونچھ منڈا یو آپن ایسے پھیسن پر پھٹکار
چال چلے ہنسا کی کوّا یا ہر کونو ہے بیوہار
سوٹ بوٹ اور ٹائی کالر ڈھونڈھ ہیں کلوا بیرہمار
ام اے بی اے کی ڈگری لے لے گھومیں گلی گلی ہتّجار
نو دانٹ د پہھتر پر لاگے یہ کیسے ہیجیاں ڈجگار
اپلیکیسن لیئے پھرت ہیں بنگلن بنگلن یہ دُکھیار
کہوں نہ ہوئیے اب سُنوائی گِٹ پٹ گٹ پٹ کریں ہجار
بھوکھن مریھیں پہ کا کریھیں دینھی تھئی سکل بےکار
زر بل دُکھیار و دے لاگے پہلے کینھ نہ سو نچ بچار
ڈنڑ ھیلو مگدر بھانجو را کھو آپن دینھ سدھار
محنت تے مجدوری بیھو کرد بڑھیکم بنو لہار

چال چلو پرکھن کی آپن سیکھو بانک پٹا تردار
گورمنٹ جب بھرتی کریھے سیناماں ہوئہیو سردار
تت بچن بولو جب بولو راکھو ٹھیک بنج بیوہار
کرد اُپاس پڑے جب اوسر کا ہو تے مت کیو اُدھار

بن ہمت کے کِتت ناہیں ڈنڑ اور بلّا ہوئیں ہجار
آپن بھجا کی آسارا کھیو مانگیو بھیک نہ ہاتھ پسار
پھیَن ماجو ڈوبے رھیو کبھو نہ ہوئیھے بیڑا پار
نیند کے ماتے کروٹ بدلو دیاکھو ہے چھوں اُدرگھار

سنا تھیا ٹرکیر و کھیّا ندھ ماتے چھیلا نرنار
ٹکٹ کھریدکے رات کاجاگیں دن کاسُودیں ٹانگ پسار
مہرارُو کی ساری باندھی سیس پھول اور چندن ہار
چندیا سب گنجی کرد یھے تم پہ دیا کرے کرتار

لیئے پھرو مہرارد آپن گلی گلی اَو ہاٹ بجار
تم سندر سوداگر آہیو بیانچو سودا نگد اُدھار
بل جیھیں بناگیا پھر تو بڑے بڑے مانس دوئی چار
جینٹلمین بھو بن جیھو آدر ہوئی بہت تہُار

کونسل کی لمبر ہونیھے جب گھردالی ٹھری نار
سکا نونی بل پاس کر یھتے گٹھ بندھن ہوئیھے بے کار
تم ہوا ک لیڈی لے آیا لندن جائے سمندر پار
بڑے صجوا پھر ہو جیھو ڈریھیں تم تے سکل گنوار

ارے گسیّاں اب کا ہوئی بھارت ماتا کہے پکار

ہمرے پوت کپوت بھئے سب بجیار اکھواب کرتار

تھا گتھا ساری سن لینھو چونکو نیند تے ہو ہسیار

دھیان لگاؤ پرمیسر سے تب ہو جیہے بیڑا پار

ماپھ کرد جو ہم کہہ ڈارا کچا چیٹھا رہے تمہار

رہو آنند کھوسی سب مل جُل راجہ کی بولو جے کار

نوٹ ہندی میں آلھا ایک ایسی زور دار رزمیہ قسم کی نظم ہوتی ہے جس کو خاص لے اور طرز میں گاتے اور پڑھتے ہیں اور اس سے دلوں میں جوش اور ولولہ پیدا ہوتا ہے یہ نظم جس کا نام آلھا رکھا گیا ہے اُس موقع کے لیئے کہی گئی تھی جب ظریف مرحوم راجہ صاحب محمود آباد کی سرکار میں ملازم تھے اور اسی دوران میں موجودہ راجہ صاحب (جناب خان بہادر راجہ امیر احمد خاں صاحب بالقابہ) کی گدّی نشینی کی تقریب کا جشن منایا گیا تھا اور قلعہ معلیٰ کے سامنے محمود آباد کا عظیم الشان پارک نہایت سلیقے سے سجا گیا تھا اور بحکم راجہ صاحب اس میں لوڈ اسپیکر لگا دیا گیا تھا تاکہ ریاست کے غریب اور دیہاتی کاشتکار اور رعایا جن کو مختلف مقامات کی تقریر اور گانا ریڈیو وغیرہ کے ذریعے سے سننے کو نہیں ملتا۔ یہاں اُنھیں اس سے مُفت فائدہ اُٹھانے کا موقع ملتا رہے اس نظم میں دیہاتی زبان کے ذریعے سے اُس پیشین گوئی کا اظہار کیا ہے جس کی طرف اصلاح و ترقی کے ساتھ زمانہ مائل ہے۔ ہل جوتنے اور کسانوں کی وضع اور لباس اور خورد و نوش میں آگے چلکر کیسے تغیّرات کا اندیشہ مغربی تمدن کی آمیزش سے ہوگا اُس کا خاکہ صحیح صحیح کھینچ کر بتایا گیا ہے۔ ظریف مرحوم نے خود ہی پڑھ کر پارک میں یہ نظم سُنائی تھی۔ چونکہ دیہاتی زبان میں تھی نہایت کامیاب رہی۔ (صفی عفی عنہٗ)

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۷۹ — ۲۷ر دسمبر ۱۹۳۶ء — تعداد اشعار ۱۷

بے فکری شیعیانِ ہند

ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

بحر ہزج مثمن سالم

نمائش گاہِ عالم میں ہمیں رفعت سے کیا مطلب
اجی شیعہ ہیں ہم کو صنعت و حرفت سے کیا مطلب

امیر المومنینؑ کا نام لے کر بھیک مانگیں گے
خدا رزاق ہے اپنا تو پھر محنت سے کیا مطلب

فقط تیغ زباں سے چھپ کے اکثر کام لیتے ہیں
جہاد اپنے یہاں ساقط ہے اب جرأت سے کیا مطلب

اُکھاڑا بابِ خیبر مرتضٰی نے بس یہ کافی ہے
ہم اُن کے نام لیوا ہیں ہمیں طاقت سے کیا مطلب

تھیٹر کی دُھنوں میں نوحہ خوانی کام ہے اپنا
عزاداری اسی کا نام ہے رقّت سے مطلب

اُڑھا دی چاندنی اِکّے کا ٹٹو بن گیا دلدل
ہنسے کوئی کہ روئے دیکھ کر شدّت سے کیا مطلب

تمہ اک ہاتھ میں اِک ہاتھ سے ماتم تو کرتے ہیں
گلوری پان کی کلّے میں ہے غیرت سے کیا مطلب

نظر گردوں کی جانب چوک کے اور ہاتھ سینوں پر
ہماری سینہ کوبی دیکھئے نیت سے کیا مطلب

علم اک پُر تکلف سج لیا جب مانگ کر چندہ
بنالی انجمن اپنی الگ ملت سے کیا مطلب

حسینؑ ابن علیؑ کے نام پر ہم رونے والے ہیں
ہمیں اس برگزیدہ ذات کی سیرت سے کیا مطلب

ہماری قوم ہے تقسیم در تقسیم کی مشائق
رہے چاہے فنا ہو مرکزی قوت سے کیا مطلب

مکمّل قوم ہے ہر فردِ واحد جب کہ شیعوں میں
تو یہ فرمایئے پھر اُس کو جمعیت سے کیا مطلب

خدا کی شان مافوقُ البشر ہیں ہستیاں ہم میں
اُنھیں ہم خاطیوں کی بزم میں شرکت سے کیا مطلب

بھلا جس قوم میں مخدومِ مادر زاد ہوں اکثر
پھر ایسی ہستیوں کو قوم کی خدمت سے کیا مطلب

سواری ہے ہماری اونٹ گاڑی شیعہ کالج کی
ہمیں تعلیم کی گھوڑ دوڑ میں سُرعت سے کیا مطلب

جنھوں نے دیدہ و دانستہ خود کرلی ہوں بند آنکھیں
وہ کیوں پھر درسِ عبرت لیں اُنھیں عبرت سے کیا مطلب

ظریفؔ اصلاح ناممکن ہے جب افرادِ ملّت کی
ہمیں اس قوم غفلت کیش کی حالت سے کیا مطلب

نوٹ۔ دسمبر ۱۹۳۶ء میں آل انڈیا شیعہ کانفرنس کا اجلاس امام بارہ آصفی لکھنؤ کے صحن

میں زیرِ صدارت خان بہادر عالی جناب راجہ محمد امیر احمد خاں صاحب والی ریاست محمود آباد منعقد ہوا۔ اور اسی زمانے میں ایک سرکاری صنعتی نمائش بھی قریب ہی وکٹوریہ پارک میں ہو رہی تھی اور اس موقع پر اچھا خاصا اجتماع کانفرنس کے اجلاسوں میں ہو گیا تھا۔ چنانچہ ظریف مرحوم نے غفلت شعار شیعوں کے نمائشی جوش اور ان کی گری ہوئی حالت کا صاف صاف نقشہ دکھا کر اسے شیعہ کانفرنس کے جلسے میں پڑھا اور اُس کا بہت اثر ہوا لیکن وہ حضرات جو مشفقانہ نصیحت اور مثل آئینہ صاف صاف اپنے عیوب دکھانے والے ہمدرد اور مخلص کی سچّی باتوں میں تلخی محسوس کرتے ہیں نیز وہ طبقہ جو "بلّی" کی طرح صاحبِ خانہ کے اندھے رہنے کی دعا میں مصروف رہتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ یوں ہی نمائشی رسوم دقیود میں مبتلا رہیں تاکہ ان کے رزق میں یہ بے محنت حصہ لگاتے رہیں۔ ایسے لوگوں کی مشترکہ سازشوں سے اس نظم اور اس قسم کی دوسری اصلاحی نظم پر جو اسی کانفرنس میں ظریف نے پڑھی تھی بعض ماتمی کمیٹیوں کے چھوٹے چھوٹے جلسوں میں نارضامندی کا اظہار کیا گیا۔ اور اس لیئے ظریف مرحوم کو ایک اور نظم موسوم بہ "تنقید شیعہ ادارات" لکھنا پڑی جو اسی مجموعے میں شامل ہے۔ (صفی عفی عنہٗ)

نظم نمبر ۸ ۔ ۱۵ر جنوری ۱۹۳۷ء ۔ تعداد اشعار ۱۵

تنقید شیعہ ادارات

نوٹ سنہ ۱۹۳۶ء کے اجلاس آل انڈیا کانفرنس میں جو بمقام لکھنؤ آصف الدولہ کے امام باڑے میں بصدارت عالیجناب خان بہادر راجہ محمد امیر احمد خاں والی ریاست محمود آباد منعقد ہوا تھا دو اصلاحی نظمیں ظریف مرحوم نے پڑھی تھیں لکھنؤ کی ماتمی انجمنوں نے بجائے اس کے کہ اپنے عیوب پر مطلع ہو کر اُنھیں ترک کرتیں اس کا بُرا اثر لیا اور بعض بعض چھوٹی کمیٹیوں نے دس پانچ آدمیوں کا ایک جلسہ کر کے نفرت کا ووٹ بھی پاس کیا۔ لیکن اس طفلانہ روش سے ایک ریفارمر کیا متأثر ہو سکتا ہے چنانچہ اسی کے بعد ظریف نے یہ مبسوط نظم لکھ کر شیعہ اداروں کی خرابیوں پر روشنی ڈالی ہے اور بحیثیت ایک مصلح کے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ (صفی عفی عنہٗ)

قطعہ

بحر ہزج مثمن سالم ۔ ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

ظرافت میں ہم اپنی قوم کا افسانہ کہتے ہیں ۔ کھری کہتے ہیں جب کہتے ہیں آزادانہ کہتے ہیں
وہی بربادکن شئے خانہ جنگی نام ہے جس کا ۔ اُسے شیعہ لغت میں ہمتِ مردانہ کہتے ہیں

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف ۔ ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلان یا فاعلن

السّلام اے حامیانِ جیو جیو دوئے دوئے ۔ جاگ اُٹھیں دنیا کی قومیں تم نہ چونکے خوب سوئے
داغِ بدنامی تمھارے کس طرح پر کوئی دھوئے ۔ اس کی کب اصلاح ممکن ہے جو سچ کہنے پہ روئے

خاک پہونچاؤ گے تم دنیا کو پیغامِ حسین
صاف لے سکتے نہیں ماتم میں جب نامِ حسین

پنجتن کے نام پر تھی اک پرانی انجمن — جمع ہو کر اُس میں ماتم دارِ سلطانِ زمن
نوحہ خوانی کرتے رہتے تھے بہ اندازِ کہن — یاد تھا اُن کو وہی اپنے بزرگوں کا چلن
معتدل ماتم تھا اتنی تیز رفتاری نہ تھی
اُس کمیٹی میں بہ طرزِ نو عزاداری نہ تھی

تفرقہ پرداز لوگوں سے نہ جب دیکھا گیا — انجمن سازی کی پھیلی لکھنؤ میں اک وبا
کہیئے اس کثرت سے کیا حاصل جو مقصد ایک تھا — فخر ہے اس پر عزاداری کو ٹکڑے کر دیا
ہو سکا باہم نہ ایسی چیز پر حبِ اتحاد
واہ کیا کہنا ترا اے قومِ شیعہ زندہ باد

ایک دستہ دوسرے کے جب مقابل ہو گیا — اور دریائے عزا دونوں میں حائل ہو گیا
اک طرف طوفاں اٹھا اک سمت ساحل ہو گیا — یوں ڈھپوڑ اُٹھی نکلنا لفظ مشکل ہو گیا
لہریں آوازوں کی کوسوں دور تک جانے لگیں
حیّو حیّو کی صدائیں کان میں آنے لگیں

ساٹھ ضربیں فی منٹ ماتم کا اب معیار ہے — ایک سو دس جو لگائے وہ بڑا دیندار ہے
ہاتھ پسٹن اور سلنڈر صدرِ ماتم دار ہے — ماتمی صف یا عزائے نو کی موٹر کار ہے
سبطِ پیغمبر کا نوحہ بن گیا بچوں کا کھیل
یوں بڑھی رفتارِ ماتم جس طرح طوفان میل

صاحبِ بستہ بنے ہیں بینڈ کے اب ماسٹر — لے کے اک چھوٹی سی لکڑی ہاتھ میں باکرّ و فر
حلقۂ ماتم میں ہو جاتے ہیں اکثر جلوہ گر — کچھ اشاراتِ مقرر ہیں اُنھیں پر بیشتر
ٹھا دگن لنگڑی ڈھوڑ پڑے سے گردش ہاتھ کو
رکھتے ہیں قابو میں اپنے ماتمی جذبات کو

حَشُوَّا ما اک نیا اب تو بنایا ہے امام
کیا عزادارِ حسین ابن علی کو اُس سے کام

اُس کا ماتم تم کرو بس دور سے اپنا سلام
ہم پہ ایسے نام کا واجب نہیں ہے احترام

خود کرو یوں مسخ اسمِ پاکِ فرزندِ رسولؐ
اور پھر اُمید اس کی بھی کہ راضی ہوں بتولؑ

جو نہ ہو عالم یہ لِم اس کی سمجھ میں آئے کیا
سوز ناجائز سہی ہم کیا ہماری رائے کیا

جمع ہوں اضداد جب پھر کوئی حجت لائے کیا
پوچھتے ہیں غیر جب کیسے اُنھیں سمجھائے کیا

جب کہ ماتم میں تھیٹر کی دُھنیں ہوں کارساز
اور استقبال سے مل جائے فتوائے جواز

یہ اہانت عالمانِ دین کی ہے کس قدر
جاہل اپنے عیب کی اُن کو بناتے ہیں سپر

جھوٹا توسینی عمامہ سر پہ اُن کے باندھ کر
مفسدہ پرداز کرتے ہیں ہمیشہ شور و شر

دوسروں کو ہم نوا اپنا بنانے کے لیئے
اک نیا ھَوّا بنایا ہے ڈرانے کے لیئے

جاہلوں کی ذہنیت کیوں اس قدر برباد ہو
عالمانِ دین کا معیار کچھ اِرشاد ہو

وہ بھی عالم ہے کسی عالم کی جو اولاد ہو؟
فقّہ پڑھ لے کچھ دنوں چاہے کم استعداد ہو؟

آڑی ٹوپی جس نے دی سر پر وہ عالم بن گیا
باندھا عمّامہ تو خود ایمانِ سالم بن گیا

لکھنؤ تجھ سے بہت جاپان پیچھے ہے ابھی
اس نے گو ہر چیز کی بہتر سے بہتر نقل کی

بن سکا لیکن اسٹیشن نہ اُس سے مولوی
ماشاء اللہ تو نے کس خوبی سے پوری کی کمی

ڈھال دی ایسی جماعت ایک درجن بھر حسینؔ
اصلی اور نقلی ہیں جن کے فرق رتّی بھر نہیں

تجھ میں مٹی کے کھلونے خوب بنتے ہیں مگر رفتہ رفتہ اب ترقی کر گیا تو اس قدر
مولوی ایسے بنا دیتا ہے عمامہ بہ سر دیکھ کر حیران ہو جائے جنھیں عقلِ بشر

جس عبا بر دوش کا کھٹکا دبے پر تول اُٹھے
اِک ذرا اونچے پہ رکھ دِیجے تو منہ سے بول اُٹھے

دیکھ یہ صنعت گری کا تجل کچھ اچھا نہیں اس نمائش میں ابھی تک ایک بھی بھیجا نہیں
سچ ہے گو مفلس ہے تو انعام کی پروا نہیں کوئی باہر کا خریدے ہاں یہ وہ سودا نہیں

خود تری بستی میں ہو جاتی ہو جب کافی کھپت
لے کے اِک اسٹال کھائے صرف کی کیوں تو چپت

چھوڑیے نقلی کو اصلی بھی اگر ہو مولوی لازمی ہوتی ہے اُن میں باہمی گرگ آشتی
اتفاقاً آ گیا باہر سے جب اِن میں کوئی کچھ نہ پوچھو پھر کہ پڑ جاتی ہے کیسی کھلبلی

ڈرتے ہیں اُس کے رگڑنے سے ملمّع اُڑ نہ جائے
خوف ہے تقلید کی رَو اُس طرف کو مُڑ نہ جائے

پیر دوں سے حکم ہوتا ہے اجی بابی ہے یہ ہے یہ جاسوسِ حکومت اور وہّابی ہے یہ
یہ چلا جائے کسی صورت سے بیتابی ہے یہ نائبوں کی عہدِ انگریزی میں نوّابی ہے یہ

سامنے تو چاپلوسی پیٹھ پیچھے زہر خند
حلقۂ تقلید میں پھیلی ہوئی رپدری کمند

ممبری کا ہو الکشن سے کہیں گر انتخاب جلوہ فرما خیر سے اُس میں بھی ہوتے ہیں جناب
قابلیّت پوچھو ممبر کی تو اس کا یہ جواب مردِ مومن ہیں فقط واللہ اعلم بالصّواب

ایک خادم کو شریعت کے بھلا کیا اس سے کام
ہر پھٹے میں پیر دے لکھوائے ہر دفتر میں نام

واقعی جو عالمِ جیّد ہیں ان کا مرتبہ ۔۔۔ اس سے بالا تر ہے تصنیفات اُن کا مشغلہ
اتقا و زہد تک محدود ان کا وَلوَلہ ۔۔۔ نشرِ احکامِ شریعت اُن کا زاد و راحلہ

کاملُ الاخلاق اور بذل و سخاوت میں فرید
وہ نہیں ہیں "پائے ما روناں مُلّا کس ندید"

مشرقی کالج کی چل کر لیجیئے کچھ دیر سیر ۔۔۔ چل رہا ہے کتنی تیزی سے یہ پیروں کے بغیر
جائیں کالج یا رہیں شاگرد گھر ہی میں بخیر ۔۔۔ پاس ہو جائیں گے سب تحصیل سے ہو جن کو بیر

علم میں جھینگر سے بڑھ کر کامراں کوئی نہیں
چاٹ جاتا ہے کتابیں امتحاں کوئی نہیں

علم کی تحصیل کے شاگرد ہی ہیں ذمّہ دار ۔۔۔ ہیں معلّم اس ادارے کے فقط تنخواہ خوار
قوم کو اُن کی لیاقت پر ہے پورا اعتبار ۔۔۔ یہ ملازم کب ہیں اِن کو خود ہے پورا اختیار

درس دیں چاہے نہ دیں کالج میں آئیں یا نہ آئیں
یا الٰہی یہ صدا پوتوں پھلیں دودھوں نہائیں

آئیے اب چل کے دیکھیں واعظوں کا مدرسہ ۔۔۔ اک رئیسِ قوم دور اندیش بانی جس کا تھا
مستند عالم کی مرضی پر ابھی تک یہ چلا ۔۔۔ جائزہ تو لیجیئے کتنی ترقی کر گیا

جو مبلغ اس سے نکلے آج تک اسلام کے
دیکھیئے وہ کام کے بھی ہیں کہ خالی نام کے

سیر کرنا دعوتیں جا جا کے کھانا اور ہے ۔۔۔ صرف چندے جمع کرنا اور اُڑانا اور ہے
دوسروں کو راستے پر اپنے لانا اور ہے ۔۔۔ محض قرآں اور حدیثوں کا سنانا اور ہے

کے زبانیں جانتے ہیں واعظانِ نکتہ رس
یا فقط اپنی زباں اللہ بس باقی ہوس

صرف آخر اس کا کیوں رہتا ہے آمد سے سوا — کیا سبب کیا کوئی چندہ لیکے اس کا کھا گیا؟
کون امین ایسا تھا دیکھیں ہم ہیں مشتاقِ لقا — یاں محصّل اور مبلغ ایک ہی ہوتا ہے کیا؟
جس قدر چندے سے آئے ہاتھ اُس کے مال و زر
وہ رقم سب ہے مبلغ کا فقط زادِ سفر

گر محاسب کوئی جائے جانچنے اُس کا حساب — سب مبلّغ اور ملازم اُس پہ فرمائیں عتاب
قاعدے قانون کی ہو اس جگہ مٹی خراب — ٹھیک ہے جو کچھ کہ خود ارشاد فرما دیں جناب
ہے بجا وہ صرف سب جس کی سند کوئی نہ ہو
اختیارات اُن کے اتنے جن کی حد کوئی نہ ہو

گرچہ مالِ وقف کا مصرف یونہیں محمود ہے — اُس کی پھر اصلاح کرنا لغو ہے بے سود ہے
جس کا جی چاہے وہ حلوا چکھے جو بے دود ہے — نام لے اصلاح کا تو وہ شقی مردود ہے
منصرم کرتا پھرے لاہور میں لوگوں سے جنگ
"خانۂ ملاح در چین است و کشتی در فرنگ"

اس ادارے کا ہے بانی شخص شرعی بے پناہ — اختلافی مسئلہ تھا عقدِ قاسم کا جو آہ
رکھ دی ایسی شرط جس سے بند ہو اوروں کی راہ — تولیت مخصوص حلقے میں رہے بے اشتباہ
تولیت میں وقف کی ہو ایک عالم کی بھی شرط
رسم مہندی کا جواز اور عقدِ قاسم کی بھی شرط

گھر کی ہے جب فیکٹری تو کیوں نہ ہوں پھر بے نیاز — اور بیرونی مگر ہم مجتہد ہیں خانہ ساز
کس لیئے جائیں عراق اور کیوں کریں سیرِ حجاز — اب مقلّد تک ہمارے پیچھے پڑھتے ہیں نماز
تولیّت کے مستحق عالم کے نور العین بھی
کیا کسر جب ہم رضی اللہ فی الدارین بھی

اس ادارے پر بھی کیجے منصفانہ اک نظر　　عالموں ہی کے رہا جو عمر بھر زیرِ اثر
دخل دُنیادار کو اُس میں نہ تھا اک بال بھر　　شیعہ بیت المال نے کر لی ترقی کس قدر
اُس میں دولت بڑھ رہی ہے کتنی طغیانی کے ساتھ
ہند بھر کا مال آجاتا ہے آسانی کے ساتھ

ہیں وظیفہ خوار بیوائیں ہزاروں اور یتیم　　قوم بھر پر اُس کے بانی کا ہے احسانِ عظیم
دنگ ہیں اُس کی ترقی دیکھ کے قومی فہیم　　کہتے ہیں بے ساختہ ہٰذا صراطٌ مستقیم
تقویت کو قوم کی محفوظ گنجینہ ہے وہ
دیکھتی ہے منھ ترقی خود کہ آئینہ ہے وہ

جا کے ٹھاکر گنج تک یہ پاک مورت دیکھیے　　اُس کا دفتر اور عمارت خوبصورت دیکھیے
صاف ہے ہر چیز ہو کر بے کدورت دیکھیے　　تاجرانہ شعبہ اس کا بے ضرورت دیکھیے
ہے کھپت دنیا سے عقبیٰ تک جو اُس کے مال کی
آج تک جنت میں ہے دوکان آٹے دال کی

مجلسِ شوریٰ میں رہتے گر یہ روحانی طبیب　　لکھنؤ بھر کے اقلاً ایک سو جن کے قریب
اور دنیادار سب بے دخل ہو جاتے غریب　　دیکھتے اُس کی ترقی شیعیانِ خوش نصیب
شرق سے تا غرب ہوتی آج شہرت آپ کی
بے رضا ایران پہ ہوتی حکومت آپ کی

گر مسلط خاطی اک انسان ہو جاتا نہ یوں　　خطۂ ایران کفرستان ہو جاتا نہ یوں
بڑھتی آبادی کبھی ویران ہو جاتا نہ یوں　　اسلحہ اور فوج سے میدان ہو جاتا نہ یوں
شامت آئی تھی جو نکلا عالموں کے ہاتھ سے
رشکِ پیرس بن گیا اب ظالموں کے ہاتھ سے

ہائے ایراں وہ تری لمبی قبائیں کیا ہوئیں　　عہدِ دقیانوس کی کہنہ ردائیں کیا ہوئیں
مانگنا خیرات دینا بد دعائیں کیا ہوئیں　　وہ مرغّن اور فسنجانی غذائیں کیا ہوئیں
باعثِ بربادی و وجہ تباہی بن گیا
مولویّت چھوڑ کر فوجی سپاہی بن گیا

مشغلہ تیرا بجز محراب اور منبر نہ تھا　　ماتمی دستے تھے تجھ میں فوج اور لشکر نہ تھا
باربردار اونٹوں کی کثرت تھی کوئی موٹر نہ تھا　　وعظ کا پرچار تھا پالی ٹیکس پر لیکچر نہ تھا
خانہ جنگی میں پھنسا تو ہو گیا کچھ کشت و خوں
کثرتِ بافور سے ورنہ فضا تھی پرسکوں

ہوٹ زر زپلن کی پہلے تو تجھے حاجت نہ تھی　　چاند ماری اور قواعد کی کہیں شدّت نہ تھی
عیش و عشرت سے بسر ہوتی تھی یوں محنت نہ تھی　　کارخانوں اور مشینوں کی کبھی کثرت نہ تھی
تار برقی اور ٹیلی فون سب بے کار تھے
نامہ بر تیرے یہاں اکثر شتر اسوار تھے

یاد آیا ہے وہ مُلّایانِ مکتب بے شمار　　اور وہ شاگردانِ فرعونی قطار اندر قطار
قولِ مُلّا اُسجُدُوا لِی قبلہ آم اے نابکار　　اور سچے کی بات شاگردوں کا کہنا بار بار
"واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند"
"چوں بہ خلوت می روند آں کارِ دیگر می کنند"

اس طرح قعرِ ذلت سے نکلتا ہے کوئی　　یوں ترقی کی طرف تیزی سے چلتا ہے کوئی
دیکھ تجھ پر دور ہی سے ہاتھ ملتا ہے کوئی　　حرکتیں یہ دیکھتا ہے اور جلتا ہے کوئی
دست بوسی کرنے والے کس طرف سر ہو گئے
ایک دم نظروں سے غائب حوض اور کُرّہ ہو گئے

تو تو کافر ہو گیا اور ہم ابھی دیں دار ہیں   یہ عنایت کم نہیں تجھ پر کہ ہم غم خوار ہیں
تجھ کو پھر ویسا بنا سکتے نہیں ناچار ہیں   اس لیئے خود ملک و ملت کے لیئے ہم بار ہیں

خوف ہے ایسا نہ ہو تیری ترقی دیکھ کر
شیعیانِ ہند کے دل پر بھی ہو جائے اثر

غور کر تقلید کا ہے اک پہاڑ اس تل کی اوٹ   ہم یہاں سے بیٹھے بیٹھے تجھ پہ جو کرتے ہیں چوٹ
پڑ گئی تیری ترقی سے ہمارے دل میں کھوٹ   پاس کرتے ہیں اسی سے تجھ پہ ہم نفرت کی ووٹ

قوم کو افسانے کہہ کہہ کر سلا دیتے ہیں ہم
تیرے ماتم دار شیعوں کو رُلا دیتے ہیں ہم

جوش وقتی شیعیانِ ہند میں ہے اس قدر   دوڑ پڑتے ہیں یہ پہلے ہی سے ہر آواز پر
شیعہ کالج کی ذرا تاریخ پر کیجیے نظر   جلسۂ موتی محل کچھ یاد ہے المختصر

جس میں دنیا دار اور دیں دار تھے دونوں شریک
اب اُسی کالج کو مانگے سے نہیں ملتی ہے بھیک

کامل الایمان اِن کے ساتھ مُدت تک رہے   وعظ فرمایا کیئے تائید میں فتوے دیئے
بعد اس کے خود بخود اپنے مشاغل میں پھنسے   اپنی اپنی مسجدیں تعمیر کیں اور ہٹ گئے

عالمانِ دین کی توہین کیا کرتا تھا وہ ؟
کُفر اور الحاد کی تلقین کیا کرتا تھا وہ ؟

کیا سبب تھا خود بخود اس سے خفا کیوں ہو گئے   آخر اُس کی سرپرستی سے جُدا کیوں ہو گئے
قبلِ تلقیں آہ غائب راہنما کیوں ہو گئے   کربلا میں دے کے مٹی سب ہوا کیوں ہو گئے

شیعیت کے ناخدا منھ اپنا اپنا موڑ کے
بھاگے دریا پار خشکی میں سفینہ چھوڑ کے

بات یہ ہے اُس کی شرکت میں وجاہت کچھ نہ تھی
سب پڑھے لکھے وہاں پر تھے جہالت کچھ نہ تھی

اُن کو آمنّا و صدقنا کی عادت کچھ نہ تھی
مغربی تعلیم تو تھی آدمیت کچھ نہ تھی

اُس کی آمد سے کبھی خمس و زکوٰۃ آیا نہیں
کوئی طالب علم فطرہ تک کبھی لایا نہیں

معتمد اغیار سے رکھتا تھا خفیہ سازباز
ہو گیا تھا وہ قیادت سے سبھوں کی بے نیاز

ماسٹر پڑھتے نہ تھے آکر جماعت میں نماز
مختصر تو یہ ہے باقی اور ہیں شکوے دراز

سب نے سرا یا تو دستِ معتمد میں رکھ دیا
ایک لاوارث کا مردہ تھا لحد میں رکھ دیا

آخری کام کرنا زیب دیتا ہے اُسے
فکرِ دنیا سے خدا جس شخص کو فارغ کرے

استقامت اور وجاہت اُس کو قدرت سے ملے
جو قدم بڑھ جائے آگے پھر نہ وہ پیچھے ہٹے

جب اُٹھا تھا کام کرنے ہر طرف طوفان تھا
یاد تو ہوگا کہ سرسیّد بھی اک انسان تھا

کتنے عالم ساتھ تھے اور کتنے دینی مقتدا
کس نے اُس کے عزم کی تائید میں فتویٰ دیا

زہر کس کس نے نہ اُگلا گالیاں دیں برملا
کہئے اُس نے بھی کبھی توہین کا دعویٰ کیا

قوم کے حق میں جو کرنا تھا اُسے وہ کر گیا
کالج اس کا اب ہے یونیورسٹی وہ مر گیا

کچھ نہیں میل اور لڑائی میں بہانہ بازیاں
سب شتر غمزے ہیں خالی اور حیلہ سازیاں

محض شخصیت جتانے کے لئے طنّازیاں
صاف گویوں پر فقط لفظی کلوخ اندازیاں

خوف کیا اس کو جو ہو اصلاح میں سینہ سپر
اور ابھرے گی صدائے حق دباؤ جس قدر

ٹھنڈے دل سے پی گیا سقراط پیالہ زہر کا — حضرتِ عیسیٰؑ نے سچ کہنے کی کیا پائی سزا؟
شاہدِ عادل ہیں اس کے واقعاتِ کربلا — تھی خطا اتنی کہ سچا تھا غریبِ نینوا؟

سچ کی تلخی قوم کو اُس وقت بھی تھی ناگوار
قتل کر ڈالا گیا فرزندِ شاہِ ذوالفقار

کوفیوں کے پاس دو اخبار بھی ہوتے اگر — قتل کا الزام رکھ دیتے شہیدوں ہی کے سر
کوفی و شامی اڈیٹریوں پئے تحصیلِ زر — سُرخیاں لکھتے کہ چھپتا خونِ ناحق کا اثر

حال ہی کی طرح ہوتے با اثر ماضی کے ووٹ
پاس ہوتے مصلحِ اعظم پہ ناراضی کے ووٹ

بعض اخباری ڈکیتوں سے خدا سب کو بچائے — روٹیاں چلتی نہیں جن موذیوں کی بے لڑائے
بھیڑیے کی خاصیت کمزور کو جو پھاڑ کھائے — دیکھا طاقت ور تو ہٹ جاتے ہیں پیچھے دم دبائے

قوم کے گرگٹ ہیں ان کے رنگ کا کیا اعتبار
ہوشیار ان کاغذی بازی گروں سے ہوشیار

مشغلہ دلچسپ اِن کا برہمیِ اتحاد — کاغذی تلوار لے کر قوم سے کرنا جہاد
بکری پرچے کی بڑھ جائے جو برپا ہو فساد — وہ مقلد ہیں کہ جن سے کانپتا ہے اجتہاد

اصل تو یہ ہے اصولی ہیں نہ اخباری ہیں یہ
قومِ شیعہ کے لیئے ہیضے کی بیماری ہیں یہ

مفسدہ پردازیوں کی ہو کہاں تک روک تھام — گالیوں کا اور تبرّے کا اچھوتا اہتمام
رکھ دیا بے غیرتوں نے مجلسِ شوریٰ کے نام — اور یہ کینہ پروروں کے دل میں جوشِ انتقام

ایسے قومی دشمنوں پر کیا کوئی لعنت کرے
سچ تو یہ ہے بس کہ جھوٹوں پر خدا لعنت کرے

ختم کر بس ختم کر اے دل یہ قومی داستاں　　بے خبر ہیں سننے والے شیعۂ ہندوستاں
جس قدر چاہے جھنجھوڑ دان میں بیداری کہاں　　مبتلائے موت ہیں کہنے کو ہے خواب گراں

شرم آتی ہے ہمیں کہتے ہوئے اب جعفری
قبرِ جعفر کھد گئی ہم لوگ زندہ ہیں ابھی

اس نظم کے متعلق نوٹ آخر میں درج ہے ملاحظہ ہو

نظم نمبر ۱۸۱ — سنہ ۱۹۳۷ء — تعداد اشعار ۳۶

دہلی امامیہ ہال

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

کوثر آشاموں کا مجمع ہے نئی دہلی میں
کہ سُنے انجمن اثنا عشری کی روداد

ہے یہ تجویز بنے ایک امامیہ ہال
تا ضرورت پہ وہاں جمع ہوں قومی افراد

دے عزا خانے کا بھی کام یہ دارالشوریٰ
لوگ تا واقعۂ کرب وبلا رکھیں یاد

ایک مسجد بھی ہو تعمیر بقدرِ وسعت
راج دھانی میں کریں گھر کو خدا کے آباد

میں نہ واعظ ہوں نہ ناصح فقط اس قوم کی فرد
دل جلا شیعہ ہوں سُن لیجیے میری فریاد

قوم پستی میں ہے اور حوصلے اُس کے ہیں بلند
پاس پیسہ نہیں تجویز مگر بے تعداد

طلب الکل کا نتیجہ ہے فقط فوت الکل
یہ سبق ہائے مگر قوم کو رہتا نہیں یاد

کام کیا لے گی بھلا متحدہ قوت سے
قوم وہ جس میں کہ آپس ہی میں ہو بغض و عناد
دیکھیے منفرداً ایک کا اک شاکی ہے
قومیت سیٹوں میں باقی ہے فقط نام نہاد

اس کے ہر جزو کو دعویٰ ہے کہ میں ہوں اک قوم
میری تجویز پہ لازم ہے کہ سب کردیں صاد
قوم کے پاس نہیں جب کوئی تنظیمی فنڈ
کہیے پھر کون سُنے روز نرالی فریاد

اغنیا کتنے ہیں اور قوم کی حاجت کیا کیا
کچھ تناسب بھی ہے ان دونوں میں کیجے ارشاد
کتنے ہیں اس قسم کے افراد جو امداد کریں
انگلیوں پر ابھی گن لیجیے اُن کے اعداد

بعض ان میں بھی ہیں اس قسم کے اہلِ ثروت
جن کو دولت کی بدولت نہیں اللہ بھی یاد
روزہ فاقہ ہے نماز اُن کو اُٹھا بیٹھی ہے
سب سے پہلے وہی بھاگیں جو ملے حکمِ جہاد

ریس کے گھوڑوں کی فہرست تو از بر ہی انھیں
کتنے ہیں قرآن میں پارے یہ نہیں مطلق یاد
ماں کی آغوش سے اسکول نے جب گود لیا
ہسٹری جاگرفی پڑھ کے بڑھی استعداد

جب کہ انگلش کی گرامر پہ ہوا اُن کو عبُور
کھو گئے ایسے کہ اُردو نہ رہی مُطلق یاد

تجزیہ بیٹھ کے آپس میں کریں گے گٹ پٹ
جیسے فی الاصل یہ انگریز ہیں اک مادر زاد

مشرقی نسل سے خود اور زباں مغرب کی
کہیئے سمجھیں گے وہ کیا معنی لفظِ فریاد

کیا غرض اُن کو عزا خانے سے اور مسجد سے
سینما کھولیئے دل کھول کے دیں گے امداد

غور تو کیجئے جب آمدنی ہو محدُود
اور فیشن کے مصارف ہوں اندھا دھند زیاد

قومی کاموں میں بھلا لیں گے وہ کیوں دلچسپی
اپنے ہم جنسوں سے رکھتے ہوں جو نفرت کا مواد

اب رہے چند نفر قوم کے سچّے ہمدرد
کھینچ لائی ہے جنھیں آپ کی قومی فریاد

اِن میں موجود ہے اس قوم کی وہ بھی اک فرد
محترم صدر نشیں والیٔ محمود آباد

ایک ہمدردِ بنی نوع، مکمل اِنسان
قابلِ غور ہے فرماتے ہیں جو کچھ ارشاد

انفرادی کسی قوت پہ بھروسہ نہ کرو
جب کہ درکار ہو تم کو کوئی قومی امداد

تاکہ اسلام مساوات کا پابند رہے
غیر اقوام کی تقلید سے ہو کر آزاد
نام بے کار رہے کچھ کام کرو کام کرو
وقت کی قدر کرو اس کو نہ کرنا برباد

اپنے پیروں پہ کھڑے ہونے کی عادت ڈالو
رفتہ رفتہ نہ اپاہج ہو ہماری اولاد
یا علیؑ کہہ کے اگر ہاتھ لگا دیں سب لوگ
نصب ہو جائے عزاخانے کا سنگِ بنیاد

"وعدہ آسان ہے وعدے کی وفا مشکل ہے"
یاد رکھنے ہی کے قابل ہے یہ قولِ اُستاد
محض اس واسطے بدلی گئی یہ رسمِ کہن
نظر انداز نہ ہوں شیعوں کے مفلس افراد

صدقِ نیت ہو ہر اک کام میں معصوم کی طرح
اور آپس کا بُھلا دیجیے اب بغض و عناد
ہو حمیت تو مری قوم مکمّل کر دے
طفلِ نادار یہاں رکھے گا سنگِ بنیاد

اپنی جیبوں کی طرف اب متوجّہ ہو جیے
معذرت خواہ ہے دیوانہ ظریفِ ناشاد

نوٹ نئی دہلی کے اُس حلقے میں جہاں مختلف قوموں کو اپنی اپنی عبادت گاہوں کی تعمیر کے لیے

دہلی امپروومنٹ ٹرسٹ سے آراضیاں لی ہیں، وہاں شیعوں نے بھی امام باڑے اور مسجد کی ضرورت کے لیئے ایک اچھا خاصہ زمین کا ٹکڑا حاصل کیا ہے۔ اس آراضی پر عمارت جو تعمیر ہو رہی ہے اس کا نام امامیہ ہال رکھا گیا ہے۔ عالیجناب راجہ محمد امیر احمد خاں صاحب والی ریاست محمود آباد کے ہمراہ ظریف مرحوم بھی دہلی میں تھے جب اس عمارت کا سنگِ بنیاد رکھا گیا اور اسی موقع کے لیئے یہ نظم کہی گئی تھی۔ (صفی عفی عنہٗ)
